اکابر علماء دیوبند کی تواضع وانکساری اور شان عبدیت و فنائیت کے بصیرت افروز واقعات کا حسین گلدستہ
ایک ایسی کتاب جس کا مطالعہ آپ کی زندگی کی کایا پلٹ سکتا ہے

اکابر کا مقامِ تواضع



تحریر
مولانا محمد (صادق آبادی)
استاذ مدرسہ عربیہ رحیم آباد

مقدمہ
حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب مدظلہ

ادارہ اسلامیات

اکابر علماء دیوبند کی تواضع و انکساری اور شان عبدیت و فنائیت کے بصیرت افروز واقعات کا حسین گلدستہ
ایک ایسی کتاب جس کا مطالعہ آپ کی زندگی کی کایا پلٹ سکتا ہے

اکابر کا مقامِ تواضع

تحریر
مولانا محمد (صادق آبادی)
استاذ مدرسہ عربیہ رحیم آباد

مقدمہ
حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب مدظلہم

ادارہ اسلامیات
کراچی ـــ لاہور

تاریخ اشاعت پہلی بار: شعبان المعظم ۱۴۲۷ اگست 2006

باہتمام۔ اشرف برادران سلمہم الرحمان

ادارہ اسلامیات کراچی ۔ لاہور

پبلشرز ۔ بک سیلرز ۔ ایکسپورٹرز

موہن روڈ، چوک اُردو بازار، کراچی ـــــ فون: ۲۷۲۲۴۰۱

۱۹۰ انارکلی، لاہور، پاکستان ـــــ فون: ۷۲۴۳۹۹۱ ۷۳۵۳۲۵۵

دینا ناتھ مینشن مال روڈ، لاہور ـــــ فون: ۷۳۲۴۴۱۲، فیکس: ۷۳۲۴۷۸۵ ۴۲ ۹۲

E mail:islamiat@lcci.org.pk —— idara@brain.net.pk

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف	ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم	جامعہ دارالعلوم کراچی، نمبر ۱۴
دارالاشاعت:	ایم، اے، جناح روڈ کراچی
بیت القرآن:	اردو بازار کراچی
بیت الکتب:	نزد اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
بیت العلوم:	۲۰ نابھہ روڈ لاہور
ادارہ تالیفات اشرفیہ:	بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر
ادارہ تالیفات اشرفیہ:	جامع مسجد تھانیوالی ہارون آباد بہاولنگر

تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم العالی

استاذ الحدیث و نائب مفتی جامعہ دار العلوم کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله وكفى والصلاة والسلام على عباده الذين اصطفى خصوصاً على سيدنا محمدن المصطفى

و على آله واصحابه وازواجه وعلى كل من تبعهم بالهدى و التقى

اما بعد: قرآن مجید سے یہ بات واضح ہے کہ رب العزت اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نافرمانی کا پہلا گناہ شیطان نے کیا۔ اور اسکی بنیاد تکبر پر تھی۔ ابى واستكبر وكان من الكفرين۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ شخص جنت میں نہ جائیگا جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا۔

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ غصہ، ظلم وتشدد، بغض وحسد، ریاء، حب جاہ، اکثر اخلاقی باطنی بیماریاں اور عیوب تکبر ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور اس کی وجہ سے انسان کے نیک اعمال بھی هباءً منثورا ہونے کا قوی احتمال رہتا ہے۔ لیکن اگر کسی طرح تکبر اور عجب کی رگوں کو اپنے نفس کی گہرائیوں سے کھینچ کر نکال دیا جائے اور اخلاص، تواضع لوجہ اللہ اور عبدیت کے کمالات حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرلیا جائے تو پھر مسلمان کے لئے اطاعت خداوندی اور تقرب عند اللہ کے راستے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس کی تھوڑی سی دینی خدمت بھی حق سبحانہ وتعالیٰ کے یہاں باوزن اور مقبول ہوتی ہے اور اور دنیا میں بھی اس کے دور رس اور گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لیے اس کے دل میں تکبر کا داعیہ طبعی طور پر موجود ہوتا ہے۔ اس کی بناء پر وہ اپنے کمالات پر نظر رکھتا ہے۔ اور دوسروں پر اپنے آپ کو افضل جان کر تکبر ورنہ کم از کم عجب میں ضرور مبتلا ہوتا ہے۔ مگر وہ یہ بھول جاتا ہے کہ یہ کمالات میرے ذاتی نہیں بلکہ حق تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اور وہ کسی بھی وقت یہ

کمالات واپس لینے پر قادر ہے۔ انسان حاصل شدہ نعمتوں کو دیکھتا ہے اور ان پر فخر کرتا ہے مگر وہ یہ بھول جاتا ہے کہ یہ نعمتیں منعم حقیقی نے عطا فرمائی ہیں۔ اور وہ معطی حقیقی ان نعمتوں کو واپس لینے پر ہر طرح قادر ہے واضح رہے کہ تکبر اور عجب کا یہ داعیہ انسان کے اقوال، افعال اور اس کے اعمال میں طرح طرح کی شکلوں سے ظاہر ہوتا ہے اور عام آدمی کے لیے بسا اوقات یہ پہچاننا بھی مشکل ہوتا ہے کہ یہ اقوال، افعال اور اعمال تکبر کی پیداوار ہیں ہاں طبیب حاذق اس کو جانتا اور پہچانتا ہے نیز اگر اس داعیہ پر قابو رکھا جائے اور اس پر توجہ نہ دی جائے تو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ بیماری بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور پھر بعض اوقات اس بیماری کے علاج میں کئی برس لگ جاتے ہیں اور پھر بھی اس کی جڑیں اندر باقی رہتی ہیں۔ اس لئے حضرات علماء کرام رحمہم اللہ نے تکبر اور عجب کی مذمت، اس کے دوررس دینوی واخروی نقصانات اور تواضع وعبدیت کی تعریف اور دنیا وآخرت میں اس کے بہترین فوائد ومنافع پر قرآن کریم کی آیات واحادیث شریفہ کا بڑا علمی ذخیرہ تحریر کیا ہے۔ مگر اسکی عملی تطبیق اور عملی زندگی میں اس کے نفاذ کا کام بہر حال صوفیاء کرام رحمہم اللہ ہی کا منصب ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس بیماری اور اس کے اثرات کو روح انسان سے کس طرح نکالا جائیگا اور حقیقی تواضع وعبدیت کو انسانی زندگی میں نافذ کرنے کا کیا طریقہ ممکن ہے۔

علماء کرام رحمہم اللہ کی محنت اور علمی تحقیق اور صوفیاء کرام رحمہم اللہ کی انسانی عملی زندگی میں تنفیذ اور عملی تطبیق سے دین علماً وعملاً مکمل ہوتا ہے۔ اور مسلمان اشخاص اور اجتماعی اسلامی معاشرہ علمی وعملی طور پر دنیا کے انسانوں کے لیے اسوہ حسنہ اور مثالی نمونہ بنتے ہیں۔ اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ کو اللہ تعالی نے اس دور میں علم وعمل کی ہر جامعیت عطا فرمائی تھی اور ان کے واقعات میں اسلامی احکام واصول کی عملی تطبیق کھلی آنکھوں نظر آتی ہے اور ان کی زندگی اس پر شاہد ہے۔

اللہ تعالی عزیز گرامی مولانا محمد سلمہ کو جزاء خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے گزشتہ دور کے اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ کی تواضع وعبدیت کے یہ خوبصورت دلنشین واقعات اس مجموعہ

میں مرتب کر دیئے ہیں جو سلسلۃ الذہب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور جن کے مطالعہ سے انسانی سیرت خوب سے خوب تر بلکہ اسوہ حسنہ اور مثالی نمونہ بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں اس محنت پر اجر عظیم عطا کریں اور اس مجموعہ کو قارئین کے علم و عمل کے لیے بہت ہی نافع اور مفید بنا دیں۔ آمین

احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ

خادم الطلبہ جامعہ دار العلوم کراچی

۱۴۲۶۔۷۔۲۴

مقدمہ

حضرت اقدس **مفتی محمد ابراہیم صاحب** (صادق آبادی) دامت برکاتھم۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اور مقرب بندوں کو جن گونا گوں اوصاف وکمالات سے نوازا ہے ان میں ایک نمایاں وصف تواضع فنائیت اور خود شکنی کی ہے۔ یہ وہ پاکیزہ وصف ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے پاکباز اور چنیدہ بندوں کو نوازتے ہیں، چنانچہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام، حضرات صحابہ اور سلف صالحین کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو ان کا ممتاز اور منفرد وصف ''تواضع'' ہی نظر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یوں تو قرآن مجید میں اپنے محبوب ﷺ کو مختلف القاب واوصاف سے یاد فرمایا ہے لیکن جس لقب کو قرآن مجید نے دس ۱۰ بار دھرایا ہے وہ ہے ''عبد'' کا لقب۔

آپ ﷺ کی حیاۃ طیبہ پر ایک اچٹتی سی نگاہ بھی ڈالی جائے تو پوری زندگی عبدیت، تواضع اور عجز وانکسار سے عبارت نظر آتی ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

(۱) آپ ﷺ (بلا حائل) زمین پر بیٹھ جاتے، زمین پر ہی کھانا تناول فرماتے، بکری کو تھام (کر اس کا دودھ دوہ) لیتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرمالیتے اور ارشاد فرماتے ''اگر مجھے ایک دست گوشت کی طرف دعوت دی جائے تو اسے بھی قبول کرلوں گا اور اگر بکری کا ایک پایہ ھدیہ کیا جائے تو وہ بھی قبول کرلوں گا''۔ (شرح السنۃ بغوی)

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گدھے کی سواری فرماتے، جنازہ میں شرکت فرماتے، غلام کی دعوت بھی قبول فرمالیتے۔ غزوہ بنوقریظہ کے موقع پر آپ ﷺ جس گدھے پر سوار تھے اس کی لگام کھجور کی پوست سے بنی رسی کی تھی اور جس خوگیر (پالان) پر سوار تھے اس میں بھی کھجور کی پوست بھری تھی (ترمذی۔ ابن ماجہ)

(۳) ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہ نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام تقسیم فرمالیا۔ ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھال نکالنا، کسی نے پکانا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ پکانے کے لئے لکڑی اکٹھی کرنا میرے ذمہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کام ہم خود کرلیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کو بخوشی کرلو گے، لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں مجمع میں ممتاز ہوں اور اللہ جل جلالہ بھی اس کو پسند نہیں فرماتے۔

(۴) آپ ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ بکری کی کھال اتار رہے ہیں، ان سے ارشاد فرمایا: تمہیں کھال اتارنے کا صحیح طریقہ نہیں آرہا ایک طرف ہو جاؤ، میں تمہیں بتاتا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک کھال اور گوشت کے درمیان داخل فرمایا حتیٰ کہ بغل تک پورا ہاتھ گھس گیا، پھر ارشاد فرمایا ''جوان! اسطرح کھال اتارو''۔ (ابوداود۔ ابن ماجہ)

(۵) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: رسول اللہ ﷺ بھی انسانوں میں ایک انسان تھے، اپنے کپڑے میں خود جوں تلاش کر لیتے (کہ کسی دوسرے کے کپڑوں سے نہ آگئی ہو)، بکری کا دودھ دوہ لیتے، اپنا کپڑا سی لیتے، اپنا کام خود کرتے، اپنا جوتا ٹانکتے اور وہ تمام کام انجام دیتے جو مرد اپنے گھروں میں انجام دیتے ہیں اور گھر والوں کی خدمت کرتے، جب موء ذن کی آواز سنتے تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔ (احمد۔ ترمذی)

(۶) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی کوئی سی لونڈی آتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیتی آپ ﷺ ہاتھ نہ کھینچتے حتیٰ کہ وہ مدینہ کے جس گلی کوچے میں چاہتی آپ ﷺ کو اپنی ضرورت کے لئے لے جاتی۔ (ابن ابی شیبہ)

(۷) ایک شخص آپ ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے ھیبت کے مارے کانپنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' گھبراؤ مت! میں کوئی بادشاہ نہیں، میں تو قریش کی ایک عورت کا

بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی۔ (ابن ماجہ)

(۸) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری جان آپ پر فدا ہو، ٹیک لگا کر کھانا کھایئے اس میں آپ ﷺ کو زیادہ سہولت رہے گی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (نہیں بلکہ) میں ایسے کھانا کھاتا ہوں جیسے بندے کھاتے ہیں اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے بندے بیٹھتے ہیں۔ (ابن سعد)

(۹) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نظر میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہ تھا لیکن اس کے باوجود وہ حضرات آپ ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ عمل آپ ﷺ کو طبعاً ناگوار ہے۔ (ترمذی)

(۱۰) آپ ﷺ خود تو سراپا تواضع تھے ہی، دوسروں کی زبان سے بھی ایسی تعریف و توصیف سننا گوارا نہ فرماتے جس میں افراط یا مبالغہ آرائی کا شائبہ ہوتا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ''میری تعریف میں حد سے نہ بڑھو جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی حد سے بڑھ کر تعریف کی (اور انہیں خدا کا بیٹا قرار دیا) میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، لہٰذا تم بھی مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو''۔ (بخاری، مسلم) تلك عشرة كاملة۔

یہ آپ ﷺ کی شانِ تواضع کی ایک ہلکی سی جھلک تھی، تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اور آپ ﷺ کا یہ عمل درحقیقت تفسیر ہے آپ ﷺ کے اس فرمان کی ماتواضع احد لله الارفعه الله (مسلم) ''جو اللہ کے لئے تواضع کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بلند کریں گے''۔

اس ارشادِ نبوت کی صداقت کا مشاہدہ ہر انسان ہر جگہ کر سکتا ہے کہ جو اللہ کے بندے اللہ کی خاطر اپنے تئیں مٹا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں ان کی محبت و عظمت کا سکہ بٹھا دیتے ہیں اور رفعت و عظمت کی ان بلندیوں سے سرفراز فرماتے ہیں جن پر سلاطین کو رشک آئے منکسر المزاج اور فروتن انسان کو لوگ عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دل کی گہرائیوں سے اس کی تعظیم کرتے ہیں، جبکہ متکبر و مغرور انسان کو سب بے قدر

اور حقیر جانتے ہیں، کسی دانا نے کتنی اچھی مثال دی کہ متکبر اس شخص کی مانند ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہے۔ جب وہ نیچے نگاہ ڈالتا ہے تو سب چیزیں اسے حقیر اور چھوٹی چھوٹی نظر آتی ہیں لیکن نادان یہ نہیں سوچتا کہ نیچے سے دیکھنے والوں کو وہ خود بھی حقیر اور چھوٹا دکھتا ہے۔
آج مسلمان معاشرے میں تکبر و تعلّی کی بیماری عام ہے، عوام ہوں یا خواص، علماء ہوں یا جہلاء ہر طبقے میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہے، جبکہ یہ ایک ایسا مہلک مرض ہے جو مسلمان کے ایمان واعمال اور باطن کے لئے زہر ہلاہل سے کم نہیں۔ ابلیس کو ابلیس بنانے والا گناہ بھی تکبر ہی ہے۔

صوفیہ کرام کے بقول تمام امراض باطنہ کی جڑ عجب اور کبر ہے، نیز سالک کے دل سے سب سے آخر میں نکلنے والی بیماری بھی یہی ہے، اس مرض سے نجات حاصل کئے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی ممکن نہیں۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

''سب سے بڑی مانع چیز خدا کے دربار میں رسائی سے اور مقبول ہونے سے کبر ہے، اور اس وقت الا ماشاء اللہ عام ابتلاء ہو رہا ہے، حتیٰ کہ اہل علم بھی اس مرض میں مبتلا ہیں اور عوام سے زیادہ مضر اہل علم کا ابتلاء ہے، اس لئے کہ جب پیشوا ہی گم کردہ راہ ہوں تو ھدایت کی بظاہر کوئی صورت ہی نہیں''۔ (فیض حسن واشرف ص ۱۳۶)

آپ ہی کا ارشاد ہے:

''اپنے آپ کو مٹانا جس کو ''تواضع'' کہتے ہیں بڑے کام کی اور نفع کی چیز ہے۔ یہ مٹانا وہ چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے واسطے بندگان خدا نے سلطنتیں چھوڑ دیں، دنیا بھر کی پروانہ کی، کوئی بات تو تھی جس کی بدولت دنیا بھر سے اس کو ترجیح دیتے تھے''۔

(ایضاً ص ۱۳۰)

حصول تواضع کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اہل اللہ کے پاکیزہ حالات وواقعات کا مطالعہ کیا

جائے بالخصوص ان کی تواضع ومسکنت اور عجز و انکسار کے واقعات کثرت سے پڑھے جائیں۔ان واقعات میں اللہ تعالی نے جو کیمیائی تاثیر رکھی ہے وہ محتاج بیان نہیں،عیاں راچہ بیاں۔

اس حقیقت سے کسی دشمن کو بھی مجال انکار نہیں کہ اکابر علماء دیو بند کی زندگیاں سنت نبوی اور سیرت سلف کا کامل نمونہ ہیں۔یہ حضرات علم وفضل میں شہرہ آفاق ہونے کے باوجود اپنی نجی اور ذاتی زندگیوں میں زھد وتقوی،تواضع وفنائیت اور بے نفسی کے بھی پیکر تھے۔اس شان جامعیت میں وہ اپنی نظیر آپ تھے۔حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی یہ شہادت مبنی بر حقیقت ہے:

اپنے حضرات اکابر کے خلوص،تواضع اور بے ساختگی کے واقعات بیان کر کے فرمایا کہ''ان واقعات کے کوئی نظائر پیش نہیں کرسکتا،گواور حضرات وسعت علم اور مجاھدۂ عمل میں ان سے بڑھے ہوئے ہوں،چنانچہ انکے زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے لیکن جو للّٰہیت اور خلوص ان حضرات میں دیکھا کسی اور میں نہ دیکھا۔پس یہ جو مشہور شعر ہے ان پر صادق آتا ہے ؎

اگرچہ شیخ نے ڈاڑھی بڑھائی سن کی سی مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

لوگ کرامتوں کو ڈھونڈتے ہیں،میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کے واقعات کو دیکھیں کہ ہر واقعہ ایک مستقل کرامت ہے اور پھر بڑا کمال یہ تھا کہ اپنے کمالات کو ہمیشہ چھپایا،ظاہر نہیں ہونے دیا''۔پھر فرمایا:میں طالب علمی کے ختم تک اس خیال میں رہا کہ دنیا بھر کے علماء اسی شان کے ہوتے ہونگے لیکن جب باھر نکلا تو دیکھا کہ اور کسی جگہ یہ رنگ ہی نہیں۔اس وقت اپنے حضرات اساتذہ کی قدر ہوئی کہ اللہ اکبر!یہ حضرات اپنی کہیں نظیر نہیں رکھتے''۔

(ایضاً ص ۱۴۵)

ان صاحب دل خاصانِ خدا کے واقعات میں جو مقناطیسی کشش اور جادو کی تاثیر ہے اس کا اندازہ پڑھنے والے بخوبی کر سکتے ہیں۔سنگ دل سے سنگ دل انسان بھی مطالعہ کے بعد اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ضرورت تھی کہ ان بکھرے موتیوں کو یکجا کر کے ہر شخص کے لئے استفادہ کی راہ آسان کی جائے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے

برخوردار عزیز مفتی محمد صاحب (صادق آبادی) کو جنہوں نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا، پہلے ہزاروں صفحات کا مطالعہ کیا، پھر ان سے اکابر کی تواضع اور ان کی فنائیت وعبدیت کے واقعات کا انتخاب کر کے ''اکابر کا مقام تواضع'' کے نام سے ایک حسین گلدستہ تیار کیا جس میں ایک سودس علماء دیوبند کے واقعات جمع کئے گئے ہیں۔

کتاب اتنی دلچسپ، دل آویز اور دلربا ہے کہ ایک بار شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، اس میں واقعات کی تاثیر و جاذبیت اور ان بزرگان دین کی روحانی کشش کے علاوہ عزیز مؤلف کے جہد و اخلاص کا بھی دخل ہے۔

اپنی نوعیت کی یہ منفرد اور جامع کتاب جہاں اکابر کے واقعات کا دائرۃ المعارف ہے وہاں اردو کے ذخیرۂ علم وادب میں بھی ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ آنعزیز نے اس کی جمع وترتیب میں جو شبانہ روز محنت ومشقت اٹھائی وہ انہیں کا حصہ ہے۔ تقبل الله منه کتاب یوں تو ہر پڑھے لکھے مسلمان کے لئے نہایت مفید اور سبق آموز ہے لیکن میری درخواست ہے کہ علماء، طلبہ مدرسین اور وہ حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ نے دینی مقتدا و پیشوا ہونے کا شرف بخشا ہے اس کا ایک بار ضرور مطالعہ فرمائیں۔

آخر میں قارئین سے التجاء ہے کہ مؤلف سلمہ اللہ تعالیٰ کے لیے دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اور عمر عزیز میں برکت دیں۔ اور تادم آخر دینی خدمات میں مشغول رکھیں۔

وصل اللهم وبارك وسلم على عبدك ورسولك محمد وعلى اله وصحبه اجمعين.

محمد ابراہیم

دارالافتاء، جامع مسجد فاروق اعظم صادق آباد۔

۲۷/۳/۹

فہرست کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''تواضع وفنائیت''

اکابر علماء دیوبند کا ایک ممتاز وصف

اللہ تعالی کے فضل وکرم، بزرگوں کی دعاؤں اور والد محترم حضرت اقدس مفتی محمد ابراھیم صاحب صادق آبادی مدظلہم العالی کی حسنِ تربیت کے طفیل الحمد للہ بندہ کو اکابر علماءِ دیوبند کے مبارک سیر وسوانح اور انکے پاکیزہ حالات سے عشق کی حد تک شغف ہے۔ فارغ اوقات میں انکے تذکروں پر مشتمل کتب کا مطالعہ میرا دلچسپ ترین مشغلہ ہے۔

نقشبندی سلسلہ کے معروف بزرگ حضرت پیر جی مولانا محمد ادریس انصاری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اکابر کے حالات پڑھنے سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں:

(۱) اپنے اعمال پر نظر نہیں رہتی، یہ سوچ کر کہ ان حضرات نے تو بہت کچھ کیا میں ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں کر رہا۔

(۲) بزرگوں کے حالات پڑھ کر عمل کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

ان کی یادوں میں گلوں کی خوشبو کے مصداق اس میں جو لطف اور سکون نصیب ہوتا ہے وہ اس پر مستزاد۔

علامہ زمخشری رحمہ اللہ کے اشعار آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں:

سَهَرِیُ لِتَنْقِیحِ العلوم اَلَذُّ لِیُ

مِنُ وَصُلِ غَانِیَةٍ وَ طِیُبِ عِنَاقِ

''علم ومطالعہ کے لیے میرا راتوں کو جاگنا خوبصورت دوشیزہ کے وصل وملاقات سے میرے لیے زیادہ لذیذ ہے''

وتمایُلِی طَرَباً لِحَلِّ عَوِیُصَةٍ

أشهی وأحُلی مِنُ مُدامةِ سَاقِ

''اور کسی مشکل مسئلہ کے حل ہوتے وقت میرا جھومنا مجھے ساقی کے جام وشراب سے زیادہ محبوب ہے''

وصريرُ أقلامِیْ علی أوراقها
أحلی منَ الدَّوْكاء والعشاق

''کاغذ کے اوراق پر میرے قلم چلنے کی آواز مجھے عشق ومحبت سے زیادہ پسند ہے''

وألَذ منْ نَقرِ الفتاة لِدفّها
نقْریْ لالقی الرّمْل عن أوْراقیْ

''نوخیز لڑکی کے دف بجانے کی کھنک سے مجھے اپنی کتابوں کے اوراق سے غبار جھاڑنے کی آواز زیادہ خوبصورت لگتی ہے'' (مقدمۃ الفائق ،ص ۹،۸)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ کی زندگی انتہائی مصروف زندگی تھی ،لیکن جب کبھی آپ کو فراغت کے چند لمحات میسر آتے تو آپ اکابر علماء دیو بند کا تذکرہ چھیڑ دیتے اور بڑے والہانہ انداز میں دیر تک انکے پاکیزہ واقعات سنا کر حاضرین کو محظوظ فرماتے۔

؎ ذکر ان کا چھیڑ کر دیکھے کوئی اے عارفی بے خودی کیا چیز ہے وارفتگی ہوتی ہے کیا

اور آخر میں بڑی حسرت کے ساتھ یہ مصراع پڑھتے

؎ ایک محفل تھی فرشتوں کی جو برخاست ہوئی

آہ! یہ قدسی صفات انسان اب ڈھونڈے سے بھی کہاں ملتے ہیں

؎ بھیڑ میں دنیا کی جانے وہ کہاں گم ہو گئے کچھ فرشتے بھی رہا کرتے تھے انسانوں میں

امام العصر حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد لاہور میں تعزیتی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم نے اپنے اس مشہور شعر سے تاثرات کا اظہار شروع کیا۔

؎ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پھر کہا کہ اسلام کی آخری پانچ سو سالہ تاریخ علامہ انور شاہ کشمیری کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے ایسا بلند پایہ عالم اور فاضل جلیل اب پیدا نہ ہوگا۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں — تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
شاذ ہی دیکھو گے ان جیسے فقیروں کی طرح — خاک میں بھی جو چمکتے ہیں ہیروں کی طرح

تواضع وفنائیت کے حسین پیکر: اکابر علماء دیوبند کی تاریخ پڑھنے سے ان کی کتاب زندگی کا سب سے حسین ورق اور تابناک پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ علم وفضل کے سمندر سینے میں جذب کر لینے کے باوجود ان کی تواضع وفنائیت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ یہ محاورہ زبان زد عام ہے کہ پھلوں سے لدی ہوئی شاخ ہمیشہ جھکی رہتی ہے لیکن ہمارے زمانے میں اس محاورے کا عملی مظاہرہ جتنا اکابر دیوبند کی زندگی میں نظر آتا ہے اور کہیں نہیں ملتا۔ یہی ان کی زندگی کا سب سے بڑا وصف اور انکی شخصیت کا زریں عنوان ہے۔

بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس دہلوی صاحب رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا مشایخ کی دو خصوصیتیں ایسی ہیں جو انہی کا حصہ ہیں ایک تو عشق ومحبت اور دوسری جذب وفنائیت۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

مکہ مکرمہ میں ایک رومی بزرگ خلیل پاشا نامی تھے پہلے ترکی سلطنت کی طرف سے ینبوع کے گورنر رہے اور پھر عہدہ چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی ان کی درویشی کا بھی ایک خاص واقعہ یہ ہے کہ انکے والد بڑے بزرگ اور کامل شیخ تھے، مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوتے تھے، ایک روز حضرت حاجی صاحب سے شکایت کی کہ میرا بیٹا دنیا دار ہو گیا ہے، حضرت نے فرمایا کہ غم نہ کرو وہ بھی آپ جیسا ہی ہو جائے گا۔ چنانچہ تھوڑے عرصے میں خود بخود ان کا دل دنیا سے اٹھ گیا گورنری چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ میری ان سے

کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم خلیل پاشا سے کیوں نہیں ملے؟ میں نے کہا کہ حضرت حاجی صاحب کے ہوتے ہوئے میں نے کسی بزرگ سے ملنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہ مثال بھی خواب ہی میں بیان کی کہ مقصود بیت اللہ کے پاس حاضری ہے جو شخص ایک راستے سے وہاں پہنچ جائے اس کے ذمے نہیں کہ پھر لوٹ کر جائے اور دوسرے راستے سے پہنچے ۔وہ بزرگ خاموش ہو گئے۔ صبح کو میں نے وہ خواب حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالی کی خدمت میں پیش کیا تو فرمایا کہ ان کی زیارت ضرور کرو۔ میں نے کہا اب حضرت کے حکم سے ضرور جاؤنگا۔ چنانچہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خلیل پاشا صاحب نے فرمایا کہ میں تین زبانیں جانتا ہوں ۔ترکی ۔عربی اور فارسی ۔اب میں آپ سے کس زبان میں بات کروں؟ میں نے عرض کیا کہ میں ترکی زبان کو نہ تو سمجھ سکتا ہوں اور نہ بول سکتا ہوں ۔عربی کو سمجھ لیتا ہوں بولنے کی عادت نہیں ۔ فارسی کو سمجھ بھی لیتا ہوں اور بول بھی سکتا ہوں انہوں نے بڑی بشاشت کے ساتھ فارسی میں گفتگو فرمائی ۔ بہت سی باتیں ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی ۔خلیل پاشا صاحب نے فرمایا میں عرب وعجم کے بہت سے علماء سے ملا ہوں مگر ہندوستان کے علماء سے بہتر علماء کہیں نہیں پائے۔

میں نے پوچھا آپ نے ان میں کونسا وصف پایا ہے؟ فرمایا کہ وہ محب دنیا نہیں اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت میں لگے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس ملفوظ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بس حقیقت یہ ہے کہ یہ بات ہمارے اکابر دارالعلوم کے طبقے میں مخصوص تھی، جو دنیا کے علماء اور درویشوں میں سب سے زیادہ امتیاز اللہ تعالی نے عطا فرمایا تھا وہ یہ کہ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو فنا کر دینا اور کچھ نہ سمجھنا اور دنیا کی محبت چھوڑ دینا اور خاص طور پر جاہ کی محبت چھوڑ دینا۔ اس لیے کہ مال کی محبت تو چھوڑ نا آسان ہے لیکن جاہ کی محبت چھوٹ جائے، آدمی کے دل میں اپنی بڑائی اور اس بڑائی کی محبت دل میں نہ رہے یہ چیز صرف

اپنے بزرگوں میں دیکھی یہ بات کہیں اور نظر نہیں آئی۔

ہمارے حضرت والا (حضرت تھانوی) رحمہ اللہ تعالی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب قدس اللہ سرہ کے متعلقین اور ان کے مریدین کو اللہ تعالی نے خصوصیت سے یہ چیز عطا فرمائی ہے یعنی فنا، اس لیے ان کے اندر حب جاہ نہیں ہوتا اور جس میں یہ چیز نہیں تو سمجھ لو کہ اس کا اس سلسلے سے تعلق یا تو صحیح نہیں ہے یا وہ تعلق بہت کمزور ہے اور جو اس سلسلہ سے صحیح طور پر وابستہ ہے اس کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ اس میں تکبر نہیں ہوگا، تعلی نہیں ہوگی، دعوی نہیں ہوگا۔

اپنے کو اونچا سمجھنے کا کہیں کوئی شائبہ نہیں ہوگا (مجالس مفتی اعظم، ص ۵۲۲، ۵۲۳)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ:

ایک ذاکر نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ میں نے طائف میں چلہ کیا اور سوا لاکھ اسم ذات روزانہ پڑھا مگر نفع نہیں ہوا معلوم ہوتا ہے حضرت ناراض ہیں، فرمایا کہ اگر میں ناراض ہوتا تو تم کو سوا لاکھ اسم ذات روزانہ کی توفیق ہی نہ ہوتی اور یہ بات جو حضرت نے فرمائی اس میں نقشبندیت کی ایک شان ہے کیونکہ نقشبندیہ میں ناز کی شان غالب ہے اور چشتیہ میں نیاز کی اور ہمارے حضرات مرکب ہیں چشتیت اور نقشبندیت دونوں سے، ان میں دونوں شانیں جمع ہیں مگر غلبہ اسی نیاز اور عشق ہی کو ہے جس کی حقیقت فنا ہے

(ملفوظات حکیم الامت ج ۲ ص۔ ۳۹۰)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالی کی پوری تعلیمات فنائیت و خود شکستگی سے لبریز ہیں حضرت فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت حاجی صاحب سے ایک ہی سبق پڑھا ہے اور وہ یہ کہ اپنے کو مٹا دو۔ چنانچہ اس سلسلہ کے تمام اکابر پر فنائیت کا غلبہ رہا ہے۔ ان حضرات نے خود کو ایسا مٹایا کہ ایک ظاہر بین نظر نہ پہچان سکی۔

انسان کا سب سے اعلی مقام بندگی ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ملفوظ ہے۔:

''اس طریق میں اول قدیم بھی پستی ہے اور آخر بھی پستی ہے۔ بغیر اس کے اوراد و وظائف کچھ بھی فائدہ مند نہیں''

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ''جس شخص کو داخل طریق ہو کر تواضع میسر نہیں ہوئی وہ بالکل محروم ہے جیسے ایک امیر کبیر کی لڑکی سے کسی نے شادی کی لیکن وہ رتقاء (بانجھ) تھی تو مقصود نکاح تو حاصل نہ ہوا، خاوند کی نظر میں دو کوڑی کی نہیں۔ اسی طرح بدوں تواضع داخل طریق ہونا بیکار ہے''

شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم فرماتے ہیں:

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں تو معاملہ عبدیت وفنائیت اور بندگی کا ہے، شکستگی اور عاجزی کا ہے۔ لہذا اپنے آپ کو جتنا مٹاؤ گے اور جتنا اپنی بندگی کا مظاہرہ کرو گے اتنا ہی انشاء اللہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو گے اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا یہ راستہ نہیں ہے کہ اپنے آپ کو زیادہ عقلمند اور ہوشیار جتائے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل تو اسی شخص پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے شکستگی اور بندگی کا مظاہرہ کرے)۔

ارے کہاں کی شان اور کہاں کی بڑائی جتاتے ہو۔ شان اور بڑائی اور خوشی کا موقع تو وہ ہے جب ہماری روح نکل رہی ہو اس وقت اللہ تعالیٰ یہ فرمادیں کہ

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ . ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً. فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ . وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ.

دیکھیے! اس آیت میں اس بندہ کی روح سے کہا جائے گا کہ میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا سب سے اعلیٰ مقام ''بندگی'' ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کبھی اپنا یہ خوبصورت شعر پڑھا کرتے تھے۔

؎ میں عارفی آوارۂ صحراءِ فنا ہوں   ایک عالم بے نام ونشاں میرے لئے ہے

یعنی اللہ تعالی نے مجھے فنائیت کے صحرا میں آوارگی عطا فرمائی ہے اور مجھے فنائیت کا درس عطا فرمایا۔ اللہ تعالی اپنی رحمت سے ہمیں بھی عطا فرمادے۔ آمین (اصلاحی خطبات، جلد۵، ص ۳۲)

اکابر علماء دیو بند اپنے ملفوظات کے آئینہ میں: اکابر علماء دیو بند تواضع و بے نفسی، عبدیت و فنائیت، پستی و فروتنی، عاجزی وانکساری، خاکساری و نیاز مندی، خود فراموشی وخود انکاری اور خود شکستگی وخود شکنی کے جس مقام بلند پر فائز تھے اس کی ایک واضح اور نمایاں جھلک ان کے چند ملفوظات وارشادات میں بآسانی دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ ارشادات جمع کیے جائیں تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔ یہاں "مشتے نمونہ ازخروارے" چند ارشادات نقل کیے جاتے ہیں:

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"آنے والے حضرات کے قدموں کی زیارت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں، کیونکہ میرا تو کسی دلیل سے بھی اچھا ہونا ثابت نہیں اور میرے پاس آنے والے اللہ کا نام لینے آتے ہیں یہ یقیناً اچھے ہیں"

بانی دارالعلوم دیو بند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے

"اگر دو حرف علم کی تہمت محمد قاسم کے نام پر نہ ہوتی تو دنیا کو پتہ بھی نہ چلتا کہ قاسم کہاں پیدا ہوا تھا اور کہاں مر گیا"

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اپنے ایک معتقد کو خط میں تحریر فرماتے ہیں:

آپ بوجہ حسن ظن کیا کچھ میرے ساتھ اعتقاد جمائے بیٹھے ہیں، الحق مجھ کو نہایت شرم ہے میرا حال قابل اسکے نہیں کہ کوئی مجھ سے اعتقاد کرے۔ مگر تمہارا حسن ظن اپنا وسیلہ آخرت جانتا ہوں انا عند ظن عبدی بی (میں اپنے بندہ کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں)۔ موجب طمانیت ہو رہی ہے۔ پس میرا پردہ فاش کر کے مجھ کو

ضائع مت کرو''۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

''عمر بھر پڑھنے پڑھانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ جہل مرکب سے جہل بسیط میں آ گئے''۔

امام العصر حضرت مولانا علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

''میں ایک بے عمل شخص ہوں جس کا دامن زادِ آخرت سے خالی ہے''

زندگی کے آخری ایام میں ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

'' میرے پاس کوئی توشۂ آخرت نہیں میں دنیا سے خالی ہاتھ جاتا ہوں''۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے اللہ تعالیٰ نے جس وسیع پیمانے پر اپنے دین کی عظیم خدمت لی وہ یقیناً ان کی عنداللہ مقبولیت کی واضح اور بین دلیل ہے۔ بالخصوص تصوف کے میدان میں وہ اپنے تجدیدی کارناموں کی بدولت باتفاق علماء چودھویں صدی کے مجدد ہیں لیکن بایں ہمہ تواضع کا مقام بلند ملاحظہ ہو:

(۱)۔فرمایا۔ روزے سے ہوں باور کرو گے بقسم کہتا ہوں کہ مجھ کو مجھ سے زیادہ ذلیل انسان کوئی دنیا میں نظر نہیں آتا''۔

(۲)۔فرمایا۔''میری حالت یہ ہے کہ میں ہر مسلمان کو اپنے آپ سے فی الحال اور ہر کافر کو فی المآل اپنے آپ سے افضل سمجھتا ہوں۔ مسلمان کو تو اس لئے افضل سمجھتا ہوں کہ وہ مسلمان اور صاحب ایمان ہے اور کافر کو اس وجہ سے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کبھی ایمان کی توفیق دیدیں۔اور یہ مجھ سے آگے بڑھ جائے''۔

(۳)۔فرمایا:''بہت ہی نازک بات ہے اور بہت ہی ڈرنے کا مقام ہے، اپنی کیسی ہی اچھی حالت ہو ہرگز ناز نہ کرے اور دوسرے کی کیسی ہی بری حالت ہو ہرگز اس پر طعن نہ کیا کرے۔ کیا خبر ہے کہ اپنی حالت اس سے بھی بدتر ہو جائے''۔

(۴)۔ایک بار نہایت خشیت کے لہجے میں فرمایا:

دیا سلائی کی طرح سارے مواد خبیثہ نفس میں موجود ہیں بس رگڑ لگنے کی دیر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب تک رگڑ سے بچا رکھا ہے بچے ہوئے ہیں۔ فرعون وہامان کو نہیں بچایا ان میں وہ مادے سلگ اٹھے۔ اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رکھے تو انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔ ورنہ ہر وقت خطرہ ہے''۔

(۵)۔ایک مجمع سے مصافحہ کرنے کے بعد فرمایا:

میں نے تو اس نیت سے مصافحہ کیا ہے کہ کیا اتنے سارے محبت کرنے والے مسلمانوں میں سے کوئی بھی خدا کا مقبول ومرحوم بندہ نہ ہوگا۔ اگر ایک بھی مرحوم ہوتو کیا مجھ کو دوزخ میں جلتا ہوا دیکھ کر اسے رحم نہ آئے گا اور اللہ میاں سے سفارش کر کے مجھکو دوزخ سے نہ نکلوائے گا؟''۔

مخدوم الملتہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

''اگر میرے عیوب کی کسی کو اطلاع ہو جائے تو کوئی میرے اوپر تھوکے بھی نہیں''۔

مفتی ،اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا ملفوظ ہے:

''ہم انسان بنے تو نہیں لیکن ہم نے انسانوں کو دیکھا ہے۔اب کوئی بیل آ کر ہمیں دھوکہ نہیں دے سکتا کہ میں انسان ہوں''۔

جب آپ پر پہلا دل کا دورہ ہوا تو اس موقع پر موجود بعض بزرگوں (حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب وحضرت بابا نجم احسن صاحب وغیرہ) سے نہایت نحیف اور لرزتی ہوئی آواز میں فرمانے لگے:

''میرے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادیں۔میرے پاس کوئی سرمایہ آخرت نہیں ہے۔ میں نے عمر بھر کچھ نہیں کیا۔ چند سیاہ لکیریں کھینچی ہیں، اللہ تعالیٰ انہی کو قبول فرمالیں تو ان کی رحمت ہے۔''

ایک صاحب دل بزرگ کے بیان کے مطابق امام الاتقیاء حضرت مولانا میاں عبدالھادی صاحب دینپوری رحمہ اللہ اکثر اپنے متعلقین ومریدین سے فرماتے:

''فقیرو! میری سفید ڈاڑھی کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا!''

کبھی فرماتے:

''میں کیا ہوں، میرے اندر ساری گندگی بھری ہوئی ہے۔''

برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''میرے اکابر نے تو میری اصلاح کی بہت کوشش فرمائی، مگر افسوس کہ کتے کی دم بارہ برس نلکی میں رکھنے کے بعد نکالی تو ٹیڑھی ہی نکلی''۔

حضرت حاجی محمد شریف صاحب ملتانی رحمہ اللہ کو جب اپنے شیخ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی جانب سے اجازت وخلافت کی ''بشارت'' دی گئی تو حاجی صاحب نے جواب میں لکھا:

''حضرت کے ارشاد کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ خدا کی قسم! میں تو اس قابل ہوں کہ گندی نالی میں پھینک دیا جاؤں اور ہر شخص مجھ پر تھوک تھوک کر جائے'' **اللھم اجعلنا منھم**، آمین۔

انہی کے نقش قدم پر ہو یا خدا جینا۔ یرحم اللہ عبدا قال آمینا

تواضع وفنائیت کے متعلق چند اشعار

تواضع وفنائیت سے متعلق اکابر بزرگوں سے متعدد اشعار بھی منقول ہیں جنہیں وہ اکثر اپنی اصلاحی مجالس ودیگر تربیتی نشستوں میں پڑھتے رہے ہیں۔ موضوع کی مناسبت سے ان میں سے چند اشعار کا انتخاب ذیل میں پیشِ خدمت ہے

(۱) مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے

(۲) بقا بحر فنا میں غرق ہو کر ہم نے حاصل کی
یہ کشتی بھی عجیب ہے ڈوب کر ہی پار اترتی ہے

(۳) باریابی کی میں شرطوں کا خلاصہ سمجھا
وہی پہنچے گا جو خود کو مٹا ہی دے گا۔

(۴) مجھے خاک میں ملا دو میری خاک بھی اڑا دو

تیرے نام پر مٹا ہوں مجھے کیا غرض نشاں سے

(۵) یہ دل کی ہے آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

اس پر ہے مجھے ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔

(۶) تواضع کا طریقہ سیکھ لو لوگو! صراحی سے

کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

(۷) چھوڑ کر اپنی بڑائی کر تواضع اختیار

رتبہ مسجد کے منارے کا ہے کم محراب سے۔

(۸) ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا

خاکساری اپنی کام آئی بہت

(۹) جو عالی ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے رہتے ہیں

صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

(۱۰) خاکساری نے دکھالیں رفعتوں پر رفعتیں

اس زمیں سے واہ! کیا کیا آسماں پیدا ہوئے۔

(۱۱) خاک میں بھی ڈھونڈنے پر نہ ملے اپنا نشاں

خاکساری خاک کی جب، خاک ساری رہ گئی۔

(۱۲) غبار راہ ہو کر چشم مردم میں محل پایا

نہال خاکساری کو لگا کر ہم نے پھل پایا۔

(۱۳) نہ تھی جبتک گناہوں کی اپنے خبر

رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر۔

پڑی اپنے عیبوں پہ جو نظر

تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا۔

(۱۴) غیر سے بالکل ہی اٹھ جائے نظر

تیری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے۔

تو کو اتنا مٹا کہ تو نہ رہے

تیری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے۔

ہو میں اتنا کمال پیدا کر کہ

ہو رہے تو نہ رہے

(۱۵) تکبر کا انجام۔

حضرت مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ تعالی عارف باللہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ مدنی صاحب رحمہ اللہ تعالی کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

(حضرت ڈاکٹر صاحب) تکبر کو ام الامراض قرار دیتے اور فرماتے کہ انسان کو بکرے کی طرح میں میں نہ کرنا چاہیے'' یعنی یہ نہ کہے کہ میں ایسا ہوں میں ایسا ہوں۔ پھر عجیب وغریب اشعار سناتے جن میں ہنسی کی ہنسی ہے اور حکمت کی حکمت ہے وہ اشعار اس طرح سے ہیں:

فخر بکرے نے کیا میرے سوا کوئی نہیں

میں ہی میں ہوں اس جہاں میں دوسرا کوئی نہیں۔

جب نہ میں میں ترک کی اس مایہ فخر ذات نے

پھیر دی آ کر چھری تب حلق پر قصاب نے۔

گوشت، ہڈی، چمڑا جو کچھ کہ تھا جان زار میں

کٹ گیا، کچھ لٹ گیا، کچھ بک گیا بازار میں۔

باقی رہیں آنتیں فقط ''میں میں'' سنانے کے لیے

ان کو بھی لے گیا نداف دھنکی بنانے کے لیے۔

ضرب کی چوٹوں سے جب آنت گھبرانے لگی

میں کے بدلے ''تو ہی تو'' کی صدا آنے لگی۔

یہ دعوی تو مشکل ہے کہ یہ مجموعہ اپنے موضوع پر حرفِ آخر ہے، لیکن بہر حال اس میں تقریباً تمام اکابر علماء دیو بند کے بصیرت افروز اور سبق آموز واقعات جمع کر کے اسے جامع بنانے کی اپنی سی کوشش ضرور کی گئی ہے۔ رحمت خداوندی سے کیا بعید ہے کہ کوئی خوش نصیب ان واقعات کا مطالعہ کر کے انہیں اپنی عملی زندگی میں اپنا لے اور اس کا کچھ حصہ اس سیاہ کار کو بھی نصیب ہو جائے۔

آخر میں میں اپنی اس حقیری سی طالب علمانہ کاوش کو اس رب العالمین اور ارحم الراحمین کے عظیم دربار میں پیش کرتے ہوئے یہ ندامت اور لجاجت بھری درخواست کرتا ہوں جس کے ہاں دین کی خاطر محنت و مجاہدہ کرنے والوں کی قدر ہے اور وہ اپنے در پر کشکول گدائی پھیلانے والوں کو کبھی مایوس اور خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹاتا کہ اپنی شان کریمی وستاری کا مظاہرہ فرما کر میری تمام تر علمی و عملی کوتاہیوں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے اسے اپنی بارگاہ میں شرف قبول سے نوازے۔ مجھے اور تمام قارئین کو اس سے خاطر خواہ استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین برحمتک یاارحم الراحمین۔

محمد

مدرس مدرسہ عربیہ رحیم آباد

و

معین مفتی دارالافتاء مسجد فاروق اعظم، صادق آباد

۱۴۲۶/۷/۹ھ

استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)۔لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو!۔

پروفیسر مولانا محمد انوار الحسن شیر کوٹی صاحب زید مجدھم آپکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

مولانا مملوک علی صاحب بڑے منکسر المزاج ،صاحب مروت ،خوش اخلاق ،محنت پژوہ ،متقی ،پرہیزگار ،عبادت گذار ،سادہ طبیعت انسان تھے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نفسانیت کا نام ونشان بھی نہ تھا۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے قصص الاکابر میں ایک واقعہ لکھا ہے جسکو قادری صاحب نے ''حالات مشائخ کاندھلہ'' کے مصنف مولانا احتشام الحق کے حوالے سے بیان کیا ہے،واقعہ یہ ہے:

مولانا مملوک علی صاحب ہمیشہ دہلی آتے اور جاتے جب کاندھلہ سے گذرتے تو باہر سڑک پر گاڑی کو چھوڑ کر ملنے آتے ۔مولانا مظفر حسین صاحب اول یہ پوچھتے کہ کھانا کھا چکے یا کھاؤ گے؟ اگر کہا کھا چکا تو پھر کچھ نہیں ،اور اگر نہ کھائے ہوئے ہوتے تو کہہ دیتے کہ میں کھاؤں گا تو مولانا پوچھتے کہ رکھا ہوالا دوں یا تازہ پکوادوں؟ چنانچہ ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ رکھا ہوالا دو اس وقت صرف کھچڑی کی کھرچن تھی اسی کو لے آئے اور فرمایا کہ رکھی ہوئی تو یہی تھی ۔انہوں (مولانا مملوک علی) نے کہا بس یہی کافی ہے۔پھر جب رخصت ہوتے تو مولانا مظفر حسین صاحب ان کو گاڑی تک پہنچانے جاتے تھے۔یہی ہمیشہ کا معمول تھا۔(مولانا محمد احسن ص ۱۷۹)

اللہ!اللہ!یہ کیسے حضرات تھے جنکو ہم صحیح معنی میں انسان کہہ سکتے ہیں۔واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات میں باہم بے حد خلوص اور محبت تھی ۔کیا اس دور میں بھی ایسے انسان مل سکتے ہیں۔مولانا مظفر حسین کاندھلوی کا خلوص اور کھرچن میں بے اندازہ محبت اور مولانا مملوک علی کا اسے قبول کرلینا کہ پیشانی پر بل تو کیا بے حد خندہ پیشانی سے

قبول کرنا کیسے پیارے زندگی کے نمونے ہیں۔

ذرا آجکل تو کوئی کھرچن دے کر دیکھ لے کیا بنتا ہے۔اسی دور میں مولانا مملوک علی کے مخلصین میں حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکی متوفی ۱۳۱۷ھ تھے۔دونوں میں بے حد مخلصانہ روابط تھے۔

یااللہ! آجکل کی دنیا کو پیچھے کی طرف لوٹا دے اور اس سیاہ بخت دور کو لپیٹ کر رکھ دے

؎ لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو (سیرت یعقوب و مملوک ص ۳۴،۳۵)

(۲)۔تواضع وانکساری کا صلہ۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سلیم اللہ خان صاحب زیدمجدہم طلبہ کرام سے اپنے اصلاحی بیان میں فرماتے ہیں:

مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ تھے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالی اور مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ تعالی کے استاذ اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ تعالی کے والد تھے۔ہدایۃ النحو پڑھتے تھے،ایک استاذ کے پاس گئے،اتنے غبی تھے کہ وہ استاد کہتے کہ کل کو میرے پاس نہیں آنا۔دوسرے کی منت سماجت کرتے اس کے پاس جاتے ایک دو دن کے بعد وہ بھی کہتے بھائی وقت ضائع نہ کرو یہاں نہیں آنا۔انتہائی مایوسی کے عالم میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی کی خدمت میں گئے اور ان سے عرض کیا کہ حضرت میں پڑھنے کے لیے آیا ہوں لیکن کوئی استاذ پڑھانے کے لیے تیار نہیں۔ایک دو سبق پڑھاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ تم ہمارا وقت خراب کرنے کو نہ آیا کرو۔تم کچھ سمجھتے ہی نہیں تو کیوں خواہ مخواہ ہمارا وقت برباد کرتے ہو۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کل کو میرے پاس آنا۔شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالی نے ہدایۃ النحو کا صرف ایک سبق پڑھایا کہ اب جس استاذ کے پاس جاؤ،جاکر پڑھو،پڑھائے گا۔پھر جہاں بھی پڑھنے لگے تو ہر ایک نے کہا یہ قابل ذی

استعداد ذ کی طالب علم ہے یہ تو میرے پاس پڑھے تو بہت اچھا ہے۔

تو یہ ہوتا ہے، اللہ تعالی جس کو نمایاں اور ممتاز کرنا چاہتے ہیں تو اسطرح انتظام کر دیتے ہیں۔

آپ تواضع کو اپنا شعار بنائیں، انکساری اور اس کے ساتھ وقار آپ کی پہچان ہو۔

(مجالس علم و ذکر، جلد۲ ص ۱۷۶)

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)۔ ''اور تو اس میں کوئی بات نہیں، ہاں! نماز تو پڑھ لے ہے''۔

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم فرماتے ہیں:

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی اکابر دیوبند میں ہے۔

ان کے علم و فضل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بلاواسطہ شاگرد اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی کے ہم سبق ہیں۔

وہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لیے جارہا تھا بوجھ زیادہ تھا اور بمشکل چل رہا تھا۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب نے یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لیجانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس بوڑھے نے ان سے پوچھا اجی! تم کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے کہا بھائی میں کاندھلہ میں رہتا ہوں۔ اس نے کہا ''وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں'' اور یہ کہہ کر ان کی بڑی تعریفیں کیں، مگر مولانا نے فرمایا ''اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے، ہاں! نماز تو پڑھ لے ہے'' اس نے کہا واہ میاں! تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو؟ مولانا نے فرمایا میں ٹھیک کہتا ہوں۔ وہ بوڑھا ان کے سر ہو گیا، اتنے میں ایک اور شخص آیا جو مولانا کو جانتا تھا اس نے بوڑھے سے کہا، بھلے مانس! مولوی مظفر حسین یہی ہیں۔

اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔

(اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۱۰۰، بحوالہ ارواح ثلاثہ ص ۱۴۸)

(۲)۔ سادگی کی انتہاء۔

انہی مولانا مظفر حسین صاحب کی عادت یہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور اپنے تمام رشتہ داروں کے گھر تشریف لے جاتے، جس کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہوتا اس سے پوچھ کر لا دیتے اور طرہ یہ کہ اس زمانے میں لوگوں کے پاس پیسے کم ہوتے تھے، عموماً چیزیں غلے کے عوض خریدی جاتی تھیں، چنانچہ آپ گھروں سے غلہ باندھ کر لے جاتے اور اس سے اشیاء ضرورت خرید کر لاتے تھے۔

(حوالہ بالا ص ۱۰۱)

(۳)۔ ''مولانا رشید احمد صاحب بہت اچھے آدمی ہیں''۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب جب گنگوہ سے رام پور جا رہے تھے تو حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے کھانے کی تواضع کی، حضرت مولانا نے فرمایا کہ دیر ہو جائے گی، جو گھر میں رکھا ہو دیدو۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ نے چند باسی روٹیوں پر اڑو کی دال رکھ کر لا دی اور حضرت مولانا مظفر حسین صاحب نے ان کو لپیٹ کر اپنی چادر میں باندھ لیا، اور رام پور جا کر فرمایا کہ ''مولانا رشید احمد صاحب بہت اچھے آدمی ہیں''۔

(آپ بیتی حضرت شیخ الحدیث ج ۲ ص ۲۳۸)

(۴)۔ کھانے میں سادگی۔

حسن العزیز میں لکھا ہے کہ مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلہ میں ایک بزرگ تھے۔ درویش بھی تھے، زمیندار بھی تھے، طرز ایسا تھا کہ کوئی ان کو عالم نہ سمجھتا ان کے عجیب وغریب معمولات تھے کھانے کے متعلق، ان کے قرابتدار مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی دہلی کے مدرسہ میں مدرس تھے، دہلی سے نانوتہ کا یہی راستہ تھا، کاندھلہ راستہ میں واقع ہوتا ہے، مولانا مظفر حسین صاحب نے ان سے شکایت کی کہ جب کبھی آپ آتے ہیں، تو بلا ملے چلے جاتے ہیں مولانا مملوک علی صاحب نے فرمایا کہ اگر اصرار نہ کیا جائے ٹھہرنے کا تو میں آجایا کروں، اس وقت بہلی میں سفر ہوتا تھا، اس روز سے معمول ہو گیا کہ کاندھلہ پہونچ

کرجنگل میں بھی چھوڑ کر مولانا مظفر حسین صاحب سے ملنے آتے تھے وہ ان کو پہنچانے آتے ، ایک دفعہ جب وہاں پہونچے تو اول سوال یہ تھا کہ کھانا کھاؤ گے یہ کھا کر آئے ہو ؟ اور اگر کھاؤ گے تو رکھا ہوا کھاؤ گے یا تازہ پکوا دیا جائے ؟ مولوی صاحب نے کہا کہ رکھا ہوا کھاؤں گا۔ بس ایک برتن میں کھچڑی کی کھرچن لا کر رکھ دی کہ رکھا ہوا تو یہ ہے۔ انہوں نے وہی کھالی۔ (حسن العزیز ص ۲۸۰) (آپ بیتی ص ۲۳۸، ۲۳۹)

(۵)۔ ’’بھاگ جا، بھاگ جا تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا‘‘۔

قصہ بڈولی میں ایک دفعہ مولانا وہاں کی سرائے میں ٹھہرے۔ برابر میں ایک بنیا مع اپنے لڑکے کے ٹھہرا ہوا تھا اور لڑکے کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے۔ مولانا کی اس سے بات چیت ہوتی رہی جیسا کہ سفر میں عادت ہے کہ مسافر آپس میں بات چیت کیا کرتے ہیں ۔اس نے پوچھا میاں جی ! کہاں جاؤ گے؟ مولانا نے سب بتلا دیا کہ فلاں جگہ اور فلاں راستہ سے جاؤں گا۔ اس کے بعد مولانا تہجد پڑھ کر روانہ ہو گئے۔ اس لڑکے کے ہاتھ میں سے کسی نے کڑے اتار لیے۔ بنیا اٹھا تو دیکھا کڑے ندارد۔ بس اس کی تو روح فنا ہوگئی ، دیکھا کہ وہ میاں جی بھی نہیں جن سے رات بات چیت ہو رہی تھی۔ اس نے کہا ہونہو وہی لے گئے ، یہ کوئی ٹھگ تھا۔ وہ سیدھا اسی راستے پر روانہ ہوا جس پر مولانا نے جانے کا ارادہ بیان کیا تھا یہاں تک کہ مولانا اس کو مل گئے۔ بس پہنچتے ہی اس نے ایک دھول رسید کیا۔ مولانا نے کہا کیا ہے؟ کہنے لگا کڑے کہاں ہیں؟ مولانا نے کہا بھائی میں نے تیرے کڑے نہیں لیے۔ کہا ان باتوں سے کیا تو چھوٹ جائے گا؟ میں تجھے تھانے لے چلوں گا۔ کہا کچھ عذر نہیں میں تھانہ بھی چلا چلوں گا۔

غرض وہ مولانا کو پکڑ کر جھنجھانہ کے تھانہ میں پہنچا۔ اتفاقاً تھانیدار مولانا کا بڑا معتقد تھا۔ اس نے دیکھا کہ مولانا آرہے ہیں، کھڑا ہو گیا اور دور سے ہی آلیا۔ یہ دیکھ کر بنئے کے ہوش خطا ہو گئے کہ یہ تو کوئی بڑے شخص معلوم ہوتے ہیں اور ڈرا کہ اب تو جوتے پڑیں گے مگر مولانا اس سے کہتے ہیں ’’بھاگ جا بھاگ جا تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا‘‘ ۔تھانیدار نے مولانا سے

پوچھا یہ کون تھا؟ کہا تم اسے پوچھ نہ ہو جانے دو اس کی کوئی چیز کھو گئی اسکی تلاش میں آیا تھا۔ دیکھئے! کیا بے نفسی ہے۔ لطف یہ کہ نرا عفو ہی نہیں بلکہ مولانا اس کے احسان مند بھی ہوئے چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ ''اس سے مجھے بڑا نفع ہوا۔ جب لوگ مصافحہ کرتے ہیں، میرے ہاتھ پیر چومے جاتے ہیں تو میں نفس سے کہتا ہوں کہ تو وہی ہے جس کے ایک بنیا نے دھول لگایا تھا بس اس سے عجب نہیں ہوتا''۔ (ص ۲۳۹)

(۶)۔ بے تکلف اور سادہ زندگی۔

اسی طرح ایک اور حکایت مولانا مظفر حسین صاحب کی بیان کی جس سے ان کا رسوخ فی التواضع معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار مولانا چلے جارہے تھے۔ راستہ میں مولانا کے بھتیجے ملے جو گھوڑے پر سوار تھے، انہوں نے مولانا کو دیکھا تو گھوڑے پر سے اتر پڑے۔ اور عرض کیا کہ حضرت! آپ گھوڑے پر تشریف رکھیں میں پیدل چلوں گا مولانا نے عذر کیا مگر انہوں نے نہ مانا اور اصرار کیا تو مولانا گھوڑے پر سوار ہو گئے اور ایک ایڑ لگائی جب بھتیجے کی نظر سے غائب ہو گئے تو مولانا گھوڑے سے اترے اور جس راستہ کو وہ بھتیجے آرہے تھے اس کے کنارہ ایک درخت سے گھوڑے کو باندھ کر آگے چل دیئے جب پیچھے سے وہ بھتیجے پہنچے تو دیکھا کہ گھوڑا درخت سے بندھا ہوا ہے اور مولانا غائب ہیں۔ آخر کار مجبور ہو کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔ (ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۰، ص ۲۵۹)

نواب مولانا قطب الدین صاحب رحمہ اللہ کی فنائیت:

(نواب صاحب شاہ محمد اسحٰق صاحب سے بیعت اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ علیہ کے بھی بزرگوں میں سے تھے)

(حضرت امیر شاہ) خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولانا نانوتوی بیان فرماتے تھے کہ نواب قطب الدین خان صاحب بڑے پکے مقلد تھے اور مولوی نذیر حسین صاحب پکے غیر مقلد۔ ان میں آپس میں تحریری مناظرے ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی جنگل میں میری زبان سے یہ نکل گیا کہ اگر کسی قدر نواب صاحب ڈھیلے ہوئے جائیں اور کسی قدر

مولوی نذیر حسین صاحب اپنا تشدد چھوڑ دیں تو جھگڑا مٹ جائے۔ میری اس بات کو کسی نے نواب قطب الدین خان صاحب تک بھی پہنچا دیا اور مولوی نذیر حسین صاحب تک بھی۔ مولوی نذیر حسین صاحب تو سن کر ناراض ہوئے، مگر نواب صاحب پر یہ اثر ہوا کہ جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا میرے پاس تشریف لائے اور آکر میرے پاؤں پر عمامہ ڈال دیا اور پاؤں پکڑ لئے۔ اور رونے لگے (کیا انتہا ہے کہ اس للّٰہیت کی، ایسے بزرگ پر کب گمان ہو سکتا ہے کہ نفسانیت سے مناظرہ کرتے ہیں۔ اشرف علی) اور فرمایا:

"بھائی! جس قدر میری زیادتی ہو خدا کے واسطے تم مجھے یہ بتلا دو، میں سخت نادم ہوں اور مجھ سے بجز اس کے کچھ بن نہیں پڑا کہ جھوٹ بولوں لہذا میں نے جھوٹ بولا (اور صریح جھوٹ میں نے اسی دن بولا تھا) (چونکہ اس میں کسی کا ضرر نہ تھا اس لئے اباحت کا حکم ہو جاوے گا۔ اشرف علی) اور کہا کہ حضرت آپ میرے بزرگ ہیں میری کیا مجال کہ میں ایسی گستاخی کرتا۔ آپ سے کسی نے غلط کہا ہے۔ غرض میں نے بمشکل ان کے خیال کو بدلا اور بہت دیر تک وہ بھی روتے رہے۔ اور میں بھی روتا رہا۔

یہ قصہ بیان کر کے امیر خان صاحب نے فرمایا کہ جب مولانا نے یہ قصہ بیان فرمایا اس وقت بھی آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ (ارواح ثلاثہ ص۳۴۲)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)۔"سادگی اور کسر نفسی"

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی تحریر فرماتے ہیں:

بہت خوش مزاج اور عمدہ اخلاق تھے، مزاج تنہائی پسند تھا اور اول عمر سے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بات عنایت فرمائی تھی کہ اکثر ساکت رہتے۔ اس لئے ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا، ان کے حال سے بھلا ہو یا برا کسی کو اطلاع ہوتی نہ آپ کہتے۔ یہاں تک کہ اگر بیمار بھی ہوتے تب بھی شدت کے وقت کسی نے جان لیا تو جان لیا ورنہ خبر بھی نہ ہوتی اور دوا کرنا تو کہاں۔

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے چھاپہ خانہ (مطبع) میں جب کام کیا کرتے تھے مدتوں یہ لطیفہ رہا کہ لوگ مولوی صاحب کہہ کر پکارتے ہیں اور آپ بولتے نہیں کوئی نام لیکر پکارتا تو خوش ہوتے۔ تعظیم سے نہایت گھبراتے، بے تکلف ہر کسی سے رہتے۔ جو شاگرد یا مرید ہوتے ان سے دوستوں کی طرح رہتے، علماء کی وضع عمامہ یا کرتہ کچھ نہ رکھتے۔

ایک دن آپ فرماتے تھے کہ اس علم نے خراب کیا ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا''۔

میں (مولانا محمد یعقوب) کہتا ہوں کہ اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا۔ جو کمالات تھے وہ کس قدر تھے، کیا ان میں سے ظاہر ہوئے اور آخر سب کو خاک میں ملا دیا، اپنا کہنا کر دکھلایا، مسئلہ کبھی نہ بتاتے کسی کے حوالے فرماتے، فتوی پر نام لکھنا اور مہر لگانا تو درکنار اول امامت سے بھی گھبراتے۔ آخر کو اتنا ہوا کہ وطن میں نماز پڑھا دیتے تھے، وعظ بھی نہ کہتے۔ جناب مولوی مظفر حسین صاحب مرحوم کاندھلوی (جو اس آخری زمانہ میں قدماء کے نمونہ تھے) نے اول وعظ کہلوایا اور خود بھی بیٹھ کر سنا اور بہت خوش ہوئے۔

(بیس بڑے مسلمان ص ۱۱۷ بحوالہ سوانح عمری مولانا محمد قاسم ص ۸، ۹)

(۲)۔ ''اگر مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک تک کا بھی پتہ نہ چلتا''۔

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

بانی دار العلوم دیوبند حُجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ علوم کے بحر ناپیدا کنار تھے، ان کی تصانیف آب حیات، تقریر دلپذیر، قاسم العلوم، اور مباحثہ شاہجہاں پور وغیرہ سے ان کے مقام بلند کا اندازہ ہوتا ہے اور ان میں بعض تصانیف تو ایسی ہیں کہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ حد یہ ہے کہ انکے ہم عصر بزرگ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کا یہ جملہ دار العلوم میں معروف تھا کہ میں نے آب حیات کا چھ مرتبہ مطالعہ کیا ہے اب وہ کچھ کچھ سمجھ میں آئی ہے

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

''اب بھی مولانا (نانوتوی) کی تحریریں میری سمجھ میں نہیں آتیں اور زیادہ غور وخوض کی مشقت مجھ سے برداشت ہوتی نہیں ،اس لیے مستفید ہونے سے محروم رہتا ہوں اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیتا ہوں کہ ضروریات کا علم حاصل کرنے کے لیے اور سہل سہل کتابیں موجود ہیں پھر کیوں مشقت اٹھائی جائے''۔ (بحوالہ اشرف السوانح ص ۱۳۶ ج ۱)

ایسے وسیع وعمیق علم کے بعد، بالخصوص جبکہ اس پر عقلیات کا غلبہ ہو، عموماً علم وفضل کا زبردست پندار پیدا ہو جایا کرتا ہے لیکن حضرت نانوتوی کا حال یہ تھا کہ خود فرماتے ہیں

''جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اگر مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک تک کا بھی پتہ نہ چلتا، اور کوئی میرے ہوا تک نہ پاتا'' (ارواح ثلاثہ ص ۱۶۸)

چنانچہ ان کی بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ بقول مولانا احمد حسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ:

سے بھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے اس کے جوتے خود اٹھایا کرتے تھے (ارواح ثلاثہ ص ۲۰۶) (اکابر دیوبند کیا تھے۔ ص ۸۸)

(۳)۔ ''کپڑوں کے دو سے زائد جوڑے کبھی جمع نہیں ہوئے''

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں

دارالعلوم کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہر علم وفن میں یکتائے روزگار تھے، حضرت مولانا محمد بن قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس ان کی تصانیف آج بھی ان کے علوم کی شاہد ہیں، لیکن سادگی کا عالم یہ تھ کی ان کے پاس کبھی کپڑوں کے دو سے زائد جوڑے جمع نہیں ہوئے۔ دیکھنے والا پتہ بھی نہ لگا سکتا کہ یہ وہی مولانا محمد قاسم ہیں جنھوں نے مسلمانوں ہی سے نہیں غیر مسلموں اور مخالفوں سے بھی اپنے علم وفضل کا لوہا منوایا ہے۔ (مجالس مفتی اعظم ص ۵۶۰)

(۴)۔ ''ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھے۔''

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہر وقت ایک تہبند پہنے رہتے تھے اور معمولی سا کرتہ ہوتا تھا کوئی شخص دیکھ کر یہ پہچان ہی نہیں سکتا تھا کہ اتنے بڑے علامہ ہیں، جب مناظرہ کرنے پر آ جائیں تو بڑوں بڑوں کے دانت کھٹے کر دیں، لیکن سادگی اور تواضع کا یہ حال تھا کہ تہبند پہنے ہوئے مسجد میں جھاڑو دے رہے ہیں۔

چونکہ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا، تو انگریزوں کی طرف سے آپ کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو گیا، چنانچہ ایک آدمی ان کو گرفتار کرنے کے لیے آیا، کسی نے بتا دیا کہ وہ چھتے کی مسجد میں رہتے ہیں، جب وہ شخص مسجد میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک آدمی بنیان اور لنگی پہنے ہوئے مسجد میں جھاڑو دے رہا ہے۔ اب چونکہ وارنٹ کے اندر یہ لکھا ہوا تھا کہ "مولانا محمد قاسم نانوتوی کو گرفتار کیا جائے"۔ اس لیے جو شخص گرفتار کرنے آیا تھا وہ یہ سمجھا کہ یہ تو جبے قبے کے اندر ملبوس بڑے علامہ ہونگے جنہوں نے اتنی بڑی تحریک کی قیادت کی ہے، اس کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ یہ صاحب جو مسجد میں جھاڑو دے رہے ہیں یہی مولانا محمد قاسم صاحب ہیں بلکہ وہ سمجھا کہ یہ شخص مسجد کا خادم ہے۔ چنانچہ اس شخص نے انہیں سے پوچھا کہ "مولانا محمد قاسم صاحب کہاں ہیں''؟ حضرت مولانا کو معلوم ہو چکا تھا کہ میرے خلاف وارنٹ نکلا ہوا ہے اس لیے چھپنا بھی ضروری ہے اور جھوٹ بھی نہیں بولنا، اس لیے آپ جس جگہ کھڑے تھے وہاں سے ایک قدم پیچھے ہٹ گئے، پھر جواب دیا "ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھے"۔

چنانچہ وہ یہی سمجھا کہ تھوڑی دیر پہلے تو مسجد میں تھے لیکن اب موجود نہیں ہیں، چنانچہ وہ شخص تلاش کرتا ہوا واپس چلا گیا۔

اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "''اگر دو حرف علم کی تہمت محمد قاسم کے نام پر نہ ہوتی تو دنیا کو پتہ بھی نہ چلتا کہ قاسم کہاں پیدا ہوا اور کہاں مر گیا'' اس طرح فنائیت کے ساتھ زندگی گذاری۔ (اصلاحی خطبات جلد ۵ ص ۳۸ تا ۳۹)

(۵)۔ ''حضرت نانوتوی کی شان اخفاء''

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیو بند کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ الا نچے کا پاجامہ پہنتے، ایک موٹی لکڑی گنواروں کی طرح کاندھے پر رکھ کر راستے پر چلتے کئی کئی دن مجلس میں باتیں نہ کرتے جب تک ضروری اور مجبوری نہ ہوتی شان تواضع کا یہ عالم تھا اور علم وحکمت میں کتنی اونچی شان تھی!

ایک دفعہ حضرت نانوتویؒ کہیں تشریف لے گئے، تقریر فرمائی، معرکۃ الآراء تقریر تھی، مگر اپنا نام نہ ظاہر ہونے دیا۔ تقریر کے بعد لوگوں نے انہیں سے مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ کے متعلق پوچھا اور حالات دریافت کرنے لگے۔ تو فرمانے لگے ''ہاں! وضو اور نماز کے مسائل جانتا ہے''۔

تو بایں ہمہ کمالات وھبیہ اور علوم دینیہ کے یہ تھی شان اخفاء۔ (اہل علم کی زندگی ص ۱۳۶)

(۶)۔ ''بھائی جی! آج کل بازار جانا نہیں ہوا۔۔۔''

ایک بار حضرت نانوتوی جا رہے تھے، ایک جولاہے نے بوجہ سادگی کے اپنا ہم قوم سمجھ کر کہ آپ سے پوچھا'' صوفی جی! آجکل سوت کا کیا بھاؤ ہے''۔ حضرت نے ذرا بھی ناگواری کا اظہار کئے بغیر فرمایا کہ ''بھائی! آج بازار جانا نہیں ہوا اس لیے معلوم نہیں کہ کیا بھاؤ ہے''۔ (اصلاحی مضامین ص ۵۲)

(۷)۔ ''وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا''

خان صاحب نے فرمایا کہ ان ہی مولوی امیر الدین صاحب (حضرت نانوتویؒ سے بہت ہی بے تکلف تھے) نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بھوپال سے مولانا کی طلبی آئی اور پانچ سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی، میں نے کہا "اے قاسم! تو کیوں نہیں جاتا۔'' تو فرمایا کہ ''وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں اور اسی بناء پر وہ پانچ سو روپے دیتے ہیں مگر اپنے اندر میں کوئی کمال نہیں پاتا، پھر کس بنا پر جاؤں؟''۔

میں نے بہت اصرار کیا مگر نہیں مانے۔ (ص ۱۵۹)

(۸)۔ ''حضرت نانوتوی کی تواضع نے حافظ جی کی زندگی کی کایا پلٹ دی''۔

خان صاحب نے فرمایا کہ جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا اس زمانہ میں ان کے مطبع میں مولانا نانوتویؒ بھی ملازم تھے اور ایک حافظ جی بھی نوکر تھے۔ یہ حافظ جی بالکل آزاد تھے، رندانہ وضع تھی، چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے، ڈاڑھی چڑھاتے تھے، نماز کبھی نہ پڑھتے تھے، مگر مولانا نانوتویؒ کی ان سے نہایت گہری دوستی تھی، وہ مولاناؒ کو نہلاتے تھے، کمر ملتے تھے اور مولاناؒ انکو نہلاتے اور کمر ملتے تھے، مولاناؒ ان کو کنگھا کرتے اور وہ مولاناؒ کے کنگھا کرتے تھے، اگر کبھی مٹھائی وغیرہ مولاناؒ کے پاس آتی تو ان کا حصہ ضرور رکھتے تھے، غرض بہت گہرے تعلقات تھے۔ مولاناؒ کے مقدس دوست مولاناؒ کی ایک آزاد شخص کے ساتھ اس قسم کی دوستی سے ناخوش تھے مگر وہ اس کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا، حسب معمول مولاناؒ نے حافظ جی کو نہلایا اور حافظ جی نے مولاناؒ کو۔ جب نہا چکے تو مولاناؒ نے فرمایا ''حافظ جی! مجھ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا رنگ اور ہو میرا رنگ اور ہو۔ اس لیے میں بھی تمہاری ہی وضع اختیار کرتا ہوں، تم اپنے کپڑے لاؤ میں بھی وہی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ ڈاڑھی موجود ہے تم اس کو بھی چڑھا دو اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کپڑے اتاروں گا نہ ڈاڑھی۔''

وہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ آپ مجھے اپنے کپڑے دیجیے، میں آپ کے کپڑے پہنوں گا اور یہ ڈاڑھی موجود ہے اس کو آپ اتار دیجیے۔

مولاناؒ نے ان کو اپنے کپڑے پہنائے اور ڈاڑھی اتار دی اور وہ اس روز سے پکے نمازی اور نیک وضع بن گئے۔ (ص ۱۶۵)

(۹)۔ ''اگر وہ ایسا کریں گے تو میں ان کی پالکی کا پایہ پکڑ کر چلوں گا۔''

نواب محمود علی خان صاحب مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے ملاقات کے بے حد متمنی تھے مگر مولانا ان سے کبھی نہیں ملے، چنانچہ دو مرتبہ وہ مولاناؒ سے میرٹھ ملنے آئے اور دو مرتبہ علی گڑھ، مگر جب مولانا کو ان کے آنے کا علم ہوتا تو مولاناؒ شہر چھوڑ کر کہیں چل دیتے تھے اور

فرماتے کہ ''نواب صاحب سے دو باتیں کہہ دینا، ایک یہ کہ نواب صاحب غازی آباد کے اسٹیشن پر بند بنوادیں اور دوسری ایک عجیب بات یہ تھی کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو میں ان کی پالکی کا پایہ پکڑ کر چلوں گا۔''

دوسری بات کو سن کر تو نواب صاحب ہنسنے لگے اور پہلی بات کی نسبت فرمایا کہ میں کوشش کر چکا ہوں مگر منظوری نہیں ہوئی۔ (ص ۱٦۷)

(۱۰)۔''جی ہاں! میں ایسا ہی محروم ہوں''۔

حضرت نانوتویؒ میرٹھ میں مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے، اتفاقاً درس میں کوئی صاحب حال اور صاحب دل بھی آنکلے، انہوں نے جب حضرت مولاناؒ کے عالی مضامین سنے جو مثنوی میں بیان فرمائے جارہے تھے تو بڑی حسرت سے کہنے لگے کہ ''کاش! اگر اس شخص کو اس ظاہر علم کے ساتھ باطنی علم بھی ہوتا تو کیا اچھا ہوتا'' اور وہ محض خلوص اور نیک نیتی سے خلوت میں حضرت مولانا کے پاس تشریف لائے اور یہی فرمایا کہ ''کاش! آپکو باطنی علوم بھی ہوتے!'' حضرت مولانا نے ازراہ انکسار فرمایا: ''جی ہاں! میں ایسا ہی محروم رہوں، اگر آپ ہی مجھ پر نظر شفقت فرمادیں تو میری نیک نصیبی ہے۔''

اس پر وہ بزرگ متوجہ ہوکر مراقب ہوئے، ادھر حضرت مولانا بھی ضبط نسبت کے ساتھ مراقب ہوئے، تھوڑی ہی دیر میں وہ بزرگ ہاتھ جوڑ کر اٹھے کہ "مولانا مجھے خبر نہ تھی آپ میں یہ جوہر علی الوجہ الاتم موجود ہے۔" (ص ۱۸۴)

(۱۱)۔''بس جی! تمہاری دعوت ہوگئی''۔

مولانا احمد حسن صاحب نے فرمایا کہ مولانا قاسم صاحبؒ کی ایک جولاہے نے دعوت کی، اتفاق سے اس روز بارش ہوگئی اور وہ جولاہا وقت پر بلانے نہ آیا تو مولانا محمد قاسم خود اس جولاہے کے یہاں تشریف لے گئے، اس نے عرض کیا کہ حضرت! چونکہ آج بارش ہوگئی تھی اس لیے میں دعوت کا انتظام نہ کرسکا''۔

مولانا نے فرمایا کہ انتظام کیا ہوتا تمہارے ہاں کچھ پکا بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! وہ تو

موجود ہے۔فرمایا بس وہی کھالیں گے، چنانچہ جو کچھ معمولی کھانا ساگ وغیرہ اس کے یہاں تیار تھا وہ بخوشی مولانا تناول فرما کر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ بس جی! تمہاری دعوت ہوگئی۔(ص ۱۹۴)

(۱۲)۔''مباحثہ شاہجہانپور کا عجیب واقعہ''۔

مولانا احمد حسن امروہوی فرماتے تھے کہ جب مباحثہ شاہجہان پور کا طے ہوا تو مولانا محمد قاسم صاحبؒ بغیر کسی کے اطلاع کیے ہوئے تنہا بہ نفس نفیس شاہجہان پور تشریف لے گئے۔ جب مولانا محمود حسن صاحبؒ (شیخ الہند) نے سنا تو وہ بھی مولانا کے بعد تشریف لے گئے ،اس کے بعد میں گیا تو شاہجہان پور میں میری مولانا محمود حسن صاحبؒ سے ملاقات ہوئی ،میں نے دریافت کیا کہ کیا مولانا مل گئے؟ مولانا محمود حسن صاحبؒ نے فرمایا کہ نہیں مجھ کو تو ابھی نہیں ملے ،تو میں نے کہا اچھا چلو سرائے میں چل کر تلاش کریں ،چنانچہ سرائے کے اندر جو ایک شخص آنے والے کا نام لکھا کرتا ہے اس سے جا کر میں نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی ''خورشید حسن''(یہ حضرت نانوتوی کا تاریخی اور غیر مشہور اسم مبارک تھا) بھی آئے؟ اس نے کہا کہ ہاں آئے ہیں۔چنانچہ ہم نے جو تلاش کیا تو ایک کوٹھڑی کے اندر مولانا تشریف رکھتے تھے۔ جب صبح ہوئی تو مولانا میدان مناظرہ میں تشریف لے چلے ،راستہ میں ایک دریا پڑتا تھا اور مولانا پیدل تھے تو مولانا پاجامہ پہنے ہوئے دریا میں اتر پڑے جس سے پاجامہ بھیگ گیا۔خیر مولاناؒ نے پار اتر کر لنگی باندھی اور اتار کر نچوڑ کر پیچھے لاٹھی پر جیسے گاؤں کے رہنے والے ڈال لیا کرتے ہیں ڈال لیا اور تشریف لے گئے۔

خیر جب مولانا کی تقریر ہوئی تو لوگوں کو مولاناؒ کی اطلاع ہوئی تو لوگ رتھ میں بٹھا کر بڑے اعزاز کے ساتھ مولاناؒ کو واپس لائے اور جو پادری وہاں مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آیا ہوا تھا اس نے کہا کہ اگر ایمان تقریر پر لاتا تو میں مولانا محمد قاسم صاحب کی تقریر پر ایمان لے آتا۔(ص ۱۹۵)

(۱۳)۔ ''شان مسکنت''۔

ایک طالب علم نے حضرت نانوتویؒ کی دعوت کی ، آپ نے فرمایا کہ ایک شرط پر منظور ہے کہ خود کچھ مت پکانا ، گھر میں جو تمہاری روٹیاں مقرر ہیں وہی ہمیں بھی کھلا دینا ۔اس نے منظور کرلیا۔ یہ ہے شان مسکنت اور غربت وانکساری اور عاجزی کہ اتنا بڑا شخص اور اس طرح اپنے آپ کو مٹائے ہوئے تھا (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص۴۴)

(۱۴)۔ ''خدام کی خدمت''۔

ایک دفعہ ایک درویش حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں درویشی کا امتحان لینے تزک واحتشام سے آئے ۔ بہت گھوڑے اور خادم بھی ساتھ تھے حضرت نے سب کی دعوت کی ۔شاہ صاحب کے نوکروں اور خادموں کو اپنے ہاتھ سے اسی شان کے برتنوں میں کھانا کھلایا جیسے برتنوں میں خود کھاتے تھے۔

وہ درویش حضرت کا انکسار اور خلق دیکھ کر آپ کے کمال کے قائل ہو گئے ۔(ص ۴۶)

(۱۵)۔ ''کھانے میں تواضع''۔

حضرت نانوتوی اپنے طالبعلمی کے زمانے میں مکان میں تنہا ایک جگہ رہتے تھے ،روٹی کبھی پکوا لیتے تھے تو کئی کئی وقت تک کھا لیتے تھے (ص ۴۹)

(۱۶)۔ ''ارے! کیا قاسم کی تکفیر سے وہ قابل امامت نہیں رہا؟''

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ دہلی تشریف رکھتے تھے اور ان کے ساتھ مولانا احمد حسن صاحب امروہوی اور شاہ خان صاحب بھی تھے۔شب کو جب سونے کے لیے لیٹے تو ان دونوں نے چارپائی ذرا الگ کو بچھالی اور باتیں کرنے لگے۔امیر شاہ خان صاحب نے مولوی صاحبؒ سے کہا کہ صبح کی نماز ایک برج والی مسجد میں چل کر پڑھیں گے،سنا ہے کہ امام قرآن شریف بہت اچھا پڑھتے ہیں۔مولوی صاحب نے کہا کہ'' ارے پٹھان جاہل! (آپس میں بے تکلفی بہت تھی) ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ وہ تو ہمارے مولانا (نانوتوی) کی تکفیر کرتا ہے'' مولاناؒ نے سن لیا اور زور سے فرمایا: ''احمد حسن!

میں تو سمجھا تھا کہ تو لکھ پڑھ گیا ہے مگر جاہل ہی رہا، پھر دوسروں کو جاہل کہتا ہے، ارے! کیا قاسم کی تکفیر سے وہ قابل امامت نہیں رہا؟، میں تو اس سے اس کی دینداری کا معتقد ہو گیا، اس نے میری کوئی ایسی بات سنی ہوگی جس کی وجہ سے میری تکفیر واجب تھی گو روایت غلط پہنچی ہو تو یہ راوی پر لازم ہے، تو اس کا سبب دین ہی ہے اب میں خود اس کے پیچھے نماز پڑھوں گا"۔ غرض یہ کہ صبح کی نماز مولاناؒ نے اسکے پیچھے پڑھی۔

یہ ہے ہمارے بزرگوں کا مذاق جن کی کوئی نظیر پیش نہیں کرسکتا، ان حضرات کی عجیب وغریب شان تھی۔ (ملفوظات حکیم الامت جلد ۴۔ ص ۳۹۴)

(۱۷)۔ "یہ عجیب آدمی ہے جس نے قرآن ہی الٹا پڑھ دیا۔"

مولانا امراء سے بہت گھبراتے تھے اور کسی امیر سے ملاقات کا موقع نہ آنے دیتے تھے۔ "خورجہ" کے ایک رئیس برسوں سے تمنا میں تھے کہ میرے گھر پر ایک دفعہ حضرت والا آجائیں، مگر وہ کامیاب نہ ہوتے تھے، اتفاق سے جنگ روم وروس چھڑ گئی اور حضرت نے ترکوں کی اعانت کے لیے چندہ کی تحریک شروع کی جو اس زمانہ میں "سلطانی چندہ" کے نام سے معروف ہوئی۔ ان رئیس صاحب کے لیے یہ زریں موقع ہاتھ لگ گیا، انہوں نے کہلوایا کہ اگر حضرت والا ان کے گھر تشریف لا کر وعظ فرمائیں تو وہ سلطانی چندہ میں دس ہزار روپیہ دیں گے۔ حضرت نے منظور فرمالیا اور ان کے یہاں وعظ فرمایا، انہوں نے حسب وعدہ دس ہزار روپے پیش کیے، ختم مجلس پر حضرت اٹھے تو مجمع بھی اٹھا اور لوگوں میں حضرت کی مہمانی کے بارہ میں کہاوسنی ہوئی اور رد وکد ہونے لگی، ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ حضرت کو اپنے گھر لے جاکر مہمان بناؤں، لوگ تو اس جھگڑے اور بحث میں سرگرداں تھے اور حضرت اسی ہجوم میں آہستہ سے نکل کر روانہ ہو گئے۔ مغرب کا وقت آچکا تھا، اذان ہونے والی تھی، حضرت والا شہر کے کنارے ایک غیر معروف مسجد میں پہنچے۔ وہاں اتفاق سے امام مسجد نہ تھا، لوگوں میں تشویش ہوئی کہ نماز کون پڑھائے ہر ایک دوسرے پر ٹالتا تھا، چند ایک نے حضرت سے کہا کہ بھائی! تم ہی نماز پڑھا دو (یہ لوگ حضرت کو پہچانتے نہ تھے) مگر

حضرت عذر فرماتے رہے۔ جب کوئی بھی امامت کے لیے تیار نہ ہوا تو لوگوں نے حضرت سے یہ کہہ کر زبردستی امامت کے لیے مصلے پر دھکیل دیا کہ ''بندۂ خدا! مسلمان تو ہے، کیا تجھے دو چار سورتیں قرآن کی یاد نہیں جو امامت سے اتنا گھبرا رہا ہے'' حضرت نے اب مجبور ہو کر امامت کرائی مگر عجیب اتفاق یہ پیش آیا کہ پہلی رکعت میں تو قل اعوذ برب الناس پڑھ گئے اور دوسری میں قل اعوذ برب الفلق۔ ختم نماز پر اس مسجد کے نمازیوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں کہ یہ عجیب آدمی ہے جس نے قرآن ہی الٹا پڑھ دیا۔ حضرت نے فرمایا ''بھائی! میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ میں امامت کے لائق نہیں ہوں''۔ لوگوں نے کہا کسی کو کیا پتا تھا کہ تو قرآن بھی سیدھا پڑھنا نہیں جانتا۔ حضرت نے اس پر فرمایا'' کہ مولویوں سے یہ سنا ہے کہ نماز تو اس طرح بھی ہو جاتی ہے''۔ اس پر لوگوں نے تند لہجہ میں کہا'' چوری اور سینہ زوری، ایک تو نماز الٹی پڑھادی اور اوپر سے مولویوں کو بدنام بھی کرے''۔

یہاں یہ جھگڑا چل رہا تھا کہ حضرت کو ڈھونڈتی ہوئی ایک جماعت ادھر آ نکلی اور دیکھا کہ حضرت تو جاہلوں میں گھرے ہوئے ہیں، تب انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ تم کس کے ساتھ یہ معاملہ کر رہے ہو۔ یہ تو مولانا محمد قاسم صاحب ہیں۔
اس پر لوگ نادم ہوئے اور عجز و نیاز سے معافی کے خواستگار ہوئے۔

(آپ بیتی ص: ۲۴۶، ۲۴۷، بحوالہ سوانح قاسمی ص: ۳۹۵ ج: ۱)

(۱۸)۔ ''حکیم صاحب مولانا کے دھوکہ میں سب شاندار لوگوں سے مصافحہ کرتے رہے''۔

حضرت مولانا نانوتوی کے متعلق امیر شاہ خان صاحب لکھتے ہیں کہ حکیم عبدالسلام صاحب ملیح آبادی کو مولانا نانوتوی کی خدمت میں جانے کا بہت شوق تھا، مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ جب تو حضرت کی خدمت میں جاوے تو مجھے اپنے ساتھ ضرور لے جانا، لیکن مجھ بدنصیب کے دل میں ایک خیال جم گیا تھا اور وہ یہ کہ حکیم صاحب بہت خوش بیان و گویا آدمی ہیں بہت طویل قصہ ہے۔ حکیم صاحب دوسری مرتبہ میرے ساتھ خود بخود

ہو گئے اور جب دیو بند پہنچے اور مولانا کا قیام مولانا محمود الحسن صاحب کے مکان پر تھا جب مکان تقریباً پچاس قدم رہ گیا تو میں چند قدم آگے بڑھ کر مولاناؒ کے پاس پہلے پہنچ گیا، مولاناؒ کا لباس اس وقت یہ تھا سر پر میلا اور پھٹا ہوا عمامہ تھا جس میں لیرے پڑے ہوئے تھے اور چونکہ سردی کا زمانہ تھا اس لئے ایک دھوتر کی نیلی رنگی ہو مرزئی پہنے ہوئے تھے جس میں بند لگے ہوئے تھے اور نیچے نہ کرتا تھا (کرتا پہنتے ہی نہ تھے) اور نہ انگرکھا تھا اور ایک رزائی اوڑھے تھے جو نیلی رنگی تھی۔ اور جس میں مومی کی گوٹ لگی ہوئی تھی جو پھٹی ہوئی تھی اور کہیں تھی اور کہیں بالکل اڑی ہوئی تھی۔ میں نے سلام کر کے مصافحہ کیا اور حکیم صاحب کی آمد کی اطلاع کی۔ میں تعارف کرا ہی رہا تھا کہ اتنے میں حکیم صاحب بھی آ گئے اس وقت مجلس کا یہ رنگ تھا کہ دروازہ کے سامنے مولوی ذوالفقار علی صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے برابر میں مظفر نگر کے ایک عالم بیٹھے ہوئے تھے اور مولانا ایک طرف کو چار پائی سے کمر لگائے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے برابر میں دیو بند کے ایک صاحب بیٹھے ہوے تھے جو لباس بھی عمدہ پہنے ہوئے تھے اور ڈاڑھی بھی شاندار تھی۔ جب حکیم عبدالسلام صاحب پہنچے تو سب لوگ ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے حکیم صاحب مولانا کے دھوکے میں سب شاندار لوگوں سے مصافحہ کرتے رہے مگر مولاناؒ کی طرف متوجہ نہ ہوئے، میں نے بتایا کہ مولاناؒ یہ ہیں تو وہ مولاناؒ سے مصافحہ کر کے وہیں بیٹھ گئے۔ طویل قصہ ارواح ثلثہ میں لکھا ہے مجھے تو صرف حضرت مولانا کی تواضع کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ (ص ۲۴۵)

(۱۹)۔ ''قوتِ عشق کے نزدیک سنگ وگل برابر ہے''۔

حکیم منصور علی صاحب اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے سفر میں میں حضرت کے ہمرکاب تھا۔ قبہ خضراء جونہی نظروں کے سامنے ہوا مولاناؒ مرحوم نے اپنے نعلین اتار کر بغل میں دبا لیں اور پابرہنہ چلنا شروع کیا۔ میں نے ان کی دیکھا دیکھی اپنی جوتیاں اتار کر ننگے پیر ہمراہ مولاناؒ مرحوم چلنا شروع کیا۔ اس قدر پتھریاں پاؤں میں چبھنے لگیں کہ متحمل نہ ہو سکا آخر جوتا پہن کر چلنے لگا جو کنکریاں ایک پٹھان نوجوان کے پاؤں

کیلئے ناقابل برداشت بن چکی تھیں، مگر مولانا مرحوم جواز فرق ناقدم نہایت نازک ونرم اندام تھے۔اسی خاردار جنگل میں مدینہ منورہ تک کئی میل آخر شب کی تاریکی میں چلتے رہے کہ قوت عشق کے نزدیک سنگ وگل برابر ہے۔ (ص ۲۴۸)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) تواضع کی حقیقت: حضرت مولانا محمد یعقوب صاح نانوتوی رحمہ اللہ جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے، بڑے اونچے درجے کے عالم تھے،ان کے بارے میں حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں بیان فرمایا کہ ان کا طریقہ یہ تھا جب کوئی ان کے سامنے ان کی تعریف کرتا تو بالکل خاموش رہتے تھے، کچھ بولتے نہیں تھے۔جیسے آج کل بناوٹی تواضع اختیار کرتے ہیں کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرتا ہے تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ "یہ تو آپ کا حسن ظن ہے، ورنہ ہم تو اس قابل نہیں ۔۔۔۔۔۔حالانکہ دل میں بہت خوش ہوتے ہیں کہ یہ شخص ہماری اور تعریف کرے اور ساتھ ساتھ دل میں بھی اپنے آپکو بڑا سمجھتے ہیں، لیکن ساتھ میں یہ الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں، یہ حقیقت میں بناوٹی تواضع ہوتی ہے، حقیقی تواضع نہیں ہوتی۔لیکن حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب خاموش رہتے۔اب دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ حضرت مولانا اپنی تعریف پر خوش ہوتے ہیں۔اپنی تعریف کرنا چاہتے ہیں اس لئے تعریف کرنے سے نہ روکتے ہیں اور نہ ہی اس کی تردید کرتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اب دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ ان کے اندر تواضع نہیں ہے حالانکہ ان باتوں کا نام تواضع نہیں بلکہ تواضع تو دل کے اندر ہوتی ہے۔اور اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ آدمی کبھی کسی کام کو اپنے سے فروتر نہیں سمجھتا۔ (اصلاحی خطبات جلد ۵ ص ۴۶)

(۲) تواضع کا ایک اور واقعہ:۔

انہیں کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب نے آپ کو کھانے کی دعوت دی۔آپ نے قبول فرمالی، اس شخص کا گاؤں فاصلے پر تھا۔لیکن اسنے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا، جب

کھانے کا وقت آیا تو آپ پیدل ہی روانہ ہو گئے۔ دل میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ ان کی صاحب نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا، سواری کا انتظام کرنا چاہیے تھا۔ بہر حال اس کے گھر پہنچے، کھانا کھایا، کچھ آم بھی کھائے، اس کے بعد جب واپس چلنے لگے تو اس وقت بھی اس نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا، بلکہ الٹا یہ غضب کیا کہ بہت سارے آموں کی گٹھڑی بنا کر حضرت کے حوالے کر دی کہ حضرت! یہ کچھ آم گھر کے لئے لیتے جائیں۔ اس اللہ کے بندے نے یہ نہ سوچا کہ اتنی دور جانا ہے اور سواری کا کوئی انتظام بھی نہیں ہے، کیسے اتنی بڑی گٹھری لیکر جائیں گے۔ مگر اس نے وہ گٹھڑی مولانا کو دیدی اور مولانا نے وہ قبول فرمالی اور اٹھا کر چل دیئے، اب ساری عمر مولانا نے کبھی اتنا بوجھ اٹھایا نہیں، شہزادوں جیسی زندگی گزاری، اب اس گٹھڑی کو کبھی ایک ہاتھ میں اٹھاتے، کبھی دوسرے ہاتھ میں اٹھاتے، چلے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ جب دیوبند قریب آنے لگا تو اب دونوں ہاتھ تھک کر چور ہو گئے، نہ اس ہاتھ میں چین، اس ہاتھ میں چین، آخر کار اس گٹھڑی کو اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا جب سر پر رکھا تو ہاتھوں کو کچھ آرام ملا تو فرمانے لگے، "ہم بھی عجیب آدمی ہیں پہلے خیال نہیں آیا کہ اس گٹھڑی کو سر پر رکھ دیں، ورنہ اتنی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی، اور اب مولانا اس حالت میں دیوبند میں داخل ہو رہے ہیں ل۔ کہ سر پر آموں کی گٹھڑی ہے، اب راستے میں جو لوگ جو لوگ ملتے وہ آپ کو سلام کر رہے ہیں، آپ سے مصافحہ کر رہے ہیں، اور آپ نے ایک ہاتھ سے گٹھڑی سنبھالی ہوئی ہے اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کر رہے ہیں، اسی حالت میں آپ اپنے گھر پہنچ گئے اور آپ کو ذرہ برابر بھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ کام میرے مرتبے کے خلاف ہے اور میرے مرتبے سے فروتر ہے۔ بہر حال، انسان کسی بھی کام کو اپنے مرتبے سے فروتر نہ سمجھے۔ یہ ہے تواضع کی علامت۔ (بحوالہ بالا صہ ۴۳)

(۳) "بس اب تو گنگوہ آ کے ہی کپڑے بدلا کریں گے":۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ جب گنگوہ آتے تو وہی نماز پڑھاتے تھے۔ کیونکہ وہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے استاد زادہ تھے اس وقت

حضرت گنگوہی نماز نہیں پڑھاتے تھے ایک دفعہ نماز مغرب کا وقت تھا، اقامت ہو رہی تھی اور حضرت گنگوہی مصلے پر پہنچ گئے تھے کسی نے اطلاع کی کہ مولانا محمد یعقوب صاحب آ گئے، وہیں مصلے پر کھڑے کھڑے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے پوچھا کہ مولانا آپ کا وضو ہے؟ تو فرمایا، جی وضو ہے، تو فرمایا کہ مصلے پر تشریف لایئے، وہ مصلے پر آ گئے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے ان کے پیر اپنے رومال سے صاف کئے۔ پیدل چل کر آئے تھے، گردوغبار لگا ہوا تھا، پائنچے جھاڑے، پھر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے نماز پڑھائی، مسجد میں بیٹھے ہوئے کسی نے دیکھ لیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے پائجامہ میں ازار بند نہیں ہے بلکہ چار پائی کے بان کی رسی ہے۔ حضرت گنگوہی سے عرض کیا گیا کہ حضرت! ان کے پائجامہ میں ازار بند نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے دریافت فرمانے پر حضرت نانوتوی نے فرمایا کہ جب گنگوہ آنے کے لئے چلنے کا وقت آیا تو ازار بند تھا ہی نہیں، ڈھونڈا بھالا، ملا نہیں تو میں نے چار پائی کی رسی کاٹ لی اور باندھ لیا۔ تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اچھا کھونٹی پر ہمارا پائجامہ ٹنگ رہا ہے اسکو اٹھایئے، اس میں ازار بند ہے وہ نکال کر ڈال لیجئے، انہوں نے بے تکلف اتارا اور ازار اپنی میں ڈال لیا، دیکھا تو ازار بند میں ایک روپیہ بھی بندھا ہوا تھا تو فرمایا کہ مولانا! (حضرت گنگوہی) اس میں تو ایک روپیہ بھی ہے؟ تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بس وہ بھی آپ کے لیے نذر (ھدیہ) ہے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "بس اب تو گنگوہ آ کے ہی کپڑے بدلا کریں گے"۔

(ملفوظات فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ جلد۲ قسط ۸ ص ۶۶)

(۴) "میں ادھورا ہوں، معلوم ہوتا ہے میں ادھورا ہی مرجاؤں گا"۔

(حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ کیسی کیسی ہستیاں تھیں، اسقدر بے نفسی، اللہ اکبر اپنے کو بالکل مٹائے ہوئے اور فنا کئے ہوئے تھے، کسی فعل اور کسی قول سے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کچھ ہیں یا کچھ جانتے ہیں۔

اُن حضرات کواب آنکھیں ڈھونڈتی ہیں وہ حضرات سب کچھ تھے اوراپنے کوکچھ نہ سمجھے تھے اورآجکل یہ حالت ہے کہ کچھ نہیں اوراپنے کوسب کچھ سمجھتے ہوئے ہیں اوراکے متمنی ہیں کہ دوسرے بھی ہمکو کچھ سمجھیں۔اسی کی ایک شاخ یہ مرض ہے جو عام بلا کی طرح پھیلا ہے کہ اپنے لیے لمبے چوڑے القاب تجویز ہونے لگے،کوئی "امام التفسیر" کہلاتے ہیں،کوئی "امام الشریعت" کہلاتے ہیں،کوئی "امام الھند" بنے ہیں،کوئی "شیخ الحدیث"۔یہ سب نئی فضا سے ناشی (پیدا ہوئے) ہیں۔ایک لقب ان میں پرانا ہے "شیخ الاسلام" یہ تو نا گوار نہیں ہوتا اوراس کے علاوہ سب میں وہی جدت کی جھلک ہے،مجھے تو سن کر وحشت ہوتی ہے کہ اللہ! یکدم کایا پلٹ ہوگئی،کس قدر زبردست انقلاب ہوا ہے اور یہ اسقدر جلدی انقلاب ان تحریکات کے اثر سے ہوا ورنہ انقلاب ہونے کے لیے بھی ایک وقت کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ہم نے تو یہ دیکھا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ علیہ اپنے شاگردوں اورمریدوں کے سامنے فرمایا کرتے تھے کہ بھائی میں ادھورا ہوں اور میں نے ان دونوں سے کئی مرتبہ کہا کہ بھائی مجھکو بھی کچھ بتادومگر دونوں نے بخل سے کام لیا۔مراد دونوں سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ علیہ اورحضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔

اورفرماتے تھے کہ اگر میں ایسا ہوتا جیسے کہ یہ دونوں تو بالدیوں (یعنی مویشی چرانے والوں) کوایسا بنادیتا جیسے یہ دونوں ہیں،معلوم ہوتا ہے کہ میں ادھورا ہی مرجاؤں گا۔

اپنے تلامذہ اورمریدوں کے سامنے یہ بات۔اس بےنفسی کوملاحظہ کیجئے۔اس کے بعد اتفاق سے مکہ معظمہ کا سفر ہوااورحضرت (حاجی صاحب رحمہ اللہ) کی خدمت میں پیاس بجھ گئی۔(ملفوظات حکیم الامت جلد ٦ ص ۱۸۴)

(۵) گدھے پر سوار ہوکر اسی پر کتابیں رکھ کر نانوتہ کو چل دیئے:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے متعلق یہ قول نقل فرمایا کہ "ہر شخص میں کچھ نہ کچھ باطنی روگ

نہیں" (الہادی رجب ۱۳۵۷ھ ص ۴۹)
بعد ازاں مولانا محمد یعقوب صاحب گدھے پر سوار ہو کر اور اسی پر کتابیں رکھ کر نانوتہ کو چل دیئے (سیرت یعقوب و مملوک ص ۲۲۹)

(۶) غلطی کا اعتراف:۔

اپنی غلطی کا اعتراف بمشکل ہی کوئی کرتا ہے بلکہ غلطی کی تائید اور اس پر اصرار عام ہے اور یہ پستی کی علامت ہے۔ بہادر اور وسیع القلب شخص وہ ہے جو اپنی غلطی کا اقرار کرے اور جو بات نہ آتی ہو اس کے بارے میں صاف کہہ دے کہ مجھے نہیں آتی۔ ڈاکٹر کی سمجھ میں اگر مرض نہیں آتا تو وہ اس کا اقرار نہیں کرتا بلکہ وہ اٹکل پچو علاج شروع کر دیتا ہے، یہی حال اساتذہ کا ہے، کلاس میں غلطی ہو جائے تو کیا مجال مان لیں۔ ایک پروفیسر نے کالج کی کلاس میں تاب ناک کی تان پاک پڑھا دیا اور اس پر مسلسل اصرار کرتا رہا۔

اب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے بارے میں اعتراف غلط کے متعلق مولانا تھانوی کی زبانی سنیئے، فرماتے ہیں:

"شہر والوں میں یہ عادت نہیں کہ اپنی غلطی کا قرار کریں، گاؤں والے بیچارے اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے ہیں، شہر والے تو اس غلطی کو بناتے ہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب میں یہ بات دیکھی کہ ادنیٰ سے طالب علم نے اگر کوئی غلطی بتلا دی تو فوراً اقرار کر لیا کہ ہاں! بھائی میری غلطی تھی۔ مولانا اپنے ماتحت مدرسین کے پاس کتاب لے کر جا بیٹھے تھے اور جو بات سمجھ میں نہ آتی تھی اس کو پوچھ لیتے تھے" (ایضاً ص ۲۲۹، ۲۳۰)

(۷) سراپا عجز و انکسار ______ اپنے مکتوبات کے آئینہ میں:۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی تمام زندگی از سرتاپا عجز و انکسار تھی۔
صحیح معنی میں سالک کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے میں کبر و نخوت زبردست رکاوٹ ہے اور خودی کو مٹانا ہی ولایت ہے۔ یہ خودی شیطانی خودی ہے نہ کہ علامہ اقبال کی خودی جو رحمانی خودی ہے مولانا کے قلم سے جا بجا عاجزی ٹپکتی ہے۔ مختلف مکتوبات میں اپنے مرید منشی محمد قاسم کو لکھتے

ہیں جن کو ابھی مرید نہیں بنایا ہے"۔

اور جو کچھ تم نے بیان اشتیاق اور ارادہ آنے کا لکھا ہے اور حقیقت میں تم کو اس روسیاہ سے ایسی محبت ہے مگر ملاقات میں جلدی نہ کرنی چاہیے، اگر مقدر میں ہے تو نصیب ہو جائے گی ورنہ قیامت بہت قریب ہے۔ ہمارا تمہارا وہاں کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے بخشے اور فضل کرے"(مکتوب سوم ص ۲۷)

"یہ ناکارہ ہر چند بظاہر مہتمم نیکی کے ساتھ ساتھ ہوا مگر حقیقت حال عالم الغیب خوب جانتا ہے تم اپنے واسطے شیخ کامل کی تلاش رکھ۔۔۔۔ یہ عاجز خود درماندہ شرمندۂ بارگاہ خداوندی۔۔۔۔۔خود لائق اس کے ہے کہ کوئی خدا کا بندہ خدا کے واسطے اسکی دستگیری کرے"(مکتوب سوم ص ۲۸)

ایک اور مکتوب میں اپنے عقیدتمند کو لکھتے ہیں دانحالیکہ اب وہ عقیدتمند مرید بھی بن گیا ہے:

"اس ناکارہ کو بھی دعا سے یاد رکھو کہ پچاس کی عمر آئی اور یہ یونہی گنوائی۔ لڑکپن کے خصائل (عادات) ہنوز ویسے ہی ہیں، ایک وضع نہ بدلی، ایک رنگ نہ پلٹا، کیسی کیسی صحبتوں میں رہ مگر کسی کا کچھ اثر نہ ہوا، ہاں شقی کو کون سعید کردے، اصل کا بدل دینا اسکا کام ہے۔ حضرت مخدوم العالم (حاجی امداد اللہ صاحب) کی خدمت میں جو کوئی بھی کچھ رہ گیا اس پر ایک ایسا اثر ہو گیا کہ تمام عمر نہ گیا، میں کم نصیب جیسا تھا ویسا ہی رہا، عمر بیہودہ گئی"۔

(مکتوب نمبر ۳۳ ص ۸۱)

ایک خط میں مرید نے بیعت سے پہلے ملاقات کا اظہار کیا ہے ان کے جواب میں لکھتے ہیں:

"یہ ناکارہ قابل ملاقات نہیں، باتیں بنانا اور ہے اور اچھا ہونا اور ہے، مگر یہاں چند بزرگ ایسے ہیں جیسا تم نے خیال باندھا ہے البتہ ان کی زیارت مغتنمات سے ہے۔ اگر والدین کی رضا اور اجازت ہو اور کوئی حرج نہ ہو اور سامان بن پڑے تو کبھی ارادہ کیجیو، بندہ مانع نہیں، مگر رضا والد کی شرط ہے"(مکتوبات نہم ۱۳ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ ص ۳۹)

اللہ! اللہ! کیا شان انکساری ہے۔ پیر ایسے ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو ناکارہ بتاتے ہوئے

دوسرے بزرگوں یعنی مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قسم صاحب اور مولانا رفیع الدین صاحب کی طرف اشارہ فرمار ہے ہیں کہ ان سے آ کر ملنے میں فائدہ ہوگا۔اور والدین کی رضا مندی، سامان سفر کر فراہمی اور کار زندگی میں حرج واقع نہ ہونے کی صورت میں آنے کو منع نہیں فرمایا۔ یہ ہے شان بزرگی۔

چودھویں مکتوب میں اپنے مخلص مرید کو لکھتے ہیں:

"اوقات یادالٰہی میں اس روسیاہ کو دعائے خاتمہ بخیر سے یاد کرنا، عمر سب بیکار گزر گئی، دیکھئے آخر کیا ہو" (مکتوب ص ۴۷)

ایک اور خط میں جبکہ مرید صفا کیش آپ کی خدمت میں رہ کر استفادہ کرنا چاہتا ہے، لکھتے ہیں:

اور اپنے متعلقوں میں اور والدین کی خدمت میں ہی رہنا بہتر ہے۔ سفر کا ارادہ مت کرو، خاص کر اس روسیاہ کے ملنے کے ارادے سے کہ حسب ضرورت تمہارے پوچھنے کی ضرورت سے کچھ اوٹ پٹانگ جواب لکھ بھیجتا ہون ورنہ باللہ العظیم کہ حال میرا نہایت ابتر ہے لائق صحبت نہیں۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ کچھ تمہیں اس نالائق کے پاس رہنے سے کوئی ضر ہو اور خدائے تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور اپنے یاد کرانے والے کے قریب۔ تم اسی حالت پر استقامت کرو۔ (ص ۴۶)

(ایضاً ص ۲۳۳، ۲۳۴)

(۸) استدعائے حسن خاتمہ:

"دیکھئے ہم اپنی روسیاہیوں کے پتے کیا رنگ لاویں اور کس طور جاویں، سوائے دعا اور التجا کیا چارہ ہے۔ تم بھی اس ناکارہ اور درماندہ کے حق میں دعا کیجیو کہ اللہ تعالیٰ ایسے نازک وقت پر یار و مددگار رہو اور ایمان سلامت لیجاویں آمین" (مکتوب نمبر ۳۳ ص ۷۹)

(۹) "نہ علم میں مجھے کمال نہ عمل میں خوبی"۔

"اپنے عزیز! تم کو اس ناکارہ اور درماندہ کی طرف حسن ظن ہے، میں بیچارہ کہاں

بزرگوں کے واقعات کی تعبیر کہاں؟"اے ایز قدر خود بشناس "بندہ کا حال ایسا ہے جیسا کسی نے کہا تھا کہ "پیش ملا طبیب و پیش طبیب ملا" و پیش ہر دو ہیچ و پیش ہیچ ہر دو" نہ علم میں کمال نہ عمل میں خوبی"۔ (مکتوب ع ۳۴۶ ص ۸۴) (ایضاً ص ۳۴)

حضرت مُلاّ محمود دیو بندی رحمہ اللہ کی تواضع وسادگی

شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

دارالعلوم کی تاریخ میں یہ جملہ بہت معروف ہے کہ دارالعلوم کی ابتداء دو ایسے بزرگوں سے ہوئی جن دونوں کا نام محمود تھا اور دونوں قصبہ دیوبند کے باشندے تھے۔ ان میں شاگرد تو وہ محمود تھے جو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے معروف ہوئے اور استاد حضرت ملاّ محمود صاحب تھے۔ راقم الحروف کے جدامجد حضرت مولانا محمد یسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ملاّ محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سنن ابن ماجہ رحمتہ اللہ علیہ پر جو حاشیہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے چھپا ہوا ہے اس کا بڑا حصہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مجھ سے لکھوایا ہے۔ ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ طلباء نے اس پر تعجب کا ااظہار کیا۔ وجہ یہ تھی کہ علم کے دعوے اور نام ونمود کی خواہشات سے اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ خصلت بزرگ کو ایسا پاک رکھا تھا کہ عام آدمی کو یہ پہچاننا بھی مشکل تھا کہ یہ کوئی بڑے عالم ہیں۔

اپنا گھریلو سلو داسلف اور گوشت ترکاری خود بازار سے خرید کر لاتے اور گھر میں عام آدمیوں کیطرح زندگی گزارتے تھے مگر علوم کے استحضار اور حفظ کا عالم یہ تھا کہ راقم کے جدامجد حضرت مولانا محمد یسین صاحب کی ایک بڑے کتاب (جو غالباً منطق یا اصول فقہ کی کتاب تھی) اتفاقاً درس سے رہ گئی تھی، انہیں یہ فکر تھی کہ دورہ حدیث شروع ہونے سے پہلے یہ کتاب پوری ہو جائے چنانچہ انہوں نے ملاّ محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے درخواست کی، ملاّ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اوقات مدرسہ کے علاوہ بھی میرے تمام اوقات اسباق سے بھرے ہوئے ہیں صرف ایک وقت ہے کہ جب میں گھر کا گوشت ترکاری لینے

کے لیے بازار جاتا ہوں، یہ وقت خالی گذرتا ہے تم ساتھ ہو جاؤ تو اس وقفے میں سبق پڑھادوں گا۔احقر کے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کتاب بڑے اور مشکل تھی جس کو دوسرے علماء غور ومطالعہ کے بعد بھی مشکل سے پڑھا سکتے تھے۔ مگر ملا محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے کچھ راستہ میں، کچھ قصاب کی دوکان پر یہ تمام کتاب ہمیں اس طرح پڑھادی کہ کوئی مشکل ہی نظر نہ آئی۔(اکابر دیوبند کیا تھے؟ص۹۹)

سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھر چونڈوی رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)۔''اب راکھ میں کچھ چنگاریاں رہ گئی تھیں وہ بھی لیجا رہا ہے۔''

حضرت سید العارفین حضرت جیلانی سائیں اور آپ کے بعد بھورل سائیں (میاں محمد حسین) کے زمانہ تک سوئی شریف میں آمدورفت اور صحبت رکھتے رہے۔حضرت بھورل سائیں کے وصال کے بعد،سوئی شریف کی مسند ارشاد خالی ہوئی تو تمام جماعت کی نگاہیں حضرت سید العارفین کی طرف تھیں کہ انہیں مسند شیخ پر بٹھایا جائے آپ نے مناسب نہ سمجھا اور حضرت سانول سائیں (میاں ابوبکرؒ) کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھ دیں۔جس سے تمام جماعت کا رخ ان کی طرف ہوگیا۔اور وہی سوئی شریف کے تیسرے مسند نشین ہوئے۔

حضرت سید العارفینؒ کا جیلانی سائیں کی حیات طیبہ سے دستور تھا کہ رمضان المبارک میں کلام پاک سوئی شریف جا کر سناتے اس سلسلے میں آپ کا یہ معمول تھا کہ روزہ بھر چونڈی شریف میں افطار کرتے اور پیدل پانچ میل چل کر کلام مجید سناتے اور پھر نماز تراویح کے بعد فوراً واپس گھر آجاتے۔اس طرح روزانہ دس میل چل کر آتے جاتے۔ جیلانی سائیں کے،بعد بھورل سایں کے زمانہ تک یہ معمول برابر جاری رہا۔اور اس میں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔سوئی شریف کی پختہ مسجد،سانول سائیں کے زمانہ میں تعمیر ہوئی تو حضرت سید العارفین ہر شب پیدل خفیہ جا کر چپکے سے گارا تیار کرتے،اینٹیں ڈھو کر بنیادوں کے قریب ڈھیر لگا

دیتے اور پھر فقراء کے لیے کوزے بھر بھر واپس بھر چونڈی چلے جاتے۔
سویرے جب فقراء اٹھ کر دیکھتے تو تعمیر کا تمام سامان تیار حالت میں انکو ملتا وہ حیران رہ جاتے۔ایک دن حضرت جیلانی سائیں کے زمانہ پاک کی ایک پرانی باخدا فقیرنی مائی بوڑھی نے حضرت سانول سائیں سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔اماں (امڑ) اس چور کو پکڑو تو دیکھیں کون ہے؟ چنانچہ دوسری رات مائی بوڑھی جاگتی رہی اور چھپ کر اس مرد باخدا کا انتظار کرتی رہی ۔حسب معمول حضرت سیدالعارفین چپکے چپکے آئے، پہلے وضو فرمایا اور پھر اپنے کام میں جت گئے ۔تمام کام کر کے فارغ ہوئے تو مائی بوڑھی اچانک قریب جا کھڑی ہوئی اور پوچھا بیٹا حافظ ہو؟ آپ خاموش رہے۔تو مائی بوڑھی نے کہا حافظ !سوئی شریف کی تمام آگ اور انگارے تو پہلے سمیٹ کر لے گیا ہے اب راکھ میں کچھ چنگاریاں رہ گئی تھیں وہ بھی لے جا رہا ہے۔(بیس مردان حق جلد ا۔ص ۴۲۸)

(۲)۔ اپنی پگڑی پھاڑ کر مصلی کی جگہ بچھا دی۔

حضرت حافظ محمد صدیقؒ خود حافظ قرآن تھے اور خود ہی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ایک دفعہ ایک عالم کو نماز پڑھانے کے لیے آپ نے اپنے مصلیٰ پر کھڑا کر دیا۔حضرت کا ایک فدائی خادم نہ رہ سکا۔وہ مصلی لے کر بھاگ گیا کہ میرے حضرت کے مصلی پر غیر آدمی کیوں کھڑا ہو؟ حضرتؒ نے اپنی پگڑی پھاڑ کر مصلی کی جگہ بچھا دی اور فرمایا کہ اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھایئے۔اسکو کہتے ہیں ہستی فنا ہونا۔ (ایضا ص ۵۰۴)

سیدالطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)''ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضہ مبارک کے گنبد شریف ہی کی زیارت نصیب ہو جائے''۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آئے اور عرض کیا ایسا وظیفہ بتلا دیجئے کہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہو جائے۔حضرت نے فرمایا کہ آپ کا بڑا حوصلہ ہے،ہم تو اس قابل

بھی نہیں کہ روضہ مُبارک کے گنبد شریف ہی کی زیارت نصیب ہو جائے۔

اللہ اکبر! کس قدر شکستگی و تواضع کا غلبہ تھا۔ اس پر حضرت والا (تھانویؒ) نے فرمایا کہ یہ سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں، حضرت کی عجیب شان تھی، اس فن کے امام تھے، ہر بات میں شان محققیت و حکمت ٹپکتی تھی، یہ ہی وجہ ہے کہ حضرت کے خادموں میں سے کوئی محروم نہیں رہا۔ ہر شخص کی اصلاح و تربیت اُس کی حالت کے مطابق فرماتے تھے، اسی تواضع کو مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

ے فہم خاطر تیز کردن نیست راہ ، جز شکستہ می نگیرد فضلِ شاہ

ہر کجا پستی است آب آنجا رود، ہر کجا دردے شفا آنجا رود

(بہت بڑا محقق بننا طریق عشق میں کار آمد نہیں، بادشاہ (حق تعالی) کا فضل شکستہ حال ہی کی دستگیری کرتا ہے۔ پانی نشیب ہی کی طرف جاتا ہے، جہاں درد ہوتا ہے شفا وہیں جاتی ہے)

وہاں تو مٹ جانے اور فنا ہونے کا سبق ملتا ہے۔ حضرت کی خود یہ حالت تھی کہ اپنے ہر ہر خادم کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔ (ملفوظات حکیم الامت جلد ا۔ص ۹۲)

(۲)۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی شان عبدیت:۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے انکسار اور شان عبدیت کا کیا ٹھکانہ۔ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالی کی ستاری ہے کہ میرے عیوب کو اہل نظر سے چھپا رکھا ہے، یہ باتیں کہنے سے سمجھ میں نہیں آتیں مگر کہنا پڑتی ہیں، جن پر یہ باتیں گزرتی ہیں وہی خوب جانتے ہیں، یہاں قال سے کام نہیں چلتا، یہاں ذوق کی ضرورت ہے۔ (ص ۱۸۱)

(۳)۔"آنے والے حضرات کے قدموں کی زیارت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں"۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے'' کہ آنے والے حضرات کے قدموں کی زیارت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں، کیونکہ میرا تو کسی دلیل سے بھی اچھا ہونا ثابت نہیں اور میرے پاس آنے والے اللہ کا نام لینے آتے ہیں یہ یقیناً اچھے ہیں''۔

آہ! بھلا جس شخص کا یہ عقیدہ ہو وہ آنے والوں کو تحقیر کی نظر سے دیکھ سکتا ہے؟ یا ایسا شخص کسی کے آنے سے گھبرائے گا؟ (ص ۱۹۱)

(۴)۔ حضرت حاجی صاحب کی سادگی کا حال ایک اہل علم کی زبانی۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ نے حاجی صاحب رحمتہ اللہ میں کیا دیکھا کہ جس کی وجہ سے ایسا خادمانہ تعلق رکھ لیا؟ فرمایا اسی وجہ سے تو تعلق قائم کیا کہ وہاں کچھ نہیں دیکھا۔ مطلب یہ تھا کہ کوئی تصنع کی بات نہیں دیکھی تھی۔ خوب ہی جواب دیا، واقعی بات تو یہ ہے کہ اپنے بزرگوں میں ایسی باتوں کا نام و نشان نہ تھا، بہت سادہ وضع اور متبع سنت تھے، دوسروں کی طرح کسی قسم کا ڈھونگ نہ تھا، پس یہی طرز قابل پسند ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت جلد ۲۔ ص ۳۳۶)

(۵)۔ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ پر فناء کی ایک خاص شان غالب تھی۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انسان عشاق کے حالات پڑھ لیا کرے اور ان کے پاس بیٹھ لیا کرے اس سے ہی بہت کچھ ہو رہتا ہے، بالخصوص حضرات چشتیہ سے تعلق رکھنے سے ایک خاص دولت ملتی ہے یعنی فناء کیونکہ ان کے یہاں یہی خاص چیز ہے کہ اپنے کو مٹا دو۔ فنا کر دو۔ بعض حضرات کے یہاں بقاء مقصود ہے، فناء تابع اور حضرت چشتیہ کے یہاں فنا اصل ہے، بقاء تابع۔

حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ پر فناء کی ایک خاص شان غالب تھی، چنانچہ حضرت سے کوئی عرض کرتا کہ حضرت کی وجہ سے یہ نفع ہوا، فرماتے'' میاں! میں نے کچھ نہیں کیا تمہارے اندر دولت تھی، میرے پاس آ کر میری تعلیم پر عمل کرنے سے اس کا ظہور ہو گیا

"یہ شان فنا کی تھی۔
قاری محمد علی صاحب جلال آبادی کہتے تھے کہ مولانا مظفر حسین صاحب کاندہلوی حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے تھے کہ" حاجی صاحب بزرگان سلف میں سے ہیں ،اس وقت کے بزرگوں میں سے نہیں۔" واقعی حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ علیہ کی یہی شان تھی۔ (جلد۳۔ص۲۲۹)

(۶)۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سادگی۔

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کی تو ظاہری وضع بھی سادی رہتی تھی ،کوئی پہچانتا بھی نہیں تھا۔

ایک مرتبہ حاجی صاحب رحمہ اللہ علیہ دہلی تشریف رکھتے تھے ،دیکھا ایک جگہ مجمع ہے اور "دردنامہ ءغمناک" جو کہ حضرت حاجی صاحب کی تصنیف ہے پڑھا جارہا ہے حضرت بھی مستمعین (سننے والوں) میں شریک ہوگئے اور کسی نے پہچانا بھی نہیں۔

ایک بار پانی پت تشریف لیجارہے تھے ،راستہ میں دیکھا کوئی عاشق یہی دردنامہ پڑھتا جارہا ہے ،فرماتے تھے کہ میں نے کہا" کیوں بک بک لگا رہا ہے" اس نے حضرت کو سختی سے جواب دیا تو کیا جانے؟ حضرت کے پانی پت پہنچنے کے بعد شہرت ہوئی ،یہ شخص بھی ملاقات کو آیا ،حضرت کو پہچان کر بہت شرمندہ ہوا اور حضرت سے معافی چاہی ،حضرت نے فرمایا کہ بھائی !تم نے کوئی بری بات تو نہیں کہی تھی ،یہی تو کہا تھا کہ" تو کیا جانے؟" واقعی میں تمہاری حالت کو کیا جانوں؟

یہ حالت تھی اپنے بزرگوں کی سادگی کی اور اب تو رنگ ہی بدل گیا ،ڈھنگ ہی نرالے ہیں ،مجھ کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ایک دم کایا پلٹ ہوگئی۔ (جلد۴ ص۱۳۷)

(۷)۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی شان تحقیق:۔

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی شان تحقیق ہر امر میں عجیب وغریب تھی۔ایک مرتبہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے واپسی ءقسطنطنیہ کے بعد حضرت سے کہا کہ

سلطان عبدالحمید خان صاحب میں ایسی ایسی خوبیاں ہیں، اگر آپ کہیں تو سلطان سے آپ کا بھی تذکرہ کردوں؟ حضرت نے فرمایا کہ غایت مافی الباب اس تذکرہ سے وہ میرے معتقد ہو جائیں گے، پھر اس اعتقاد کا کیا نتیجہ ہوگا، صرف یہ ہوگا کہ وہ مجھ کو آپ کی طرح بلائیں گے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ بیت اللہ سے بعد ہوگا اور بیت السلطان سے قرب۔ مگر اس ارشاد میں بظاہر ایک دعوی اپنے بڑے اور سلطان کے چھوٹے ہونے کا معلوم ہوتا تھا، ساتھ ہی اچھا تدارک فرمایا کہ آپ سلطان کو عادل بتاتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ سلطان عادل کی دعاء مستجاب ہوتی ہے، سو اگر ممکن ہو میرے لیے ان سے دعاء کرادیجیے مگر اس کا یہ طریق تو عرفاً مناسب نہیں کہ ایک فقیر کے لیے سلطان سے دعاء کو کہا جائے، سو مناسب صورت یہ ہے کہ ان سے میرا اسلام کہہ دینا وہ اس کا جواب دینگے پس وہی جواب دعاء ہو جاوے گی (ص ۱۷۵)

(۸)۔ ہر بڑے سے بڑے شخص کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے تھے۔

ایک سلسلہء گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے جو فیض زیادہ ہوا وہ حضرت کی شفقت کی وجہ سے ہوا۔ آپکی شفقت کی حالت اس کی مصداق تھی

؎ بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است زانکہ لطف شیخ وزاہد گاہ ہست وگاہ نیست

حضرت کی ذات عجیب وغریب تھی وہ بات کسی میں بھی نہ دیکھی جو حضرت میں تھی، مایوسی اور پریشانی تو وہاں تھی ہی نہیں، ہر پریشان کی وہاں تسلی ہی تسلی تھی اور برے سے برے شخص کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے، جسکی وجہ غایت تواضع تھی۔ مشکل سے کسی کے ساتھ حضرت کو بدظنی ہوتی تھی حتی الامکان سب کے افعال اور اقوال میں توجیہ اور تاویل ہی فرمادیا کرتے تھے۔ (جلد ۶۔ ص ۱۸۲)

(۹)۔ گھر کی حاجت کے لیے عجیب دعا:۔

ایک سلسلہ ءگفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی عجیب شان تھی۔ عبدیت کا اس قدر غلبہ تھا کہ آپ کی ہر بات سے شان فنا ٹپکتی تھی، چنانچہ باوجود

زاہد ہونے کے گھر کی حاجت کے لئے یہ دعا فرمائی تھی کہ ''اے اللہ! کوئی ایسا ٹھکانہ دید یجیے جس میں بیٹھ جاؤں اور کوئی یوں نہ کہے کہ یہاں سے اٹھو''۔ سوحق تعالیٰ نے ایسا ہی سامان فرمادیا۔ (جلد ۷۔ص ۱۶۰)

(۱۰)۔ حضرت حاجی صاحب کا اپنی مدح کی تاویل فرمانا:۔

ایک سلسلہ گفتگو میں ارشاد فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی بزرگ مشائخ میں سے آتے اور حضرت کی تعریف کرتے تو ان کے چلے جانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میاں کی ستاری ہے کہ اہل کی نظر سے بھی میرے عیوب چھپا رکھے ہیں۔

کیسی شان ہے ان حضرات کی بالکل ہی فانی محض ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کے رہنے والے ہی نہ تھے ہر وقت اسی طرف کا استغراق، اسی طرف کا دھیان دل میں رچا ہوا تھا کہ بجائے اس کے کہ اہل بصیرت کی مدح سے کمال کا گمان ہوتا خود مدح کی تاویل فرماتے تھے (جلد ۹ ص ۲۴)

(۱۱)۔''مجھے خود بھی حیرت ہے کہ یہ حضرات میرے کیوں معتقد ہو گئے؟:۔''

امیر شاہ خان صاحب نے فرمایا کہ ایک شخص پنجابی ڈاکٹر مکہ معظمہ گیا ہوا تھا، حافظ صاحب کی بیوی سے ان کا نکاح ہو گیا تھا، اس نکاح میں کچھ باتیں حضرت حاجی صاحب کی طبیعت کے خلاف بھی ہوئی تھیں اور یہ ڈاکٹر اچھا آدمی بھی نہیں تھا، چنانچہ میں اس کو مکہ جانے سے پہلے سے جانتا تھا۔ اس ڈاکٹر نے ایک مرتبہ گستاخانہ طور پر حضرت حاجی صاحب سے کہا کہ مجھے آپ کے اندر کوئی کمال نظر نہیں آتا، رہی آپ کی شہرت! سو یہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کی وجہ سے ہوئی ہے، پھر مجھے یہ حیرت ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب آپ سے کس طرح بیعت ہو گئے؟۔

اللہ رے نفوسِ قدسیہ! کہ اس کو سن کر ذرا تغیر نہیں ہوا اور مسکرا کر فرمایا کہ ''ہاں بھائی! بات تو

ٹھیک کہتے ہو مجھے خود بھی حیرت ہے کہ یہ حضرات میرے کیوں معتقد ہو گئے، اور لوگ مجھے کیوں مانتے ہیں''۔ (ارواح ثلاثہ)

(۱۲)۔ فقیر آپ کی محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

اپنے مسترشد حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''ایک ضروری اطلاع یہ ہے کہ فقیر آپ کی محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے اور الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت کو میرے دل میں ایسا مستحکم کر دیا ہے کہ کوئی شئے اس کو ہٹا نہیں سکتی، اور میں اپنے سب احباب کی محبت کو اپنے لیے وسیلہ نجات جانتا ہوں۔''

(مکاتیب رشیدیہ ص ۲۸)

(۱۳)۔ ''تم عزیزوں کے کمالات کی وجہ سے فقیر کے نقصان وعیوب چھپ گئے ہیں''۔

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس پر کچھ شبہ نہیں کہ تم عزیزوں کے کمالات کی وجہ سے فقیر کے نقصان وعیوب چھپ گئے ہیں اور تمہاری محبت نے اکسیر کا کام کیا ہے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ قیامت میں بھی ایسی ہی ستاری کی امید ہے اور تمہاری محبت کا بڑا وسیلہ ہے''۔ (مکاتیب رشیدیہ۔ ص ۳۰)

(۱۴)۔ ان میں سے کوئی تو ایسا ہوگا جو میری بھی شفاعت کر دیگا''۔

حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی زید مجدھم فرماتے ہیں:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی آدمی بیعت ہونے کے لیے آتا ہے تو مجھے اس سے یوں ڈر لگتا ہے جیسے کسی بندے کو شیر سے ڈر لگتا ہے۔ کسی نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ آج کے بعد یہ داخل سلسلہ ہوا تو اس کے اعمال کے بارے میں بھی مجھ سے پوچھا جائیگا۔ لیکن وہ بیعت سب کو کر لیا کرتے تھے، جو آتا بیعت کر لیتے تو کسی نے پوچھا حضرت! پہلے والے بزرگ تو بڑے استخاروں کے بعد، اور بڑی سوچ سمجھ کے بعد، مہینوں کے انتظار کے بعد بیعت کرتے تھے اور آپ کے پاس جو آتا

نے جیسے آتا ہے اس کو بیعت کر لیتے ہیں۔تو حضرت نے عجیب جواب دیا فرمانے لگے کہ ''بھائی! جو آ کر بیعت کی تمنا ظاہر کرنے لگتا ہے مومن بھائی سمجھ کر اس کی بات پوری کر دیتا ہوں یہ سوچتے ہوئے کہ اگر کل قیامت کے دن میں اللہ کے حضور پکڑا گیا تو ان میں سے کوئی تو ایسا ہوگا جو میری بھی شفاعت کر دیگا۔''

(ماہنامہ ''الاکابر'' بابت رمضان وشوال س ۱۴۲۵ھ۔ص ۳۲)

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)۔تواضع وفنائیت کا مقامِ بلند:۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب فرماتے ہیں:

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے متعلق مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں کہ سچی تواضع اور انکسار نفس جتنا امام ربانی میں دیکھا گیا دوسری جگہ کم نظر سے گذرے گا، حقیقت میں آپ اپنے آپ کو سب سے کم تر سمجھتے تھے، بحیثیت تبلیغ جو خدمت عالیہ آپ کے سپرد کی گئی تھی یعنی ہدایت ورہبری اس کو آپ انجام دیتے ،بیعت فرماتے ،ذکر وشغل بتلاتے، نفس کے مفاسد وقبائح بیان فرماتے اور معالجہ فرماتے تھے،مگر باایں ہمہ اس کا کبھی وسوسہ بھی آپ کے قلب پر نہ گذرتا تھا کہ میں عالم ہوں اور یہ جاہل، میں پیر ہوں اور یہ مرید، میں مطلوب ہوں اور یہ طالب، مجھے ان پر فوقیت ہے، میرا درجہ ان کے اوپر ہے۔

کبھی کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آپ نے اپنے ''خدام'' کو ''خادم'' یا مستوسل یا ''منتسب'' کے نام سے یاد فرمایا ہو، ہمیشہ اپنے لوگوں سے تعبیر فرماتے اور دعا میں یاد رکھنے کی اپنے لیے طالبین سے بھی زیادہ ظاہر فرماتے تھے۔ایک مرتبہ تین شخص بیعت کے لیے حاضر آستانہ ہوئے ،آپ نے انکو بیعت فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ ''تم میرے لیے دعا کرو میں تمہارے لیے دعا کروں گا اس لیے کہ بعض مرید بھی پیر کو تیرا لیتے ہیں''۔

(آپ بیتی جلد۲ص ۲۴۱ بحوالہ تذکرۃ الرشید جلد۲ص ۱۷۴)

(۲)۔ ''اب اسی حجرہ میں دنیا بھری پڑی ہے''۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ اپنے متعلق انکسار وتواضع کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی تقریر سے اپنی خوبی کا کچھ بھی اثر ظاہر ہوا تو معاً اس کی تردید فرماتے اور اپنے سے اس انتساب کی نفی فرمادیا کرتے تھے۔ایک بار حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کے خرقہ کا تذکرہ فرما رہے تھے کہ پچاس برس حضرت کے بدن پر رہا ہے،اسی ضمن میں فرمایا''اسی حجرہ میں حضرت شیخ اور شیخ جلال تھانیسری رہا کرتے تھے،بیچ میں دیوار حائل تھی،سوکہاں تو فقر کا یہ حال تھا اور اب اسی حجرہ میں دنیا بھری پڑی ہے''۔(حوالہ بالاص ۱۶۹)

(۳)۔ ''بھائی!ہمیں تو اب تک بھی یہ حالات نصیب نہیں ہوئے''

حضرت حکیم الامت تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مولانا گنگوہی کی خدمت میں اپنے کچھ حالات لکھے،مولانا نے جواب میں تحریر فرمایا کہ''بھائی!ہمیں تو اب تک بھی یہ حالات نصیب نہیں ہوئے''۔کیا ٹھکانہ ہے تواضع کا۔

پھر فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے ایک جگہ قسم کھائی ہے کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں ہے بعض مخلص لوگوں کو اس سے شک ہوگیا کہ مولانا میں کمال کا ہونا تو ظاہر ہے تو اس قول سے مولانا کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے۔

پھر ہمارے حضرت (حکیم الامت) نے مولانا کے قول کی تفسیر میں فرمایا کہ بزرگوں کو آئندہ کمالات کی طلب میں موجودہ کمالات پر نظر نہیں ہوتی،پس مولانا اپنے کمالات موجودہ کی کمالات آئندہ کے سامنے نفی خیال فرماتے تھے

(آپ بیتی جلد۲ص۲۴۲بحوالہ حسن العزیز دوم ص۱۱۱)

(۴)۔ ''اگر حضرت امام شافعی زندہ ہوتے تو کیا میں ان کے سامنے بولتا بھی؟''۔

ایک مولوی صاحب نے مولانا کی ایک تقریر سن کر جوش میں آکر کہا کہ آپ کے پاس آکر تو حدیث بھی حنفی ہوجاتی ہے،مطلب یہ تھا کہ آپ تو ہر حدیث سے حنفیہ کی

تائید فرماتے ہیں اور اگر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے، اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے کہ" یہ کیا کہا! اگر حضرت امام شافعی زندہ ہوتے تو کیا میں ان کے سامنے بولتا بھی؟ اور بولتا تو کیا میں تو ان کی تقلید کرتا اور امام ابو حنیفہ کی تقلید کو چھوڑ دیتا، کیونکہ مجتہد حی کے ہوتے ہوئے مناسب نہیں ہے کہ مجتہد غیر حی تقلید کی جائے"۔ (افاضاتِ یومیہ ۲۔۹، ص ۴۳۹)

(۵)۔ "شیخ کی جگہ کا ادب":۔

امیر شاہ خان صاحب نے نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھ سے بیان فرمایا کہ جب میں ابتداءً گنگوہ کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوا ہوں تو خانقاہ میں بول و براز نہ کرتا تھا بلکہ باہر جنگل جاتا تھا کہ شیخ کی جگہ ہے، حتی کہ لیٹنے اور جوتے پہن کر چلنے پھرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ (بحوالہ ارواح ثلاثہ ص ۲۸۸)

(۶)۔ "الحمدللہ! مجھے اس کی تمنا نہیں ہے کہ لوگ مصافحہ کیا کریں"۔

ایک مرتبہ آپ کو نانوتہ یا رامپور تشریف لیجانے کا اتفاق ہوا، سردی کا موسم تھا، صبح کے وقت گاڑھے کی میلی دوہر اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے، آپ کے دائیں بائیں جانب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور جناب حکیم ضیاء الدین صاحب بیٹھے تھے، ایک صاحب آئے اور دائیں بائیں دونوں حضرات سے مصافحہ کیا مگر حضرت امام ربانی کو عام آدمی سمجھ کر باوجود بیچ میں بیٹھے ہونیکے کے چھوڑ دیا، آپ کے استاذ زادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب چونکہ آپ سے بہت بے تکلف تھے اس لیے مسکرائے، حضرت امام ربانی نے مطلب سمجھا اور ارشاد فرمایا "الحمدللہ مجھے اس کی تمنا نہیں ہے کہ لوگ مصافحہ کیا کریں"۔

(تذکرہ الرشید جلد ۲ ص ۸)

(۷)۔ "بیشک میری غلطی ہے، ان شاء اللہ آیندہ نہ دیکھو گے"۔

مولوی نور محمد رحمہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں مجھے گنگوہ کی حاضری

نصیب تھی اور حضرت (گنگوہیؒ) سے حدیث پڑھا کرتا تھا، دیکھتا تھا کہ طالب علم ہو یا مسافر جو بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کو تین روز تک اپنا مہمان سمجھتے اور دستر خوان پر پاس بٹھا کر یا مکان سے کھانا منگا کر روبرو کھلایا کرتے تھے، جب طلبہ کی آمد زیادہ ہوئی اور حضرت کے مشاغل بہت بڑھ گئے تو طلبہ کو کھانا کھلانے کا وہ اہتمام آپ سے نہ ہو سکا جو کبھی کبھی آنے والے مسافر کا ہوتا تھا مگر تین دن کی مہمانی ضرور قائم تھی۔ اتفاق سے ایک پنجابی طالب علم آئے اور خدا جانے کیا وجہ پیش آئی کہ مکان سے ان کا کھانا نہ آیا چونکہ یہ طالب علم میرے پہلے ملاقاتی تھے اس لیے مجھے رنج ہوا اور میں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بیبا کانہ غصہ کے ساتھ عرض کیا کہ ''طلبہ کیا مہمان نہیں ہیں دوسرے لوگ ہی مہمان ہیں، اس کی کیا وجہ کہ جو بھی مہمان آتا ہے آپ اس کو خود کھانا کھلاتے اور ان بیچاروں کو دوسروں پر چھوڑ کر اتنی بھی خبر نہیں لیتے کہ مکان سے کھانا آیا نہیں''؟

بعد میں مجھے اپنی اس حرکت اور گستاخ جرات پر بہت ندامت ہوئی مگر اس وقت غصہ کی حالت میں جو کہنا زیبا نہ تھا وہ بھی کہہ گذرا۔ میری اس عرض پر حضرت نے ندامت کے ساتھ گردن جھکالی اور مجھ ناکارہ سے کہ ادنی شاگرد تھا معذرت کا یہ فقرہ فرمایا کہ ''بیشک میری غلطی ہے ان شاء اللہ آئندہ نہ دیکھو گے''۔

اس تاریخ سے میں نے دیکھا کہ حضرت نے طالب علم کی مہمانی کسی معتمد سے معتمد شخص کے حوالہ بھی نہیں کی، جو کوئی آیا خود اس کو کھانا کھلایا۔ آپ کی یہ بے نفسی اور للٰہیت دیکھ کر مجھے یقین ہوا کہ حضرت بڑے پایہ کے شیخ ہیں''۔ (تذکرۃ الرشید جلد۲ ص ۵۵)

(۸)۔ ''کسر نفسی و عامہ المسلمین سے درخواست دعا'':۔

آپ کی کسر نفسی و تواضع یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ عام مسلمانوں سے اپنے لیے دعا کراتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ ''لوگوں کے حسن ظن کی وجہ سے نجات کی امید ہے۔ من آنم من دانم''۔

بیسیوں خطوط میں آپ کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ ''مجھے دعا میں ضرور شامل رکھنا اور خدا

کرے کہ تمہارے ظن کے موافق مجھ سے حق تعالیٰ کا معاملہ ہو"۔
ایک بار مولانا حکیم محمد حسن صاحب نے اپنے حالِ قلب کی کچھ شکایت کی کہ مجھے کچھ نفع اور اثر محسوس نہیں ہوتا جی چاہتا ہے کہ چھوڑ دوں، آپ نے ان کی تشفی دی اور فرمایا کہ "میاں! کام کئے جاؤ، ہمت نہیں ہارتے، چلتے کام کا چھوڑنا کس نے بتایا ہے بہتیرا کچھ ہو رہا ہے"۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے کیونکر اطمینان ہو جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ قلب میں کچھ اثر نہیں ہے، اس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بھرائی ہوئی آواز میں یوں کہا کہ:

"خدا کے بندے! تمہیں اپنے بڑے کے کہے پر بھی اعتماد نہیں، مجھے نہیں دیکھتے کہ عام مسلمانوں کے حسن ظن پر جی رہا ہوں"۔ (تذکرۃ الرشید جلد۲ ص ۵۶)

(۹)۔ "دنیا میں تو میرے ساتھ یہ معاملے ہو رہے ہیں، دیکھئے وہاں بھی کچھ ہے یا یہیں یہ دھوم دھام ہے"۔

.... اسی تذکرہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کہیں کہ کوئی پیرزادے تھے، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے خاندان کے کوئی بزرگ ہیں، ان بزرگ کی وساطت سے یہ شخص جناب رسول اللہ ﷺ کے حضور میں پیش کئے گئے، اس وقت حضرت فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ "رشید احمد ہندی کے پاس لیجاؤ"۔ حضرت نے اس خواب کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا مگر الفاظ چونکہ یاد نہیں رہے اس لیے مختصر متیقن مضمون عرض کر دیا گیا۔ یہ خواب دیکھ کر پیرزادہ کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے بذریعہ خط کے اپنا قصد اور خواب کا قصہ حضرت سے عرض کیا، آپ نے جواب لکھوا دیا کہ "بدعات سے توبہ کر کے آؤ تو مجھے کیا عذر ہے"۔
اس کے بعد حضرت امام ربانی قدس سرہ نہایت عجز کے ساتھ فرمانے لگے کہ "دنیا میں تو میرے ساتھ یہ معاملے ہو رہے ہیں دیکھئے وہاں بھی کچھ ہے یا یہیں یہ دھوم دھام ہے"۔
اس قسم کے عاجزانہ کلمات حضرت قدس سرہ کی زبان سے اکثر بے تکلف و بلا

تصنع نکلتے تھے اور یہ اثر تھا اس نسبت عبدیت کا جو آپکی رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے تھی اور جس کے سبب آپ کسی کمال کو بھی اپنی جانب منسوب نہ سمجھتے تھے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے زیر قدم جس مقام عالی میں آپ کو کمال رسوخ عطا کیا گیا تھا اس کا تقاضا یہی ہے کہ جتنا مرتبہ بڑھتا اور چڑھتا جائے اپنے کو ہیچ ،بیکار محض اور سرتا پا عجز واحتیاج سمجھتا جائے۔ (تذکرہ الرشید جلد۲ص ۳۱۸)

(۱۰)۔''چونکہ وہ خود قابل تعریف ہیں اس لیے دوسروں کی بھی تعریف فرماتے ہیں''۔

مولوی عبدالمجید ہزاروی فرماتے تھے کہ جب میں نے مولوی نذیر حسین دہوی (مشہور غیر مقلد عالم) کے پاس حدیث شریف پڑھنی شروع کی تو دل اندر سے گھبراتا تھا اور خواب میں اکثر خنزیر کے بچے نظر آیا کرتے کہ میرے چاروں طرف پھرتے ہیں ،ایسے خوب دیکھ کر میرا دل بالکل اچاٹ ہوگیا اور میں وہاں سے روانہ ہوکر سید ھا گنج مرادآباد(حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا ،وہاں حاضر ہو کر میں نے اپنے پڑھنے اور خوابوں کی حالت بیان کی۔مولانا نے دریافت فرمایا پڑھتے کہاں ہو؟میں نے عرض کیا کہ دہلی میں مولانا نذیر حسین صاحب کے پاس۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ گنگوہ مولانا رشید احمد صاحب کی خدمت میں جا کر پڑھو وہاں حدیث کی دکان کھلی ہوئی ہے،اس کے بعد دیر تک حضرت امام ربانی قدس سرہ کی تعریف کرتے رہے اور فرمایا کہ تم جاؤ تو ہمارا سلام کہنا اور بتادینا کہ مجھے آپ کی خدمت میں فضل رحمٰن نے بھیجا ہے۔

غرض مولوی عبدالمجید صاحب گنگوہ آئے جس وقت حضرت کی خدمت میں پہنچے تو حضرت وضو کے لیے چوکی پر بیٹھے اور مسواک کررہے تھے ان کو دیکھ کر مسکرائے ،انہوں نے سلام کیا اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا سلام اور پیام پہنچایا اور یہ بھی عرض کیا کہ مولانا نے آپ کی بہت تعریف کی اور انہیں کا بھیجا ہوا حاضر ہوا ہوں۔

حضرت امام ربانی نے ان کی تقریر سن کر بکمال تواضع ارشاد فرمایا ''چونکہ وہ خود قابل تعریف ہیں اس لیے دوسروں کی بھی تعریف فرماتے ہیں ورنہ من آنم کہ من دانم''۔

مولوی عبدالمجید صاحب فرماتے تھے کہ آخر میں نے حدیث شروع کی اور حضرت کی فیض سے مستفیض ہوا، اسی دن سے روز بروز پریشانی کم ہوتی اور فرحت بڑھتی رہی۔

(تذکرہ الرشید جلد۲ ص ۳۲۰)

(۱۱)۔ ''طلبہ کی حالت غیر ہوگئی اور وہ چیخیں مارنے لگے'':۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ کے یہاں درس حدیث ہورہا تھا، مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ جیسے ذہین طلبہ حدیث پڑھنے والے تھے۔ دوران درس ایک روایت آئی لاتفضلونی علی یونس بن متی حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت مت دو، اس پر طلبہ نے اشکال کیا کہ حضور اقدس ﷺ کو کیوں افضل قرار نہ دیں آپ تو سب سے افضل ہیں، خود قرآن مجید میں ہے، تلك الرسول فضلنا بعضھم علی بعض اس سے آگے ہے ورفع بعضھم درجات۔ حضرت گنگوہی نے جواب دیا کہ جو افضل ہوتے ہیں وہ اس طرح کہا کرتے ہیں مگر اس سے طلبہ کی تشفی نہ ہوئی، اس لیے حضرت گنگوہیؒ نے دوسری قوت سے کام لیا، فرمایا اچھا چلو بتلاؤ مجھ کو کیسا سمجھتے ہو؟ طلبہ نے عرض کیا اپنے میں سب سے برتر سمجھتے ہیں، پھر فرمایا کہ میں جو کچھ کہوں اس کو کیسا سمجھتے ہو؟ عرض کیا بالکل سچ سمجھتے ہیں پھر فرمایا کہ جس بات کو میں قسم کھا کر بیان کروں اس کو کیسا سمجھتے ہو؟ کہنے لگے اس میں تو جھوٹ کا شائبہ تک بھی نہ ہوگا اس پر فرمایا:

''یادرکھو! واللہ میں تم سے ہر شخص کو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں''۔

حضرت کے اس فرمانے پر طلبہ کی حالت غیر ہوگئی، چیخیں مارنے لگے، گریبان پھاڑنے لگے اور مولانا مجمع کو ذبح کرکے تڑپتا ہوا چھوڑ کر حجرہ میں چلے گئے۔ اگلے روز جب سبق پڑھانے کے لیے تشریف لائے تو دریافت فرمایا کل والی حدیث کا مطلب سمجھ میں آ گیا؟ سب نے عرض کیا کہ حضرت بالکل سمجھ میں آ گیا۔ (ملفوظات فقیہ الامت، جلد ا حصہ سوئم ص ۴۷)

(۱۲)۔ ''دوسرے پیر کے یہاں حبّ جاہ کا سر قلم پایا'' ۔

ارشاد فرمایا کہ اعلیٰ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمتہ اللہ علیہ پہلے میاں عبدالرحیم رحمہ اللہ علیہ (جن کا مزار سہارنپور سے پنجاب جانے والی سڑک پر ریلوے پھاٹک کے قریب باغ میں ہے) سے بیعت تھے ان کے مجاز بھی تھے، ان کے انتقال کے بعد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور حضرت سے بھی خلافت ملی ، کسی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت! پہلے اور دوسرے پیر میں کیا فرق پایا؟ تو بڑا مختصر اور جامع جواب دیا فرمایا کہ ''دوسرے پیر کے یہاں حبّ جاہ کا سر قلم پایا''۔ (بحوالہ بالا)

(۱۳)۔ ''دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھنا''۔

ایک بار حضرت نانوتوی رحمہ اللہ علیہ نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے فرمایا کہ ایک بات پر بڑا رشک آتا ہے کہ ماشاء اللہ آپ کی نظر فقہ پر بہت اچھی ہے ہماری نظر ایسی نہیں۔ فرمانے لگے ''جی ہاں! ہمیں کچھ جزئیات یاد ہو گئیں تو آپ کو رشک ہونے لگا اور آپ مجتہد بنے بیٹھے ہیں ہم نے آپ پر کبھی رشک نہیں کیا''۔ اس طرح کی باتیں ہوا کرتی تھیں وہ انہیں اپنے سے بڑا سمجھتے اور یہ انہیں بڑا سمجھتے۔

(اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۵۷)

(۱۴)۔ ''جو لوگ قال اللہ قال الرسول پڑھتے ہوں رشید احمد ان کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے؟''

ایک مرتبہ حضرت حدیث شریف کا درس دے رہے تھے، ابر ہو رہا تھا کہ اچانک بوندیں پڑنا شروع ہو گئیں، جس قدر طالب علم شریک درس تھے سب کتابوں کی حفاظت کے لیے اٹھ کر بھاگے اور سہ دری میں پناہ لی، پھر کتابیں رکھ کر جوتے اٹھانے چلے، صحن کی طرف رخ کیا تو دیکھتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ سب کے جوتے جمع کر کے لا رہے ہیں ،طلبہ نے کہا کہ حضرت! آپ نے یہ کیا کیا؟ فرمایا: "جو لوگ قال اللہ وقال الرسول پڑھتے ہوں رشید احمد ان کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے؟ "(ص ۶۲)

(۱۵)۔ ''اس دیہاتی نے صحیح نتیجہ اخذ کرلیا'':۔

ایک دفعہ حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے خدام آپ کا بدن دبا رہے تھے کہ ایک بے تکلف دیہاتی نے سوال کیا کہ مولوی جی! آپ تو بہت ہی دل میں خوش ہوتے ہونگے کہ لوگ خوب خدمت کرر ہے ہیں؟ فرمایا ''بھائی جی! جی تو خوش ہوتا ہے کیونکہ راحت ملتی ہے لیکن الحمد اللہ بڑائی دل میں نہیں آتی''۔ یہ سن کر وہ دیہاتی بولا ''جی مولوی جی! اگر یہ دل میں نہیں آتا تو بس پھر خدمت لینے میں کچھ حرج نہیں''۔ اس دیہاتی نے صحیح نتیجہ اخذ کرلیا (ص ۶۷)

(۱۶)۔ حضرت گنگوہیؒ کی خادم پر شفقت:۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ کے یہاں ایک طالب علم خادم رہتا تھا، ایک روز اس کو کسی جگہ بھیج دیا، اس کی عدم موجودگی میں کہیں سے مٹھائی آئی، وہ حضرت نے وہیں تقسیم کردی جب وہ طالب علم کام سے فارغ ہوکر آیا اور اس کو معلوم ہوا کہ مٹھائی تقسیم ہوئی تھی تو اندر ہی اندر بہت غصہ ہوا کہ کام کے واسطے ہم اور مٹھائی کے واسطے دوسرے، جی ہی جی میں خوب گھٹا، اسی دوران اس کو اپنے حجرہ کے پاس کسی کے پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی پھر زنجیر پر ہاتھ پڑا اور دروازہ کھٹکھٹایا، اس نے غصہ میں اندر ہی سے پوچھا کون؟ حضرت نے فرمایا رشید احمد، لو یہ تمہارا حصہ ہے مٹھائی کا تمہارے پیچھے تقسیم ہوئی تھی تم یہاں تھے نہیں اس لیے میں نے تمہارا حصہ رکھ لیا تھا۔ (ملفوظات فقیہ الامت جلد ۲ حصہ دہم ص ۸۸)

(۱۷)۔ ''جہاں سے کچھ ملا کرتا ہے وہاں سے ناگواری نہیں ہوتی'':۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مرتبہ ساتھ بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے کہ مولانا شیخ محمد صاحب آ گئے، دیکھ کر کہنے لگے آہا! آج تو مرید صاحب کے اوپر بڑی نوازش ہورہی ہے کہ ساتھ کھانا کھلایا جا رہا ہے۔ حضرت حاجی

صاحب باوجودیکہ حضرت مولانا کا بے حد ادب فرماتے تھے مگر اس وقت مصلحت تربیت کے لیے فرمایا کہ ہاں ہے تو میری عنایت کہ میں اس طرح ساتھ بٹھلا کر کھانا کھلا رہا ہوں ورنہ مجھ کو تو یہ حق ہے اور ان کی حیثیت یہ ہے کہ میں روٹی ان کے ہاتھ پر رکھ کر کہتا کہ وہاں بیٹھ کر کھاؤ اور اس ارشاد کے ساتھ کن انکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کوئی تغیر تو نہیں ہوا۔

یہ واقعہ ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ پر ذرا برابر ناگواری کا اثر نہیں ہوا، کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ کو ناگوار تو نہیں ہوا تھا؟ فرمایا ''جہاں سے کچھ ملا کرتا ہے یا ملنے کی کچھ امید ہوتی ہے، وہاں سے ناگواری نہیں ہوا کرتی''۔ تو یہ تو وہ راہ ہے کہ بڑوں بڑوں کو چر کہ دیا جاتا ہے

(حکیم الامتؒ کے حیرت انگیز واقعات ص ۴۳۴)

(۱۸)۔ ''شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں'':۔

بریلی کے مولوی احمد رضا خان نے اکابر دیوبند کی تکفیر اور ان پر سب و شتم کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ ہر پڑھے لکھے انسان کو معلوم ہے۔ ان فرشتہ صفت اکابر پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس دشنام طرازی کا سب سے بڑا نشانہ تھے، ایک روز اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب کاندہلوی سے فرمایا کہ ان کی تصنیفیں ہمیں سنادو۔ حضرت مولانا یحیٰ صاحب نے عرض کیا کہ ان میں تو گالیاں ہیں۔ اس پر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:

''اجی دور کی گالیاں کا کیا ہے، پڑی (یعنی بلا سے) گالیاں ہوں تم سناؤ۔ آخر اس کے دلائل تو دیکھیں شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں''۔

(ارواح ثلاثہ: ص ۲۱۱)

اللہ اکبر! یہ حق پرستوں کا شیوہ کہ مخالفین بلکہ دشمنوں کی باتیں بھی ان کی دشنام طرازیوں سے قطع نظر اس نیت سے سنی جائیں کہ اگر اس سے پنی کوئی غلطی معلوم ہو تو اس سے رجوع کر لیا جائے۔ (اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۱۱۴)

(۱۹)۔ ’’مجھے تحقیق نہیں‘‘:۔

اگر آپ کو کسی مسئلہ کا علم نہ ہوتا یا اس کے بارے آپ کی تحقیق مکمل نہ ہوتی تو’’ لاادری‘‘
(میں نہیں جانتا) کہنے میں آپ کو کوئی جھجک یا گھبراہٹ نہ ہوتی تھی بلا تامل یا بے تکلف فرما دیتے کہ میں اس مسئلہ کو نہیں جانتا یا مجھے مسئلہ نہیں آتا۔ اس بات کا ذرہ بھر خیال نہیں کرتے تھے کہ لوگ کیا کہیں گے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک پرچہ ایک شخص کے پاس دیکھا جس پر چند سوالات اور حضرت کی طرف سے ان کے جوابات تھے۔ اسی پرچہ میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ’’ بچوں کو نزع کی تکلیف زیادہ کیوں ہوتی ہے‘‘؟

اس کا جواب حضرت نے صرف یہ لکھا تھا۔ کہ’’ مجھے تحقیق نہیں‘‘(بیس بڑے مسلمان ص۱۸۲)

(۲۰)۔ ’’مجھے بھی یاد رکھنا!‘‘۔

ظاہر پرستوں کے نزدیک کرامات کسی کے ولی ہونے کی علامت ہیں حالانکہ سب سے بڑی کرامت اتباع سنت اور استقامت علی الدین ہے۔ کرامت تو مقصود ہی نہیں ہے۔ اصل مقصود اتباع سنت ہے۔ جو اس بارے میں جتنا زیادہ پختہ و مستقیم ہوگا وہ اتنا صاحب کمال اور مقرب الٰہی ہوگا۔ انسان افراط وتفریط کے درمیان احتیاط سے چلنے والا ہو تو وہ صاحب کمال کہلائے گا۔ حضرت گنگوہیؒ ایسے ہی معتدل المزاج، میانہ رو بزرگ تھے اور اس قدر استقامت اور استقلال تھا کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔

حضرت تھانوی حج کے لیے تیار ہوئے اور خدمت میں حاضر ہوکر رخصت واجازت چاہی، اس کے بعد عین روانگی کے دن بذریعہ تحریر پھر حضرت کو اطلاع دی کہ بندہ آج روانہ ہو رہا ہے

حضرت گنگوہیؒ نے جو تحریر بھیجی اس میں درج تھا کہ’’ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں

حاضر ہو کر مجھے بھی یاد رکھنا''۔اس کے بعد یہ شعر مسطور تھا

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی   بیاد آر محبان بادہ پیمارا۔

یہ اتباع ہے اس مضمون کا کہ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت سے عمرہ کی اجازت چاہی تو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ بھائی وہاں حاضر ہو تو دعا کے اندر ہمیں مت بھول جانا۔(بحوالہ بالا ص ۲۱۱)

(۲۱)۔''منہ پر مدح کرنے والوں کی یہی جزا ہے'':۔

مولوی حکیم اسماعیل گنگوہیؒ نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا۔ بے تکلف ہونے کی وجہ سے حضرت کے تنفر ظاہر کرنے کے باوجود باصرار سنایا، جب ختم کر چکے تو آپ جھکے اور زمین سے خاک اٹھا کر ان پر ڈال دی۔انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میرے کپڑے خراب ہو گئے۔آپ نے فرمایا منہ پر مدح کرنے والوں کی یہی جزا ہے۔میں کیا کروں جناب رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے(حوالۂ بالا)

مکاتیب رشیدیہ سے چند اقتباسات

(۱)۔اپنے مرید صادق سے حضرت گنگوہیؒ کی عجیب تواضع کے کلمات رفیعہ:۔

اپنے مسترشد حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس ناکارہ کو ساری عمر گذر گئی کچھ بھی نصیب نہ ہوا، چاہ سے پانی چلتا اور بذریعہ نالی و نل کے زراعت میں جاتا ہے، نل نالی کو کچھ حظ نہیں محض واسطہ ہے، علی ہذا یہ ناکس واسطہ واقع ہوا گو خود خشک لب محروم ہے۔اب خود آپ سے التجاء دعا کرتا ہوں کہ ہمت و دعا سے مجھ کو بھی یاد رکھیں۔

شیخ عبدالقدوس قدس سرہ فرماتے ہیں کہ''اصل یہ ہے کہ شیخ مرید کو لے جاتا ہے اور فضل یہ ہے کہ مرید شیخ کو لے جاوے''۔پدرِ مفلس کو اگر چہ زکوۃ درست نہیں مگر صدقہ ءنافلہ جائز

ہے۔علی ہذا اصل ایمان وفرائض تو مرید سے شیخ کو ملنا محال ہے مگر ترقی حالات ملنا عجب نہیں ،سواس ناکس کو اس عمر میں سوائے اصل نسبت مسلسلہ کے کچھ نہیں ملا،یہ انوار وتجلیات سے کچھ نہیں پایا،کیا تعجب کہ آپ کی دعا وبرکت سے کچھ مل جاوے''۔(مکاتیب رشیدیہ ص ۴۳)

(۲)۔ ''حضرت گنگوہیؒ کی فناء عن الانوار'':۔

مولانا صدیق احمد صاحبؒ کو ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

''اب حق الامر ظاہر کرتا ہوں،من آنم کہ من دانم،شیخ امداداللہ نے باامداد اللہ تعالی اس ذرہ خوار،ذلیل ناہموار،سرشار بداخلاقی وظلمات کو اجازت ارادۂ خلق فرمائی ،گویا اضلالِ خلق اللہ کا ذریعہ بنایا۔خودخراب درخراب تمام عمر کو خوار کیا۔گاہ(کبھی)بھی نور کا ظہور نہ ہوا،واللہ باللہ ثم ،باللہ کہ ایسے واردات کا خواب تک بھی نہیں دیکھا،جانتا تھا کہ ایک روز رسوا ہونا پڑے گا،لہذا ہر روز سب کے روبرو اپنے حرمان کو ظاہر کرتا رہا۔اب فضل الٰہی دامن گیر ہوا کہ تم کو مجھ سے نامزد کرکے آپ کو اس قدر نوازش بیکراں سے شاد فرمایا،تمہاری اصلاح کے کیا شایان ہوں،بہرحال بجز تصدیق کے اور کیا کرسکتا ہوں ''۔۔۔۔۔۔۔۔(ص ۴۴)

(۳)۔ ''میرا حال اس قابل نہیں کہ کوئی مجھ سے اعتقاد رکھے''۔

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''آپ بوجہ حسن ظن کیا کچھ میرے ساتھ اعتقاد جمائے بیٹھے ہیں۔الحق مجھ کو نہایت شرم ہے،میرا حال قابل اس کے نہیں کہ کوئی مجھ سے اعتقاد کرے مگر تمہارا حسن ظن اپنا وسیلہ آخرت جانتا ہوں،انا عند ظن عبدی بی موجب طمانیت ہورہی ہے۔پس میرا پردہ فاش کرکے مجھ کو ضائع مت کرو''(ص ۴۸)

(۴)۔ ''اپنے آپ کو بالکل بے مناسبت اور خالی دیکھ کر تاسف کرتا ہوں''۔

ایک مکتوب میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کے رفعت حال سے سرور ہوتا ہے کہ شاید اس محروم کو بہمیں وسیلہ بخش دیں اور پھر آپ کا حسن ظن جو ہے اس سے بھی توقع خیر ہوتی ہے کہ مقبولوں کا ظن خالی نہیں جاتا۔اس عاجز کو صاحب استقامت جاننا اور اس کے قدم بقدم چلنا محض آپ کا حسن ظن ہے''۔

''.........اپنے آپ کو بالکل بے مناسب اور خالی دیکھ کر تاسف کرتا ہوں''۔(ص ٦٠)

(۵)۔''آپ تشریف لاویں گے تو خود ہی امید نفع کی رکھتا ہوں کہ صحبت صلحاء غنیمت ہے''۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے ایک مکتوب کے جواب میں انہیں تحریر فرماتے ہیں:

..........''اور یہاں آنے کے باب میں جو آپ استفسار فرماتے ہیں تو بقولے ع

''او خویشین گم است کرا رہبری کند

مگر معھذا اگر آپ تشریف لاویں گے تو خود ہی امید نفع کی رکھتا ہوں کہ محبت صلحاء جس قدر میسر آوے غنیمت ہے''۔(ص ٦١)

(٦)۔ ''تم کو ذخیرہ خیرات جانتا ہوں، تم قابل فراموشی نہیں ہو''۔

اپنے خلیفہ مجاز حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''السلام علیکم، آپ کا نامہ آیا، یاد الفت کو دلایا، تم کو ذخیرہ خیرات جانتا ہوں''

تم قابل فراموشی نہیں ہو، دعا کا طالب ہوں''(ص ٦٣)

(۷)۔ ''اگر خود ایسے عطیات سے محروم ہے بار احباب کو عطاء متواتر ہے''۔

حضرت سہارنپوریؒ کو ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کا خط آیا حال معلوم ہوا، واردات رجوع الی اللہ تعالی موجب فرحت

ہیں۔ حق تعالیٰ کا نہایت شکر کرنا لازم ہے کہ یہ بڑی نعمت کبریٰ ہے کہ بمقابلہ جہاں مثل پر پیشہ بھی نہیں اور اس احقر کو تو نہایت ہی باعث شکر وافتخار ہے کہ اگر خود ایسے عطیات سے محروم ہے بار احباب کو عطاء متواتر ہے

درگوزم برسر گیسوے تو تارے تا سایہ کند برسر من روز قیامت

مردہ پر اگر وقت مرگ کوتاہی کفن دیکھی جائے تو یہ بھی تاویل ہوسکتی ہے کہ تکفین میں اولیاء نے کوتاہی کی اور غیر مشروع امر پیش آیا، کوتاہی کفن میں مردہ کا قصور کیا؟ اگرچہ باعتبار دیگر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لباس عبارت تقویٰ سے ہے مگر ہر حال میں دعاء مغفرت ضرور ہے''۔

(ص ۶۵)

(۸)۔ ''اب التفات بندہ کا آپ کی طرف سائلانہ ہے نہ کہ معطیانہ'':۔

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''تمہاری بہبودی سے توقع کرتا ہوں کہ خود بھی کچھ نفع پاؤں کہ تم نے بحسن ظن دلیل رہبر بنایا ہے ورنہ اپنی شومی کیا کہوں، اول تو کچھ حاصل نہ ہوا تھا، اگر کچھ طفل تسلی اپنی کی تھی اب ضعف قوت اور ہمت نے اس سے جواب دیا۔ سو خیر دوستوں کی وجہ سے شاید کچھ حصہ مل جاوے۔ اب التفات بندہ کا آپ کی طرف سائلانہ ہے نہ کہ معطیانہ'' من دق باب الکریم فتح ''حق تعالیٰ آپ کو فتح باب نصیب فرماوے''۔ (ص ۶۶)

(۹)۔ ''اب سب رفیق رخصت ہوئے دیکھئے کب تک میری قسمت میں اس دنیا کے دھکے لکھے ہیں''۔

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اب حادثہ جدیدہ یہ ہوا کہ مولوی محمد مظہر صاحب مرحوم (صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) ۲۴ شب ذی الحجہ یکشنبہ کو فوت ہوئے، عالم اندھیرا ہوا، اب سب رفیق رخصت ہوئے، دیکھئے کب تک میری قسمت میں اس دنیا کے دھکے لکھے ہیں اناللہ وانا الیہ راجعون''۔ (ص ۷۰)

(۰)۔ ''حکیم عبدالعزیز صاحبؒ کے ہدیہ پر حضرت گنگوہیؒ کے غیر معمولی کلمات تواضع''۔

حکیم صاحب موصوف رحمتہ اللہ علیہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

''اب دوسرا خط آپ کا آیا، الحق یہ ۲۰ روپیہ مجھ کو لینا سخت معلوم ہوتا ہے کہ اس وجہ سے لیا جاوے۔ میرے دل کی خواہش یہ ہے کہ اس کو واپس کر دوں مگر تم ایسا کچھ لکھتے ہو، اب پھر بار بار لکھنا تو فضول ہے مگر اس قدر تحقیق ہے کہ لاریب آپ کو بوجہ حضرت کے بندہ سے خیال ہے اور خود یہ ناکارہ خود غرض ہے نہ کسی کی بھلائی مجھ سے ہو سکے نہ کسی کے کام کا ہوں، اگر زبانی دعا کر دی تو کیا ہوا، تم کو جو کچھ مجھ سے خیال ہے وہ محض حسن ظن ہے اور میں اپنے اندر کو جانتا ہوں کہ اپنی محبت اور غرض سے پرے ہے تم دوسرے درجے میں، الحق کہ خود حضرت مرشد نا سے بھی مجھ کو جیسی چاہیے اعتقاد و محبت نہیں۔ ایک بار خدمت میں حضرت کے بھی عرض کر دیا تھا کہ آپ کے سب خادموں سے اس بات میں کم ہوں، ہر شخص کو کسی درجہ کی آپ کی محبت ہے اور اعتقاد، مگر مجھ نالائق کو کچھ بھی نہیں اور یہ اس واسطے ذکر کیا تھا کہ نفاق اپنا ظاہر کر دوں اور حقیقت الحال کو عرض کر دوں سو اب دیکھو کہ جب خود اس شخص مبارک سے جس کے پاپوش (جوتے) کی بدولت دنیا میں عزت ہو رہی ہے اور یہ توجہ آپ کو ہے اس کے ساتھ اپنا یہ حال ہو تو پھر اور کوئی تو دوسرے درجہ میں ہے پس جب یہ حال خوار اپنا اپنے دوستوں کے ساتھ ہوا تو کس طرح میں ہدایا اپنے حوصلہ سے زیادہ قبول کروں، وہ کسی خیال میں اور اپنا کچھ اور حال تو اب کیا کہوں؟ نہ کہہ سکتا ہوں نہ چپ رہ سکتا ہوں۔

اس قدر پھر لکھتا ہوں کہ یہ روپیہ تمہاری غرض میں خرچ نہ ہوا تو اب ایسی حالت میں اگر قبول کر لو تو بہتر ہے، آخر ہر روز لئے جاتا ہوں اور فی الواقع یہ امر مقرر ہے کہ مجھ کو کسی محسن دوست عزیز سے آشنائی نہیں، اپنے دل میں اپنی راحت و غرض اس قدر جاگزین ہے کہ نہ کسی کے رنج سے رنج ہے نہ کسی کی فرحت سے فرحت ہر دم اپنی ہی غرض در پیش ہے، اگر چہ اس حال زار سے نادم ہوتا ہوں مگر طبعی بات کو ندامت سے سود نہیں ہوتا، شرمندہ ہوتا

ہوں اور پھر وہی طبیعت سرزد ہوتی ہے۔ تو اب اگر آپ چشم پوشی کریں تو بہتر ہے ورنہ کیا کروں حق تعالیٰ آپ کے حسن ظن سے میرے ان اخلاق ناز یبا کو زائل کر دیوے اور تھوڑی سی عقیدت اپنے مرشد کی اگر دے دیوے تو پھر برادران دینی سے البتہ کچھ الفت ہو جاوئے ورنہ قیامت کو میری حقیقت منکشف ہو کر اندیشہ ندامت ہے۔

اسی واسطے اب ظاہر کرتا ہوں کہ میرا اتفاق ظاہر ہو جاوے کہ دوست یوں جانتے ہیں کہ یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور میں بالکل ان کی طرف سے غافل اپنی غرض میں مبتلا ہوں

سوائے برادران دین! تم سے بھی توقع ہے کہ میرے واسطے اس امر کی دعا کرو کہ حق تعالیٰ مجھ کو اپنی حب (محبت) تو اس حب سے حب اس کے اولیاء کی ہووے اور پھر اس سے حب برادرانِ دینی کی ہووے ورنہ جس قدر میری کوئی شکایت کرے بجا ہے، میں خود مقر (اقرار کرنے والا) ہوں اور اپنا حال جانتا ہوں۔

اور یہ بھی ضرور ہے کہ جب آدمی کو رنج ہوتا ہے تو خلافِ توقع سے ہوتا ہے کہ جہاں آدمی توقع کسی امر کی رکھتا ہے اور وہ توقع برآمد نہیں ہوتی تو رنج ہوتا ہے، اسی واسطے غیروں سے رنج کم ہوتا ہے اور عزیزوں اور دوستوں سے رنج ہو جاتا ہے کہ ان سے توقع بھلائی کی رکھتا ہے جب بھلائی وقوع میں نہ آئی رنج ہوا، خلاف توقع ہونے کے سبب دل پر صدمہ ہوا۔ سو چونکہ اپنے آپ سے مجھ کو خود توقع نہیں کہ کسی سے سلوک کروں اور اپنے آپ کو قابل دوستی کے نہیں جانتا تو الحق اگر کوئی میری شکایت کرے تو مجھ کو بری نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ اپنے آپ کو ایسا ہی جان رہا ہوں اور کسی کی شکایت کو بجا جانتا ہوں کیونکہ میرے افعال ظاہری پر وہ لوگ مغرور ہو کر مجھ کو اپنا دوست جان گئے پھر جب معاملہ خلاف پیش آیا تو ضرور شکایت ہونی چاہیے''۔ (ص ۷۸،۷۹)

(۱۱)۔ ''حضرت گنگوہیؒ کا اپنے نفس پر سوءِ ظن اور دوسروں کے حسن ظن پر پریشانی''۔

موصوف حکیم صاحب کو ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''بخدا اپنے علم میں بحلف کہتا ہوں کہ تمہارے واسطے ہر روز تو دعا یقینا کرتا ہوں مگر پانچ وقت میں شاید کسی وقت ترک ہوتی ہو۔لیکن آپ کے اس حسن ظن سے سخت پریشان ہوتا ہوں کہ تم کو میرے ساتھ اس قدر عقیدت بے محل ہوگئی ،مجھ جیسے صد ہا عالم میں موجود اور بہتر بہت ہیں ۔ہاں اپنے مرشد کی نسبت میرا ابھی یہی عقیدہ ہے کہ ایسا شخص کم ہے ۔سو بندہ کا حال تو اس سے واضح ہو جائے گا کہ تا ایندم شب و روز آپ کے باب میں دعا کرتا ہوں اور کچھ اجابت کے آثار نہیں جس سے صاف روشن ہے کہ مثل دیگر عوام مومنین کے میں ایک ہوں۔

کوئی شخص اپنی تعریف کو برا نہیں جانتا ،میں بار بار اپنا عیب و حقیقت جو ظاہر کرتا ہوں تو فقط اس سبب سے ہی کہ میرے سبب تم اپنے مقصود سے نہ رہ جاؤ ،میری عقیدت تم کو مضر نہ ہو جا۔ ے، ناقص کے ساتھ ہو کر اپنا نقصان ہوتا ہے ،دوسرے قیامت کو جب حال ظاہر ہوگا مجھ و ندامت نہ ہو کہ خلاف توقع ظاہر ہووے گا (ص ۹۰)

مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی صاحب تذکرۃ الرشید میں اس مکتوب کے نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''اس تحریر سے کسر نفسی و تواضع کی سچی کیفیت اور راسخ القلب حالت کا جس قدر پتہ لگ رہا ہے وہ خود ناظرین کے سامنے ہے ،مجھ میں طاقت نہیں کہ لفظ لفظ کا کمال ظاہر کروں ۔مکاتیب مقدسہ میں سیکڑوں فقرات نظر آئیں گے جن سے اس صفت خاصہ کا کمال علو ظاہر ہے۔

یہ بات مسلم ہے کہ حضرت امام ربانیؒ کے نزدیک مادح و ذام یکساں تھا جس قدر لوگ آپ کی خدمت میں محبت و تعظیم اور تواضع تکریم کرتے اسی قدر حق تعالیٰ کی جناب میں آپ تواضع والحاح زیادہ کرتے اور یوں دعا مانگتے تھے کہ ''یا اللہ! میں جیسا ہوں تو جانتا ہے لیکن میرے ساتھ اُن کے حسن ظن کے موافق معاملہ فرمانا''۔ (تزکرالرشید ۔جلد۲ص ۵۷)

(۱۲)۔ ''اپنا حال جو ہے لکھ نہیں سکتا محض بیگانہ ہوں چند باتیں یاد ہیں اور بس''۔

مولانا محمد روشن خان صاحب مرادآبادی کو تحریر فرماتے ہیں:

''غرض حسب قاعدہ ہمارے حضرت (حاجی صاحب) کے آپ مجاز ہیں لہذا بطور رغبت اجازت بیعت کی عموماً دیتا ہوں کہ اپنے نام سے بیعت لیا کرو جو اہل ہووے تو بہ کرادی، حسب لیاقت وظیفہ بتادیا کریں فقط

مبارک ہو شکر کرو بہت شکر کرو اور اس اجازت کو حضرت سلمہ کی طرف سے سمجھو۔ سچ کہتا ہوں کہ ترجمان زبان شیخ ہوں۔ اپنا حال جو ہے لکھ نہیں سکتا محض بیگانہ ہوں، چند باتیں یاد ہیں اور بس فقط والسلام''۔ (ص ۹۶)

(۱۳)۔ ''خود شرمندہ و محجوب ہوا کہ آپ کو بندہ کے ساتھ حسنِ عقیدت ہے اور خود ہیچ در ہیچ ہوں''۔

مولانا موصوف کو ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''حالات آپ لوگوں کے دریافت ہو کر خود شرمندہ و محجوب ہوا کہ آپ کو بندہ کے ساتھ یہ حسنِ عقیدت ہے اور خود ہیچ در ہیچ ہوں۔ کاش آپ کے حسن عقیدت کی وجہ سے مغفور ہو جاؤں، حق تعالی رحم فرمائے''۔ (ص ۹۸)

حضرت حاجی شاہ عابد حسین صاحب دیوبندی رحمہ اللہ

(سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) کی فنائیت:۔

(حضرت تھانوی نے) فرمایا کہ حاجی محمد عابد صاحب کے زمانہ اہتمام میں ایک طالب علم کسی انتظام میں آپ سے خفا ہو گیا اور مقابلہ میں برا بھلا کہا، حضرت حاجی صاحب خاموش ہو گئے۔ دوسرے وقت ڈومنی والی مسجد میں جہاں وہ طالب علم رہتا تھا خود تشریف لے گئے اور ان طالب علم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھے اور فرمایا کہ مولانا معاف کر دیجیے، آپ نائب رسول ہیں آپ کا ناراض رکھنا مجھے گوارا نہیں ہے۔

ہمارے حضرت (تھانویؒ) نے فرمایا کہ مہتمم اور ایک ادنی طالب علم کے سامنے ان کا یہ حال۔اب تو امید نہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں۔روز بروز تغیر ہوتا جاتا ہے۔سچ ہے۔

حریفاں بادھا خورندو رفتند   تہی خمخانہ کردند ور فتند

(ارواح ثلاثہ ص ۳۴۷)

حضرت مولانا محمد یحیی کاندہلویؒ (والد محترم حضرت شیخ الحدیث) کی تواضع وسادگی:۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی سادی زندگی کو دیکھنے والے تو اب تک بکثرت موجود ہیں۔ان کے لباس یا طرز معاشرت سے کوئی ان کو مولوی بھی نہیں سمجھتا تھا، کپڑے زیادہ تر میل خورہ پہنتے تھے جناب الحاج شاہ زاہد حسین صاحب رئیس بہٹ کے یہاں میرے حضرت قدس سرہ کے کپڑے دھلا کرتے تھے اور ہر ہفتے شنبہ ان کا آدمی آکر دھوبی گھر کے کپڑے دے جاتا تھا اور جمعہ کے اتارے ہوئے کپڑے لے جاتا تھا۔میں اکثر خیال کیا کرتا تھا کہ دھلے ہوئے کپڑوں میں اور اتارے ہوئے کپڑوں میں سلوٹوں کے سوا کوئی فرق نہ ہوتا تھا کہ پاجامہ پر خدام کے دبانے کی وجہ سے کچھ سلوٹیں پیدا ہو جاتی تھیں،شاہ صاحب نے کئی دفعہ والد صاحب پر اصرار کیا کہ اعلی حضرت کے ساتھ ساتھ آپ بھی اپنے کپڑے بھیج دیا کریں،انہوں نے فرمادیا کہ میرے کپڑے ایسے ہوتے ہی نہیں کہ دھوبی کے یہاں دھلیں،بہت کم یہاں دھوبی سے دھلوانے کی نوبت آتی تھی،ورنہ کوئی خادم یا میری والدہ نور اللہ مرقدہا پانی میں نکال کر سکھا دیتی تھیں،جو اگلے جمعہ کو میرے والد صاحب پہن لیتے تھے۔

میرے پھوپھا مولانا رضی الحسن صاحب رحمہ اللہ کی زندگی رئیسانہ تھی وہ گرمی سردی کے کئی کئی اچکن بنوایا کرتے تھے،اور میرے والد صاحب کے کاندھلہ جانے پر ایک دو اچکن گرمی سردی کے ساتھ کر دیتے تھے،وہی میرے والد صاحب کے استعمال میں رہتے تھے،اپنے

لیے اچکن سلوانا میرے علم میں نہیں، چونکہ دونوں کا بدن ایک جیسا تھا، اس لیے وہ کرتے پاجامے بھی ایک دوسا تھ کر دیتے تھے، چونکہ بے تکلفی اور بچپن کا تعلق تھا، کاندھلہ میں بھی ساتھ پڑھے، گنگوہ میں بھی ساتھ رہے، اس لیے والد صاحب کو بھی ان کے کپڑے پہن لینے میں تکلف نہیں ہوتا تھا، گنگوہ کے قیام میں بھی اور سہارنپور کے مدرسی کے دور میں بھی کھانے کے وقت مخصوص خدام اور مخصوص احباب اپنے اپنے گھر سے کھانا لا کر شریک ہو جاتے تھے اور کھانے کے وقت سب جگہ کے سالنوں کو ایک بڑے طباق میں یکجائی ملا لیتے تھے اس میں شوربا بھی ہوتا، دال بھی ہوتی، ساگ بھی ہوتا، بھوجی بھی، سردی میں ان سب کو ملا کر انگیٹھی پر رکھ کر چند منٹ گرم کر لیتے تھے اور سب مل کر اس طباق میں مشترک کھاتے تھے، میرے استاذ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب سابق ناظم مظاہر علوم بھی اکثر کھانے کے وقت اپنے گھر سے کھانا لے کر آجاتے تھے، ناظم صاحب کے مزاج میں نفاست نزاکت بہت تھی مگر میرے والد صاحب سے تعلق بھی بہت تھا، وہ بھی اس کچوندے کو بہت رغبت سے کھاتے تھے، اور کبھی کبھی گوشت منگا کر اور طلبہ کے کھانے سے پہلے اسکو پکوا کر یہ سب سالن اس میں ملا کر جوش دیے جاتے تھے، تو ایسا لذیذ ہو جاتا تھا کہ ویسا لذیذ پھر نہیں ملا، اس واقعہ کو تو مولانا عاشق الٰہی صاحب نے تذکرۃ الخلیل میں بھی لکھا ہے۔

البتہ گوشت کا شوق ضرور تھا جس زمانہ میں میری والدہ سہانپور ہوتیں اس زمانہ میں تو والد صاحب کا گھر سے کھانا آجاتا ورنہ بازار سے دو چار نفر کا جس میں ہم لوگ بھی ہوتے منگا لیا جاتا شاید آپ بیتی میں اس کا ذکر کہیں آ بھی چکا۔ اور وہ بھی اسی طشت میں ڈال دیا جاتا تھا، ''اکمال الشیم'' کے مقدمہ میں مولانا شیخ علی متقیؒ کے حالات میں بھی اس واقعہ کا ذکر کر چکا ہوں کہ حضرت شیخ کا بھی یہی معمول تھا، مجھے یاد نہیں کہ والد صاحبؒ نے گھر میں اپنے لیے کبھی کسی چیز کے پکانے کی فرمائش کی ہو، والدہ مرحومہ جو بھی اپنی تجویز سے پکا دیتیں وہی دستر خوان پر چلا جاتا۔

تذکرۃ الرشید میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ اعلی حضرت گنگوہی قدس سرہ کے یہاں

کہیں سے خمیری روٹی اور قورمہ آیا نوش فرما کر خانقاہ تشریف لائے اور تشریف لا کر میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے دریافت فرمایا "میاں مولوی یحیٰ تمہیں بھی کچھ بھاوے" انہوں نے عرض کیا حضرت ایک ارہر کی دال تو بھاتی نہیں باقی جو کچھ ملے سب پسند ہے۔ آپ نے بیساختہ یہ شعر پڑھا۔

کیا کہوں جرات کہ کچھ بھاتا نہیں۔ کچھ تو بھاتا ہے جو کچھ بھایا نہیں۔

(تذکرۃ الرشید ص ۷۶ آپ بیتی ص ۲۷۱ تا ۲۷۳ جلد ۲)

اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)۔ "اللہ اکبر! اس باغ کے درختوں کے پتے پتے سے تواضع ٹپک رہی ہے":۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ کی تو پوری ہی زندگی تواضع وانکسار کی تھی۔ ہمارے جملہ اکابر میں اعلیٰ حضرت کی تواضع ضرب المثل تھی۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی حیات میں رائے پور تشریف لے گئے تو ارشاد فرمایا کہ "اللہ اکبر اس باغ کے درختوں کے پتے پتے سے تواضع ٹپک رہی ہے"۔

(آپ بیتی جلد ۲ ص ۲۵۸)

(۲)۔ "حب جاہ کا وہاں سر کٹا ہوا تھا":۔

علی میاں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کی سوانح میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ فرمایا میں اپنے حضرت کی تعریف اس لیے نہیں کرتا کہ اس میں بھی اپنی ہی تعریف ہے، ورنہ ہمارے حضرت تصوف کے امام تھے، اور تو کچھ عرض نہیں کرتا البتہ اتنا جانتا ہوں کہ چودہ سال حضرت کی خدمت میں رہا اس طویل مدت میں کبھی ایک کلمہ بھی حضرت کی زبان مبارک سے نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بو بھی آتی ہو۔

حب جاہ ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر میں سالکین کے قلوب سے نکلتی ہے، جب سالک صدیقین کے مقام تک پہنچے تب اس سے پیچھا چھوٹتا ہے۔ یہ بات میں نے اپنے

حضرت میں خوب اچھی طرح سے دیکھی کہ حب جاہ کا وہاں سر کٹا ہوا تھا۔

(حوالہ بالاص ۲۵۹)

(۳)۔ ''مجھ فقیر کے لیے تو جہاں بھی بیٹھ جاؤں گا راحت ہی راحت ہے''۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تذکرہ الخلیل میں اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ آخر سفر حج میں حضرت نور اللہ مرقدہ کے ساتھ سو سے زائد مجمع ہو گیا تھا۔ بمبئی پہنچے تو سب رفقاء کا ٹکٹ جہاز سے ملنا مشکل تھا، صرف حضرت اور حضرت کے اہل و عیال اور مخصوص رفقاء کو مل سکتا تھا، مگر حضرت نے جملہ رفقاء کے بغیر جانا قبول نہیں فرمایا اور جن کو عجلت تھی ان کو اس جہاز سے بھیج دیا اور خود پندرہ دن تک دوسرے جہاز کے انتظار میں بمبئی تشریف فرما رہے اس موقع پر بہت سے لوگوں نے حضرت قدس سرہ پر اصرار بھی کیا کہ حضرت! باقی رفقاء دوسرے جہاز سے آتے رہیں گے مگر حضرت نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ان ساتھیوں کو رنج ہوگا، مکہ مکرمہ پہنچ کر ملکی احباب نے ایک بہت نفیس مکان حضرت اور حضرت کے رفقاء کے لیے پہلے سے کرایہ پر لے رکھا تھا اور خدام نے حضرت کے کمرہ کو بہت ہی راحت کا بنا رکھا تھا۔ بعض ملکی خدام نے بہت عمدہ مسہری اور نفیس تکیے، گدے حضرت کے کمرہ کے لیے مہیا فرما رکھے تھے کہ بعد میں حضرت صاحبزادہ صاحب حکیم مسعود احمد صاحب خلف الرشید حضرت قطب ارشاد گنگوہی نور اللہ مرقدہ حج کے لیے پہنچ گئے، حکیم صاحب کے پہنچنے پر حضرت رائپوری قدس سرہ نے اپنا کمرہ سجا سجایا مع سامان راحت کے حضرت حکیم صاحب کی نذر کر دیا اور فرمایا کہ ''مجھ فقیر کے لیے تو جہاں بھی بیٹھ جاؤں گا راحت ہی راحت ہے، خدام کے ہوتے ہوئے حضرت حکیم صاحب کو تکلیف ہو یہ بہت ناموزوں ہے'' حتی کہ میرے حضرت مرشدی سہارنپوری نے بھی جو بعد میں مکہ پہنچے تھے اس پر نکیر فرمائی کہ سارا سامان لوگوں نے آپ کی راحت کے لیے دیا تھا مگر حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہ نے یہی ارشاد فرمایا کہ ''حضرت! مجھ سے دیکھا نہ گیا کہ خادم تو ایسی

راحت میں رہے اور مخدوم زادہ معمولی جگہ قیام کرے''۔
حضرت رائپوری قدس سرہ کے لیے تو خدام نے اس کا بدل کر ہی دیا مگر حضرت رائپوری قدس سرہ کا عمل ہم نالائقوں کے لیے قابل رشک ہی ہوسکتا ہے۔ (ص ۲۶۰)

(۴)۔ ''حضرت! معاف فرمائیے میں باز آیا ایسے آرام سے کہ آپ سے پاؤں دبواؤں''

ایک مرتبہ مولوی وہاج الدین صاحب جو کہ حضرت گنگوہی سے بیعت تھے رائے پور آئے رات زیادہ جاچکی تھی اور سفر کا تکان بہت تھا، ایک طرف لیٹ کر سو گئے، ذرا دیر بعد آنکھ کھلی تو دیکھا ایک شخص پائینتی بیٹھا ہوا آہستہ آہستہ ان کے پاؤں دبا رہا ہے مگر اس احتیاط سے کہ آنکھ نہ کھل جائے، اول تو سمجھے کہ حضرت نے کسی خادم کو بھیج دیا مگر پھر غور کی نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ یہ تو خود حضرت مولانا ہیں، یہ گھبرا کر اٹھے اور کود کر چارپائی کے نیچے آئے کہ حضرت! یہ کیا غضب کیا؟ فرمایا ''بھائی! اس میں حرج کیا ہے؟ آپ کو تکان بہت ہوگیا ہوگا ذرا لیٹ جائیے کہ آرام مل جائے''۔ انہوں نے کہا بس حضرت! معاف فرمائیے میں باز آیا ایسے آرام سے کہ آپ سے پاؤں دبواؤں۔

تواضع اور مروت گر کوئی شخص مجسم ہو — تو وہ سر تا قدم عبدالرحیم باصفا ہوگا

(ص ۲۶۱)

(۵)۔ ''گستاخ نہ بنو!''

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صاحب ہی بیان فرماتے ہیں:
حضرت مولانا رائپوری کے اس رنگ کو میں نے بارہا غور سے دیکھا کہ حضرت (سہارنپوری) کے تشریف رکھتے ہوئے کوئی صاحب آتے اور مصافحہ کرنے کے لیے مولانا کی طرف بڑھتے تو حضرت مولانا اپنے ہاتھ سمیٹ لیتے اور حضرت کی طرف اشارہ کر کے ان کو تنبیہ فرماتے کہ گستاخ نہ بنو! پہلے حضرت سے مصافحہ کرو کہ اقدم وافضل ہیں اور پھر مجھ سے۔ (ص ۲۶۶)

(۶)۔ ''میں نے دیکھا کہ حضرت رائپوری بھی طلبہ کی صف میں بیٹھے ہیں''۔

سفرِ حج کو جانے کے وقت حضرت کے تلامذہ کی درخواست ہوئی کہ مسلسلات اور سورۂ ص کو سنا کر باقاعدہ اجازت وسند عطا فرمادیں، چنانچہ حضرت نے منظور کرلیا اور کہا کہ سب لوگ اوپر چل کر بیٹھو میں آتا ہوں، چنانچہ پچیس تیس طلبہ صف باندھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت اُوپر چڑھے تو بندہ بھی ساتھ ہولیا کہ اجازت میں شریک ہوگا، وہاں جا کر دیکھا کہ حضرت مولانا رائپوری بھی طلبہ کی صف میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت استاذ کی آمد کا انتظار فرمارہے ہیں کہ جہاں ان طلبہ کو اجازت ملے وہاں مجھے بھی یہ شرف نصیب ہو۔

آہ! کیا کہوں اور کس زبان سے کہوں کہ ان آنکھوں نے کہاں کہاں اور کیسا کیسا موسم بہار دیکھا اور اب وہی آنکھیں چار سوخزاں کا عالم دیکھ رہی ہیں مگر نہ بہار میں کچھ کمایا نہ خزاں میں عبرت پکڑی فالی االلہ المشتکی ۔انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ (ص ۲۶۶)

(۷)۔ ''بھائی! تم کو اب تک اندھیرے میں رکھا اللہ کے واسطے میری خطا معاف کردو!''۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کو پہلے شیخ میاں عبدالرحیم صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت وخلافت حاصل ہوگئی تھی، اس کے باوجود ان کے انتقال کے بعد کلیر شریف حضرت خواجہ علاء الدین مخدوم صابرؒ کے مزار پر گئے، وہاں سے اُن کو محسوس ہوا کہ ہمارے سلسلے کا نور تو اب گنگوہ میں ہے۔ وہاں سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے یہاں گنگوہ آئے اور بیعت کی درخواست کی۔

اس پر حضرت نے فرمایا آپ تو ماشاءاللہ خود پیر ہیں اب کسی سے بیعت ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ ان کے دل پر اس کی بڑی چوٹ لگی، اس لیے جائے قیام پر واپس آئے اور جن جن کو بیعت کیا تھا ان کو کہا کہ بھائی! تم کو اندھیرے میں رکھا، اللہ کے واسطے میری خطا معاف

کردو، کسی دوسرے مرد خدا سے بیعت کرلو۔اس طرح ان کی بیعت کو فسخ کیا،تب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ نے ان کو بیعت فرمایا۔(ملفوظات فقیہ الامت جلد ا۔حصہ پنجم ص ۴۷)

(۸)۔ ’’میں کوئی چیز نہیں ہوں،آپ میں تو طلب ہے مجھ میں یہ بھی نہیں‘‘۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری رحمہ اللہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

آپ نے افضل گڑھ سے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں خط لکھا اور عرض کیا کہ میں بیعت کے واسطے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں،حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ’’حدیث میں آتا ہے ’’المستشار المؤتمن‘‘ میں آپ کو لکھتا ہوں کہ میں کوئی چیز نہیں ہوں آپ میں تو طلب ہے مجھ میں وہ بھی نہیں،آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کریں‘‘۔

حضرت فرماتے تھے کہ میں یہ خط پڑھ کر پھڑک گیا کہ اخلاص اور بے نفسی اس کو کہتے ہیں۔
(سوانح مولانا عبدالقادر رائپوری ص ۵۸)

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صاحب رحمہ اللہ آپ کے مختصر حالات تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

آپ کے حالات اس درجہ عجیب ہیں کہ غنچہائے دل ان کے تصور خیال سے کھلے جاتے ہیں مگر چونکہ ان کا اظہار آپ کو ناگوار ہے اور مجھ کو ممانعت کر دی گئی ہے اس لیے بجز اس کے کچھ نہیں لکھ سکتا کہ السعید من سعد فی بطن امہ (تذکرۃ الرشید جلد۲ص ۱۵۶)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کے واقعات

۱۔ عادات واخلاق اور طرز زندگی:۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اکابر دارالعلوم دیوبند کی بہت بڑی اور اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہ حضرات علم وفضل میں یکتائے روزگار اور عبادت وریاضت اور روحانی کمالات میں بے مثال ہونے کے باوجود تواضع اور بے نفسی میں اپنی مثال آپ ہی تھے ،اور اس خاص وصف میں بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوسرے سب حضرات سے زیادہ ممتاز ہیں۔

ان کے کمالات کو تو اکابر علماء اور باکمال ہی جان سکتے تھے۔احقر نے اپنے بچپن سے ۲۴ سال کی عمر تک جو کچھ بچشم خود دیکھا یا اپنے قریبی بزرگوں سے سنا میری گفتگو صرف اسی دائرہ میں ہے۔

میری عمر پندرہ سولہ سال کی ہوگی کہ دارالعلوم کی قدیم عمارت نودرہ کے عقب میں ایک عظیم الشان دارالحدیث تعمیر کرنے کی تجویز ہوئی،اس کے لیے بڑی گہری بنیادیں نودرہ کی عمارت سے متصل کھودی گئیں ،اتفاقِ وقت سے دیوبند میں بڑی تیز بارش ہوئی اور کافی دیر تک رہی ،یہ زمین کچھ نشیب میں تھی ،بارش کے پانی سے ساری بنیادیں لبریز ہوگئیں دارالعلوم کی قدیم عمارت کو خطرہ لاحق ہو گیا۔فائر بریگیڈ یرانجنوں کا زمانہ نہیں تھا اور ہوتا بھی تو ایک قصبہ میں کہاں؟۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اس صورتحال کی اطلاع ملی تو اپنے گھر میں جتنی بالٹیاں اور ایسے برتن تھے جن سے پانی نکالا جاسکے سب جمع کر کے حضرت کے مکان پر جو طالب علم اور دوسرے مریدین جمع رہتے تھے ان کو ساتھ لیکر ان پانی سے بھری ہوئی گہری بنیادوں پر پہنچے اور بدست خود بالٹی سے پانی نکال کر باہر پھینکنا شروع کیا۔شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اس معاملہ کی خبر پورے دارالعلوم میں بجلی کی طرح پھیل گئی ،پھر کیا پوچھنا ہر مدرس اور ہر طالب علم اور ہر آنے جانے والا اپنے اپنے برتن لیکر اس جگہ پہنچ گئے اور بنیادوں کا پانی نکالنا شروع کیا احقر بھی اپنی قوت وحیثیت کے مطابق اس میں شریک تھا، میں نے دیکھا کہ چند گھنٹوں میں یہ سارا پانی بنیادوں سے نکل کر کیچڑ رہ گیا تو اس کو بھی بالٹیوں سے صاف کیا گیا۔

اس کے بعد ایک قریبی تالاب پر تشریف لے گئے اور طلبہ سے کہا کہ اس میں غسل کریں گے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اول عمر سے سپاہیانہ زندگی رکھتے تھے، پانی میں تیراکی کی بڑی مشق تھی۔ حضرت کے ساتھ طلبہ بھی جو تیرنا جانتے تھے وہ درمیان میں پہنچ گئے، مجھ جیسے آدمی جو تیرنے والے نہ تھے کنارے پر کھڑے ہوکر نہانے لگے۔

یہ واقعہ تو احقر نے خود دیکھا اور سیر وشکار میں طلبہ کے ساتھ بے تکلف دوڑنا بھاگنا، تالابوں میں تیرنا یہ عام معمول زندگی تھا جس کے بہت سے واقعات دوستوں اور بزرگوں سے سنے ہیں۔

دیکھنے والے یہ نہ پہچان سکتے تھے کہ ان میں کون استاد ہے اور کون شاگرد۔ (چند عظیم شخصیات ص ۱۱)

۲۔ ''لو میاں محمود صاحب! اپنی چارپائی اٹھاؤ، میں بھی شیخ زادہ ہوں کسی کا نوکر نہیں''۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب (موجودہ مہتمم دارالعلوم دیوبند) دامت برکاتھم کے خسر مولانا محمود صاحب رامپور کے رئیس گھرانہ کے فرد تھے۔ یہ خاندان حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور بزرگان دیوبند سے وابستہ تھا۔ جب مولانا محمود صاحب کو تحصیل علم کے لیے دیوبند بھیجا گیا تو ان کا قیام حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد کے ایک حجرہ میں ہوا۔ دارالعلوم سے حضرت شیخ الہند کے مکان کو جانے والے راستہ دارالعلوم کے قریب ہی یہ مسجد واقع تھی۔ حسب عادت حضرت شیخ الہند دارالعلوم سے سبق پڑھا کر اپنے مکان کو تشریف لیجارہے تھے کہ اس مسجد کے دروازہ پر مولانا محمود صاحب رامپوری کو کھڑا دیکھا حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ اسی مسجد کے ایک حجرہ میں قیام ہے، حجرہ کے اندر جا کر دیکھا تو زمین پر بستر بچھا ہوا تھا، خیال آیا کہ یہ رئیس زادہ ہیں، فرش پر سونے کی عادت نہ ہوگی۔ ان سے کچھ نہیں فرمایا اور اپنے گھر سے ایک چارپائی خود اٹھا کر راستے کے گلی کوچے اور بازار طے کرتے ہوئے اس مسجد کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ مولانا محمود صاحب مذکورہ

دروازے سے نکل رہے ہیں۔ اب یہ خیال دامن گیر ہوا کہ مجھے بوجھ لاتے ہوئے دیکھ کر ان کو سخت شرمندگی ہوگی، تو اپنے بزرگانہ فعل کو یہ کہہ کر مٹایا کہ ''لو میاں محمود صاحب! اپنی چارپائی اٹھاؤ، میں بھی شیخ زادہ ہوں کسی کا نوکر نہیں''۔ (حوالہ بالا ص ۱۲)

۳۔ ''مولانا تو یہاں کوئی نہیں رہتے اور بندہ محمود تو میرا ہی نام ہے''۔

میرے ایک دوست مولانا مغیث الدین صاحب ضلع بجنور کے باشندے جو دارالعلوم میں اکثر اسباق میں میرے ہم سبق رہے تھے مگر درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے دارالعلوم کو چھوڑ کر مدرسہ معینیہ اجمیر شریف میں مولانا معین الدین صاحب اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے معقولات منطق فلسفہ پڑھنے کے لیے گئے تھے کیونکہ معقولات کے درس میں اس مدرسہ کی اور مولانا معین الدین صاحب کی بڑی شہرت تھی۔

ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مولانا معین الدین صاحب کا ارادہ یہ ہوا کہ ذرا علماء دیوبند سے ملاقات کر کے دیکھیں کہ وہ کس پائے کے عالم ہیں اور کس انداز کے لوگ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تھے ان کا نام نامی سنے ہوئے تھے، ان کی ملاقات کے لیے دیوبند کا سفر کیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں اکابر کے ناموں کے ساتھ لمبے چوڑے القاب نہ تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پورے دیوبند میں صرف ''بڑے مولوی صاحب'' کے لقب سے معروف تھے۔ مولانا معین الدین صاحب نے اسٹیشن پر اتر کر ایک تانگہ والا سے پوچھا کہ تم مولانا محمود حسن کا مکان جانتے ہو؟ تانگہ والے نے جواب دیا کہ دیوبند میں ایک بڑے مولوی صاحب ہیں ان کا مکان جانتا ہوں مگر ان کا نام مجھے معلوم نہیں، مولانا نے فرمایا کہ بس وہیں لے چلو۔ تانگہ والے نے ان کو بڑے مولوی صاحب کے مکان پر پہنچا کر چھوڑ دیا۔

یہ اندر داخل ہوئے، دیکھا کہ ایک صاحب پستہ قد، تہبند باندھے ہوئے صرف بنیان پہنے ہوئے، چھوٹی سی دو پلی ٹوپی سر پہ پہنے ہوئے مکان کے صحن میں کھڑے ہوئے ہیں۔ مولانا نے سمجھا کہ یہ کوئی مولانا محمود حسن صاحب کے خادم ہیں۔ اپنا سامان ان کے حوالہ کیا اور کہا

کہ سامان رکھ لو اور مولانا کو اطلاع دیدو کہ مولانا معین الدین صاحب اجمیری ملاقات کے لیے آئے ہیں۔ حضرت مولانا کو ان کی ناواقفیت کی وجہ سے خدمت کا خوب موقع ہاتھ آیا ۔سامان اٹھا کر مکان کے اندر رکھا اور پنکھے کے نیچے جو اپنے آرام کرنے کی چارپائی تھی اس پر مولانا کو بٹھلایا، بجلی کا زمانہ نہیں تھا، فرشی پنکھا تھا جو ہاتھ سے کھینچا جاتا تھا، گرمی کی دوپہر تھی، حضرت نے پنکھا کھینچنا شروع کیا مولانا معین الدین نے فرمایا کہ میاں مولانا کو اطلاع کردو، میں ان کی ملاقات کے لیے آیا ہوں حضرت نے فرمایا کہ ابھی اطلاع ہو جائے گی، آپ گرمی میں آئے ہیں ذرا آرام کرلیں، پھر گھر میں تشریف لے گئے وہاں سے ٹھنڈا شربت لے کر آئے۔ مولانا نے پھر فرمایا کہ مولانا سے کب ملاقات ہوگی، حضرت نے فرمایا وہ بھی ہو جائے گی، آپ شربت نوش فرمائیں۔

پھر کچھ دیر گزر جانے کے بعد گھر تشریف لے گئے اور کھانا لا کر رکھا، اب تو مولانا معین الدین صاحب نے ذرا غصے کے لہجے میں فرمایا کہ آپ کھانا بھی لے آئے لیکن مولانا سے ملاقات نہیں ہوئی، میری واپسی کا وقت قریب آ رہا ہے، اس وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''مولانا تو یہاں کوئی نہیں رہتے اور بندہ محمود میرا ہی نام ہے''۔ یہ سن کر مولانا معین الدین صاحب حیران رہ گئے کہ اب کیا کریں اور بڑی شرمندگی کے ساتھ کہنے لگے کہ آپ نے پہلے کیوں نہ ظاہر فرمادیا؟ حضرت نے فرمایا کہ ''آپ دربار اجمیر سے تشریف لائے ہیں، اگر میں ظاہر کردیتا تو مجھے یہ خدمت کی سعادت کیسے ملتی؟''

مولانا معین الدین صاحب حیرت میں رہ گئے، اس معاملہ کا جو اثر ہونا چاہیے تھا وہی ہوا اور واپسی کا ارادہ ملتوی کر کے کئی روز قیام فرمایا اور عمر بھر اس مجلس سے متاثر رہے۔

یہ واقعہ مجھے میرے ہم سبق مولانا مغیث الدین صاحب نے دارالعلوم کی طالب علمی کے زمانے میں سنایا تھا اس کے بعد زمانہ دراز گذر گیا۔ مولانا موصوف مختلف مقامات میں درس وتدریس کی خدمت کرنے کے بعد مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے ۔احقر دارالعلوم میں خدمت درس وتدریس میں مشغول رہا، عرصہ دراز کے بعد جو ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب

ہوئی تو مولانا مغیث الدین صاحب سے وہاں ملاقات نصیب ہوئی۔احقر نے تصدیق وتوثیق کے لیے ان سے یہ واقعہ سنا کہ کہیں میرا حافظ خطا نہ کرے، انہوں نے حرم نبوی میں یہ واقعہ سنایا۔اس طرح کے واقعات حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی میں بے شمار ہیں۔

(ص ۱۲ تا ۱۴)

(۴)۔ معاصرین کا ادب:۔

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والد صاحبؒ نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ دیوبند میں کسی صاحب کے یہاں شادی کی کوئی بڑی تقریب ہوئی جس میں دارالعلوم کے اساتذہ کو بھی مدعو کیا گیا۔حضرت شیخ الہند بھی تشریف لے گئے اور دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ وغیرہ بھی۔

حضرت شیخ الہندؒ حسب معمول عام آدمیوں کی صف میں ملے جلے بیٹھے تھے، اتفاق سے اس تقریب میں کچھ منکرات سامنے آئے ،دارالعلوم کے بعض اساتذہ نے آکر حضرت شیخ الہندؒ سے عرض کیا کہ ''حضرت! آپ صاحب خانہ کو سمجھائیں کہ وہ ان منکرات سے پرہیز کریں''۔

حضرت شیخ الہندؒ نے بے ساختہ بڑے تعجب سے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: ''بھلا اکابر کے ہوتے ہوئے آپ لوگ میرے پاس آئے ہیں، ان کی موجودگی میں میرا کچھ کہنا بے ادبی ہے''۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ حضرت شیخ الہندؒ کے تقریباً معاصر تھے لیکن حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی تواضع کا جو مقام بلند عطا فرمایا تھا اس کی بناء پر وہ اپنے مقام سے واقف ہی نہ تھے اور اپنے معاصرین کو بھی اپنے سے بڑا سمجھتے تھے۔(اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۲۳)

(۵)۔ ''میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے''...............

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے علم وفضل کا کیا ٹھکانہ؟ لیکن حضرت تھانویؒ راوی ہیں کہ ''ایک مرتبہ مرادآباد تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے وعظ کہنے کے لیے اصرار کیا، مولانا نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگ نہ مانے تو اصرار پر وعظ کے لیے کھڑے ہوگئے اور حدیث پڑھی فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ: ''ایک عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے''۔ مجمع میں ایک مشہور عالم موجود تھے، انہوں نے کھڑے ہوکر کہا کہ: یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آوے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں حضرت شیخ الہندؒ کا جوابی ردعمل معلوم کرنے سے پہلے ہمیں چاہیے کہ ذرا دیر گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو کیا کرتے؟ ترجمہ صحیح تھا اور ان صاحب کا انداز بیان توہین آمیز ہی نہیں، اشتعال انگیز بھی تھا، لیکن اس شیخِ وقت کا طرز عمل سنئے! حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا، خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہوگئی، یعنی آپ کی شہادت''۔

چنانچہ وعظ تو پہلے ہی ختم فرمادیا، اس کے بعد ان عالم صاحب سے بطرز استفادہ پوچھا کہ غلطی کیا ہے؟ تاکہ آئندہ بچوں۔ انہوں نے فرمایا کہ اشد کا معنی اثقل (زیادہ بھاری) نہیں بلکہ اضر (زیادہ نقصان دہ) کا آتا ہے۔ مولانا نے برجستہ فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے "یاتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشد علی" (کبھی مجھ پر وحی گھنٹیوں کی آواز میں آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے بھاری ہوتی ہے) کیا یہاں بھی اضر (زیادہ نقصان دہ) کے معنی ہیں؟ اس پر وہ صاحب دم بخود رہ گئے (ص ۸۹، بحوالہ ارواح ثلاثہ ص ۲۸۶)

(۶)۔ ''ہاں! دراصل یہی خیال مجھے بھی آ گیا تھا'':۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ جب کانپور میں مدرس تھے، انہوں نے

مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کو بھی مدعو کیا۔ کانپور میں بعض اہل علم معقولات کی مہارت میں معروف تھے اور کچھ بدعات کی طرف بھی مائل تھے۔ ادھر علماء دیوبند کی زیادہ توجہ چونکہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی اس لیے یہ حضرات سمجھتے تھے کہ علماء دیوبند کو معقولات میں کوئی درک نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ اس وقت نوجوان تھے اور ان کے دل میں حضرت شیخ الہند کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرت کی تقریر ہوگی تو کانپور کے ان علماء کو پتہ چلے گا کہ علماء دیوبند کا علمی مقام کیا ہے اور وہ منقولات ومعقولات میں کیسی کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہندؒ کی تقریر شروع ہوئی۔ حسن اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی معقولی مسئلہ زیر بحث آ گیا، اس وقت تک وہ علماء، جن کو حضرت شیخ الہندؒ کی تقریر سنانا چاہتے تھے، جلسہ میں نہیں آئے تھے، جب حضرتؒ کی تقریر شباب پر پہنچی اور اس معقولی مسئلہ کا انتہائی فاضلانہ بیان ہونے لگا تو وہ علماء تشریف لے آئے جن کا حضرت تھانوی کو انتظار تھا۔ حضرت تھانویؒ اس موقع پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو شیخ الہندؒ کے علمی مقام کا اندازہ ہوگا، لیکن ہوا یہ کہ جوں ہی حضرت شیخ الہندؒ نے ان علماء کو دیکھا، تقریر کو مختصر کر کے فوراً ختم کر دیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ موجود تھے انہوں نے یہ دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ:

حضرت! اب تو تقریر کا اصل وقت آیا تھا، آپ کیوں بیٹھ گئے؟

شیخ الہندؒ نے جواب دیا: ''ہاں دراصل یہی خیال مجھے بھی آ گیا تھا''۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ مشہور ہے کہ کسی یہودی نے ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کی شان میں کوئی گستاخی کر دی تھی تو وہ اس پر چڑھ دوڑے اور اسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ یہودی نے جب اپنے آپ کو بے بس پایا تو کھسیانا ہو کر اس نے حضرت علیؓ کے روئے (چہرہ) مبارک پر تھوک دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ اس کو چھوڑ کر فوراً الگ ہو گئے اور پوچھنے پر بتایا کہ میں پہلے آنحضرت ﷺ کی محبت کی بناء پر یہودی سے الجھا تھا، اگر تھوکنے کے بعد کوئی کارروائی کرتا تو یہ اپنے نفس کی مدافعت

ہوتی۔حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے اس عمل سے حضرت علیؓ کی یہ سنت تازہ فرمادی۔مطلب یہی تھا کہ اب تک تو تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ کے لیے ہو رہی تھی لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کے لیے ہوتی، اس لیے اسے روک دیا۔(ص۹۰)

(یہ واقعہ مذکورہ تفصیل کے ساتھ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے سنا ہے اور انہوں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے اور اسی کا خلاصہ حضرت میاں صاحبؒ نے حیات شیخ الہندؒ ص ۱۶۷ میں بھی کیا ہے ۔محمد تقی۔)

(۷)۔ ''مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولانا اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے''

مولانا محمود صاحب رامپوری (جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے) فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے، میں حضرت شیخ الہند کے ہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھانا کھا کر میرے پاس آگیا کہ میں بھی یہاں ہی رہوں گا، اس کو ایک چارپائی دے دی گئی۔جب سب سو گئے تو رات کو میں نے دیکھا کہ مولانا زنانہ میں سے تشریف لائے، میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد کروں گا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کر کے کیوں پریشان کروں، میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے اور اس کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پیر دبانا شروع کیے وہ خراٹے لیکر خوب سوتا رہا مولانا محمود صاحب کہتے ہیں کہ میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت آپ تکلیف نہ کریں میں دبادوں گا مولانا نے فرمایا کہ تم جا کر سوؤ یہ میرا مہمان ہے میں ہی اس کی خدمت انجام دوں گا۔مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولانا اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے (ص۱۱۴ بحوالہ ارواح ثلاثہ ص ۲۸۵)

(۸)۔ ایسا ہی ایک اور واقعہ:۔

حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں رمضان المبارک میں یہ معمول تھا کہ آپ کے یہاں عشاء کے بعد تراویح شروع ہوتی تو فجر تک ساری رات تراویح ہوتی تھی، ہر تیسرے یا

چوتھے روز قرآن شریف ختم ہوتا تھا، ایک حافظ صاحب تراویح پڑھایا کرتے تھے اور حضرت والا پیچھے کھڑے ہوکر سنتے تھے، خود حافظ نہیں تھے۔ تراویح سے فارغ ہونے کے بعد حافظ صاحب وہیں حضرت والا کے قریب تھوڑی دیر سو جاتے تھے، حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ کوئی آدمی میرے پاؤں دبا رہا ہے میں سمجھا کہ کوئی شاگرد یا کوئی طالب علم ہوگا چنانچہ میں نے دیکھا کہ کون دبا رہا ہے۔ کافی دیر گزرنے کے بعد میں نے جو مڑ کر دیکھا تو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن میرے پاؤں دبا رہے تھے میں ایک دم سے اٹھ گیا اور کہا کہ حضرت یہ آپ نے کیا غضب کر دیا۔ حضرت نے فرمایا غضب کیا کرتا۔ تم ساری رات تراویح میں کھڑے رہتے ہو، میں نے سوچا کہ دبانے سے تمہارے پیروں کو آرام ملے گا، اس لیے دبانے کے لیے آ گیا (اصلاحی خطبات جلد ۵ ص ۴۲)

(۹)۔ پہننے، اوڑھنے میں سادگی اور طالب علمانہ وضع:۔

آپ کے شاگرد رشید عارف باللہ حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

سنا ہے کہ جوانی میں حضرت مولانا لباس نفیس اور مکلّف پہنتے تھے لیکن چند ہی روز کے بعد نہایت سادہ بالکل طالب علمانہ ملانی وضع کا ہوتا تھا، نہ ایسا پھٹا پرانا کہ دیکھنے والے نفرت و کراہت کریں یا محتاج سمجھیں، نہ ایسا شاندار کہ امتیاز اور خصوصیت کا شائبہ ہو۔ مولانا محمد قاسم صاحب (نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے نہ دیکھا ہو تو آپ کو دیکھ لے، اتفاقیہ کہیں قیمتی کپڑا میسر ہو گیا تو وہی پہن لیا، ادنی سے ادنی موجود ہوا تو اس میں بھی عار نہیں، کبھی بیلدار چکن کا کرتہ زیب تن کئے ہوئے جا رہے ہیں اور کبھی معمولی دھوتر اور گزی کا پیراہن پہنے ہوئے دارالعلوم کی صدر مدرسی کی مسند پر بیٹھے ہوئے حدیث پڑھا رہے ہیں، نہ اس میں افتخار نہ اس میں عار۔

مالٹا کے سفر سے پہلے بھی دیسی کپڑے کو زیادہ پسند فرماتے تھے اور اب آخری زمانہ میں تو

اس طرف نہایت ہی توجہ ہوگئی تھی اور دوسروں کی ترغیب وتحریض کے لیے معمولی دیسی کپڑے اہتمام سے تیار کرائے تھے۔ نیچا کرتہ سینہ پر کھلا ہوا گریبان اور شرعی مغلئی پاجامہ ہوتا تھا دو پلی ٹوپی پہنتے یا عرب کی طرح سوزنی گول۔ عمامہ بہت کم باندھتے اور باندھتے بھی تو شملہ بمقدار علم سمجھ کر مزین مشین وشان دار نہیں بلکہ نہایت سادہ سفید یا دھاری دار اور مختصر مالٹا سے واپسی پر کبھی کبھی کرتہ پر سفید صدری بھی پہن لیتے، موسم سرما میں روئی دار نیمہ آستین یا روئی دار چوغہ (یعنی لبادہ) اور سر پر روئی دار کن ٹوپ، سبز کاہی یا کشمشی رنگ کی روئی دار دلائی اکثر استعمال کرتے۔ فرماتے تھے کہ مالٹا کی سردی میں ان ہماری رزائیوں نے بڑا کام دیا۔ (حیات شیخ الہندص ۲۱۰)

سادہ اور بے تکلف طالب علمانہ صفت کے لوگوں کی صحبت سے نشاط پاتے اور رئیسانہ ساز وسامان اور بے موقع تکلفات سے نہایت منقبض ہوتے۔ کسی تقریب سے ریاست رامپور جانے کا اتفاق ہوا اور کسی معزز شخص کے ہمراہ بطور سیر کے نواب صاحب کے مکلّف سجے ہوئے کمرہ میں پہنچے انتہائی زیب وزینت تھی، جا بجا نقشے اور تصویریں لگی تھیں، مکلّف قالین اور بستر لگے ہوئے تھے، خود فرماتے تھے کہ ''اس قدر انقباض ہوا کہ قریب تھا کہ دم گھٹ کر نکل جائے'' فوراً باہر آ گئے رئیسوں سے مناسبت اور لگاؤ نہ تھا لیکن بزرگی جتلانے کے لیے اظہار نفرت یا ان کی توہین ہرگز نہ کرتے، بدرجہ مناسب تعظیم فرماتے، اخلاق سے ملتے، اگر وہ لوگ حضرت کے بزرگوں سے نسبت یا عقیدت رکھنے والے ہوتے تو حضرت اور بھی زیادہ تعظیم سے پیش آتے۔ ایک مناظرہ کے جلسہ میں ریاست رامپور میں حضرت مولانا احمد حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ اور بڑے بڑے علماء بلائے گئے، حضرت کی خدمت میں تار آیا کچھ عذر فرما دیا، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت دوسرا تار آوے گا فرما دیا کہ پھر آوے گا تو لکھوا دیں گے کہ ''آنے کے لیے تیار نہیں'' وہ خود سمجھ لیں گے کہ ایسے مولوی کو کیا بلائیں جو مناظرہ کے لیے کتابیں دیکھنے کا محتاج ہے اور اگر یہ سمجھ لیا کہ حاضری کے قابل کپڑے موجود نہیں تو اور بھی خوب ہے۔ (ص ۲۱۳)

مہمان کی خدمت خود فرماتے، کبھی کھانا زنانہ مکان سے لاکر مہمانوں کے سامنے رکھتے۔ عشاء کے بعد کھڑے ہیں اور سب کی ضروریات کو دریافت فرما رہے ہیں، خادم اور مہمان شرم سے پانی پانی ہوئے جاتے ہیں حضرت مکان میں سے بستر اور لحاف اٹھا کر لا رہے ہیں۔ مالٹا سے واپسی کے بعد حضرت بہت ضعیف ہو گئے تھے مجمع بھی بے تعداد رہتا تھا، پھر بھی ہر شخص سے اس کی راحت وآرام وقیام کا حال کچھ نہ کچھ دریافت فرما لیتے تھے۔ رخصت ہونے والوں کے لیے ریل کے وقت سے پہلے بہت اہتمام وتاکید سے کھانا تیار کراتے تھے، ناواقف مہمان کی بے تمیزی پر صبر فرماتے تھے، بے وقت تکلیف دہی کی کبھی شکایت یا اس پر سرزنش نہ فرماتے تھے۔

ظاہر داری اور کسر نفسی سے نہیں بلکہ واقعی طور سے حضرت اپنے آپ کو نہایت حقیر اور ادنی مسلمان سمجھتے تھے اور شان عبدیت کے غلبہ سے اپنے تمام کمالات ہیچ نظر آتے تھے، ژولیدہ حال پھٹے پرانے بوسیدہ لباس والوں سے بھی ایسی بشاشت سے ملتے تھے کہ ان کے دل باغ باغ ہو جاتے تھے۔ (ص ۲۱۴)

(۱۰)۔ ''میاں! دل تو یہ چاہتا ہے کہ کوئی جوتیاں مارے اور اف تک نہ کروں لیکن رائے ومشورہ میں سب کا تابع ہوں''۔

مولانا محمد قاسم صاحب (نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ کے علوم وکمالات مختلف فیض یافتہ اور خوشہ چینوں کو نصیب ہوئے، مگر مظہر تام اپنے استاد کے کمالات کے حضرت مولانا شیخ الہند ہی تھے۔

استاد رحمۃ اللہ علیہ کا وصف خصوصی جس میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ خاکساری اور نیاز مندی تھا۔ یہی وصف مولانا میں ایسا نمایاں اور جلوہ گر تھا کہ نہ دلیل کی ضرورت نہ بیان کی حاجت۔ وہ اپنے آپ کو بالکل ایک ادنی اور معمولی انسان سمجھتے تھے۔ علوم وکمالات نے ان کے ذہن میں اپنے لیے نہ کوئی تشخص پیدا کیا تھا نہ امتیاز، ایک واقعہ میں حضرت کا حد سے زیادہ تواضع وانکسار دوستوں کو ناگوار گزرا تو رقت آمیز لہجہ سے

فرمایا کہ ''میاں دل تو یہ چاہتا ہے کہ کوئی جوتیاں مارے اور اف تک نہ کروں لیکن رائے ومشورہ میں سب کا تابع ہوں''۔ (ص ۲۱۶)

(۱۱)۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا لباس:۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کانپور میں مدرس تھے وہاں دستار بندی کا جلسہ کرنا چاہا تو اپنے اساتذہ حضرت شیخ الہندؒ اور مفتی عزیز الرحمٰن وغیرہ کو دیوبند خط لکھا اور حضرت شیخ الہندؒ کو یہ بھی لکھا کہ حضرت! میں ایک بات عرض کرتا ہوں، ہے تو حماقت جو میں عرض کرتا ہوں مگر بڑے چھوٹوں کی بے وقوفی کو بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ حضرت! عرض یہ ہے کہ آپ ذرا دھلے ہوئے کپڑے پہن کر تشریف لاویں ان کے پاس ایک کرتہ، ایک پاجامہ، ایک ٹوپی، ایک لنگی تھی، دو کرتے دو پاجامے، دو لنگی دو ٹوپی نہیں تھیں، اس وقت کپڑے دھونے کی مشینیں نہیں تھیں، قسم قسم کے مسالے، قسم قسم کے صابن نہیں تھے، ہاتھ سے کپڑے دھوتے تھے اس لیے کیا صاف ہوتے، پھر کپڑا بھی کھدر کا ہوتا۔ حضرت تھانویؒ نے اسی لیے ایسا لکھا تھا۔

حضرت شیخ الہند نے جواب بھی دیا تھا کہ تمہارے خط کی رعایت کی جائیگی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سب لوگوں کو خوشخبری سنائی کہ میرے استاذ (حضرت شیخ الہندؒ) دیوبند سے آنے والے ہیں جو اتنے کمالات کے جامع ہیں، جب ان حضرات کی آمد کی اطلاع پہنچی تو حضرت تھانویؒ ان کو لینے کے لیے اسٹیشن گئے وہاں ان کے اپنے ہاتھ کے دھلے ہوئے کپڑے تھے، ایک لنگی کندھے پر تھی اور جو وہاں کے علماء تھے وہ بڑے بڑے جبے پہنے ہوئے تھے۔ یہاں ان کو کوئی صورت سے بھی نہیں پہچانتا تھا کہ یہ کوئی چار حرف بھی جانتے ہونگے۔ تقریر کے لیے حضرت شیخ الہندؒ سے درخواست کی گئی تو حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت تھانوی سے فرمایا: "میں اور وعظ! کیا تمہاری بھد (بے عزتی) نہیں کہ ایسے کے شاگرد ہیں جن کو بولنا بھی نہیں آتا۔ تمہارا وعظ ماشاءاللہ وعظ ہوتا ہے'' حضرت تھانویؒ نے عرض کیا کہ نہیں نہیں آپ وعظ فرمائیں، فرمایا: ''اچھی بات ہے، وعظ کہونگا تا کہ سامعین کو معلوم ہو

جائے کہ شاگرد استاد سے بڑھا ہوا ہے''۔

وعظ شروع فرمایا جس میں فقہ کے مسائل خوب بیان فرمائے، وہاں کے علماء یہ سمجھتے تھے کہ دیوبند وسہارنپور کے علماء معقولات نہیں جانتے، فقہ خوب جانتے ہیں، اسی اثناء میں مفتی لطف اللہ علی گڑھی بھی آ گئے۔ مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں سوچا کہ یہی قدر کریں گی ان علوم، اس واسطے کہ یہ مفتی ہیں۔ مگر حضرت شیخ الہندؒ نے انکے آتے ہی وعظ بند فرمادیا۔ بعد میں حضرت شیخ الہندؒ سے عرض کیا گیا کہ حضرت! وہی تو وقت تھا وعظ فرمانے کا، مگر آپ نے ان کے آتے ہی وعظ بند فرمادیا، وہ مفتی لطف اللہ صاحب تھے قدر کرتے ان علوم کی، حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ'' مجھے بھی خیال آیا تھا مگر میں نے سوچا کہ اب جو کچھ وعظ ہوگا وہ ان کے واسطے ہوگا اللہ کے لیے تھوڑا ہی ہوگا، اسی لیے بند کر دیا''۔ (ملفوظات فقیہ الامت جلد ا حصہ پنجم ص ۴۲)

(۱۲)۔ فکرِ آخرت:۔

حضرت شیخ الہندؒ جس وقت مالٹا میں قید تھے، ایک روز بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ ساتھیوں نے پوچھا کیا گھبرا گئے ہیں؟ یہ لوگ سمجھے کہ گھر بار یاد آ رہا ہوگا یا جان جانے کا خوف ہوگا، لیکن آپ نے ان کو جواب میں فرمایا کہ'' میں گھر بار یاد آنے کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں، بلکہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ مقبول بھی ہے یا نہیں''۔ (حوالہ بالا ص ۷۶)

(۱۳)۔'' ہاں! بھائی ایسے بے شرم تو ہم ہی ہیں جو مفت کی روٹیاں کھاتے ہیں''۔

فرمایا:۔ کہ تصنع تو بڑی چیز ہے اس کو تو کیا اختیار کرتے، ہمارے حضرات تو تواضع کا بھی پتہ نہ چلنے دیتے تھے، ہنس کر ٹال دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں مرادآباد کے جلسہ میں گیا تھا، حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (شیخ الہندؒ) بھی تشریف لے گئے تھے واپسی میں اسٹیشن پر سیوہارہ والوں نے حضرت سے درخواست کی کہ ایک وقت کی دعوت حضرت قبول فرمالیں، حضرت نے قبول فرمالی پھر سیوہارہ والوں نے مجھ

سے بھی درخواست کی، میں نے عذر کر دیا کہ میری طبیعت اچھی نہیں ہے اس لیے میں معذور ہوں، لوگ یہ سمجھے کہ وعظ کی وجہ سے کہہ رہا ہے کہ طبیعت جو اچھی نہیں اس لیے وعظ نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم وعظ نہ کہلائیں گے، میں نے کہا کہ جہاں وعظ نہ ہو وہاں کی روٹیاں کھاتے ہوئے بھی شرم معلوم ہوتی ہے تو حضرت مولانا کیا فرماتے ہیں کہ ''ہاں ! بھائی ایسے بے شرم تو ہم ہی ہیں جو مفت کی روٹیاں کھاتے ہیں''۔

بس حضرت میں تو پانی پانی ہو گیا اور اس قدر شرم دامن گیر ہوئی کہ معافی کی بھی درخواست نہ کر سکا اور یہی خیال کیا کہ خاموشی ہی بہتر ہے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت تو جواب دے سکتے تھے۔ فرمایا کہ بقاء کا ظہور تو برابر والوں کے ساتھ ہوتا ہے بڑوں کے ساتھ تو فنا ہی میں خیر ہے اور یہی اداب ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت جلد ۱ ص ۳۹۲)

(۱۴)۔ حضرت شیخ الہندؒ کا ملاقات میں سبقت فرمانا:۔

ارشاد فرمایا کہ میں جب کبھی دیوبند گیا بہت کم ایسا اتفاق ہوا کہ میں حاضری میں سبقت کر سکا ہوں ورنہ خود حضرت تشریف لے آتے تھے۔ پھر فرمایا کہ اگر طریقت میں داخل ہو کر تواضع بھی نہ ہوئی تو کچھ بھی نہیں ہوا (جلد ۲ ص ۳۷۰)

(۱۵)۔ حضرت شیخ الہندؒ کی شان فنا:۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو بات ہمارے حضرات میں تھی وہ کسی میں بھی نہ دیکھی اپنے کو مٹائے ہوئے، فنا کئے ہوئے تھے اور جامع ہونے کی وجہ سے اس کے مصداق تھے

؎ بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق، ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن۔

حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ باوجود شغل علم کے اور ساری عمر پڑھنے اور پڑھانے کے گو علوم تو حاصل نہیں ہوئے مگر اپنے جہل کا علم ضرور ہو گیا کہ تم کو کچھ نہیں آتا جاتا۔ (جلد ۶ ص ۲۵۲)

(۱۶)۔ حضرت شیخ الہندؒ کی اپنے شاگرد رشید حکیم الامت حضرت تھانویؒ پر شفقت:۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو اپنے حضرات کی شان اور ان کی حق پرستی اور بے نفسی دیکھی۔ ایسا کسی کو بھی نہ دیکھا۔

(شیخ الہندؒ) حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس وقت مالٹا سے دیو بند تشریف لائے تو میں بھی حضرت سے بغرض زیارت دیو بند حاضر ہوا تھا، حضرت نے بڑا ہی شفقت کا برتاؤ فرمایا، وہ باتیں اس وقت یاد آتی ہیں اور ان حضرات کو نظریں ڈھونڈتی ہیں، اس وقت جب کہ میں دیو بند ہی تھا ایک صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ اس وقت ''اشرف علی'' یہاں موجود ہے حضرت اپنی زبان سے کچھ فرمادیں تا کہ مسائل حاضرہ میں یہ اختلاف کی صورت ختم ہو جائے۔

حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ''وہ میرا لحاظ کرتا ہے وہ میرے سامنے کچھ نہ بولے گا، میرے کہنے سے اس کو تنگی اور تکلیف ہوگی اور کہنے سننے اور گفتگو سے رائے نہیں بدلا کرتی، رائے واقعات سے بدلا کرتی ہے جب وہ واقعات سمجھ لیں گے تو خود ہی رجوع کر لیں گے''۔

کیا ٹھکانہ ہے حضرت کی اس شفقت اور شانِ تحقیق کا۔ کہاں ہیں حضرت کے نقش قدم پر چلنے والے اور محبت کا دعویٰ کرنے والے؟ وہ حضرت کی شان ملاحظہ فرمائیں اور اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت ہی کی بیٹھک میں بیٹھے ہوئے مجھ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ حضرت کے کان میں وہ الفاظ پڑ گئے، حضرت نے سب کو ڈانٹا اور فرمایا کہ ''تم ایسے شخص کی شان میں یہ الفاظ کہہ رہے ہو جسکو میں اپنا بڑا سمجھتا ہوں" یہ الفاظ نقل کرتے ہوئے مجھ کو حجاب ہوتا ہے، یہ الفاظ میری ذات سے کہیں اعلیٰ اور ارفع ہیں، محض حضرت کی شفقت اور محبت ہی پر محمول کیا جا سکتا ہے یہ حضرت کا اپنے چھوٹوں کے ساتھ برتاؤ تھا، اب دعویٰ تو کرتے ہیں حضرت کے نقش قدم پر چلنے کا مگر

حضرت جیسا حوصلہ تو پیدا کرلیں۔ بقول مشہور

؎ اگر چہ شیخ نے ڈاڑھی بڑھائی سن کی سی　　　مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

فرمایا کہ حضرت کے ایک خاص معتقد اور معتمد مولوی صاحب مجھ سے یہ روایت بیان کرتے تھے کہ مرض الموت میں جب حضرت دہلی میں تھے، اختلافات کی خبریں کانوں میں پڑیں تو حضرت نے فرمایا کہ ''لاؤ پھر میں ہی کچھ اپنی رائے سے ہٹ جاؤں یہ اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا''۔ سو اگر حضرت میرے اختلاف کو باطل سمجھتے اور حضرت کو ان سے ناگواری ہوتی تو اپنے مسلک اور مشرب کی نسبت یہ کیسے فرما سکتے تھے'' کہ لاؤ میں ہی کچھ اپنی رائے سے ہٹ جاؤں'' یہ حضرت کا فرمانا بتلا رہا ہے کہ حضرت اس اختلاف کی حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے۔ ایک بار حضرت نے اس کی نسبت فرما دیا تھا کہ کیا میرے پاس کوئی وحی آتی ہے؟ یہ محض میری رائے ہے اس طرح اس کی (حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ) کی بھی ایک رائے ہے''۔

تو یہ حضرات تو ہر چیز کو اپنی حد پر رکھنے والے تھے۔

اب تو اتباع کا محض دعوی ہے اور میں تو ایک اور بات کہا کرتا ہوں کہ حضرت مولانا کو ان لوگوں نے پہچانا ہی نہیں، اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں، حضرت جیسی ہستی اب کہاں

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر　　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(جلد ۷ ص ۷۵،۷۶)

(۱۷)۔　　''اور کچھ خیال میں یوں بھی آتا ہے''۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتھم فرماتے ہیں:

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالی بخاری کے سبق میں اپنی رائے، بہت بیان کرتے تھے، ہم بخاری کے طلبہ کو وہ سنایا کرتے ہیں کہ یہ ابن حجرؒ کی رائے ہے، یہ قسطلانیؒ کی رائے ہے ابن بطالؒ کی رائے ہے، یہ ابن منیرؒ کی رائے ہے اور یہ حضرت شیخ الہندؒ کی رائے ہے اور ہمارا تو یہ وظیفہ ہے کہ ہم یہ سمجھاتے ہیں کہ وزنی رائے کس کی ہے۔ تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وزنی

رائے شیخ الہندؒ کی ہے لیکن وہ اپنی رائے کا اظہار سبق میں اس طرح فرماتے تھے: ''اور کچھ خیال میں یوں بھی آتا ہے''۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ تواضع کا کیا عالم ہے، علم کی گہرائی تو یہ ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں آپ کی رائے اور توجیہ وزنی ہے اور تواضع کا یہ عالم ہے کہ فرماتے ہیں کہ ''اور کچھ خیال میں یوں بھی آتا ہے''۔ (مجالس علم وذکر، جلد۲ ص ۱۱۳)

(۱۸)۔ خدا کے لیے میرا خیال رکھنا اور مجھے رسوا نہ کرنا!

حضرت نانوتوی کے بیٹے حافظ محمد احمد صاحب شیخ الہند کے شاگرد ہیں اور حضرت گنگوہیؒ کے بیٹے حکیم مسعود احمد شیخ الہند کے مرید ہیں، ایک مرتبہ ان دونوں کو اپنے پاس چارپائی پر بٹھایا اور خود زمین پر تشریف فرما تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ:

''محمد احمد! آپ میرے استاد کے صاحبزادے ہیں، مسعود احمد! آپ میرے مربی کے بیٹے ہیں میں نے آپ کا حق ادا نہیں کیا، آپ سے معذرت چاہتا ہوں، اگر آخرت میں آپ کے والدین پوچھیں کہ محمود نے کیا کیا؟ تو خدا کے لیے میرا خیال رکھنا اور مجھے رسوا نہ کرنا''۔

دیکھئے! اپنے شاگردوں سے اس طرح فرمارہے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ دل کے اندر اللہ کی معرفت موجود تھی جس کے سامنے اپنی حیثیت کچھ بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ آج ہمارے ہاں اس کا خیال نہیں، کچھ چیزیں یاد کی ہیں، زبان کی جادوگری تو موجود ہے لیکن اندرون اللہ کی معرفت سے خالی ہے۔ (حوالہ بالا ص ۱۸۲)

(۱۹) ''سر پر گھاس کا گٹھڑ رکھ کر بازار سے گذر رہے ہیں'':۔

بےنفسی کا یہ عالم تھا کہ گویا نفس کا کوئی تقاضا باقی ہی نہیں رہا تھا، یا اس کے پورا ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں رہ گئی تھی، یا اسے پامال کرنے کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی۔ اس زمانے میں اکثر مساجد میں کسیر بچھائی جاتی تھی جو نرم ہوتی تھی اور گرم بھی۔ یہ گھاس تالابوں میں پیدا ہوتی ہے، جب سوکھ جاتی ہے تو لوگ اسے بچھانے کے لئے لے

آتے ہیں، اسے دیہات کا نرم گدہ سمجھنا چاہیے۔ حضرت شیخ کی مسجد میں بھی برابر سی کا فرش ہوتا تھا۔

موسم سرما آنے پر ایک مرتبہ خود ہی طلبہ سے فرمایا آؤ بھائی! مسجد کے لئے کسیر لے آویں، چار طلبہ ساتھ ہو لیے انہیں حضرت اپنے باغ میں لے گئے۔ وسط باغ میں بڑا تالاب بھی تھ۔ اوراس پر کسیر بکثرت ہوتی تھی۔ چنانچہ کسیر کاٹی گئی خود حضرت بھی درانتی سے کاٹنے میں شریک رہے۔ کاٹ کر جمع شدہ ذخیرے کے پانچ گٹھڑ بنائے۔ طلبہ نے عرض کیا کہ حضرت پانچ گٹھڑ کیوں بنائے جائیں، ہم تو چار ہیں فرمایا کہ آخر میرا حصہ کہاں گیا۔ یہ کہہ کر چار بڑی گٹھڑیاں تو طلبہ کے سروں پر رکھوائیں اور ایک اپنے سر پر رکھی۔ ہر چند طلبہ بضد ہوئے کہ چار گٹھڑیاں بنائی جائیں جو صرف ہم اٹھائیں لیکن حضرت نہ مانے۔ بالآخر چار گٹھڑیاں طلبہ کے سروں پر اور ایک گٹھڑی حضرت کے سر پر رکھا یہ قافلا شہر چلا آیا، اور بازار کے ایک حصہ سے گذرا ممکن ہے کہ ان طلبہ کو سر پر گھاس رکھے بازار سے گزرنے پر کوئی عار آ رہا ہو، لیکن حضرت کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ گویا اپنے آپ کو اس بوجھ اٹھانے کا اہل اور مستحق سمجھ کر گذر رہے تھے۔ (چالیس بڑے مسلمان، جلد اص ۱۷۱)

(۲۰) بے نفسی اور شفقت کی انتہاء:۔

حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد حضرت شیخ کی عادت تھی کہ ہر جمعرات کو حضرت گنگوہیؒ کے پاس حاضری کے لئے گنگوہ کا سفر پیدل کرتے تھے۔ جمعرات کو چھٹی کا گھنٹہ بجتا اسی وقت سبق سے اٹھ کر گنگوہ کا راستہ لیتے۔ (گنگوہ دیوبند سے ۲۲ کوس یعنی ۳۰ میل کا سفر ہے) حضرت آذان عصر پر چلتے اور عشاء گنگوہ پڑھ لیتے تھے۔ جمعہ کا پورا دن حضرت گنگوہی کی خدمت میں گذارتے اور آذان عصر کے قریب واپس ہوتے اور عشاء دیوبند میں پڑھ لیتے تھے۔ برسہا یہ معمول رہا۔ سردی ہو یا گرمی یہ معمول قضا نہ ہوتا۔
مولوی محمود صاحب کا بیان ہے کہ ایک دن ہم دو تین طلبہ نے اصرار کیا کہ حضرت ہم بھی

ساتھ چلیں گے فرمایا اچھا،مگر،

اس دن حضرت نے ان طلبہ کی رعایت سے پیدل سفر کرنے کی بجائے ارادہ کیا کہ سفر سواری پر ہو۔

کمہار کا ایک ٹٹو (گھوڑا) کرایہ پر لے لیا اور ارادہ یہ کیا کہ تین طلبہ اترتے چڑھتے جائینگے۔ چنانچہ کمہار ٹٹو لے کر دارالعلوم کے دروازے پر آ گیا۔ حضرت معمول کے مطابق آذان عصر کے قریب درس سے اٹھے اور یہ طلبہ حاضر تھے تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی مولوی محمود! پہلے تم سوار ہو، پھر باری باری ہم سوار ہوتے رہیں گے۔ انہوں نے حضرت کے سوار ہونے پر اصرار کیا مگر حضرت نہ مانے۔ زبردستی مولوی محمود کو ٹٹو پر سوار کر دیا، دو طلبہ اور حضرت خود پیچھے پیچھے پیدل روانہ ہوئے، بلکہ ایک قمچی (چھڑی) ہاتھ میں لیکر ٹٹو ہنکانے کا فریضہ بھی اپنے ذمہ لیا۔ مولوی محمود صاحب فرماتے تھے کہ میں سخت ضیق (تنگی) میں تھا کہ حضرت تو پیچھے پیچھے پیدل ہیں اور میں سوار ہوں۔ مگر مجبور تھے حکم بھی یہی تھا۔ دو چار میل چل کر یہ ٹٹو سے اتر گئے تو حضرت نے زبردستی دوسرے طالبعلم کو بٹھایا اور خود ٹٹو ھانکتے جا رہے ہیں۔ چار پانچ میل پر تیسرے طالبعلم کو چڑھا لیا غرض ۳۰ میل کا سفر پورا ہو گیا مگر خود نہیں چڑھے۔ باری باری ان طلبہ کو بٹھاتے رہے۔ اس وقت اندزاہ ہوا کہ یہ ٹٹو اپنے لیے کرایہ پر نہیں بلکہ ان طلبہ کے لئے کرایہ پر شفقتاً لیا گیا تھا۔

جمعہ کو واپسی ہوئی تو یہ طلبہ گھبرائے کہ اب وہی معاملہ ہوگا ٹٹو پر ہم سوار ہونگے اور حضرت پیدل چلیں گے۔ باہم مشورہ ہوا کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے کہ ہم پیدل چلیں اور حضرت کو ٹٹو پر سوار کر دیں۔

مولوی محمود صاحب فرماتے تھے۔ کہ میں نے کہا کہ ترکیب تو میں کر دوں گا کہ حضرت پورا راستہ ٹٹو سے نہ اتر سکیں مگر ایک دفعہ سوار کر دینا ہے۔ چنانچہ جب گنگوہ سے روانہ ہوئے تو حسب معمول طلبہ پر زور دیا کہ سوار ہوں مگر یہ لوگ انکار کر چکے تھے۔ عرض کیا کہ حضرت! آتے ہوئے ہم سوار ہوئے ہیں اب واپسی میں یہ نہیں ہوگا۔ حضرت سوار ہوں خواہ اتر

جائیں مگر ابتدا حضرت کے سوار ہونے سے ہوگی، جب یہ سب اکٹھے ہو کر بضد ہوئے تو حضرت نے آخر قبول فرمالیا اور ٹٹو پر سوار ہو گئے۔

طلبہ نے چپکے سے مولوی محمود صاحب سے کہا کہ اب تم وہ موعودہ ترکیب کرو کہ حضرت دیوبند تک ٹٹو سے اترنے نہ پائیں چنانچہ مولوی صاحب نے وہ نسخہ استعمال کیا۔

جب حضرت سوار ہو گئے تو انہوں نے ٹٹو کے برابر میں آ کر حضرت نانوتویؒ اور حضرت حاجی امداد اللہؒ اور حضرت حافظ صاحب شہید وغیرہ اکابر کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

حضرت کی عادت تھی کہ ان بزرگوں کا تذکرہ چھیڑتے ہی اس میں محو ہو جاتے تھے اور پھر ادھر ادھر کی کچھ خبر نہ رہتی تھی۔ ان حضرات کا ذکر چھیڑتے ہی حضرت نے ان بزرگوں کے واقعات بیان کرنا شروع کیے تو نہ حضرت کو راستے کی خبر رہی نہ طلبہ کو۔ پورے چھبیس ۲۶ میل کا سفر طے ہو گیا کہ ندی آ گئی جو دیوبند سے چار میل کے فاصلے پر ہے۔ ندی دیکھتے ہی حضرت نے گھبرا کر فرمایا کہ اوہ! ندی آ گئی، یہ کہہ کر ٹٹو سے کود کر اترے فرمایا بھائی! میں نے تم سب کا حق مار لیا۔ لو جلدی سے تم سوار ہو۔ طلبہ نے ہر چند حضرت سے بیٹھنے کا اصرار کیا۔ مگر اب حضرت تہیہ کر چکے تھے، کسی کی نہیں سنی۔ باری باری ان لوگوں کو بٹھلایا، شہر میں داخل ہوئے تو پھر اسی شان سے کہ طلبہ سوار ہیں اور حضرت پیدل ہیں، ہاتھ میں قمچی ہے اور ٹٹو ہانک رہے ہیں۔ جس سے طلبہ بچنا چاہتے تھے، بالآخر وہی چیز سامنے آ کر رہی ۔سبحان اللہ بے نفسی اور شفقت کی انتہاء ہے۔

حضرت اقدس کو اس بے نفسی کے عالم میں کسی بھی ایسے کام سے عار نہ تھی جو بظاہر علماء کی شان کی خلاف سمجھا جاتا ہے۔ عار تو جب آئے کہ خلاف شان کیا جائے، جو شان ہی مٹا چکا ہو اس کے خلاف شان کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا تھا۔ (حوالہ بالا ص ۱۷۳)

مزید چند واقعات

ذیل میں اب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع وفنائیت سے متعلق حضرت شیخ الحدیث

مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ''آپ بیتی'' سے مزید چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے متعلق سنا ہے کہ ابتداء میں بہت ہی خوش پوشاک تھے رئیسانہ زندگی ۔مگر اخیر میں کھدر کی وجہ سے ایسا لباس ہو گیا تھا کہ دیکھنے والا مولوی بھی نہ سمجھتا تھا

حضرت تھانویؒ ایک جگہ ''ذکر محمود''میں تحریر فرماتے ہیں کہ جیسے شباب میں لطافت مزاج کے سبب نفیس پوشش مرغوب تھی اب غلبہ تواضع کے سبب اس قدر سادہ لباس اور جوتا اور ساری ہی وضع اختیار فرمائی تھی جیسے مساکین کی وضع ہوتی ہے وضع سے کوئی شخص یہ بھی گمان نہ کر سکتا تھا کہ آپکو کسی قسم کا بھی امتیاز مالی، جاہی، علمی حاصل ہے۔ حالانکہ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ (النورج ۲ص ۳۹)

(۲)۔جب حضرت نے قرآن پاک کا ترجمہ پورا کیا تو حضرت نے دیوبند میں سب علماء کو جمع کر کے جو کہ حضرت کے خدام اور تلامذہ تھے۔یہ فرمایا کہ بھائی میں نے قرآن شریف کا ترجمہ پورا تو کر دیا ہے لیکن سب ملکر اس کو دیکھ لو۔اگر پسند ہو تو شائع کرو۔ورنہ رہنے دیا جائے۔حضرت حکیم الامت اس واقعہ کو نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ ''اللہ اکبر اس تواضع کی بھی حد ہے''۔ (النور ماہ شعبان س ۳۹ص ۳۰)

(۳)۔حضرت حکیم الامت نے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ بھی بعض ثقات سے سنا ہے کہ حضرت مولانا (شیخ الہند) نے ارشاد فرمایا کہ بارہا حاضری گنگوہ کے وقت خیال ہوا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ سے حدیث کی اجازت کی درخواست کروں مگر معاً یہ خیال مانع آگیا کہ اگر پوچھ بیٹھیں کہ تجھ کو آتا ہی کیا ہے جو حدیث کی سند مانگتا ہے تو کیا جواب دوں گا ،بس یہ سوچ کر چپ رہ گیا۔اللہ اکبر کچھ حد ہے تواضع کی۔حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ میں نے کبھی نہ دیکھا نہ سنا کہ آپ نے کبھی امامت فرمائی ہو .... بعض درشت و نادرشت مزاج طلبہ درس میں بہت ہی بے ادبی کے الفاظ کہہ ڈالتے تھے مگر حضرت مولانا کو

کبھی اس پر تغیر نہیں ہوا۔

(۴)۔حضرت شیخ الہند وحضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدھما کے لیگ وکانگریس کا اختلاف دیکھنے والے تو اب تک ہزاروں موجود ہیں اور بیسیوں رسائل اس سلسلہ کے شائع بھی ہو چکے ہیں۔ اس ناکارہ کا رسالہ ''اعتدال'' بھی اس سلسلہ کا ہے اس سے بھی اختلاف کی نوعیت معلوم ہو جائے گی۔اس زمانہ میں جب حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ شوال سنہ ۳۳ھ حجاز مقدس تشریف لے گئے جس کے بعد مالٹا جانا پڑا،اس زمانہ کے دو مکتوب بھی حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ، نے ذکرِ محمود میں نقل فرمائے ہیں جو النور میں شائع ہوئے ہیں:۔

پہلا مکتوب:۔

سراپا فضل وکمال شر فکم اللہ تعالی و جعلکم فوق کثیر من الناس السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بار بار آپکی خیر یت معلوم ہونے کا داعیہ پیدا ہوا اور ایک دو دفعہ بعض آئندگان کی زبانی آپکی خیرت معلوم بھی ہوئی،اللہ تعالی آپکو مع جملہ متعلقین خیر یت سے رکھے۔اس وقت ایک صاحب بنگالی مسمی عبد المجید سے ملاقات ہوئی جو ہندوستان واپس ہو رہے ہیں اور جناب کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں، یہ موقعہ غنیمت معلوم ہوا اس لیے یہ عریضہ روانہ کرتا ہوں۔ بندہ مع رفقاء بحمد اللہ اس وقت بالکل خیر یت اور اطمینان سے ہے۔شروع رجب میں مکہ مکرمہ حاضر ہو گیا تھا اس وقت تک یہیں حاضر ہوں مجھ کو امید ہے کہ فلاح وحسن خاتمہ کی دعا سے اس دور افتادہ کو فراموش نہ فرماویں گے،آئندہ قیام کی نسبت ابھی کچھ عرض نہیں کر سکتا۔مولوی شبیر علی صاحب،مولوی محمد ظفر صاحب،مولوی عبد اللہ صاحب وغیرہ حضرات سے سلام مسنون فرما دیجیے،مولانا مولوی محمد یحیی صاحب ،مولانا قمر الدین صاحب کی وفات سے افسوس بر افسوس ہے۔انا للہ۔الخ۔رحمھما اللہ تعالی

السلام علیکم و علی من لدیکم

''فقط:بندہ محمود غفرلہ مکہ معظمہ ۱۲ محرم چہار شنبہ''۔

دوسرا مکتوب:۔

معدن حسنات وخیرات ،دام ظلکم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

نامہ سامی موجب مسرت وامتنان ہوا۔جو ہوا مکر مین ومخلصین کی ادعیہ مقبولہ کا ثمرہ ہے ادام اللہ فیوضہم وبرکاتہم ۔احقر اور رفقاء ومتعلقین بحمد اللہ خیریت سے ہیں ،سب کا سلام مسنون قبول ہو۔والسلام علیکم وعلی من لدیکم ۔فقط:بندہ محمود۔از دیوبند دہم شوال روز یکشنبہ۔

(۵)۔تلامذہ کے ساتھ اس طرح اختلاط وارتباط وانبساط رکھنا کہ دیکھنے والا کبھی نہ سمجھ سکے کہ یہ اس مجمع کے مخدوم ہیں ۔بعض خدام کے ساتھ جن میں کوئی خاص خصوصیت ہوتی مثلا مولانا کے کسی استاذ یا بزرگ کی اولاد میں سے ہونا یا عوام مسلمین کے نزدیک معظم ہونا،ونحوذلک ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس سے اجنبی شخص کو شبہ ہوسکے خادم پر مخدوم ہونے کا جب خادم کے ساتھ یہ معاملہ ہوتو مساوی یا بڑوں کے ساتھ معاملہ کا اسی سے موازنہ کرلیا جائے۔کسی سے کسی خدمت کی فرمائش کرنے کی عادت نہ تھی ،بلکہ اکثر مہمانوں کے لیے کھانا مکان سے اپنے ہاتھ میں لاتے اور خود کھلاتے۔

(۶)۔مفتی محمود حسن صاحب نے بروایت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم ایک واقعہ سنایا کہ جب حضرت شیخ الہندؒ سفر حجاز کے لیے تشریف لے جارہے تھے اور وہاں سے گرفتار ہوکر مالٹا گئے اس وقت کی بات ہے کہ ہمارے مکان پر تشریف لائے۔دادی صاحبہ (اہلیہ محترمہ حضرت مولانا نانوتوی) کی خدمت میں عرض کیا کہ اماں جی !میں نے آپ کی کوئی خدمت نہیں کی بہت شرمندہ ہوں ،اب سفر میں جارہا ہوں ذرا اپنا جوتا دیدیجیے۔انہوں نے پس پردہ سے جوتا آگے بڑھا دیا حضرت شیخ الہند نے اسکو لیکر اپنے سر پر رکھا اور روتے رہے اور کہتے رہے ''یا اللہ میری کوتاہیوں کو معاف فرمادیجیے''۔

(۷)۔یہ دوسرا واقعہ بھی بروایت مولانا قاری محمد طیب صاحب مفتی صاحب نے سنایا کہ ایک مرتبہ مغرب سے کچھ پہلے کا وقت تھا،نماز کے لیے حضرت شیخ الہندؒ کی مجلس سے سب

لوگ اٹھ کر چلے۔میرے برادر خورد مولوی طاہر مرحوم ٹھہر گئے۔حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ ،اندر زنانہ مکان سے گرم پانی لائے اور مولوی طاہر مرحوم سے فرمایا کہ وضو کرلو۔وہ ذرا ہچکچائے کہ حضرت میرے واسطے لوٹا لائے۔اس پر فرمایا کہ ''تم جانتے بھی ہو کہ میں کون ،ہوں میں پیرو کا غلام ہوں'' (پیرو حضرت نانوتوی کے گھر میں خادمہ تھیں)۔

(ماخوذ از ''آپ بیتی'' جلد۲ص ۲۵۴ تا ۲۵۸)

حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی فنائیت:۔

حضرت قاری محمد طاہر صاحب رحیمی دامت برکاتہم ''دلکش نقش''میں تحریر فرماتے ہیں:

حکیم الامت مجدد الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ ،کی ذات محتاج تعارف نہیں۔آپ کے استاد اول جن سے آپ نے فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔وہ حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی ہیں جو ایک جید عالم اور اکمل درویش اور شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے سراپا دین اور بہت ہی بابرکت اور صاحب نسبت بزرگ تھے اور اپنے شاگردوں پر بے حد شفیق ومہربان تھے۔

حضرت مولانا فتح محمد رحمہ اللہ کو تقوی کا اس درجہ اہتمام تھا کہ ایک بار حضرت تھانوی کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے:

''کہ جب آدمی ایک جگہ رہتے ہیں تو ان میں کچھ تعلقات بھی پیدا ہو جاتے ہیں اور ان تعلقات کیوجہ سے کچھ حقوق بھی ہو جاتے ہیں جن میں کبھی کچھ کوتاہی بھی ہو جاتی ہے۔لھذا مجھ سے بھی ضرور کچھ کوتاہیاں ہوئی ہوں گی میں انکی معافی چاہتا ہوں''

حضرت تھانوی فوراً سمجھ گئے کہ طالبعلمی کے زمانے میں میرے استاد موصوف نے جو کچھ اور کبھی شاذ ونادر مجھ کو پیٹا پاٹا تھا اسکی لطیف عنوان سے معافی چاہی جا رہی ہے۔عرض کیا کہ ''حضرت! جس چیز کی معافی چاہی جارہی ہے اس کو میں سمجھ گیا ہوں۔توبہ توبہ! حضرت

!وہ تو عین شفقت ورحمت تھی اسکی معافی کیسی۔ یہ جو دو حرف آ گئے ہیں یہ اس کی تو برکت ہے''۔فرمایانہیں معاف ہی کرو۔ حضرت والا نے بہت عذر کیا۔لیکن نہ مانے۔ بالآخر حضرت والاکو یہ کہنا بھی پڑا کہ میں نے معاف کردیا۔ (دلکش نقش ص ۱۰۰)

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)۔ عاجزی وانکساری:۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہ کے تواضع کے قصے تو حضرت اقدسؒ کی خدمت میں سترہ سالہ قیام میں نہ معلوم کتنے دیکھے،اس لیے کہ رجب ۲۸ھ میں سہارنپور حاضری ہوئی تھی اور ذیقعدہ ۴۵ھ میں مدینہ پاک میں حضرت نوراللہ مرقدہ سے مفارقت ہوئی۔ ہر موقع پرتواضع وانکسار،نشست وبرخاست میں خوب ہی دیکھنے کے موقع ملے،اسفار میں بھی بہت دفعہ ہم رکابی رہی۔خدام کے ساتھ سامان کے اٹھانے میں ذرہ بھی حضرت کوتامل نہ ہوتا تھا،ریل پر اترنے میں چڑھنے میں کچھ سامان حضرت نوراللہ مرقدہ بے تکلف اٹھالیا کرتے تھے،خدام عرض کرتے ہیں ہمیں دیجیے فرماتے کہ وہ بڑا سامان رکھا ہے اٹھالو۔دعوتوں میں بھی حضرت کے ساتھ اکثر شرکت ہوئی،کبھی امتیازی جگہ پر داعی کی درخواست کے بغیر نہ بیٹھتے،میں نے نہیں دیکھاکیف ما اتفق تشریف رکھنے کاارادہ کرتے مگر داعی کی درخواست پرممتاز جگہ بیٹھنے میں بھی انکار نہ کرتے تھے۔

(۲)۔''بندہ ناچیز باعتبار اپنے علم وفہم کے اس قابل نہیں کہ علماء اعلام کے اختلاف کافیصلہ کر سکے'':۔

ایک مسئلہ میں حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہ اوربعض علماء کااختلاف ہوا تو حضرت حکیم الامت نے حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہ کوحکم بنانے پرفریق ثانی کوراضی کرلیا جسکی تفصیل'' خوان خلیل کے جام ص ۷ میں موجود ہے اس پرحضرت حکیم الامت

نوراللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''اس محاکمہ کی تمہید میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت قابل دید ہے، وہی ہذہ: بندہ ناچیز باعتبار اپنے علم وفہم کہ اس قابل نہیں کہ علماء اعلام کے اختلاف کا فیصلہ کر سکے مگر ہاں امتثالاً لامر الشریف اس مسئلہ میں جو کچھ خیال میں آیا عرض کرتا ہے''الخ''حضرت حکیم الامت نے اسکے بعد تحریر فرمایا ہے کہ''تواضع اور اظہار حق میں اس طرح جمع کرنا جس درجہ کا کمال ہے ظاہر ہے''(خوان خلیل ص ۸)

(۳)۔''حضرت سہارنپوریؒ تواضع میں اسلاف کا نمونہ تھے''۔

حضرت حکیم الامتؒ خوان خلیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ میں حضرات سلف کی سچی تواضع تھی کہ مسائل واشکالات علمیہ میں اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ فرماتے تھے اور چھوٹوں کے معروضات کو شرح صدر کے بعد قبول فرمالیتے تھے۔اس کے بعد حضرت سہارنپوری کا اشکال اشراف نفس کے متعلق ذکر کرنے کے بعد حضرت حکیم الامت تحریر فرماتے ہیں کہ اس واقعہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے چند کمالات ثابت ہوتے ہیں: ایک تواضع، جس کے سلسلہ میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔دوسرے دقیق تقوی کہ اشراف کے احتمال بعید تک نظر پہنچی اور اس پر عمل کا اہتمام ہوا۔تیسرے اتباع سنت جیسا کہ ظاہر ہے۔چوتھے اپنے معاملہ میں اپنے نفس کو متہم سمجھا کہ اپنی رائے پر وثوق نہیں فرمایا، ورنہ جس کی نظر اتنی دقیق ہو کیا اس فیصلہ تک وہ نظر نہیں پہنچ سکتی تھی۔ (خوان خلیل ص ۱۲)

(۴)۔''شیخ پورہ کی دعوت کا قصہ''۔

شیخ پورہ کی دعوت کا ایک قصہ جس میں یہ ناکارہ خود بھی شریک تھا اور حضرت حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہ بھی شریک تھے۔اس کو حضرت نے تحریر فرمایا ہے۔تحریر فرماتے ہیں کہ: ایک بار سہارنپور میں بڑے جلسہ (سالانہ جلسہ مدرسہ مظاہر علوم) میں جانا ہوا جلسہ سے اگلے روز شیخ پورہ والوں نے حضرت مولانا سہارنپوری اور دیگر بعض مہمانوں کو مدعو کر دیا، چلتے وقت سہارنپور کے ایک تاجر چانول نے اگلے روز صبح کی دعوت کر دی، مولانا نے دعوت قبول فرمالی اور شیخو پورہ چلے گئے۔شب کو وہاں رہے صبح کے وقت

چھاجوں پانی پڑ رہا تھا، مگر چونکہ مولانا نے وعدہ کرلیا تھا اس وجہ سے اسی حالت میں واپسی ہوئی۔ جب سہارنپور اترے میں بھی (حضرت حکیم الامت) ہمراہ تھا، راستہ میں وہ صاحب جو دعوت کر گئے تھے سڑک پر جاتے ہوئے ملے، مولانا نے پکار کر بلایا اور اپنے آنے کی اطلاع کی تو آپ کہتے ہیں ''حضرت دعوت کا کچھ انتظام نہیں ہوا، مجھ کو واپسی کی امید نہ تھی''۔ مولانا نے فرمایا اچھا بھئی پھر سہی۔ اس نے کل صبح کا وقت معین کیا، اور تبسم سے فرمایا کہ ''ظالم نے شام کا وقت بھی نہ کہا''۔

ہمارے حضرت (حکیم الامت) نے فرمایا کہ اس گفتگو سے میرے غصہ کی کچھ انتہا نہ تھی، مولانا چونکہ بزرگ تھے ان کے سامنے کچھ نہ کہہ سکا، مجھے بھی صبح دعوت میں شریک ہونے کا حکم ملا میں نے عرض کیا حضرت! مجھے تو صبح صبح بھوک نہیں لگتی ہے۔ فرمایا اگر بھوک ہو کھا لینا ورنہ مجلس ہی میں بیٹھ جانا۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا صبح وقت پر پھر ہم سب گئے مگر میں غصے میں بھرا ہوا تھا کوٹھے کے اوپر کھانا کھلایا۔ میں عذر کر کے مولانا سے رخصت ہوگیا اور اس دعوت کنندہ سے مولانا کے سامنے تو کہنے کا موقع نہ ملا، اس لیے نیچے بلایا اور اچھی طرح سے اس کے کان کھولے اور کہا کیا بزرگوں کو بلا کر ایسی ہی تکلیف اور اذیت دیا کرتے ہیں؟ تجھے تو یہ چاہیے تھا کہ اگر مولانا شیخ پورہ سے تشریف نہ بھی لاتے تب بھی انتظام کرتا اس نے آئندہ کے لیے توبہ کی''

(ارواح ثلاثہ ص ۳۸۶)

از زکریا: بندہ کے خیال میں تو اس قصہ میں حضرت سہارنپوریؒ سے زیادہ حضرت حکیم الامت کی تواضع ہے۔ اس غصہ اور تکدر کے باوجود حضرت سہارنپوریؒ کے کہنے پر دعوت بھی قبول کرلی اور حضرت کے سامنے کچھ ڈانٹ بھی نہیں پلائی الگ لے جا کر ڈانٹا۔

(۵)۔ ''بیعت کے عجیب الفاظ''۔

''تذکرۃ الخلیل میں حضرت سہارنپوریؒ کا معمول لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت گنگوہیؒ کی حیات میں اول تو کسی کو بیعت نہیں فرماتے تھے اور اگر کسی کو شدید اصرار پر

بیعت کرتے بھی تو یہ الفاظ کہلواتے تھے: ''کہو بیعت کرتا ہوں میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے خلیل احمد کے ہاتھ پر''۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۷۵)

(٦)۔ ''اہل علم سے استفادہ''۔

''بذل المجہود'' کی تالیف میں جب بھی کوئی اہل علم میں سے آتا اور ایک دو دن قیام کرتا حضرت بڑے اہتمام کے ساتھ بذل کا مسودہ اس کے حوالہ فرماتے کہ غور سے دیکھیں اور کوئی قابل اصلاح ہو تو ضرور متنبہ فرمادیں اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو بعد میں صدر مدرس مظاہر علوم بھی ہو گئے تھے۔ ان کے ذمہ تو مستقل نظر ثانی تھی اور مولانا مرحوم بہت ہی اہتمام سے نظر ثانی کیا کرتے اور جہاں جہاں مولانا نشانات لگاتے حضرت ان کو دوبارہ بڑے غور سے ملاحظہ فرماتے اور اصلاح کی ضرورت سمجھتے تو اصلاح یا توضیح فرماتے (ماخوذ از آپ بیتی ص ۲۵۰ تا ۲۵۳)

(۷)۔ ''اختلافات میں بھی اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ''۔

باایں تفقہ آپ کو اپنے کسی کمال پر ناز نہ تھا اور نہ ضد تھی۔ ایک بار آپ تھانہ بھون گئے اور فساد صلوۃ بمحاذات النساء کے مسئلہ میں مولوی احمد حسن سنبھلی کا حضرت سے مکالمہ ہوا۔ حضرتؒ تو حنفیہ کے قول کو قوی فرما رہے تھے اور مولوی احمد حسن ضعیف حضرت نے فرمایا تم پہلے میری تقریر سن لو پھر جو کہنا ہے وہ کہنا۔ مگر مولوی صاحب نے درمیان میں آپ کا کلام قطع کرنا شروع کر دیا۔ حضرت کو تکدر ہوا لہجہ میں تیزی آ گئی۔ مولوی احمد حسن بھی تیزی پر آ گئے۔ تب آپ نے تحمل کیا اور خاموش ہو گئے، جب آپ ریل پر آنے لگے تو آپ نے خود ابتدا بالسلام کی اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا کر فرمایا ''اگر مجھ سے کچھ گستاخی آپ کی شان میں ہو گئی ہو تو معاف فرما دینا''۔ ان بندہ خدا نے اس پر بھی کوئی معذرت نہیں کی۔ (حالانکہ مولوی صاحب حضرت تھانوی سے بیعت تھے اور حضرت تھانوی خود حضرت سہارنپوری کا بے انتہا ادب کرتے تھے۔ بعد میں ان کا میلان اہل حدیث کی طرف کھل گیا تھا اور تھانہ بھون سے الگ کر دیئے گئے تھے۔) (تذکرۃ الخلیل ص ۲۹۷)

(۸)۔ ''میں اپنے آپ کو آپکی روٹیوں پر پلنے والے کتے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں'':۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم نے اپنے اصلاحی بیان میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ (شارح ابوداود) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ اور استاد ہیں۔انہوں نے حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کا ارادہ کیا لیکن ہمت نہ ہوئی تو حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ آپ سفارش لکھ دیجیے کیونکہ استاد کے بیٹے تھے،تو مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ نے سفارشی خط لکھا کہ ان کو بیعت فرمالیں۔ جب حضرت سہارنپوری حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آپ تو پیر زادے ہیں،بڑے ہیں،آپ کو بیعت کی کیا ضرورت ہے؟''تو حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ میں آپ کا غلام ہوں آپ چاہے سینے سے لگا کر بیعت فرمالیں یا دھکے دے کر نکال دیں،اور رہی بڑے ہونے کی بات تو میں اپنے آپ کو آپ کی روٹیوں پر پلنے والے کتے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں یعنی گناہ گار سمجھتا ہوں۔

اس قدر فنائیت اور انکساری!اور اس کا نتیجہ بھی ظاہر ہوا۔ایک مرتبہ محب الدین ولایتی رحمہ اللہ تعالیٰ مسجد حرام میں معمولات پورے کررہے تھے،اچانک کہا کہ کون آیا ہے کہ مسجد حرام انوار سے بھر گئی؟۔تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ طواف کے بعد سعی کے لئے جارہے ہیں۔ان سے ملاقات کی اور فرمایا کہ میں سوچ رہا تھا کہ کون آیا۔اب پتہ چلا کہ آپ ہیں،پھر فرمایا''یہ شخص (مولانا سہارنپوری رحمہ اللہ) پورا نور ہے''۔ (مجالس علم وذکر جلد ا،ص ۲۰۵)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ (مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند) کے واقعات

(۱) ''بے نفسی کا ایسا کوئی دوسرا نمونہ اس عاجز نے نہیں دیکھا'':

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ منصب اور عہدہ کے لحاظ سے دارالعلوم دیوبند کے مفتی اکبر (گویا بعد کی اصطلاح میں صدر مفتی) تھے تفسیر یا حدیث کا کوئی سبق بھی پڑھا دیتے تھے۔اسی کے ساتھ وہ نقشبندی مجددی طریقہ کے صاحب ارشاد شیخ بھی تھے۔حضرت شاہ عبدالغنی مجددی

رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دیوبندی علیہ الرحمتہ کی رہنمائی اور تربیت میں راہ سلوک طے کی تھی اور ان ہی کے مجاز تھے۔۔وہ دارالعلوم کے اس وقت کے اکابرو اساتذہ میں سب سے بڑے بلکہ سب کے بڑے تھے اور سب ہی ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب میں جو کمال بہت ہی نمایاں تھا جس کو ہم جیسے صرف ظاہری آنکھیں رکھنے والے بھی دیکھتے تھے وہ ان کی انتہائی بے نفسی تھی۔معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کے اس بندہ کے اندر وہ چیز ہے ہی نہیں جس کا نام نفس ہے۔

یہ بات عام طور سے مشہور تھی کہ گھروں کے جو کام نوکروں اور نوکرانیوں کے کرنے کے ہوتے ہیں حضرت مفتی صاحب عندالضرورت وہ سب کام (جیسے گھر میں جھاڑو دینا، برتنوں کا دھونا، مانجھنا وغیرہ) یہ سب بے تکلف بلکہ بشاشت اور خوشی کے ساتھ کر لیتے ہیں، آس پاس کے غریب گھرانوں کا پیسے پیسے، دو دو پیسے کا سودا بھی خرید کے بازار سے لا دیتے ہیں، دوسروں کے پھٹے ٹوٹے جوتے لے جا کر ان کی مرمت کرا لیتے ہیں۔

راقم سطور شہادت دے سکتا ہے کہ بے نفسی کا ایسا کوئی دوسرا نمونہ اس عاجز نے نہیں دیکھا۔(تحدیث نعمت:ص ۱۲۷)

(۲) ''مولوی صاحب! یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں، میں نے یہ چیز اتنی نہیں، اتنی منگائی تھی''

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ کے علمی مقام بلند کا اندازہ تنہا اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ اس دور میں دار العلوم دیو بند کے صدر مفتی رہے جب کہ وہاں آسمان علم کے آفتاب و ماہتاب مصروف تدریس تھے۔ لیکن تواضع اور سادگی کا عالم یہ تھا کہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو حق تعالیٰ نے جو کمالات علمی اور عملی، ظاہری اور باطنی عطا فرمائے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک شخص کے لئے ان کا ادراک بھی آسان نہ تھا۔ اور کوئی کیسے سمجھے کہ یہ کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامات صوفی اور صاحب نسبت شیخ ہیں جب کہ غایت تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار کا سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلّہ کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا بھی خود لاتے، بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھڑی دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کو پہنچاتے''۔ (مقدمہ فتاویٰ دار العلوم ص ۴۶ ج ۱)

اور احقر نے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے بار ہا زبانی سنا کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کسی عورت کو سودا دینے کے لیے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی ''مولوی صاحب! یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں۔ میں نے یہ چیز اتنی نہیں اتنی منگائی تھی''

چنانچہ یہ فرشتہ صفت بزرگ دوبارہ بازار جاتے اور اس عورت کی شکایت دور کرتے۔

(اکابر دیو بند کیا تھے؟ ص ۶۴، ۶۵)

امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)۔ ''تواضع وفنائیت کا مقام بلند'':۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنی ایک مجلس میں نقل کیا کہ ایک عیسائی فیلسوف نے لکھا ہے کہ ''اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ غزالیؒ جیسا محقق اور مدقق اسلام کو حق سمجھتا ہے''۔ یہ واقعہ بیان کر کے حکیم الامتؒ نے فرمایا ''میں کہتا ہوں کہ میرے زمانے میں مولانا انور شاہ صاحبؒ کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے کہ ایسا محقق اور مدقق عالم اسلام کو حق سمجھتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے''۔

انہی حضرت شاہ صاحبؒ کا واقعہ حضرت مولانا محمد انوری صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ مقدمہ بہاولپور کے موقع پر جب حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانیوں کے کفر پر بے نظیر تقریر فرمائی اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ ''جو چیز دین میں تواتر سے ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے'' تو قادیانیوں کے گواہ نے اس پر اعتراض کیا:

''آپ کو چاہیئے کہ امام رازیؒ پر کفر کا فتوی دیں کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلوم نے لکھا ہے کہ امام رازیؒ نے تواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔ اس وقت بڑے بڑے علماء کا مجمع تھا سب کو پریشانی ہوئی کہ فواتح الرحموت اس وقت پاس نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب کس طرح دیا جائے؟ مولانا محمد انوریؒ جو اس واقعے کے وقت موجود تھے، فرماتے ہیں:۔

''ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب نہ تھی۔ مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا مرتضی حسن صاحبؒ حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے؟''۔

لیکن اسی حیرانی کے عالم میں حضرت شاہ صاحبؒ کی آواز گونجی:

''جج صاحب لکھیئے، میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی، اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے۔ امام رازیؒ دراصل یہ فرماتے ہیں کہ حدیث ''لا تجتمع امتی علی الضلالۃ'' تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی، لہذا انہوں نے اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے، نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کا۔ ان صاحب نے حوالہ پیش

کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے۔ان کو کہو کہ عبارت پڑھیں ،وزنہ میں ان سے کتاب لیکر عبارت پڑھتا ہوں۔ چنانچہ قادیانی شاھد نے عبارت پڑھی۔ واقعی اس کا مفہوم وہی تھا جو حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان فرمایا مجمع پر سکتہ جاری ہو گیا اور حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:

''جج صاحب! یہ صاحب ہمیں مفحم (لاجواب) کرنا چاہتے ہیں۔ میں چونکہ طالب علم ہوں ،میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں، میں انشااللہ مفحم نہیں ہونیکا''۔

ایک طرف علم وفضل اور قوت حافظہ کا یہ محیر العقول کارنامہ دیکھیئے کہ بتیس سال پہلے دیکھی ہوئی کتاب کا ایک جزوی حوالہ کتنی جزرسی کے ساتھ یادرہا،دوسری طرف اس موقع پر کوئی اور ہوتا تو نہ جانے کتنے بلند بانگ دعوے کرتا،لیکن خط کشید جملہ ملاخطہ فرمایئے کہ وہ تواضع کے کس مقام کی غمازی کررہا ہے؟اور یہ محض لفظ ہی نہیں وہ واقعتہً اپنے تمام کمالات کے باوصف اپنے آپ کو ایک معمولی طالب علم سمجھتے تھے اور اس دعائے نبوی کے مظہر تھے کہ الھم اجعلنی فی عینی صغیرًا و فی عین الناس کبیرًا،، (اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص۹۲)

(۲)''آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے''

حضرت مولانا یوسف بنوری مدظلہم فرماتے ہیں کہ طلاق کے ایک مسئلہ میں کشمیر کے علماء میں اختلاف ہوگیا فریقین نے حضرت شاہ صاحبؒ کو حکم بنایا۔حضرت شاہ صاحب نے دونوں کے دلائل غور سے سنے۔ان میں سے ایک فریق اپنے موقف پر فتاوی عمادیہ کی ایک عبارت سے استدلال کررہا تھا۔حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:

''میں نے دارالعلوم کے کتب خانہ میں فتاوی عمادیہ کے ایک صحیح قلمی نسخہ کا مطالعہ کیا ہے۔اس میں یہ عبارت ہرگز نہیں ہے۔لہذا یا تو ان کا نسخہ غلط ہے یا یہ لوگ کوئی مغالطہ انگیزی کر رہے ہیں۔''

ایسے علم وفضل اور ایسے حافظہ کا شخص اگر بلند بانگ دعوے کرنے لگے تو کسی درجہ میں اس کو حق

پہنچ سکتا ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ اس قافلہ، رشد ھدایت کے فرد تھے جس نے ''من تواضع لله'' کی حدیث کا عملی پیکر بن کر دکھایا تھا۔ چنانچہ اسی واقعہ میں جب انہوں نے حضرت مولانا بنوری مدظلہم کو اپنا فیصلہ لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے نام کے ساتھ ''الحبر البحر'' (عالم متجر) کے دو تعظیمی لفظ لکھ دیئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے دیکھا تو قلم ہاتھ سے لیکر زبردستی خود یہ الفاظ مٹائے اور غصہ کے لہجے میں مولانا بنوری سے فرمایا:

''آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے''

پھر ایسا شخص جو ہمہ وقت کتابوں ہی میں مستغرق رہتا ہو، اس کا یہ جملہ ادب وتعظیم کتب کے کس مقام کی نشان دہی کرتا ہے کہ:

''میں مطالعہ میں کتاب کو اپنا تابع کبھی نہیں کرتا، بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں۔''

چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

'' سفر وحضر میں ہم لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ لیٹ کر مطالعہ کر رہے ہوں یا کتاب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں، بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مودب انداز سے بیٹھتے، گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہوں''۔

اور یہ بھی فرمایا کہ:

''میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضو نہیں کیا۔'' (ایضاً ص ۹۷۔۹۸)

(۳) ''علم کی عظمت''۔

مولانا بدر عالم راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ڈابھیل کے زمانہ قیام میں میں نے عرض کیا، آپ صاحب اہل وعیال ہیں اگر بخاری شریف کی شرح یا قرآن مجید کی تفسیر تصنیف فرمائیں تو آپ کے علوم کی حفاظت کیساتھ آئندہ بچوں کے لئے بھی ان تصانیف سے کچھ

انتظام ممکن ہے۔اس گزارش پر آپ کا جواب یہ تھا کہ ''عمر بھر حدیث بیچ کر گزر اوقات کی۔مولوی صاحب! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میرے بعد بھی میرا علم فروخت ہوتا رہے ؟''۔ (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۸۹)

(۴)۔''حقیقت پسندی''۔

دیو بند سے ''مہاجر'' کے نام سے ایک اخبار نکلتا تھا۔اس اخبار میں نظام حیدرآباد اور آپ کی ملاقات کی خبر اس جلی سرخی کیساتھ شائع کی جارہی تھی۔

''بارگاہ خسروی میں علامہ جلیل مولانا انور شاہ کشمیری کی باریابی''۔

اخبار چھپا نہیں تھا کہ کسی طرح آپ کو عنوان کی اطلاع ہوگئی۔اخبار کے منتظمین کو بلا کر خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:''ہر چند کہ میں ایک فقیر بے نوا ہوں مگر اتنا گیا گزرا ہوا بھی نہیں کہ اس طرح کے عنوانات کو برداشت کروں۔کیسی بارگاہ خسروی؟اور کہاں کی باریابی؟صرف اتنا لکھیے۔''نظام حیدرآباد سے انور شاہ کی ملاقات''۔(حوالہ بالا)

(۵)۔''اساتذہ کا ادب''

مولانا مشیت اللہ صاحب کے بڑے صاحبزادے حکیم محبوب الرحمٰن فاضلِ دیوبند کا بیان ہے کہ میں جب دیوبند پڑھتا تھا تو حضرت شاہ صاحب کیساتھ آپ کے رہائشی کمرہ میں میرا قیام تھا۔حضرت کو پان کی عادت تھی۔ایک روز میں نے پان لگا کر پیش کیا تو آپ نے منہ میں رکھا ہی تھا کہ شیخ الہند سامنے سے تشریف لاتے ہوئے نظر آئے جو کسی ضرورت سے اپنے شاگرد کے پاس تشریف لا رہے تھے۔شاہ صاحب کو حضرت کے آنے کی اطلاع کی گئی میں اس اضطراب کو بھول نہیں سکتا جو اس وقت شاہ صاحب پر اپنے استاد کی آمد اور منہ سے پان نکالنے کی عجلت کی صورت میں طاری تھا۔تیزی کیساتھ اپنے منہ کو صاف کیا اور کمرے کے دروازے پر ایک سراپا انکسار خادم کی حیثیت سے اپنے آقا کے استقبال کیلئے کھڑے ہوگئے۔(ص ۹۰)

(۶) ''استاذ کی خدمت''

مولانا محمد انوریؒ فیصل آبادی کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحب دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے جو اس علمی درسگاہ کا سب سے بڑا عہدہ ہے۔اسی زمانے میں حضرت شیخ الہند رہائی کے بعد

دیوبند پہنچے۔ مجھے حضرت شاہ صاحب کی زیارت کا اب تک موقع نہیں ملا تھا۔لیکن آپ کی علمی عظمت کا احساس آپ کے سینکڑوں تلامذہ سے سن کر دل ودماغ پر غالب تھا۔دیوبند پہنچنے کے بعد میرے والد مجھے لیکر آستانہ شیخ الہند پر پہنچے۔گرمی کا زمانہ تھا اور ظہر کی نماز ہو چکی تھی۔حضرت کی مردانہ نشست گاہ میں ایک ہجوم حضرت کو چہار طرف سے گھیرے ہوئے بیٹھا تھا۔چھت سے لٹکے ہوئے پنکھے کو ایک صاحب کھینچ رہے تھے جن کے پرانوار چہرہ کی معصومیت ونورانیت،شکوہ علم اور جلالتِ علمی کی ملی جلی کیفیت دعوت نظارے دے رہی تھی ۔ایک صاحب نے مجھے چپکے سے کہا کہ یہ پنکھا کرنے والے حضرت مولانا انور شاہ درالعلوم کے صدر مدرس ہیں۔یہ سن کر میر پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ جس ذات گرامی کی علمی شہرتو ل سے عالم گونج رہا ہے اور جس کے خود اپنے شاگردوں کا اس مجلس میں ہجوم ہے کس عقیدت واحترام کیساتھ اپنے استاد کی خدمت میں مصروف ہیں۔

مالٹا سے تشریف لانے کے بعد دوپہر کو معمولا حکیم صفت احمد کی حاضری حضرت شیخ الہند صاحب کے یہاں ہوتی۔حضرت اس وقت کچھ آرام فرماتے اور حکیم آپ کا بدن دباتے۔ایک روز حضرت چادر اوڑھے ہوئے استراحت فرمارہے تھے اور حکیم صاحب حسب دستور بدن دبارہے تھے کہ اچانک حضرت کشمیری تشریف لائے۔آنے کو تو آگئے لیکن یہ دیکھ کر کہ حضرت آرام فرما رہے ہیں بڑی تشویش میں مبتلا ہو گئے۔کچھ لمحات ایسے گزرے کہ اپنی سانس روکے رہے۔اس طرح کہ جیسے آپ زندہ ہی نہ ہوں۔ساری کوشش اس لئے تھی کہ حضرت استاد کو کسی تیسرے کی موجودگی کا احساس ہوکر آرام میں خلل نہ آئے (ص ۹۱)

(۷) ''علامہ انور شاہ کشمیری حضرت شیخ الہند کی مجلس میں''۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں فجر کے بعد مجلس لگتی اور چائے کا دور چلتا۔ مجلس میں سب لوگ تو اپنی باتوں میں مشغول رہتے لیکن حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ خاموش سر جھکائے بیٹھے رہتے اور کسی کی باتوں میں حصہ نہ لیتے۔ جب آہستہ آہستہ لوگ چائے پی کر چلے جاتے، تب حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ ان سے فرماتے کہ شاہ صاحب! آپ کو کچھ کہنا ہے؟ تو سر اٹھاتے اور عرض کرتے کہ جی ہاں فلاں حدیث کے متعلق دریافت کرنا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ جواب مرحمت فرماتے، اسکے بعد شاہ صاحب واپس آتے۔

(ملفوظات فقیہ الامت جلد (۱) حصہ اول ص ۱۰۸)

(۸) ''علامہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت شیخ الہند کی مفارقت کا غم'':

ارشاد فرمایا کہ جس وقت حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ سفر میں جانے لگے جس میں اسیر ہو کر مالٹا جانیکی نوبت آئی تو شاہ صاحب نے باوجودیکہ ترمذی کا سبق پڑھانے کیلئے آکر بیٹھ گئے تھے، عبارت بھی پڑھ دی گئی تھی، مفارقت حضرت کے غم میں کچھ نہ فرمایا بلکہ ذرا دیر توقف فرما کر کتاب بند کر دی اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت اس وقت چارپائی پر پیر لٹکائے بیٹھے تھے نہایت موشی کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے اور حضرت کی دونوں پنڈلیوں کو پکڑ کر سینے سے چمٹا لیا حضرت نے تکلف سے کام نہ لیا یوں ہی رہنے دیا۔

پھر فرمایا کہ شاہ صاحب آپ کو میری موجودگی میں شبہات پیش آتے تھے میں نہ رہوں گا تو شبہات پیش نہ آئیں گے اور اگر آئیں گے بھی تو قدرت رہنمائی کرے گی، جاؤ! خدا کے سپرد، سبق پڑھاؤ۔ (حوالہء بالا ص ۱۰۸)

(۹) ''عجز وانکساری کے حسین پیکر'':

آپکے فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد انظر شاہ صاحب کشمیری زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

خودداری اور کبر وغرور میں باہمی فاصلے اس قدر مختصر ہیں کہ انسانی زندگی کا کمال (خود داری) کبر وغرور کے نقص کے ساتھ بڑی تیزی سے مل جاتا ہے۔ وہ سعید زندگی اس بوقلموں عالم میں بہت کم نظر آئے گی جسکی خودداری تکبر ونخوت کی پرچھائیوں سے صاف اور بے داغ ہو۔ فریب نفس کے کتنے وہ مریض ہیں جو رذائل کی راہوں کے مسافر لیکن خود کو خودداری کے انسانی جوہر سے متصف گردان رہے ہیں نفس کی یہ وہی کمزوری ہے جس پر صدیوں بھی انسان کو اطلاع نہیں ہوتی۔

ع کہ خبث نفس نگردد بسالہا معلوم۔

کہنا یہ ہے کہ مرحوم میں جہاں خودی وخودداری کا وصف تھا اسکے ساتھ تواضع وفروتنی بھی موجود تھی۔ رفتار وگفتار، نشست وبرخاست میں اس وصف کا ظہور تھا۔ غالبا آپ مجھ ہی سے سن چکے ہیں کہ کھانے کے وقت میں جیسے ہی دسترخوان آپ کے سامنے آتا آپ سراپا تواضع بن جاتے۔ چال میں بھی تواضع، کتاب، اساتذہ اور حد تو یہ ہے کہ طلبا کے ساتھ بھی متواضعانہ طرز عمل تھا۔ مولانا محمد طیب صاحب کا بیان ہے کہ بارہا حضرت سے سنا کہ ''میں نے سات سال کی عمر کے بعد دین کی کسی کتاب کو بغیر وضو کے ہاتھ نہیں لگایا اور مطالعہ کے دوران کبھی کتاب کو اپنے تابع نہیں کیا۔ اگر کتاب میرے سامنے رکھی ہوئی ہے او رحاشیہ دوسری جانب ہے تو ایسی بھی نوبت نہیں آئی کہ حاشیہ کی جانب کو گھما کر اپنے سامنے کر لیا بلکہ اٹھکر اس جانب جا بیٹھا ہوں جدھر حاشیہ ہوتا''

کتاب کے ادب اور اس کے ساتھ تواضع کی یہ برکت تھی کہ خدائے تعالیٰ نے آپکو علم کی دولت سے مالا مال فرمایا اور اپنے اساتذہ کے احترام اور ان کے روبرو تواضع وانکساری اس درجہ غالب رہتا کہ مولانا اعزاز علی صاحب فرماتے تھے کہ ''جب حضرت شیخ الہندؒ کے روبرو شاہ صاحب ہوتے تو اس قدر جھک جاتے کہ آپ کے گرنے کا اندیشہ ہوتا''۔

(نقش دوام ص ۹۲)

(۱۰)۔''غریب طالب علم کی دل شکنی کرنے پر معافی مانگنے کا حکم'':۔

مولانا سید احمد مالک کتب خانہ اعزازیہ دیوبند جو حیدرآباد میں پروفیسر رہے اور اب دیوبند میں ایک بڑے تجارتی کتب خانہ کے مالک ہیں آپ کا بیان کیا ہوا یہ واقعہ سننے کے قابل ہے کہ

جس سال ہماری بخاری وترمذی حضرت شاہ صاحب کے یہاں زیر درس تھیں دارالعلوم دیوبند میں ایک عجیب مجہول شخصیت طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوئی یہ شخصیت پنجاب کی تھی میلے کچیلے کپڑے، پھٹا پرانا لباس۔ یہ طالب علم صرف درس میں نظر آتا باقی تمام اوقات مطالعہ میں گزارتا۔ عصر تا مغرب اکثر طلبا تفریح کے لیے نکل جاتے مگر یہ کبھی تفریح کے لیے نہیں آیا۔ مختی اور شوقین طلباء بھی کبھی اپنی ضرورت کے لیے بازار جاتے لیکن اسے دیوبند کے بازار میں نہیں دیکھا گیا، حدتو یہ ہے کہ دارالعلوم میں اجتماعات یا وقتی وہنگامی جلسوں میں بھی اس کی صورت پرنظر نہ پڑتی۔ میلے کچیلے کپڑے جن پر جوئیں گشت کرتی رہتیں۔ طلباء اسکے قریب بیٹھنے یا قریب بٹھانے سے گریز کرتے۔ اسکا معمول تھا کہ کھانے کے اوقات میں مٹی کا ایک پیالہ لئے ہوئے مطبخ آتا۔ کھانا لینے کے بعد وہیں بیٹھ کر کھالیتا۔ اسی پیالے کو لیے ہوئے مولسری کے کنویں پر پہنچتا پیالہ کھنگھال کراسی میں پانی پیتا اور پھر بدستور داخل حجرہ ایک آدھ مرتبہ اس کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو ایک بوریا ،ایک اینٹ جس سے تکیہ کا کام لیتا۔ اس کے سوا کمرے میں کوئی چیز نہیں تھی میں اور میرے رفیق درس مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے ایک روز خلاف معمول اس طالب علم کو دیکھا کہ اپنی مخصوص نشست چھوڑ کر ہمارے ساتھ سامنے والی نشست پرآ بیٹھا۔ پھٹا پرانا لباس اس پر چلتی ہوئی جوئیں، اپنی کوفت سے زیادہ یہ احساس تکلیف کا باعث بن رہا تھا کہ حضرت استاذ کو بھی اذیت ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب تشریف لا چکے تھے آپؒ کی تقریر روانی کے ساتھ جاری تھی۔ حافظ ابن تیمیہ، ابن حجر عسقلانی۔ ابن ہمام، بدرالدین عینی وغیرہ کے حوالے ،بلند پایہ تحقیقات اور اس پر ردوقدح کے دوران حضرت استاد کی مسکراہٹ، میں

نے یہ سمجھ کر کہ آپ کی تمام تر توجہ اس وقت متعلقہ مسئلہ کی جانب ہے۔
نہایت ہی خفگی لہجہ میں اس طالب علم سے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی اتنے غلیظ ہو کر یہاں آ بیٹھے ہو؟۔ میں مطمئن تھا کہ میری آواز حضرت کے کان تک نہیں پہنچی ہوگی، گردن اٹھا کر دیکھا تو شاہ صاحب کی کشادہ پیشانی پر ناگوار شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور تقریر کا انبساط بھی رخصت ہو چکا تھا۔ سبق قبل از وقت ختم کیا اور درسگاہ سے رخصت ہوتے ہوئے مجھے اشارے سے بلایا جب میں قیامگاہ پر پہونچا تو محسوس ہوا کہ آپ شدید ناگواری میں ہیں فرمایا کہ۔

''مولوی صاحب آپ بہت نظیف ہیں کہ ایک غریب طالب علم کی آپ نے دل شکنی فرمائی یہ تواضع کے قطعاً خلاف اور کبر کی علامت ہے۔ آپکو کیا معلوم جس طالب علم کو آپ نے سخت وست کہا وہ عرصہ کے بعد واحد طالب علم ہے جو میری تقریر کو مکمل سمجھ رہا ہے۔ جایئے اس سے معافی مانگئے''!۔

حضرت استاد کے اس حکم کی تعمیل کی گئی لیکن یہ شبہ باقی رہا کہ حضرت نے اس طالب علم کے متعلق ایسے وقیع کلمات کس لئے استعمال کئے۔ ایک روز امتحان کی غرض سے اس طالب علم کے کمرہ میں پہنچ کر ایک اہم روایت کے متعلق سوال کیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسکی زبان سے شاہ صاحب کی تقریر اس طرح سنی کہ الفاظ کی بھی تبدیلی نہیں تھی۔ (ایضاً ص۹۴ تا ۹۶)

(۱۱)۔'' میں ایک بے عمل شخص ہوں جس کا دامن زادِ آخرت سے خالی ہے''

بلکہ کبھی آپ کی یہ تواضع ایسی صورت اختیار کر لیتی کہ تلامذہ اور عقیدت مندوں کو بڑی پریشانی کا سامنا ہوتا۔ جس وقت آپ نے بھاولپور کا سفر ایک مقدمہ کے سلسلہ میں کیا جس کی تفصیلات انشاءاللہ پیش کی جائیں گی۔ اس سفر میں دیوبند اور پنجاب کے بعض مشہور علماء آپکے ساتھ تھے۔ پہنچنے کے بعد قرب وجوار سے تلامذہ اور معتقدین ملاقات کے لیے بھاولپور پہنچ گئے۔ جمعہ کے روز جامع مسجد میں اپنی پہلی تقریر میں فرمایا کہ:

''میں ڈابھیل کے سفر کے لیے پا بہ رکاب تھا،اسی دوران جامعہ عباسیہ کے شیخ کا تار ملا کہ اس مقدمہ میں تیری شہادت مطلوب ہے میں نے سوچا کہ میں ایک بے عمل شخص ہوں جسکا دامن زادآخرت سے خالی ہے، شاید مجھ روسیاہ کی نجات کے لئے یہی چیز کارآمد ہو کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی دین کی حمایت کے لئے آیا ہوں اور ختم نبوت کی جانبداری میرے لئے ذریعہ نجات بن جائے''۔

یہ الفاظ کچھ اس انداز سے آپکی زبان پر آئے کہ مجمع پر گریہ طاری ہو گیا۔آپ کے خصوصی شاگرد مولانا عبدالحنان ہزاروی معاً کھڑے ہوگئے بولے کہ

''لوگو! اگر حضرت شاہ صاحب کی بھی نجات نہ ہوئی تو پھر کس کی ہوگی جنکا زہد وتقوی،للٰہیت اور ولایت ہر شبہ سے بالاتر ہے''۔

موصوف نے جب اپنی عقیدت کا اظہار ان جملوں سے کیا تو آپ نے انکو بہ جبر بٹھا دیا اور مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ

''یہ صاحب ہماری تعریف میں مبالغہ کرتے ہیں،حالانکہ ہم پر یہ بات کھل گئی کہ گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے اگر ہم ختم نبوت کی حفاظت نہ کر سکیں''۔

مجمع نے ایک شیخ وقت کی زبان سے یہ متواضعانہ کلمات سنے تو آہ و بکا کی آوازیں صحن مسجد سے اٹھنے لگیں۔ (ایضا،ص۹۶)

قطب الاقطاب حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)۔''سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھر چونڈوی کی صحبت'':۔

ترک تعلیم ظاہری کے بعد آپ مستقلاً حضور سید العارفینؒ کی صحبت میں (بھر چونڈی شریف)

رہ گئے اور اب باطنی تعلیم کی اسباق با قاعدہ پڑھے جانے لگے۔اپنی زندگی حضور مرشد اور انکے

لنگر پاک کی خدمت کے لیے وقف کردی۔اور خود کو اپنے شیخؒ کی شراب محبت میں اسقدر

سرشار کیا کہ دنیا و مافیہا کا ہوش باقی نہ رہا۔ گھر سے خط آتے مگر وہ بغیر پڑھے کسی جگہ رکھ دیتے۔ مرشدؒ حکم دیتے تو کچھ دن کے لیئے اپنی ماں اور بھائی بہنوں کے پاس (ڈبی کورائیاں، بعد میں بستی گھوٹیاں علاقہ خان پور) چلے جاتے۔ مگر اس مدت میں حضور مرشدؒ کی جدائی میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہتے۔ اپنی والدہ اور بھائی بہنوں کو بھی بھرچونڈی شریف لے جاتے، ان کا تعلق بیعت بھی حضرت سید العارفین سے کرا دیا تھا۔ چنانچہ اماں صاحبہ بعد میں باقاعدہ صاحب نسبت ہوئیں۔

درگاہ عالیہ بھرچونڈی شریف کے قیام کی مدت میں آپ نے خوب محنت کی۔ کٹھن ریاضتیں اور مجاہدات کئے۔ اس طرح لنگر عالیہ کی خدمت میں بھی پیش پیش رہے اور تمام کاروبار میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ایک دفعہ لنگر عالیہ کے لیئے جنگل سے سرکنڈوں گٹھے لے آئے، ریش مبارک میں خس وخوشاک کے تنکے پھنس گئے تھے۔ حضور مرشدؒ نے دیکھا تو پاس بٹھا کر اپنے مقدس ہاتھوں سے چنتے رہے اور دیر تک گریہ فرماتے رہے۔

میاں عاشق ومعشوق رمزیست
کراما کاتبین را ہم خبر نیست

بھرچونڈی شریف کی مسجد شریف کی تعمیر شروع تھی۔ ایک دن حضرت سید العارفینؒ نماز پڑھ کر باہر تشریف لائے اور آپ کو بلا کر فرمایا۔ میاں! میری مسجد کو تو دیکھو، کعبہ شریف کو سیدھی ہے؟ یہ گویا تمام جماعت کے سامنے اپنے نوجوان طالب کی بلند استعداد، صلاحیتوں اور علو شان کا اظہار تھا۔ حضرت دین پوریؒ نے حضرت سید العارفینؒ کی حیات طیبہ میں تو کیا، آپ کے وصال کے بعد بھی جب کبھی درگاہ بھرچونڈی شریف میں قیام کیا، کبھی چارپائی پر نہ سوئے، نہ بیٹھے، نہ ہی بستر طلب کیا، خود کو اس درگاہ کا ایک معمولی اور ادنیٰ فقیر سمجھتے تھے۔ حضرت سید العارفینؒ کی صحبت کے انہی ایام میں آپ نہایت عسر و مسکینی کی صورت میں رہتے تھے۔ گرمیاں اور سردیاں بس ایک چادر میں گزراتے تھے۔ کپڑے

پیوند زدہ اور پھٹے ہوئے ہوتے تھے۔ایک ٹوٹی ہوئی (کنوئیں کی) ٹنڈ میں لنگر کا بھات یا ابلے ہوئے چنے (کوہل) لیتے اور بقدر قوت لایموت کھا کر عبادات وریاضات میں مشغول ہو جاتے۔ (بیس مردان حق جلد 1 ص ۴۳۳)

۲۔احترام سادات، بزرگان دین واساتذہ:۔

حضرتؒ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے۔کبھی ظاہرا یا عملا دوسروں پر اپنی بڑائی کا اظہار نہ کرتے تھے۔جماعت کے ہر ادنی واعلی فقیر سے ہمیشہ مہربانی ،خندہ پیشانی اور تواضع سے پیش آتے تھے۔ ہر کوئی سمجھتا تھا کہ آپ مجھ پر ہی زیادہ مہربان ہیں ،لیکن سادات، بزرگان دین ،علماء اور اساتذہ کے ساتھ جس قدر عقیدت واحترام کا معاملہ فرماتے تھے وہ کسی دوسرے فرد کے ساتھ نہ ہوتا تھا۔انکو ہمیشہ اپنے برابر بٹھاتے ،خود انکے سامنے باادب ہو کر بیٹھتے ان کی باتیں بڑے غور سے سنتے ،ان کے کام کرانے میں خاص دلچسپی لیتے ،پھر لنگر میں انکے کھانے پینے اور رہائش کے لیے بھی خصوصی انتظام ہوتا تھا۔

اپنے مرشد گھرانہ (بھرچونڈی شریف اور سوئی شریف کے علاوہ بھی تمام پیران سلسلہ اور ان کی اولاد) سے کمال درجے کا عجز و نیاز فرماتے ،نہایت ادب واحترام سے پیش آتے۔ان کے خاندان سے بھی آپ کا خصوصی معاملہ تھا۔اگر چہ آپ کے اساتذہ (بستی مولویاں وراجن پور سندھ) کا بیشتر خاندان آپ سے تعلق بیعت رکھتا تھا۔لیکن انکا احترام بلکہ ان کے چھوٹوں بچوں تک کا ادب فرماتے تھے۔آپکی اس توجہ اور خلق عظیم سے اکثر ایسے مہمان پریشان ہوتے تھے اور آپکی خدمت میں جاتے ہوئے جھجکتے تھے۔بستی مولویاں کے مولوی صاحبان اکثر جب کبھی لنگر عالیہ میں آتے تو اکھٹے جا کر حضرت والا سے ملتے تا کہ حضرتؒ کو ایک ایک کے ساتھ علیحدہ ادب وتواضع سے پیش آنے میں تکلیف نہ ہو۔ یہ حضرات کبھی خود دعوت کے لیے نہ کہتے تھے بلکہ کسی دوسرے ذریعے سے کہلاتے تھے۔کیونکہ جب کبھی ان میں سے کسی نے حضرت کو دعوت کی منظوری کے لیے عرض کی آپ ہاتھ جوڑ کر فرماتے ،کہ ''مولانا! میں تو باندی کا لڑکا ہوں۔آپکی دعوت کا کیسے انکار کر سکتا ہوں''۔ (ایضا ۴۹۸)

(۳)۔ ''حضرت کے مرید ''ماما مٹھا'' کی تواضع وانکساری'':۔

ماما مٹھا جماعت کا ایک عام فقیر تھا۔ سارا دن جنگل میں لنگر کے جانور چراتا اور قرآن پڑھتا۔ پانچوں وقت مسجد میں اذان دینا بھی اس کا فرض تھا۔ اسی ماما مٹھا کا واقعہ ہے کہ ۱۹۳۴ء میں پنجاب سرگودھا کے سفر میں حضرت کے ہمراہ تھا۔ اس سفر میں آپ حضرت لاہوریؒ کی دعوت پر لاہور بھی تشریف لے گئے تھے۔ جماعت کے قیام کا انتظام مدرسہ قاسم العلوم کی عمارت میں کیا گیا تھا۔ قاری محمد ابراہیم صاحب نے فرمایا کہ ماما مٹھا نے مجھ سے بیت الخلاء کے متعلق پوچھا تو میں نے اسے وہ جگہ جا کر دکھادی۔ اس نے سوال کیا یہ گندگی کہاں جاتی ہے؟ تو میں نے اسے بتایا کہ جمعدار (چوہڑے) اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ یہ سن کر اس نے اس دن سے کھانا کھانا بند کر دیا اور چار دن کے قیام میں کچھ بھی نہیں کھایا۔ غالباً فقیر (ماما مٹھا) نے سوچا ہوگا کہ چوہڑے بھی ہماری طرح انسان ہیں بلکہ ہم سے بہتر ہیں۔ وہ ہماری گندگی اٹھائیں لہذا ہم اسکا حساب کہاں اور کیونکر دیں گے؟۔ (ایضاً ص ۵۰۶)

(۴)۔ ''فنائیت پر مبنی عجیب جواب'':۔

حاجی پور شریف (ڈیرہ غازی خان) کے سفر میں حضرت سید جندوڈہ شاہ صاحبؒ، حضرتؒ سے بیعت ہوئے تو کسی شخص نے حضرتؒ سے سوال کیا کہ کیا سید بھی امتی کا مرید ہوسکتا ہے؟ حضرتؒ نے جواباً فرمایا کہ ''اگر کسی بادشاہ کا قیمتی ہیرا (موتی) گم ہو جائے اور وہ دوبارہ کسی چوڑھے خاکروب کے گھر سے دستیاب ہو تو کیا بادشاہ وہ اپنا گم موتی واپس نہ لے؟'' (ایضاً ص ۵۰۸)

(۵)۔ ''صحبت کا اثر'':۔

آپکے خلیفہ مجاز شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: حضرت دین پوریؒ کے ہاں جماعت کے سب لوگ کھدر کے کپڑے پہنا کرتے تھے جن

کو کیکر کے چھلکوں میں رنگا جاتا تھا۔ جماعت کے سب آدمیوں کو عشاء کی نماز کے بعد ایک ایک پیالہ پھیکے بھات کا ملتا تھا۔ جس میں نہ نمک اور نہ گھی ہوتا تھا۔ رات کو ایک دو دفعہ کھل کر پیشاب آیا طبیعت صاف ہو گئی اور تہجد کے لیے اٹھ بیٹھے، دن کو روٹی یا گھنگھنیاں ملتی تھیں ۔ یہ غذا کھانے والا حضرت کا ایک بوڑھا خادم ایک دفعہ مجھ سے پوچھتا ہے مولوی صاحب! کیا ہم قیامت کے دن اللہ کو دیکھیں گے؟ اس کی بڑی نعمتیں کھائی ہیں اس کو دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ میں نے جواب دیا جی ہاں! ہم اللہ کو دیکھیں گے۔

یہ صحبت کا اثر ہے، کامل کا عکس پڑا ہوا ہے۔ نعمتیں کیا کھائی ہیں؟ پھیکا بھات اور گھنگھنیاں۔ اے دنیا دار! میں تجھ سے پوچھتا ہوں کیا کبھی کیک، انڈے، پلاؤ، زردے اور قورمے کھا کر تمہیں بھی اللہ کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا؟۔ (ملفوظات طیبات ص ۱۴۳)

(۶)۔ ''شادی بیاہ میں سادگی'':۔

حضرت دین پوری کو اللہ نے بیٹے بیٹیاں عطا فرما رکھی تھیں، اب تو ماشاء اللہ ان کے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں بھی ہیں۔ ان کے ایک پوتے مولوی سراج احمد صاحب کچھ دن ہوئے یہاں آئے ہوئے تھے۔

حضرت دین پوری نے جب کسی صاحبزادی کا نکاح کرنا ہوتا تو ہماری اماں سے فرما دیتے کہ بچی کو نہلا کر نئے کپڑے پہنا دینا، نماز عشاء کے بعد داماد کو بلا کر نکاح پڑھا دیتے۔ کسی کو پتہ بھی نہ ہوتا تھا کہ کوئی شادی ہونے والی ہے۔

اب ان کے صاحبزادے مولوی میاں عبدالہادی صاحب گدی نشین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے وہ ماشاء اللہ عالم ہیں یہاں سے قرآن پڑھ کر گئے ہیں ان کے ہاں بھی یہی دستور ہے، انہوں نے اپنی ایک صاحبزادی کے نکاح کے لیے مجھے لاہور سے بلایا، لیکن لڑکے کے باپ کو پتہ نہیں کہ ان کے لڑکے کی شادی ہے (مولانا عبدالقادر مرحوم کے صاحبزادے مولوی حبیب الرحمٰن مرحوم کی شادی کا موقعہ تھا۔ مصنف) وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کو کس کام کے لیے بلایا ہے؟ اب انہوں نے اپنی دوسری صاحبزادی کا نکاح

ایک نومسلم سے کیا ہے، یہ صحبت کا اثر ہے۔ (ایضاً ص ۱۵۴)

(۷)۔ ''حضرت کے خادم مولوی شیر محمد صاحب مرحوم کی فنائیت'':۔

علاقہ رحیم یار خان کے اسی سفر میں حضرتؒ اور جماعت گھوڑیوں پر سوار ایک بستی کی طرف جا رہے تھے۔ اچانک حضرتؒ نے ایک جگہ اپنی گھوڑی روک لی۔ اور خاموش کھڑے ہو گئے پیچھے آنے والی جماعت بھی جمع ہو گئی۔ سب فقراء سمجھ رہے تھے کہ حضرت جماعت کو ملانے کے لیے رک گئے ہیں۔ اتنے میں مولوی شیر محمد صاحب مرحوم (بستی مولویاں) کی سواری بھی آ گئی، مولوی صاحب موصوف ایک بڑے زمیندار اور امیر آدمی تھے۔ نہایت اعلیٰ درجے کا قیمتی لباس پہنتے تھے، آتے ہی ایک دم اپنی گھوڑی سے کود پڑے۔ تھوڑی دور ایک خارش زدہ کتا کیچڑ میں لت پت، سردی سے ٹھٹھر کر موت وحیات کی کشمکش میں پڑا تھا۔ مولوی صاحب نے اس کے پاس جا کر اسے اپنی بانہوں میں اٹھا لیا اور دھوپ میں ایک خشک جگہ پر رکھ کر اپنی پگڑی سے اس کا جسم پونچھا اور پوری تسلی سے اس کی خدمت کر کے اس حال میں واپس آئے کہ ان کا تمام قیمتی لباس کیچڑ اور مٹی سے داغدار اور گیلا ہو رہا تھا۔ حضرت اس تمام عرصے میں یہ دیکھتے رہے اور گریہ فرماتے رہے مولوی صاحب مرحوم واپس آئے تو آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ دیر تک رو کر دعا فرماتے رہے۔ پھر مولوی صاحب کو گھوڑی پر سوار ہونے کا۔ اشارہ فرمایا اور جماعت آگے روانہ ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد تمام فقراء ہاتھ ملتے اور افسوس کرتے تھے کہ حضرت کی منشا پہلے ان کی سمجھ میں کیوں نہیں آئی؟۔ (ایضاص ۲۷۰)

(۸)۔ ''اگر جماعت کی خدمت کرنی ہے تو وہاں سے اٹھا لیں فقیر اپنی خدمت نہیں لیا کرتا''

ایک دفعہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ دین پور شریف تشریف لائے تو حضرتؒ اس وقت جماعت کے ہمراہ جنگل میں سے لکڑیاں کاٹ کر اور ان کے گٹھے بنا کر ڈھو رہے تھے۔ تمام فقراء ایک ایک گٹھا اٹھائے ہوئے تھے۔ اور حضرتؒ کے سر پر بھی لکڑیوں کا بوجھ تھا۔ مولانا

سندھیؒ نے بھی جا کر اپنے سر پر لکڑیاں اٹھالیں۔ مولانا مرحوم کے ہمراہ ایک مولوی صاحب بھی تھے۔ وہ بڑھ کر حضرتؒ سے بوجھ لینے لگے۔ حضرتؒ نے فرمایا! مولوی صاحب! بہت سی لکڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ اگر جماعت کی خدمت کرنی ہے تو وہاں سے اٹھالیں۔ فقیر اپنی خدمت نہیں لیا کرتا۔ (ص ۲۷۹)

(۹)۔ ''میں خانہء رقیب کو بھی سر کے بل گیا'':۔

ایک دفعہ حضرت میاں عبدالرحمٰن صاحب مرحوم سجادہ نشین بھر چونڈی شریف کے چھوٹے صاحبزادے میاں عبدالرحیم صاحب مرحوم اور میاں عبدالکریم صاحب دین پور شریف تشریف لائے اور سیدھے الٰہی بخش ہمسایہ کے گھر چلے گئے۔ کہ دوپہر کا وقت تھا۔ حضرتؒ کو صاحبزادگان کی آمد کا پتہ چلا تو تیار ہو گئے کہ وہاں چل کر ان کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں۔ چونکہ ہمسایہ مذکور کا جماعت کے ساتھ برتاؤ اچھا نہیں تھا اس لئے جماعت نے مشورہ دیا کہ حضرتؒ اس کے گھر نہ جائیں بلکہ یہیں انتظار فرماویں۔ جب صاحبزادگان نماز کیلیے تشریف لائیں گے تو ملاقات ہو جائے گی۔ مگر حضرت نے یہ مشورہ سختی سے ٹھکرادیا۔ باوجود ضعف اور بیماری کے دو آدمیوں کے سہارے چل کر ہمسایہ کے گھر گئے (میں خانہء رقیب کو بھی سر کے بل گیا) اور وہاں صاحبزدگان کی قدم بوسی فرمائی اور دعوت کے لئے عرض کی۔ باوجود صاحبزادگان کے اصرار کے ان کے قریب ''گلیم'' پر نہ بیٹھے بلکہ خاک پر دوزانو بیٹھ گئے۔ یہ حضور مرشد سید العارفینؒ اور آپ کے خاندان سے کمال عقیدت ومحبت تھی کہ ان کی تیسری پشت کے بچوں کا بھی اس قدر ادب واحترام فرماتے تھے۔

(ص ۲۸۱)

(۱۰)۔ کھانے میں نہایت سادگی:۔

ایک دفعہ میاں جی الٰہی بخش ترکھان نے دعوت کی۔ حضرتؒ نے تاکید فرمائی کہ جماعت کے لئے خالی پانی میں چنے (چھولے) ابال کر پکا لیے جائیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور آپ نے بھی جماعت کے ساتھ ملکر وہ چھولے تناول فرمائے۔

(ص ۲۸۷)

(۱۱)۔غریب آدمی کی دلجوئی کا عجیب واقعہ:۔

اس سفر (ڈیرہ غازی خاں) کا واقعہ ہے کہ صبح کو کشتی جب دریا کے پار پہنچی تو وہاں حضرتؒ کے استقبال کے لئے علاقے کے بڑے زمیندار اور معزز اشخاص جمع تھے اور بہت سے غریب لوگ بھی منتظر کھڑے تھے۔ایک غریب آدمی نے سوچا اتنے بڑے بڑے آدمیوں میں اس کو حضرتؒ سے مصافحہ تو کجا، خالی دور سے سلام کا موقع بھی نہیں ملے گا۔اور یہی سوچ کر وہ دور مایوس کھڑا ہوا تھا۔حضرتؒ کی کشتی کنارے لگی تو سب سے بڑے آدمی آگے بڑھے مگر حضرتؒ اترتے ہی کسی سے نہ ملے اور سیدھے اس غریب آدمی کے پاس جا کر اس سے بغلگیر ہوئے۔بعد میں دیگر لوگوں سے مصافحہ فرمایا۔

یہ واقعہ اس غریب آدمی نے خود رائے خیر اصاحب ذیلدار سے بیان کیا۔ (ص ۲۸۸)

(۱۲)۔''تم کشتی میں جاؤ اور میں اونٹوں کو دھکیلتا ہوں'':۔

حضرتؒ اسفار میں ذاتی طور پر ایک ایک فقیر اور سواری کا خیال فرماتے تھے نیز سامان اٹھانے، ڈھونے وغیرہ تمام کاروبار میں جماعت کے شامل رہتے تھے، ایک دفعہ اعلیٰ حضرت میاں محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ بھر چونڈی کے ہمراہ سفر فرمارہے تھے۔نالہ ڈالس واہ سے جماعت کے گذرنے کا اتفاق ہوا تو بعض سواری کے اونٹ کشتی پر سوار نہ ہوتے تھے، فقراء پریشان ہو رہے تھے۔حضرتؒ نے دیکھا تو اپنے برادر حقیقی میاں غلام رسول سے فرمایا کہ تم کیا دیکھ رہے ہو؟ جماعت کو تکلیف ہو رہی ہے تم کشتی میں جاؤ اور میں اونٹوں کو دھکیلتا ہوں۔چنانچہ آپ ایک ایک اونٹ کی کوڑی کے نیچے اپنا کندھا دے کر ایسی چال سے زور لگاتے کہ اونٹ فوراً کشتی میں جا گرتا اور وہاں میاں غلام رسول مرحوم اس کو سنبھال لیتا تھا۔اس طرح تمام اونٹ کشتوں میں سوار کئے گئے۔ (ص ۲۹۰)

(۱۳)۔''خود پیدل چلتے اور کسی فقیر کو اپنی سواری پر بٹھا لیتے'':۔

بعض اسفار میں قلت سواری کے باعث حضرتؒ باری مقرر فرماتے تھے۔خود

پیدل چلتے اور کسی فقیر کو اپنی سواری پر بٹھا لیتے۔ چنانچہ ڈیرہ غازی خان کے سفر میں ایک موقع پر جب آپ نے ایک غریب آدمی کو اپنی جگہ سوار کر کے خود پیدل چلنے لگے تو وہ شدت گریہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ (ص ۲۹۰)

(۱۴)۔ "اپنی نئی دستار سے کپڑا پھاڑ کر انگلی پر برگ نیم کی پٹی باندھی":۔

ملک حاجی اللہ دتہ مسن مرحوم نے ذکر کیا کہ اس کی انگلی میں پھوڑا تھا جسکی وجہ سے شدید درد تھا۔ دین پور شریف حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دیکھ کر اسی وقت درخت نیم کے پتے منگوائے۔ اپنے ہاتھوں سے انہیں ٹہنی سے علیحدہ کیا۔ اور پھر ایک دستے میں ڈال کر خود ان کو رگڑا۔ فقیروں نے یہ کام کرنے کا اصرار بھی کیا۔ مگر آپ نے بہ ایں الفاظ انکار فرمایا کہ تم کو کیا خبر؟ حاجی لانگری مرحوم کو فرمایا کہ پٹی کے لئے کوئی چھوٹا سا کپڑا لے آئے۔ کپڑا لانے میں کچھ دیر ہوئی تو اپنی نئی دستار سے کپڑا پھاڑ کر انگلی پر برگ نیم کی پٹی باندھی۔ حضرتؒ نے جونہی مرہم پٹی فرمائی۔ اسی وقت درد کافور ہو گیا اور ایک دو دن کے اندر پھوڑا بھی ختم ہو گیا۔ (ص ۲۹۳)

(۱۵)۔ "اگر اجازت ہو تو کتے کو روٹی کا ٹکڑا ڈالا جائے":۔

فقیر جمال الدین مڑیچہ نے بیان کیا کہ ملتان میں حضرتؒ مولوی پیر بخش صاحب کی دعوت پر کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک بیمار کتا دروازہ مکان کے باہر آ بیٹھا۔ فقراء نے چاہا کہ اس کو دھتکار کر بھگا دیں۔ مگر حضرتؒ نے اشارے سے منع فرمایا۔ پھر صاحب دعوت کے پاس ایک آدمی بھیجکر دریافت فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو کتے کو روٹی کا ٹکڑا ڈالا جائے۔ اس نے جواب میں عرض کیا کہ آپ مالک ہیں اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ نے دو روٹیوں کے چار ٹکڑے کر کے اس کتے کو ڈالے۔ (ص ۲۹۴)

(۱۶)۔ "عجز و انکساری کے حسین پیکر":۔

حضرتؒ میاں عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ (سجادہ نشین بھرچونڈی شریف) حضرتؒ

کی دعوت پر جب خانپور جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لائے تو حضرتؒ باوجود ضعف، بیماری اور کمزوری کے دو آمیوں کے سہارے چلکر آپ کے استقبال کے لئے آگے گئے۔ جونہی حضرتؒ کی نگاہ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ پر پڑی جوتا مبارک اتار دیا۔ دو تین گز کا فاصلہ رہ گیا تو بیٹھ گئے اور آپ کے قدموں پر ہاتھ رکھ کر ملے۔ اور پھر آپ کے پیچھے پیچھے مکان پر تشریف لے گئے۔ (ص ۳۰۲)

شیخ المشائخ حضرت خواجہ محمد فضل علی قریشی رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) ”میں تو اس در کا کتا ہوں اور مجھے جوتوں کے قریب بیٹھنا چاہیے“

آپ نے حضرت قریشیؒ کو بار بار یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "میں مسکین پور شریف (مظفر گڑھ) سے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ واقع موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسماعیل خان) پیدل جایا کرتا تھا۔ مختصر زادراہ کے ساتھ تقریباً اڑھائی سو میل کا سفر یکہ و تنہا طے کرتا تھا۔ دوران سفر جب بھوک ستاتی تو کبھی چنے چبالیتا اور کبھی گاجریں وغیرہ خرید کر کھالیتا۔ مگر خوشی سے پھولا نہ سماتا کہ میں اپنے پیر و مرشد کی زیارت سے مشرف ہوں گا۔

میرے پیر بھائی تو سارا دن پیر و مرشد کی مجلس میں بیٹھ کر علوم و معارف سیکھتے اور مین سارا دن اپنے شیخ کے جانور چراتا۔ جانور خود بھی چرتے اور میں بھی گاس کاٹ کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالتا تاکہ خوب سیر ہو جائیں۔ شام کو واپس آتے ہوئے میں چارے کی ایک گھٹڑی بھی سر پہ اٹھالاتا۔

رات کو سوتے وقت اپنے پیر بھائیوں کے درمیان لیٹتا لیکن جب دیکھتا کہ سب سو گئے ہیں تو اٹھ کر باہر چلا جاتا اور رات اللہ اللہ کرنے میں گزار دیتا۔ کبھی کبھار جب پیر و مرشد کی مجلس میں بیٹھنے کا موقع ملتا تو میں یہ سوچتے ہوئے پیچھے ہٹ بیٹھتا کہ میں تو اس در کا کتا ہوں اور مجھے جوتوں کے قریب بیٹھنا چاہیے۔ میرے شیخ بڑے صاحب فراست اور صاحب نظرؒ

تھے۔ وہ حاضرین مجلس سے کہتے۔ میں تم سب کو غافل پاتا ہوں اور اس قریشی بچے کو ذاکر پاتا ہوں"۔ (حیات حبیب ص 154)

(۲) ''تو مجھے تصنع سکھاتا ہے؟''۔

جب حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ اپنے پیرومرشد حضرت قریشی کو لے کر دارالعلوم دیوبند کے دورے پر گئے تو سفر کی طوالت کیوجہ سے تھک گئے۔ رہائش گاہ پر تھوڑی دیر آرام کیا۔ حضرت قریشی کے کپڑے کافی میلے ہو چکے تھے۔ حضرت صدیقی نے عرض کیا۔ حضرت! ابھی لوگ ملاقات کے لئے آجائیں گے اجازت ہو تو آپ کو کپڑے تبدیل کروادوں۔ حضرت قریشی نے فرمایا "تو مجھے تصنع سکھاتا ہے؟ حضرت قریشی اسی حال میں سارا دن علمائے کرام کو ملتے رہے۔ جب سب لوگ اپنے گھروں کو سدھارے تو حضرت قریشیؒ نے فرمایا "خلیفہ صاحب! لاؤ آپ کی بات بھی مان لیتا ہوں مجھے کپڑے تبدیل کروا دو" سبحان اللہ جو کام بھی کرتے تھے محض رضائے الٰہی کے لئے کرتے تھے۔ تصنع اور بناوٹ سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ (ایضا ص ۱۵۶)

(۳) کھانے میں سادگی:۔

حضرت قریشی رحمہ اللہ کی خانقاہ پر بسا اوقات دستر خوان بچھانے کے لئے کپڑا نہیں ہوتا تھا۔ حاضرین کو لاتن میں بیٹھا کر ایک ہاتھ میں روٹی اور دوسرے ہاتھ میں گڑ کا ٹکڑا یا لسی کا پیالہ پکڑا دیا جاتا جسے وہ مزے لے لے کر کھاتے۔ کبھی کبھار "کری" کے پھول ابال کر ترکاری تیار ہوتی جسے بھتہ کہا جاتا۔

بعض اوقات یہ "بھتہ" گھی کے بغیر تیار ہوتا۔ سبحان اللہ اس مجاہدہ اور قربانی کے اثرات تھے کہ لوگوں پر رقت طاری رہتی تھی۔ (ایضا ص ۱۵۷)

(۴) "پیر! توں چھپنا چاہے تو چھپ نہیں سکدا":۔

ایک دفعہ حضرت قریشی تبلیغی سفر کر رہے تھے کہ دین پور شریف کے قریب سے گزر ہوا۔ جی چاہا کہ حضرت خلیفہ غلام محمدؒ کی زیارت کریں۔ لیکن مریدین کے ہمراہ شیخ بن

کر جانا سوئے ادب سمجھا۔ جماعت کے خدام سے فرمایا کہ آپ علیحدہ چلے جائیں مین علیحدہ چلا جاتا ہوں۔ حضرت خولجہ عبدالمالک بہت ذہین تھے عرض کرنے لگے۔ حضرت آپ اپنی ٹوپی صدری وغیرہ دوسروں سے تبدیل فرمالیں۔ خود درمیان میں چلیں تو ظاہری امتیاز ختم ہوجائے گا چنانچہ اسی ترکیب سے جماعت نے حضرت خلیفہ غلام محمدؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت خلیفہ صاحبؒ استقبال کے لئے اٹھے اور سب لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے ایک طرف کرتے رہے اور قریشی سے معانقہ کیا۔ حاضرین میں سے ایک طالب صادق پر جذبہ طاری ہوا اور وہ عالم بے خودی میں باربار کہنے لگا "پیرا توں چھپنا چاہے تو چھپ نہیں سکدا"

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

(ایضاً ص ۱۵۸)

(۵) "جو ریح خارج کرنے میں اللہ کا محتاج ہو وہ بڑا بول بول سکتا ہے؟"

ایک دفعہ حضرت قریشیؒ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ جبکہ حاضرین حلقہ بنائے خدمت تھے۔ حضرت نے کچھ کہنا چاہا لیکن خاموش ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ میرے پیٹ میں درد تھا اتنا شدید کہ برداشت سے باہر۔ میں گھر کے صحن میں لوٹ پوٹ ہوتا رہا حتی کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے جان نکل رہی ہے۔ اچانک ریح خارج ہوئی اور درد ختم ہوگیا۔ پھر جماعت کے لوگوں سے پوچھا فقیرو! جو کوئی ریح خارج کرنے میں اللہ کا محتاج ہو اور وہ بڑا بول بول سکتا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا "نہیں" فرمایا "سنو مجھے خواب میں سیدنا رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے فرمایا: قریشی! جس طرح کے متبع سنت لوگوں کی جماعت آپ نے تیار کی ہے۔ من حیث الجماعت دنیا میں کہیں موجود نہیں" سبحان اللہ سبحان اللہ۔ (ایضاً ص ۱۶۱)

(۶) حضرت قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا:۔

جب حضرت صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تبلیغی سفر سے واپس تشریف لائے تو مشورہ یہ طے پایا کہ پہلے مسکین پور شریف حاضری دی جائے پھر سفر حج شروع کیا جائے۔ چنانچہ سب حضرات مسکین پور شریف حاضر ہوئے۔ حضرت قریشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت تپاک طریقہ سے ملے۔ دوران مجلس آپ کے دل میں خیال میں آیا کہ حضرت قریشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حج نہیں کیا اگر میرے پیسوں سے حج کر لیں تو یہ سعادت عظمیٰ ہے۔ چنانچہ آپ نے رقم کی تھیلی حضرت قریشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پیش فرمائی۔ آپ اصرار کرتے رہے حضرت انکار کرتے رہے حتیٰ کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ نماز عصر کے بعد حضرت قریشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب حرم شریف حاضر ہوئے تو چودہ دن قیام فرمایا۔ لیکن اس ادب سے رہے کہ نہ کچھ کھایا نہ کچھ پیا۔ نہ پیشاب کیا پاخانہ۔ نہ تھوک پھینکی نہ ناک صاف کی یعنی نہ کچھ جسم کے اندر گیا نہ کچھ باہر نکلا۔ نہ بیت اللہ پر بے وضو نظر ڈالی۔ اس لئے کہ پیر و مرشد کے چہرے کو بے وضو نہیں دیکھا تو اب بیت اللہ شریف پر بے وضو نظر کیسے ڈالوں۔ پھر فرمایا میں بوڑھا ہوں کئی بیماریوں نے گھیر رکھا ہے اتنے ادب کا لحاظ نہیں رکھ سکتا۔ میں کالا کتا اس پاک دیس کو کیسے ناپاک کروں یہ کہتے ہوئے حضرت قریشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رو پڑے۔ حاضرین پر بھی رقت طاری رہی۔ پھر فرمایا کہ میں مقروض ہی ہوں۔ شرعاً حج پر جانے کا اہل نہیں۔ میں نے یہ ہدیہ قبول کر لیا۔ اب آپ اور دعائیں بھی دیں۔ حضرت قریشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے الفاظ بارگاہ الوہیت میں ایسے قبول ہوئے کہ خالق ارض و سما نے حرمین شریفین کے دروازے آپ پر کھول دیئے۔ (ایضاً ص ۲۰۰ تا ۲۰۱)

(۷) لوٹا لیکر تمام جماعت کے ہاتھ دھلاتے اور جماعت کے سامنے رکھتے رہتے۔

حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ جالندھر میں حضرت شیخ اس وقت میں کھڑے ہوئے جب کھانا آیا اور تقسیم شروع ہوئی۔ لوٹا لے کر تمام جماعت کے ہاتھ دھلاتے اور خود کھانا لاتے اور جماعت کے سامنے رکھتے رہتے۔

(مقامات فضلیہ ص۲۷ بحوالہ تجلیات ص ۲۸)

(۸) ''میں نے اس لئے تمہارے جوتے صاف کیے کہ میری عاقبت اچھی ہو تم بخل کرتے ہو اور روتے ہو''۔

ایک واقعہ فقیر پور شریف میں عجیب پیش آیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ حضرت شیخ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ آرام فرما رہے تھے۔ میں (مولانا عبدالمالک صاحب صدیقی احمد پوری کے) بھی لیٹ گیا۔ حضرت شیخ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ باہر نکل کر جماعت کے جوتے جھاڑ جھاڑ کرر کھنے لگے۔ میرے (حضرت مولانا عبدالمالک صاحب احمد پوری کے) کان میں اس وقت آواز آئی جبکہ دو تین جوڑے باقی رہ گئے تھے۔ میں دوڑ کر بھاگا اس وقت میری آواز سے ایسے الفاظ نکلے کہ سب جماعت ہوشیار ہو گئی۔ جذب کی کیفیت سب پر طاری ہو گئی۔ ہر کوئی روتا تھا۔ آپ نے فرمایا" تم اللہ اللہ کہنے والی جماعت ہو۔ میں نے اس لیے تمہارے جوتے صاف کیے کہ میری عاقبت اچھی ہو۔ تم بخل کرتے ہو اور روتے ہو"۔

(مقامات فضلیہ ص۲۷ تا ۲۳ بحوالہ تجلیات ص ۲۸)

(۹) مجلس شیخ کا حیران کن ادب:۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ضرط ادب سے جوتوں کے قریب مجلس کے کنارے پر بیٹھا کرتا اور اپنے آپ کو کتے کی طرح سمجھ کر دور رہنے کی کوشش کیا کرتا۔ اور فرمایا کرتے کہ حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہ کی مجلس میں نہ کبھی اونچی آواز سے بولا اور نہ ہنسا بلکہ سر جھکائے ادب سے بیٹھا رہا کرتا تھا۔ (حیات فضلیہ) اس عاجز نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت غریب نواز قدس سرہ، کے مریدوں میں جذبات و واردات و کیفیات و ترقیات کی کثرت اور آپ کے سلسلہ عالیہ کی توسیع کو دیکھ کر آپ کے پیر بھائی رشک کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ قریشی صاحب کی جماعت میں بہت ترقی ہے اور ان کا سلسلہ فیض بہت جاری ہوا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی

مجلس میں جوتیوں کے قریب بیٹھنے کی برکت ہے۔ (ص۷۴ تا ۷۵)

(۱۰) ''شاباش! تم نے میری غلطی پکڑی'':۔

حضرت مولانا عبدالمالک صاحب احمد پوری مدظلہم العالی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ سفر ڈیرہ غازی خان وغیرہ سے اپنے مقام مسکین پور شریف واپس تشریف لائے۔ میں حاضر تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علماء حضرات کو جو رفیق سفر تھے مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ سفر میں نے تمہارے ساتھ اس لئے اختیار کیا تھا کہ آپ حضرات میرے نقائص سے آگاہ کریں گے۔ مگر افسوس آپ حضرات نے مجھے آگاہ نہیں کیا۔ علماء نے عرض کیا حضرت دوران سفر کوئی نقص ہم نے دیکھا نہیں۔ فرمایا۔ کیا میں معصوم ہوں، یہ نہیں ہوسکتا۔ مگر تم نے دیانتداری کا ثبوت نہیں دیا۔ علماء خاموش رہے اور معذرت پیش کرتے رہے کہ حضرت ہم نے سفر میں کوئی شرعی آپ کے کسی عمل میں نہیں دیکھا۔ دوسرے دن حضرت نے وضو فرمایا اور علماء دیکھتے تھے کہ حضرت نے گردن کے مسح کے لیے نیا پانی لے کر مسح فرمایا (یعنی علماء کے امتحان کے لیے ایسا کیا) ایک عالم نے عرض کیا حضرت ہمارے مذہب میں گردن کے مسح کے لیے نیا پانی لینا نہیں ہے۔ فوراً حضرت نے ان مولوی صاحب کو دعا دی اور فرمایا شاباش! تم نے میری غلطی پکڑ لی۔

بعد میں دوسری مجلسوں میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس واقعہ کو بار بار دہراتے اور فرماتے کہ فلاں مولوی صاحب نے مجھے اس غلطی پر آگاہ کیا اللہ اس کو جزائے خیر دے اور مزید توفیق بخشے۔ اس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیم کا تعلق تھا کہ اپنی غلطی کو فرحت سے سنو اور اس کی تصحیح کرو۔ الحمد اللہ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیم ایک عجیب طرز کی ناصح ہوتی تھی۔ (ص۷۵ تا ۷۶ بحوالہ تجلیات ص۶۵ تا ۶۶)

(۱۱) دوران سفر جماعت کے کمزور لوگوں کے ہاتھ، پاؤں دباتے:۔

حضرت مولانا عبدالمالک صاحب احمد پوری مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں کہ بارہا ایسے واقعات پیش آئے کہ سفر میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جماعت کے

کمزور لوگوں کی خاطر سواری چھوڑ کر ان کے حوالے کر دیتے۔ اثنا سفر میں جماعت کے تھکنے کی وجہ سے آرام کرتے اور کمزور لوگوں کے ہاتھ پاؤں دباتے۔ بعض اوقات وہ منع کرتے تو آپ فرماتے کہ اگر تجھے اس سے تکلیف ہے تو یہ کرنا کہ میں تجھے چاپی کرتا ہوں، تو مجھے چاپی کرنا۔ (ص ۸۲)

حضرت مولانا محمد یاسین صاحب دیوبندی رحمہ اللہ کی تواضع وفنائیت

آپ کے فرزند ارجمند مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یسین صاحب رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کے ہم عصر تھے وہ فرماتے تھے کہ:

''ہم نے دارالعلوم کا وہ وقت دیکھا ہے جس میں صدر مدرس سے لیکر ادنی مدرس تک اور مہتمم سے لیکر دربان اور چپراسی تک سب کے سب صاحب نسبت بزرگ اور اولیاء اللہ تھے، دارالعلوم اس زمانہ میں دن کو دارالعلوم اور رات کو خانقاہ معلوم ہوتا تھا کہ اکثر حجروں سے آخر شب میں تلاوت اورذکر کی آوازیں سنائی دیتی تھیں''۔

حضرت والد ماجد مرحوم دارالعلوم کے قرن اول کے طالبعلم تھے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ صدر مدرس دارالعلوم، حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت ملا محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے علوم حاصل کئے، حضرت حکیم الامت سیدی مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم وغیرہ حضرات ہم سبق تھے، تحصیل علوم سے فراغت کے بعد قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل کیا اور گنگوہ کی حاضری کو سرمایہ سعادت سمجھا اور اکثر گنگوہ پاپیادہ سفر ہوتا تھا۔ اپنے شیخ گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے عاشق تھے، ہوش سنبھالتے ہی گھر میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ کے تذکرے روزانہ ہمارے کانوں میں پڑتے تھے جس نے دل میں بزرگوں کی عظمت ومحبت کی تخم ریزی کی، علم وفضل کے اونچے

معیار پر ہونے کے باوجود اساتذہ کے زمانہ میں کسی وقتی ضرورت کے ماتحت درجہ فارسی کی خدمت میں لگا دیا گیا تھا اور پھر تمام عمر اسی کی خدمت میں گزار دی، قصبہ دیوبند کا شاید ہی کوئی گھرانہ ہو جس میں ان کے شاگرد نہ ہوں، دادا سے لیکر پوتوں تک کی تعلیم ان کے ذریعہ ہوئی، دیوبند سے باہر بھی ہزاروں شاگرد ہیں، حق تعالی نے بزرگوں کی صحبت سے ان کی تعلیم میں یہ برکت عطا فرمائی تھی کہ جس نے کچھ بھی پڑھ لیا بیکار نہیں رہا۔

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ طالبعلم کے قلب میں ابتداء ہی سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور بزرگان دین کی عقیدت جاگزیں ہو جاتی تھی اس لئے آپ کے درس اتنے مقبول تھے کہ بعض فارغ التحصیل علماء بھی شریک درس ہوتے تھے۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد یسین شیر کوٹی اور حضرت مولانا محمد ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ علیہ قابل ذکر ہیں۔ فارسی کے علاوہ فارغ اوقات میں عربی کے اسباق بھی پڑھاتے رہے تھے اور تدریس کا یہ سلسلہ چالیس برس سے زیادہ رہا، تدریسی مصروفیات کے علاوہ کتب بینی، اور تصنیف وتالیف کا بھی کسی قدر شغل رہتا تھا اور ان کے متعدد اصلاحی و دینی مضامین رسائل میں شائع ہوئے تھے اور کئی کتب بھی کافی مقبول ہوئیں جو دارالعلوم دیوبند سمیت متعدد مدارس میں داخل نصاب رہیں۔

حضرت والد مرحوم کا ذوق عبادت اس قدر تھا کہ روزمرہ معمولات اور مشاغل میں کثرت سے ذکر اور اذکار اور تکبیر اولی کے ساتھ نماز باجماعت آپ کا معمول تھا، آخر عمر میں چند سال ضعف و پیرانہ سالی کے ساتھ بہت سے امراض مسلسل لگے رہتے تھے مگر جماعت کا وقت آتے ہی مسجد میں سب سے پہلے پہنچ جاتے، مرض وفات میں دو ماہ تک ورم جگر اور کثرت اسہال کی شدید تکلیف اور بخار میں مبتلا رہے مگر لاٹھی کے سہارے مسجد میں پہنچ جاتے اور جب اس کی بھی سکت نہ رہی تو مجبوراً نمازیں گھر پر ادا کیں۔ آپ کی وفات

دیوبند میں ۹ صفر ۱۳۵۵ھ بروز جمعہ ہوئی۔ وفات سے ایک دن پہلے احقر سے فرمایا:
''محمد شفیع مرنے کے بعد بھول تو جایا کرتے ہیں مگر اتنی بات کہتا ہوں کہ جلدی نہ بھول جانا''۔

ان کا یہ جملہ لوح قلب پر ایسا کندہ ہو گیا کہ اب چالیس سال سے زائد ہو گئے ہیں مگر الحمدللہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کبھی فراموش نہیں کیا اور خدا جانے والد مرحوم کا یہ جملہ کیا چیز تھی کہ آج بھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسی وقت فرما رہے ہیں۔ حق تعالیٰ درجات بلند فرمائیں۔ آمین۔ (چند عظیم شخصیات ص ۳۷، ۳۸)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات کے آئینہ میں

ذیل میں کتاب ''حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات'' (مرتبہ قاری محمد اسحاق ملتانی) سے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے وہ ملفوظات نقل کئے گئے ہیں جن سے حضرت کی شان عبدیت وفنائیت بالکل واضح اور نمایاں ہوتی ہے۔

(۱)۔ آپ بارہا قسم کھا فرماتے تھے کہ:۔

میں اپنے آپ کو کسی مسلمان سے حتیٰ کہ ان مسلمانوں سے بھی جنکو لوگ فساق وفجار سمجھتے ہیں فی الحال اور کفار سے بھی احتمالاً فی المآل افضل نہیں سمجھتا اور آخرت میں درجات حاصل ہونے کا کبھی مجھے وسوسہ نہیں ہوتا کیونکہ درجات تو بڑے لوگوں کو حاصل ہونگے، مجھے تو جنتیوں کی جوتیوں میں جگہ مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہو۔ اس سے زیادہ ہوس نہیں ہوتی۔ اور اتنی ہوس بھی بربناء استحقاق نہیں، بلکہ اس لئے کہ دوزخ کے عذاب کا تحمل نہیں اور یہ جو میں بضرورت اصلاح زجروتوبیخ کیا کرتا ہوں۔ تو اس وقت یہ مثال پیش نظر رہتی ہے، جیسے کسی شہزادے نے جرم کیا ہو اور بھنگی جلاد کو حکم شاہی ہو کہ اس شہزادے کو دُرّے لگائے تو کیا اس بھنگی جلاد کے دل میں دُرّے مارتے وقت کہیں یہ بھی وسوسہ ہو سکتا ہے کہ میں اس شہزادے سے افضل ہوں؟ غرض کوئی مومن کیسا ہی بداعمال ہو میں اسکو حقیر نہیں

سمجھتا، بلکہ فوراً یہ مثال پیش نظر ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی حسین اپنے منہ پر کالک مل لے تو اسکو جاننے والا کالک کو برا سمجھے گا اور اس حسین کو حسین ہی سمجھے گا اور دل میں کہے گا، کہ جب یہ کبھی صابون سے منہ دھوئے گا پھر اسکا وہی چاند سا منہ نکل آئیگا۔ غرض مجھے صرف فعل سے نفرت ہوتی ہے، فاعل سے نفرت نہیں ہوتی۔ (ص ۷۴)

(۲) ایک ذی فضل معتقد کا یہ قول نقل کیا کہ میں آخرت میں کوئی عمل ایسا نہ پیش کر سکوں گا، جو خالص ہو۔

اسکو سن کر حضرت والا جو اس وقت کسی خط کا جواب لکھ رہے تھے لکھتے لکھتے بے اختیار رک گئے اور چہرہ مبارک پر سخت آثار خجلت وندامت کے ظاہر ہونے لگے۔ غلبہ عبدیت سے بیٹھے بیٹھے کسی قدر جھک بھی گئے اور پھر تھوڑی دیر تک اس ہیئت سے ساکت بیٹھے رہنے کے بعد ،نہایت حسرت کے لہجے میں فرمایا:۔

''جی ہاں اللہ تعالی کی بارگاہ کے لائق کیا کوئی عمل پیش کیا جا سکتا ہے؟''۔ (ص ۷۵)

(۳)۔ایک بار فرمایا کہ جب میں کسی کے حد یہ کو رد کرتا ہوں گو کسی وجہ کیساتھ ہو، لیکن پھر ڈرتا ہوں، کیونکہ غور کرنے سے کسی قدر شک کبر کا ہوتا ہے، جس سے نہایت خوف ہوتا ہے۔ اللہ تعالی معاف فرمادیں۔

استغناء اور کبر میں فرق نہایت دشوار ہے۔ دونوں بہت متشابہ ہیں۔ کبھی اس میں دھوکہ ہو جاتا ہے۔ کہ جس کو ہم استغناء سمجھ رہے ہیں وہ دراصل کبر ہی ہوتا ہے۔ خدا ہی محفوظ رکھے تو انسان محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ ہمارا ہر قول وفعل، حال وقال، سب ہی پر از خطرہ ہے، کوئی حالت خطرے سے خالی نہیں۔ مجھے تو اب وہ شعر اکثر یاد آیا کرتا ہے، جو کبھی بچپن میں پڑھتا تھا۔ ع

من نگویم کہ طاعتم بہ پذیر   قلم عفو بر گنا ہم کش۔

بلکہ بر گنا ہم تو کیا اللہ تعالی ہماری طاعات کو قبول فرمالے، اور طاعت تو خیر کیا قابل معافی ہوتیں؟۔ مطلب یہ ہے کہ ان میں جو کوتاہی ہے وہ معاف فرمائے، کیونکہ جنکو ہم طاعات

سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت طاعات ہی کب ہیں؟۔
جس طرح کوئی بے ڈھنگے طور پر پنکھا جھل رہا ہو یا کوئی خدمت کر رہا ہو تو بعضوں کی خدمت سے سخت اذیت ہوتی ہے، لیکن محض دل شکنی کی وجہ سے ان کو منع نہیں کیا جاتا، اس طرح ہماری طاعات میں کوئی کبھی یہ خیال نہ کرے کہ ہم نے گھنٹہ بھر اللہ، اللہ، کیا ہے۔ یہ خبر نہیں کہ وہاں پوچھ گچھ تک نہیں ہوتی۔ ایسی طاعات پر میں کہتا ہوں کہ اگر مواخذہ نہ ہو تو غنیمت ہے۔

(ص ۷۵)

(۴)۔ ایک سلسلہ کلام میں نہایت پر اثر اور بہت ہی پستی اور شکستگی کے لہجہ میں فرمایا کہ نہ عمل کا اعتبار، نہ حال کا اعتبار، نہ مقام کا اعتبار، کسی شئی کا اعتبار نہیں، یہاں تک کہ جو سب سے زیادہ ضروری چیز ہے یعنی ایمان اس کے بقاء کا بھی کیا اعتبار کیونکہ قضا وقدر سب جکڑ بند ہیں، کیا معلوم کس کے لئے کیا مقدر ہو چکا ہے۔
بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جانتا ہے کہ یہ گناہ ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس سے بچنا بھی اختیاری ہے، لیکن پھر اسمیں مبتلا ہو جاتا ہے، اپنے اختیار سے اپنے آپ کو اسمیں مبتلا کرتا ہے، آخر وہ کون ہے جو اس کو کشاں کشاں لے جا رہا ہے اور پھر دلائل سمعیہ، عقلیہ سے یہ بھی واجب ہے کہ جبر کا بھی عقیدہ نہ رکھو اور واقع میں بھی جبر نہیں، بہت ہی نازک بات ہے اور بہت ہی ڈرنے کا مقام ہے، اور اپنی کیسی ہی حالت اچھی ہو ناز نہ کرے اور دوسرے کی کیسی ہی بری حالت ہو، اس پر طعن نہ کرے۔ کیا خبر کہ اپنی حالت اس سے بھی بدتر ہو جائے۔
انسان کس چیز پر ناز کرے۔ جبکہ ہمارا علم، عمل، حال، مقام سب خدا کے قبضہ میں ہے

مایفتح الله للناس من رحمته فلا ممسك لها وما ايمسك فلا مرسل له من بعده

"اللہ تعالیٰ جس رحمت کو کشادہ کرنا چاہیں کوئی اس کو روکنے والا نہیں۔ اور جس رحمت کو روکنا چاہیں کوئی اسکو کشادہ کرنے والا نہیں"۔

غرضیکہ کوئی چیز مستقل انسان کے اختیار میں نہیں۔ اکثر گمراہ فرقوں کے عقائد واہیہ کے تذکروں کے بعد بے اختیار ہاتھ جوڑ جوڑ کر اللہ تعالی سے نہایت عجز و نیاز کے لہجہ میں عرض کرنے لگتے کہ اے اللہ! اپنے قہر سے بچائیو! اور فرماتے کہ جب اللہ تعالی کا قہر نازل ہوتا ہے تو باطل چیزیں بھی حق نظر آنے لگتی ہیں اور اوہام باطلہ بھی حقائق کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ (ص ۷۶)

(۵)۔ بارہا فرمایا کہ یہ جو اصلاح نفس کی سہل سہل اور نافع تدابیر اللہ تعالی ذہن میں ڈال دیتے ہیں، یہ سب طالبین کی برکت سے ہے۔ میرا کوئی کمال نہیں، اللہ تعالی کو منظور ہے کہ میرے بندوں کی اصلاح ہو اور نفع پہنچے۔ لہذا ایک ناکارہ سے خدمت لے رہے ہیں اور جس کو اپنے علوم و معارف پر ناز ہو طالبین سے علیحدہ ہو کر تو دیکھے واللہ جو بالکل ہی پٹ نہ جائے۔ کیونکہ اللہ تعالی اوروں کے نفع کے لئے یہ علوم و معارف عطا فرما رہے ہیں۔

خاص کند بندہ مصلحت عام را

ماں یہ ناز نہ کرے کہ میں بچے کو دودھ پلاتی ہوں، بلکہ اللہ تعالی ہی کو منظور ہے کہ بچے کی پرورش ہو اس لئے اس نے گوشت میں بھی دودھ کو پیدا کر دیا۔ یہ دودھ چھاتیوں سے ابل رہا ہے۔ یہ بچے کے جذب ہی کی برکت ہے۔ اگر ماں بچے کو دودھ پلانا چھوڑ دے تو پھر دودھ ہی خشک ہو جائیگا۔ اس طرح اگر کنوئیں میں ڈول نہ ڈالا جائے اور پانی نہ نکالا جائے تو نیا پانی آنا بند ہو جائے، غرضیکہ اگر شیخ القاء چھوڑ دے تو تلقی بھی بند ہو جائے۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا کہ میرے اندر علم ہے نہ عمل اور نہ کوئی کمال ہے، لیکن الحمدللہ اپنے خلو کا اعتقاد ہے۔ اللہ تعالی بس اس پر فضل فرماوے گا۔

اس طرح جب ایک طالبعلم حضرت کی تدبیر سے ایک نفسانی مرض سے شفایاب ہوا تو اس نے عرض کیا کہ حضرت والا کی تعلیم میں کھلی ہوئی برکت ہے فرمایا کہ میری تعلیم میں کیا رکھا ہے حقیقت میں اللہ تعالی کی تائید ہے وہی کارساز ہیں، میں کیا چیز ہوں، چمار کو سڑک کوٹنا نہیں آتا مگر جب انجینئر اپنا ہاتھ درمٹ پر رکھ کر اس سے درمٹ چلواتا ہے تو سڑک کٹ

جاتی ہے امر اصلاح میں نہ میرے عمل کو دخل ہے، نہ ہم کو، خدا نے ایک کام میرے سپرد کیا ہے وہ میری مدد کرتے ہیں میرا کچھ بھی کمال نہیں۔ (ص ۷۷)

(۶)۔ سب سے اعلی وارفع عمل باطنی تو فنا وعبدیت کی وہ کیفیت تھی جو ہر وقت نہایت شدت کے ساتھ طاری رہتی تھی، اور جس سے متاثر ہوکر حضرت بار بار یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اپنے آپکو کتوں اور سوروں سے بھی بدتر سمجھتا ہوں، اگر کسی کو یقین نہ ہو تو میں اس پر حلف اٹھا سکتا ہوں۔

للہ اکبر، کیا ٹھکانہ ہے تواضع کا، حقیقی تواضع اس کو کہتے ہیں واقعی جس پر حق تعالی کی عظمت کا انکشاف ہو چکا ہو، اسکی یہ کیفیت نہ ہوگی تو اور کیا ہوگی چنانچہ ایک صاحب نے اپنے خط کے مضمون کے ضمن میں مصرعہ لکھ دیا ع

من بنیاز ے عجے او بناز ے عجے۔

اس پر تحریر فرمایا کہ اس مصرعہ نے مجھے سر سے پاؤں تک ہلا دیا، کیا مجھے یہ پوری غزل مل سکتی ہے؟

اسی واقعے سے اندازہ کرلیا جائے کہ حضرت اقدس پر حق تعالی کہ عظمت اور اپنی عبدیت کا کس درجے انکشاف تھا۔ جب ہی تو اس مصرعہ نے جو دونوں کیفیتوں کا جامع ہے، حضرت پر اس درجہ اثر کیا۔ (۸۲)

(۷): فرمایا کہ عام لوگوں میں سے اگر کسی کے اندر ننانوے عیب ہوں اور ایک بھلائی ہوتو میری نظر اس بھلائی پر جاتی ہے اور ان ننانوے عیبوں پرنہیں جاتی۔ اور جس نے اپنے کو تربیت کے واسطے میرے سپرد کیا ہوتو اس میں ننانوے بھلائیاں ہوں اور ایک عیب ہوتو میری نظر اس عیب پر

جاتی ہے، ان ننانوے بھلائیوں پرنہیں جاتی۔ (جامع کہتا ہے۔ سبحان للہ اس سے حضرت والا کا

عامۃ الناس کیساتھ حسن ظن اور اپنے غلاموں کیساتھ حسن تربیت ظاہر ہوتی ہے۔ واقعی حضر

ت والا رحمت محض ہیں جیسے کوئی شفیق طبیب اپنے اندر تھوڑی سی بھی کسر گوارانہیں کرتا۔ ایسے ہی ہمارے حضرت بھی خادموں میں کسی کوتاہی کو گوارانہں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ جو بعض ناواقف لوگ کو سخت مزاج اور سخت گیر کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکا ذوق صحیح نہیں یا حضرت والا کی کبھی صحبت میسر نہیں ہوئی۔ ورنہ ہمارے حضرت میں تو سختی کا پتہ بھی نہیں ،سراسر رحمت ہی رحمت ہیں۔

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است زانکہ لطف شیخ وزاھد گاہ است وگاہ نیست

(۸) فرمایا کہ ایک حکیم صاحب نے جو کہ میرے دوست ہیں مجھ کولکھا کہ میں نے ولایت سے چالیس روپے گز کا کپڑا منگایا ہے۔اسے بھیجنا چاہتا ہوں۔ میں نے لکھا کہ میں ایک طالبعلم ہوں۔ میرے یہاں سب قسم کے لوگ آتے ہیں۔ امیر بھی آتے ہیں اور غریب بھی ۔ایسے شاندار کپڑے سے غربا پر رعب پڑتا ہے۔ میں خوامخواہ غریب لوگوں پر رعب ڈالنا نہیں چاہتا۔البتہ آپ طبیب ہیں طبیب کو شان کی ضرورت ہے۔اس لیئے آپکو مناسب ہے۔آپ استعمال کریں میں قبول کر کے پھر آپکی نذر کرتا ہوں۔

ایک صاحب ہاتھ باندھے نہایت ادب سے بیٹھے تھے۔فرمایا کہ مجھے اس تعظیم سے وحشت ہوتی ہے۔بس آج کل رسم پرستی غالب ہوگئی ہے۔صحابہ بھی تو حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔مگر ڈھونگ نہ بناتے تھے۔یہاں تک کہ جب حضور ﷺ مجلس میں تشریف لاتے تو صحابہ تعظیم کو کھڑے بھی نہ ہوتے تھے (تو کیا صحابہ سے بھی زیادہ کوئی جانثاری اور ادب کا دعوی کرسکتا ہے؟۔(جامع) (ص ۸۵)

(۹) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس سے چاہیں اپنے دین کا کام لے لیتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جس سے کام لیا جائے وہ عند اللہ مقبول ہی ہو۔ دیکھو چمار سے بیگار لی جاتی ہے مگر اس سے چمار کا درجہ نہیں بڑھ جاتا۔ وہ اپنی جگہ چمار ہی رہتا ہے۔

ہمارا حال بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کچھ خدمت ہم سے لے لیتے ہیں مگر اپنا حال ہم خود ہی جانتے ہیں کہ ہم کہاں ہیں۔ درجہ تو اللہ کے نزدیک عالم باعمل کا ہی ہے۔

فرمایا کہ ہمارے سب بزرگوں کی امتیازی شان تواضع اور فروتنی تھی (علم وعمل میں بڑے بڑوں سے ممتاز ہونے کے باوجود اپنے آپکو سب سے کمتر سمجھتے تھے)

اور فرمایا کہ الحمد اللہ میں کسی کو بھی اپنے دل سے چھوٹا نہیں سمجھتا۔ کیونکہ میں ہر فاسق میں حالا اور ہر کافر میں مآلاً یہ احتمال سمجھتا ہوں کہ شاید وہ عند اللہ اس زمانے کے مشائخ واولیاء سے افضل ہو اور بہتر ہو۔ ایک صاحب نے عیدگاہ کے مجمع میں حضرت کے کسی فعل پر اعتراض کیا ۔وہ اعتراض اگر چہ بالکل بے جا اور غلط تھا۔ مگر حضرت اسکے قدموں میں گر پڑے اور فرمانے لگے کہ بیشک میں بڑا خطاوار گنہگار ہوں۔ حضرت پر اسوقت ایسی حالت کا غلبہ تھا جس میں انسان اپنے آپ کو ہر چیز سے بدتر وکمتر سمجھتا ہے۔

فرمایا کہ مجھ کو اپنی حالت پر کبھی ناز اور تکبر نہیں ہوا، صرف اس وجہ سے کہ خدا جانے قیامت میں کیا معاملہ ہوگا۔ بس یہ عصائے موسیٰ کی طرح سب کو نگل گیا۔ (ص ۹۹)

(۱۰) فرمایا کہ بعض دفعہ کبر کے علاج سے عجب پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً، ممتاز آدمی جو سید ھے کرنے کا کام کرے تو اس سے تواضع پھر اس سے عجب پیدا ہوگا اس جگہ مبصر کی ضرورت ہے کہ کسی طریق کو اختیار کرے۔ کبر کا زہر تو عقرب کا زہر ہے کہ پتہ چل جاتا ہے، عجب کا زہر سانپ کا زہر ہے کہ اندر ہی تباہ کر دیتا ہے اور پتہ بھی نہیں چلتا۔

فرمایا کہ جب صالح انتقال کرتا ہے تو میرا خیال فوراً ادھر جاتا ہے کہ اس سے مؤاخذہ نہ ہوا ہو ۔اور اگر کوئی عاصی فوت ہوتا ہے تو خیال ادھر جاتا ہے کہ درگذر ہوگئی ہوگی۔ کبھی اسکا تخلف نہیں ہوتا حق تعالیٰ نے میری اصلاح فرمائی ہے

فرمایا کہ ملامت میں تو جی گھبراتا ہے مگر ایک ملامت میں لطف آتا ہے وہ یہ کہ کہتے ہیں کہ ایسے بدماغ ہیں کہ ہم کو منہ تک نہ لگایا۔ اس ملامت میں خوب لطف ہے ۔ بے غیرت ہو کر مال حاصل کرنے میں وہ لطف نہیں

فرمایا کہ انسان کو لازم ہے کہ دوسرے کی تحقیر نہ کرے اور اسکو اپنے سے کم نہ سمجھے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ فی الحال تو یہ خیال کرے کہ ممکن ہے کہ اسمیں کوئی ایک ہی بات

ایسی عمدہ ہو کہ اسکے سب معاصی کو معاف کرادے اور ہمارے اندر کوئی ایسا گناہ ہو کہ طاعات مقبول نہ ہوتی ہوں۔ اور مآلاً یہ کہ انجام شاید اسکا ہم سے اچھا ہو جائے ،بس یہ احتمال ہی کبر سے بچنے کیلئے کافی ہے یہ ضروری نہیں کہ دوسرے کو یقیناً اپنے سے اچھا جانے

(ص ۱۰۰)

(۱۱) فرمایا کہ جب میں کسی کو ڈانٹتا ہوں تو تحقیر نہیں کرتا اور مجھکو اپنی فضیلت کا شبہ کبھی بھی نہیں ہوتا۔ الحمد للہ محض یہ سمجھ کر تنبیہ کرتا ہوں کہ اس میں اس کا فائدہ ہے۔ فرمایا کہ یہ ایک مثال سے واضح ہو سکتا ہے ،جسکو امام غزالی نے لکھا ہے کہ اگر کسی شہزادے کے متعلق کسی جرم میں بادشاہ چمار کو حکم دے کہ اس شہزادے کو اتنے جوتے لگائے تو وہ چمار جوتے تو لگائے گا مگر اس کو اس بات کا وسوسہ بھی نہ ہوگا کہ میں اس شہزادے سے افضل ہوں۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے فرمایا کہ مسلمان تب تک مسلمان نہیں ہوتا جب اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بدتر نہ سمجھے۔ فرمایا کہ یہ امر گو ذوقی ہے مگر استدلالی بھی۔ استدلال یہ ہے کہ گو کافر حالاً اچھا نہ ہو مگر مآلاً اچھا ہو سکتا ہے اس کی مثال ابھی حق تعالیٰ نے قلب پر وارد فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص فطرۃ خوبصورت ہو مگر چہرے پر سیاہی لگا رکھی ہے اور دوسرا فطرۃ خوبصورت نہیں ہے مگر چہرے پر پوڈر مل رکھا ہے تو ظاہر ہے کہ سیاہی کے دور ہونے کے وقت وہ زیادہ خوبصورت ہو جائیگا اور دوسرا پوڈر کے اترنے کے وقت بدصورت ہو جائیگا اسی طرح کفر کی سیاہی دور ہونے کے بعد اچھا نکلے۔ اور اعمال کا پوڈر اترنے کے بعد مسلمان نکما نکلے۔ اور ایسے ہی یہ بھی ممکن ہے کہ کسی میں ایک نیکی ایسی ہو کہ دوسرے کے سب حسنات سے اچھی ہو۔ اور دوسرے شخص میں ایک ایسا گناہ ہو جو اس کے تمام حسنات کو کھا جائے۔ اس طرح ایک شخص میں کوئی ایسی بدی ہو جو اس کے سب سیئات پر غالب ہو اس کا کس کو پتہ ہے۔ جیسا حدیث بطاقہ وغیرہ سے ظاہر ہے۔

فرمایا کہ بڑا بننے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ چھوٹا بنے۔ پھر خود بخود اس میں اثر ہے کہ وہ بڑا بن جائیگا۔ اس واسطے سلاطین ومشائخ کی ہزاروں حکایتیں ہیں کہ انہوں نے تواضع

اختیار کی۔ اس سے ان کو بڑائی حاصل ہوئی۔ کسی نے ان کے بڑا ہونے کی حکایت نقل نہیں کی اور فرمایا گہ اس میں ذلت نہیں۔ ذلت کی حقیقت عرض حاجت ہے۔۔ ذلت بوجھ اٹھانے، گاڑھا پہننے، وغیرہ میں نہیں۔

فرمایا مجھ کو کبھی کسی فاسق کو دیکھ کر یہ خطرہ بھی نہیں ہوا کہ میں اس سے اچھا ہو ں فعل کو تو برا جانتا ہوں مگر فاعل کو برا نہیں جانتا۔ اس لیئے معاصی کو تو برا سمجھے عاصی کو برا نہ سمجھے۔ (ص ۱۰۱، ۱۰۲)

(۱۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ نہ تکبر کو پسند کرتا ہوں اور نہ ایسی تواضع کو جس میں ذلت ہو۔ یہاں نہ متکبروں کا گذر ہے اور نہ ایسے متواضع کو جگہ ملتی ہے جو ذلت کا درجہ اختیار کرے۔ یا اس نیت سے تواضع اختیار کرنا کہ جس سے بے نفس ہونے کی شہرت ہو۔ یہ بھی تکبر کا ایک شعبہ ہے۔ ہر چیز میں اعتدال کی ضرورت ہے۔ جسکا سہل طریقہ یہ ہے کہ نہ ایسی وضع رکھے جو کبر کی شکل ہو اور نہ تواضع کی شکل تکلف سے بنائی جاوے۔ بس بے تکلف جو فطری عادت ہو اس پر عمل کرے۔ اسمیں یہ دونوں باتیں نہ ہوں، نہ کبر، نہ مصنوعی تواضع ورنہ جس صورت میں بھی تکلف ہوگا۔ اسی میں حد سے تجاویز ہو جائیگا۔ (ص ۱۰۸)

(۱۳) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت سے واپسی کے بعد ایک سال کے قریب میں نے وعظ نہیں کہا۔ لوگ بہت اصرار کرتے تھے مگر مجھے سخت تکلیف ہوتی تھی کہ ایسے خراب شخص سے کیوں وعظ کیلیئے کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ بہت اصرار کیا تو میں رونے لگا۔ پھر مجبور نہیں کیا۔ ایک مولوی صاحب جو شاہ صاحب بھی کہلاتے تھے میرے ترک وعظ کا جو سنا تو انہوں نے اپنی طرف سے خوامخوہ لوگوں سے یہ کہا کہ۔ اب یہ جسوقت وعظ کہنا شروع کر یگا۔ تم دیکھنا کہ سب سے پہلے ممبر پر بیٹھ کر یہ انا الحق کہے گا۔ مگر الحمدللہ کہ میں نے ہمیشہ انا العبد ہی کہا الحمدللہ۔ (ص ۱۱۰)

(۱۴): ایک بار ایک صاحب سے فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا نہ علمی، نہ عملی۔ نہ حالی، نہ قالی۔ بلکہ مجھ میں سراسر عیوب ہی عیوب ہیں۔ میری اگر کوئی

برائی کرتا ہے تو یقین جانیئے مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ میں برائی کا مستحق نہیں۔ بلکہ اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ بھلا مجھ میں کون سی بات قابل تعریف ہے۔ جو اس کا یہ خیال ہے۔ اسکو دھوکا ہوا ہے۔ حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ میرے عیوب کو پوشیدہ کر رکھا ہے۔ اس لئے مجھ کو کسی کا برا بھلا کہنا مطلق ناگوار نہیں گذرتا۔ اور اگر کوئی میری تعریف کرتا ہے تو اسی وقت اپنے دس عیب میرے پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ کسی نے جو میرے بارے میں برا بھلا کہا ہوگا تو عدم واقفیت کی بنا پر کہا ہوگا۔ اس لیے وہ معذور ہے۔ تیسرا یہ کہ میں مدت سے یہ دعا مانگ رہا ہوں اور اب بھی تازہ کر لیتا ہوں۔ اے اللہ۔ میری وجہ سے اپنی کسی مخلوق پر مؤاخذہ نہ کیجئے گا۔ جو کچھ میرے ساتھ کسی نے برائی کی ہو یا آئندہ کرے وہ سب میں نے تہہ دل سے معاف کیا۔ اس لئے مخلوق خدا کو میری طرف سے بالکل بےفکر رہنا چاہئے۔ میں پیشتر ہی سب کو دل سے معاف کر چکا ہوں بلکہ اگر کبھی ضرورت ہو تو میری طرف سے پوری اجازت ہے کہ جسکو مجھ سے کوئی شکایت ہو تو وہ کہہ سن سکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر میں معاف نہ کروں اور دوسرے کو عذاب بھی ہوا تو مجھے کیا نفع حاصل ہو۔

(ص ۱۱۲)

(۱۵) کئی بار فرمایا کہ گو میں اعمال میں بہت کوتاہ ہوں۔ لیکن الحمدللہ اپنی اصلاح سے غافل نہیں ہمیشہ یہی ادھیڑ بن لگی رہتی ہے کہ فلاں حالت کی یہ اصلاح کرنی چاہیئے۔ اور فلاں حالت میں یہ تغیر کرنا چاہئے۔ غرضیکہ کسی حالت قناعت نہیں۔ گو میں نجات کو اعمال پر منحصر نہیں سمجھتا محض فضل پر سمجھتا ہوں لیکن بندہ کے ذمہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اسکے اوامر کو بجالائے۔ اور نواہی سے اجتناب رکھے۔ اس لئے مجھ کو اپنے اعمال کی کوتاہی پر سخت ندامت ہے اور ہمیشہ اپنی اصلاح کی فکر رہتی ہے۔ (ص ۱۱۳)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) ''سب سے زیادہ نکما اور ناکارہ میں ہی ہوں، یہ سب مجھ سے افضل ہیں''۔

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں:
جن بزرگوں کی باتیں سن پڑھ کر ہم لوگ دین سیکھتے ہیں، انکے حالات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ لوگ اپنے آپ کو اتنا بے حقیقت سمجھتے ہیں جس کی حد و حساب نہیں، چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد میں نے اپنے بے شمار بزرگو ں سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ: میری حالت یہ ہے کہ میں ہر مسلمان کو اپنے آپ سے فی الحال، اور ہر کافر کو احتمالاً اپنے آپ سے افضل سمجھتا ہوں۔ مسلمان کو تو اس لیے افضل سمجھتا ہوں کہ وہ مسلمان اور صاحب ایمان ہے، اور کافر کو اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایمان کی توفیق دیدے اور یہ مجھ سے آگے بڑھ جائے۔
ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ علیہ نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں جب حضرت (تھانوی) کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ جتنے لوگ مجلس میں بیٹھے ہیں سب مجھ سے افضل ہیں، اور میں ہی سب سے زیادہ نکما اور ناکارہ ہوں۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ علیہ نے یہ سن کر فرمایا کہ میری بھی یہی حالت ہوتی ہے پھر دونوں نے مشورہ کیا کہ ہم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنی حالت کا ذکر کرتے ہیں، معلوم نہیں کہ یہ حالت اچھی ہے یا بری ہے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنی حالت بیان کی کہ حضرت آپ کی مجلس میں ہم دونوں کی یہ حالت ہوتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ کچھ فکر کی بات نہیں۔ اس لئے کہ تم دونوں اپنی یہ حالت بیان کر رہے ہو۔ حالانکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب میں بھی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو میری بھی یہی حالت ہوتی ہے، کہ اس مجلس میں سب سے زیادہ نکما اور ناکارہ میں ہی ہوں۔ یہ سب مجھ سے افضل ہیں۔
یہ ہے تواضع کی حقیقت، ارے! جب تواضع کی یہ حقیقت غالب ہوتی ہے تو پھر انسان اپنے آپکو جانوروں سے بھی کمتر سمجھنے لگتا ہے۔ (اصلاحی خطبات، جلد۵ ص ۳۰)

(۲)۔ ''حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا اعلان'':۔

حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے معمولات میں یہ بات لکھی ہے کہ آپ نے یہ عام اعلان کر رکھا تھا کہ کوئی شخص میرے پیچھے نہ چلے، میرے ساتھ نہ چلے، جب میں تنہا کہیں جا رہا ہوں تو مجھے تنہا جانے دیا کرو۔ حضرت فرماتے کہ یہ مقتدا کی شان بنانا کہ جب آدمی چلے تو دو آدمی اس کے دائیں طرف اور دو آدمی اس کے بائیں طرف چلیں، میں اسکو بالکل پسند نہیں کرتا، جس طرح ایک عام انسان چلتا ہے، اسی طرح چلنا چاہئے۔

ایک مرتبہ آپ نے یہ اعلان فرمایا کہ اگر میں اپنے ہاتھ میں کوئی سامان اٹھا کر جا رہا ہوں تو کوئی شخص آ کر میرے ہاتھ سے سامان نہ لے۔ مجھے اسی طرح جانے دے۔ تاکہ آدمی کی اپنی کوئی امتیازی شان نہ ہو، اور جس طرح ایک عام آدمی رہتا ہے، اس طریقے سے رہے۔ (بحوالہ بالا ص ۳۲)

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں تو معاملہ عبدیت اور فنائیت اور بندگی کا ہے، شکستگی اور عاجزی کا ہے۔ لہذا اپنے آپکو جتنا مٹاؤ گے اور جتنا اپنی بندگی کا مظاہرہ کرو گے، اتنا ہی انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو گے اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

فہم خاطر تیز کردن نیست راہ   جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا یہ راستہ نہیں ہے کہ اپنے آپ کو زیادہ عقلمند اور ہوشیار جتائے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل تو اسی شخص پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے شکستگی اور بندگی کا مظاہرہ کرتا ہے، ارے کہاں کی شان اور کہاں کی بڑائی جتاتے ہو۔ شان اور بڑائی اور خوشی کا موقع تو وہ ہے جب ہماری روح نکل رہی ہو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ یہ فرما دیں کہ یاایھا النفس المطمئنته ارجعی الی ربك راضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ہ (سورت الفجر ۲۹)

دیکھئے، اس آیت میں اس بندہ کی روح سے کہا جائے گا کہ میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا سب سے اعلیٰ مقام ''بندگی'' ہے۔ (ص ۳۳)

(۳): ''تواضع وفنائیت کی ایک عجیب مثال''

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب حضرت مولانا جلیل احمد شروانیؒ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

جس زمانے میں حضرت مولانا مرحوم اپنے اہل وعیال کے ساتھ تھانہ بھون میں مقیم تھے آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ کی وقف کردہ جائیداد کے متعلق کچھ سوالات سیدی حضرت حکیم الامت رحمہ للہ علیہ کی خدمت میں پیش کئے جن کا جواب اس وقت کے مفتی خانقاہ نے تحریر فرمایا مگر حضرت حکیم الامت رحمہ للہ علیہ کو اس جواب پر اطمینان نہ ہوا، اور اس پر کچھ اشکالات تحریر فرما کر اپنا جواب لکھا اور ارشاد فرمایا کہ اب یہ مجموعہ محمد شفیع کے پاس دیو بند بھیجا جائے کہ وہ جواب لکھے۔ میں نے مسئلہ میں جتنا غور وفکر کیا تو مجھے حضرت رحمہ للہ کی تحریر پر اطمینان اور شرح صدر نہ ہوا بلکہ کچھ شبہات ومشکلات پیش آئے جن کو تحریر کر کے حضرت کی خدمت میں بھی بھیجد یا اور مسئلہ کے متعلق میرا جواب حضرت رحمہ للہ کے جواب سے مختلف ہو گیا۔ اب معاملہ اور زیادہ الجھ گیا تو حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا حافظ جلیل احمد صاحب رحمہ اللہ علیہ سے فرما دیا کہ خط وکتابت میں طول ہوگا۔ محمد شفیع کے تھانہ بھون آنے کا انتظار کرو، زبانی گفتگو سے بات چیت کی جائے گی۔

جب احقر تھانہ بھون حاضر ہوا تو حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر گفتگو کے لئے ایک وقت مقرر فرما دیا اور کافی دیر تک مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر بحث وگفتگو ہوتی رہی مگر عجیب اتفاق یہ پیش آیا کہ اس زبانی گفتگو میں بھی کسی ایک صورت پر رائیں متفق نہ ہوئیں۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے مجھ بے علم وعمل کی رائے ہی کیا تھی؟ مگر حکم یہی تھا کہ جو کچھ رائے ہو اس کو پوری صفائی سے پیش کرو اس میں ادب مانع نہ ہونا چاہیے، اس لئے اظہار رائے پر مجبور تھا۔ کچھ دیر کے بعد مجلس اس بات پر ختم ہوئی کہ دیر کافی ہوگئی ہے اب پھر کسی روز اس مسئلے پر غور کریں گے۔ اب حافظہ رخصت ہو چکا ہے پوری بات یاد نہیں، اتنا یاد ہے

کہ اس کے بعد پھر تحریری سلسلہ شروع ہوا، حضرت نے میرے اشکالات وشبہات کا جواب تحریر فرمادیا مگر اس جواب پر احقر کا اطمینان نہ ہوا تو مزید سوالات لکھ کر بھیجے اس طرح ایک عرصہ تک پھر زیر بحث مسئلہ ملتوی رہا اور آخر میں جب احقر تھانہ بھون حاضر ہوا تو مزید غور وفکر کے لئے ایک مجلس منعقد ہوئی اس میں بھی صورت حال یہی رہی کہ نہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی رائے بدلی نہ میری،

حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تمہارے جواب کو اصول وقواعد کی رو سے غلط نہیں کہتا مگر اس پر میرا شرح صدر نہیں، اس لئے اختیار نہیں کرتا احقر نے بھی عرض کیا کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق کے بعد غالب یہی معلوم ہوتا ہے کہ میری ہی رائے غلط ہوگی مگر کیا عرض کروں کہ اس کا غلط ہونا مجھ پر واضح نہیں۔ اس پر حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اچھا بس آپ اپنی رائے اور فتوی پر رہو میں اپنی رائے اور فتوی پر ہوں، مستفتی کو ہم اس کی اطلاع کردیں گے کہ اس مسئلے میں ہم اور ان میں اختلاف ہے اور ہم کسی جانب کو بہ یقین غلط بھی نہیں کہہ سکتے اس لئے تمہیں اختیار ہے کہ جس پر چاہو عمل کرلو۔

عجیب اتفاق کہ مستفتی جو حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ خاص تھے انکو جب اختیار ملا تو انہوں نے عرض کیا کہ اگر مجھے اختیار ہے تو بندہ ناچیز مفتی محمد شفیع کے فتویٰ کو اختیار کرتا ہے، حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی خوشی کے ساتھ اس کو قبول فرمالیا۔

یہ واقعہ حضرت حکیم الامت رحمتہ اللہ علیہ کی وفات سے چھ سال پہلے یعنی ۱۳۵۶ھ کا ہے۔

(چند عظیم شخصیات: ص۱۱، ۲۶)

(۴) ''حضرت حکیم الامتؒ اور حضرت مدنیؒ کے درمیان اختلاف اور دونوں بزرگوں کی تواضع وفنائیت''

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے درمیان بھی ویسے ہی اختلافات تھے جیسے حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ کے درمیان۔ مگر مخالفین نے

کاندھلہ میں غالبا
(سنہ ۱۳۳۹ھ) میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق سوال کیا۔ تو مولانا بہت ناخوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ ”یہ کیا واہیات سوال ہے۔ ہم تو انکوایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ اپنے دوسرے بڑوں کو“ بعدازاں معاندین نے ان اختلافات کو اتنی اہمیت دی کہ مولانا عبدالماجد دریابادی جیسی شخصیت بھی اس پروپیگنڈا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ:

(۱) ”کانوں نے بیشک یہی سنا تھا کہ انکے درمیان بےلطفی ہے ناچاقی ہے“۔
(حکیم الامت ص ۱۶)

(۲) ”دیوبند کے حالات سے اللہ جانتا ہے کہ بڑا ہی دل دکھتا ہے خصوصاً اپنے دونوں بزرگوں کے اختلاف دیکھ کر“۔ (حکیم الامت ص ۴۶۰)

لیکن جب مولانا عبدالماجد صاحب حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی معیت میں پہلی مرتبہ تھانہ بھون حاضر ہوئے تو عبدالماجد صاحب کیا دیکھتے ہیں؟ اس کی تفصیل خود ان کی زبانی یہ ہے کہ:

”نماز ختم ہوئی سلام پھیرا۔ دعا مانگ کر جونہی حضرت (تھانوی رحمتہ اللہ علیہ) اٹھے۔ نگاہ پہلی صف میں مولانا حسین احمد صاحب پر پڑ گئی۔ ان کی طرف خود ہی بڑے تپاک سے بڑھے اور بڑے التفات سے ملے۔ لوگ تو کہتے تھے کہ بڑے خشک مزاج ہیں خشک مزاج ایسے ہی ہوتے ہیں؟۔ یہ نرم بشاش چہرہ۔ یہ ہنستا مسکراتا ہوا بشرہ کسی خشک مزاج کا ہوسکتا ہے؟۔ لوگ یہ بھی کہتے تھے۔ کہ ان کے درمیان بےلطفی ہے۔ ناچاقی ہے۔ کانوں نے بے شک یہی سنا تھا لیکن اس وقت آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ دو دشمن نہیں دو دوست گلے مل رہے ہیں تعظیم وتکریم مولانا حسین احمد مدنی کی طرف سے تو خیر ہوتی تھی عادت طبعی ہونے کی بناء پر بھی اور سن میں چھوٹے ہونے کی بناء پر بھی۔ لیکن مشاہدہ یہ ہو رہا تھا کہ ادھر سے بھی آداب ورواسم تکریم میں کوئی کمی نہ تھی“۔ (حکیم الامت ص ۱۶، ۱۷)

حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے آداب واحترام کے بعد حضرت مدنی کا اخلاص واکرام بھی قابل قدر ہے۔ جب مولانا مدنی صاحب کے مرید باصفا عبدالماجد صاحب حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں چند دنوں کے لئے تھانہ بھون جا کر قیام فرماتے ہیں تو انھیں تھانہ بھون میں حضرت مولانا مدنی کا یہ خط موصول ہوا۔

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ علیہ برکاتہ۔

والا نامہ محررہ ۱۶ اکتوبر باعث سرفرازی ہوا تھا۔ اب تو جناب خانقاہ میں پہنچ گئے ہونگے ۔خداوند کریم وہاں کی حاضری باعث برکات لاتتناہیہ کرے آمین۔

چوں با حبیب نشینی و بادہ پیمائی بیاد آر محبان بادہ پیمارا

مجھ کو قوی امید ہے کہ آنجناب وہاں پر اپنے اوقات کو مشاغل حقیقیہ میں صرف فرمادینگے جنکے متعلق ہدایت کرنے کی ضرورت نہیں۔

البتہ ایک ضروری عرض محض اخلاص کی بناء پر کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ کسی غیر محمل پر عمل نہ فرمائیں گے۔ میں نے حسب الارشاد حضرت مولانا (تھانوی رحمتہ اللہ علیہ) دامت برکاتہم اور آپ حضرات کے اصرار پر اس وقت آپ کو بیعت کر لیا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی بدحالی، روسیاہی، ناکامی پر نہایت درجہ گریہ کناں ہوں اور سخت شرمندہ۔

اللہ تعالی نے آپ کو مولانا دامت برکاتہم کے دربار میں پہنچا دیا ہے۔ اور مولانا کو آپ سے اور آپ کو مولانا سے انس اور تعلق پیدا ہو گیا ہے۔ وللہ الحمد اللھم زد فزد۔

اب مناسب اور ضروری ہے کہ آپ مولانا سے بھی بیعت کر لیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ مولانا دامت برکاتہم آپ کو نہ ٹالیں گے۔ میں نے خود ان دنوں جب حاضر ہوا تھا عرض کیا تھا کہ آپ جب تشریف لائیں اور درخواست کریں تو جناب ان کو ضرور بیعت کر لیں۔ قواعد طریقت کے اصول پر بیعت کر لینا ہی زیادہ تر مفید کار آمد ہے اسی بناء پر فیض کی زیادہ تر امید ہے۔ مجھ روسیاہ کو بھی کبھی کبھی دعوات صالحہ سے یاد فرمالیا کریں نیز مولانا دامت برکاتہم سے بھی دعا کی التجا کر دیا کریں۔

(ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، دیوبند ۲۰ جمادالاول س ۱۳۴۸ھ) حکیم الامت ص ۹۰)

اس گرامی نامہ کا جواب مولانا عبدالماجد صاحب کی بجائے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا:

"مخدومی ومکرمی مولانا حسین احمد صاحب دامت فیضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مولوی عبدالماجد صاحب کے نام پر گرامی نامہ آیا۔ اس میں مشورہ تحویل بیعت کا پڑھا گو اس وجہ سے کہ میں اسکا مخاطب نہیں۔ مجھکو جواب عرض کرنے کا استحقاق نہیں۔ لیکن چونکہ اخیر تعلق مجھ سے ہی ہے نیز اس میں مجھ کو مخاطب بنانے کی یاددہانی بھی ہے۔ اس لیے عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ مجملا تو وہی عذر ہے جو زبانی عرض کیا تھا۔ اور قدرے مفصلا یہ عرض ہے کہ اس میں مولوی صاحب کا ضرر یہ ہے اس لیے امید ہے کہ اس مشورہ سے رجوع فرمائیں گے۔ وہ ضرر یہ ہے کہ میری خشونت وسوءخلق تو مشہور ہے مگر مولوی صاحب کی یہ رعایت و دلجوئی جو صمیم قلب سے ہے وہ آپ ہی کے انتساب سے مسبب ہے، کیا آپ کو یہ گوارہ ہے کہ وہ اس رعایت سے محروم کردیئے جائیں دوسرے گو ان کو مجھ سے مو انست کافی ہے لیکن نفع کا مدار اعظم مناسبت ہے۔ اسکو میں پہلی ملاقات میں طے کر چکا تھا ۔اور اسی بناء پر آپ نے میری سفارش کو قبول فرمایا۔ جس کا میں شکر گزار ہوں اور اگر ان بناؤ ں کو آپ ضعیف خیال فرمائیں تو میں بھی انکی تقویت پر زور نہیں دیتا۔ لیکن جب اول بار میں برقول خود میری خاطر منظوری تھی۔ سو اب بھی میری خاطر منظور فرمائی جائے اور جس طرح کام چل رہا ہے چلنے دیا جائے کہ آپ ان کے مخدوم رہیے اور مجھ کو خادم رہنے دیجئے ۔اس جدید تبدل میں میری اور ان کی دونوں کی پریشانی ہے۔ جس کا گوارا کرنا اخلاق سامی سے بعید اور بہت بعید ہے اور جب اس کا مجھ پر مدار ہے اور میری طرف سے محض انکار ہے تو مولو ی صاحب کو ایسی بات کا حکم فرمانا جو ان کی قدرت سے خارج ہے تکلیف مالا یطاق ہے جو ہر پہلو سے منفی ہے۔

والسلام ناکارہ ننگ نام۔ اشرف برائے نام۔ ازتھانہ بھون جمادی الاول س ۱۳۴۸ھ

(حکیم الامت ص ۱۹۹۲) (ماخوذ از تین بڑے مسلمان ص ۳۵۶ تا ۵۸)

(۵): ''حضرت تھانوی اور مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دین پور شریف میں تشریف آوری''

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ سندھ اور سابق ریاست بہاولپور کے علاقوں میں بارہ چودہ سال جو سیاسی اور علمی کام کرتے رہے تھے اور ان علاقوں میں قادری راشدی بزرگان کے توسط سے تحریک جہاد کا علم بلند کر رکھا تھا۔ اب ضرورت ہوئی کہ اس مکتب فکر اور اس تحریک کے علاوہ اس جماعت کے قائدین کا بھی وہاں باقاعدہ تعارف کرایا جائے جسکے خود مولانا مرحوم نمائندہ تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر ۱۹۱۱ء میں خیر پور میرس، سندھ اور سابق ریاست بہاولپور میں "دارالعلوم دیوبند" کے تعارف کی غرض سے مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند (فرزند حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) پر مشتمل ایک سہ رکنی وفد روانہ فرمایا۔ دیوبند کے نامور فرزند سب سے پہلے دین پور شریف تشریف لائے مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو پہلے سے ان بزرگوں کی آمد کی اطلاع کر دی تھی مگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مہتمم صاحب کو یہ نہیں بتایا کہ ہم پہلا قیام کہاں کریں گے؟ یا جن کے ہم مہمان ہونگے۔ وہ کس پائے کے انسان ہیں۔ مولانا مرحوم راوی ہیں کہ جس وقت ہماری گاڑی سمہ سٹہ کی حدود میں پہنچی تو مولانا تھانوی ڈبے کے باہر خلا میں بڑی توجہ سے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا، عبید اللہ! مجھے یہاں کسی اللہ والے کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں خاموش رہا۔ جب خان پور کے اسٹیشن پر اترے تو بہت زیادہ مضطرب تھے۔ دوبارہ فرمایا ،عبید اللہ! یہاں مجھے کسی اللہ والے کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں نے کہا۔ حضرت! دنیا اللہ والوں سے ابھی خالی تو نہیں ہوئی۔

ریلوے اسٹیشن پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بھیجی ہوئی سواریاں موجود تھیں۔ تینوں بزرگ

گھوڑیوں پر سوار ہو کر روانہ ہوئے ،ادھر حضرت رحمتہ اللہ علیہ بھی پیشوائی کے لئے اپنے مستقر سے چل کر سڑک پر پہنچ گئے تھے۔ابھی دور ہی سے سامنا ہوا تھا کہ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فوراً گھوڑی پر سے اتر پڑے بار بار تاسف سے فرماتے تھے''عبید اللہ! تو نے ہمیں مار دیا''،ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا کہ یہاں اس پائے کا ولی اللہ رہتا ہے۔بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ خلیفہ صاحب تو ہمارے حاجی صاحب (حضرت امداد اللہ مکی کے) پایہ کے ولی کامل ہیں۔

غرض دین پور شریف میں ان بزرگوں کی آمد سے ایک نئے تعلق مودت وعقیدت کی بنیادیں ڈال دی گئیں۔وقت کے ساتھ ساتھ یہ تعلق بڑھتا ہی چلا گیا۔حضرت دین پوری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے درمیان تاحیات نامہ پیام کا سلسلہ جاری رہا چنانچہ ایک دفعہ مولانا ابوالحسن ندوی کو لکھتے ہیں اور'' حضرت خلیفہ صاحب کے پیغام وسلام سے ان کی یاد تازہ ہوگئی

اللہ تعالٰی ان کی برکات میں تضاعف دے'' (پرانے چراغ ص۱۲۳)

''حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ سندھ اور اس علاقے (مغربی پنجاب) کے اپنے مسترشدین کو حضرت دین پوریؒ کی زیارت اور صحبت کے لئے اکثر تاکید فرمایا کرتے تھے۔ایک بار حضرتؒ نے حضرت تھانوی کے پاس یہاں کی مشہور''مسواکیں'' بھیجیں۔مسواکیں حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے دندان مبارک سے چبا کے دی تھیں۔حضرت تھانوی نے یہ تحفہ وصول فرمایا تو دیر تک حضرت اپنی آنکھوں کو لگاتے رہے،سر پر سے دستار اتار دی اور فرستادہ سے فرمایا! کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کرنا''حضرتؒ! اشرف علی بوڑھا ہو گیا ہے اور آپ بھی ضعیف اور سفر کے ناقابل ہیں،ظاہری ملاقات ممکن نہیں ہے،میرے سر پر غائبانہ دست شفقت رکھ دیں تاکہ قیامت میں نجات کا سامان ہو جائے''۔

حضرت دین پوری اس موقعہ پر کراچی تک ان بزرگوں کے ہمراہ تشریف لے گئے۔حضرت امروٹی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ساتھ دیا اور اس طرح''سندھ اور کراچی میں پہلی بار''دارالعلوم

دیوبند، اور ولی الٰہی جماعت'' کا با قاعدہ تعارف کرایا گیا۔

(بیس مردان حق، جلد۱ ص ۴۵۶)

(۶)۔''حضرت حکیم الامتؒ کی فنائیت'':۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ علماء دیوبند کا جو خاص امتیاز تھا وہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو مٹانا، اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا۔ جب میں تھانہ بھون میں حاضر ہوا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک شان جلال اور ایک رعب اور وجاہت عطا فرمائی تھی، چہرہ مبارک بڑا وجیہ تھا اگر وہ اپنی وجاہت کو چھپانا بھی چاہیں تو نہیں چھپا سکتے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود طالب علموں اور دوسرے لوگوں میں ملے جلے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے مغرب کے بعد آپ کو دیکھا کہ ایک صاحب کرتا اتارے ہوئے صرف پائجامہ پہنے ہوئے حوض کے پاس چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ میں ادھر ادھر گھوم رہا ہوں اور مجھے پتہ بھی نہیں کہ یہ حضرت والا لیٹے ہوئے ہیں اور پاس میں طلبہ بھی لیٹے ہوئے ہیں، بعد میں پتہ چلا کہ حضرت لیٹے ہوئے ہیں۔

اس طرح ان حضرات کی خاص شان تھی، یہ چیز دنیا میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے، یہ خصوصی وصف اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو دیا تھا۔ افسوس! اب ہمارے پاس بزرگوں کی صحبت حاصل نہیں رہی، صرف مدرسے اور کتابیں رہ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر بھی یہ وصف پیدا فرمادے۔ آمین! (مجالس مفتی اعظم ص ۵۲۶)

(۷)''بھائی! میں اُن کی سی ہمت مردانہ کہاں سے لاؤں؟'':۔

ایک مرتبہ تھانہ بھون میں تذکرہ آیا مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ کسی مخلص نے عرض کیا کہ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ تو ایسے آدمی ہیں، حکومت کا مقابلہ کرتے ہیں جیل میں جاتے ہیں، ڈرتے نہیں، حضرت! یہاں تو یہ بات ہے نہیں تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت ہی متانت کے ساتھ فرمایا بھائی میں ان کی سی ہمت مردانہ کہاں سے

لاؤں؟‘‘ (ملفوظات فقیہ الامت، جلد احصہ ۴ ص ۲۶)

(۸)۔’’اپنی اغلاط کی اصلاح کے لئے’’ ترجیح الراجح ‘‘کے سلسلہ کا قیام‘‘:۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے اپنے اساتذہ کا معمول سنا ہے کہ سبق پڑھانے کے دوران میں اگر کوئی طالب علم ایسا اشکال کرتا جسکا جواب سمجھ میں نہیں آیا تو دوران سبق میں اپنے استاد سے جا کر پوچھ آتے اور آ کر تقریر فرماتے ۔حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے ترجیح الراجح کا سلسلہ اسی لئے قائم کیا ہے کہ جس کو میری تصانیف میں غلطی معلوم ہو مجھے متنبہ کردے تا کہ مجھے اگر اپنی غلطی کا اطمینان ہو جائے تو اس سے بالا علان رجوع کرلوں چنانچہ مجھ سے جہاں کہیں کوئی لغزش ہوئی ہے اس کا دل کھول کر بہت فراخ دلی سے اقرار کیا ہے اور جہاں مجھے شرح صدر اپنی غلطی کا نہیں ہوا وہاں دوسرے کا قول بھی نقل کر دیا ہے تا کہ جو قول جسکے جی کو لگے وہ اسی کو اختیار کر لے میں نے ہمیشہ یہی کیا کہ خواہ مخواہ اپنی بات کو نبھایا نہیں ۔ یہ برکت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ہے ۔ویسے تو یہ خصلت اپنے سبھی اکابر میں تھی لیکن جیسا رنگ مولانا (محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ) میں اس صفت کا نمایاں تھا اور حضرات میں ایسا نہ تھا، دوران درس میں جہاں کسی مقام پر شرح صدر نہ ہوا ،جھٹ اپنے کسی ماتحت درس کے پاس کتاب لئے جا پہنچے ۔اور بے تکلف کہا کہ مولانا! یہ مقام میری سمجھ میں نہیں آیا ذرا اس کی تقریر کو دیکھیے ،چنانچہ بعد تقریر کے واپس آ کر طلبہ کے سامنے اس کو دہرا دیتے اور فرماتے کہ مولانا نے اس مقام کی یہ تقریر کی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی طالب علم کسی مقام کی مولانا کی تقریر کے معارض تقریر کرتا اور وہ صحیح ہوتی تو اپنی تقریر سے فوراً درس ہی میں رجوع فرما لیتے اور صاف لفظوں میں فرماتے کہ مجھ سے غلطی ہوئی اور صرف ایک بار ہی نہیں بلکہ تھوڑی دیر بعد رہ رہ کر جوش اٹھتا اور بار بار فرماتے ہاں واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ۔مولانا کو ایسی باتوں سے ذرا عار نہ آتی تھی،

بات یہ ہے کہ جن کی بڑی شان ہوتی ہے وہ کہیں ایسی باتوں سے گھٹتی ہے اگر کسی کی ایک من شان ہو اور اس میں سے ایک تولہ گھٹ جائے تو اس کو اس کمی کی کیا پرواہ ہوگی۔ ہاں جن کی ایک چھٹانک ہی شان ہوگی اس میں سے اگر آدھی چھٹانک جاتی رہی تو اس کے پاس پھر آدھی چھٹانک ہی رہ جاوے گی۔ (افاضات ۲/۹ ص ۴۰۸)

(آپ بیتی، جلد۲ص ۲۳۵)

(۹)۔ ''حضرت حکیم الامتؒ کے طرز تربیت کی وضاحت'':۔

حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے دور میں سیاست پر اتنا زور تھا اور حکیم الامت ہونے کا تقاضہ تھا کہ مریدین مسترشدین کے اوپر تنبیہ اور امراض کی جراحت فرمادیں۔ جس کی وجہ سے عوام نہیں بلکہ خواص بھی حضرت نور اللہ مرقدہ کی شان وتواضع سے ناواقف رہے۔ لیکن میرے ان سب اکابر کے درمیان میں اوصاف حسینہ وجمیلہ جس قدر کوٹ کوٹ کر بھرے گئے تھے بسا اوقات ان میں سے کسی کا ظہور نہیں ہوتا تھا یہ منظر اس ناکارہ کی نگاہ میں بھی بیسوں مرتبہ دیکھا۔ کہ معاصرین کے ساتھ نشست وبرخواست اور گفتگو میں اس تواضع اور انکساری کا منظر ہوتا تھا کہ قابل دید اور قابل رشک تھا چنانچہ حضرت نور اللہ مرقدہ نے اپنے طرز تربیت کے متعلق بارہا فرمایا کہ یہ طرز میری طبیعت کے بالکل خلاف ہے اور مجھے بعد کو بڑی کلفت اور ندامت بھی ہوتی ہے اور رہ رہ کر سوچا کرتا ہوں کہ بجائے اس طرح کہنے کے اس طرح بھی کہہ سکتا تھا، بجائے یوں سمجھانے کے یوں سمجھا سکتا تھا، بجائے اس تجویز کے یہ تجویز بھی کرسکتا تھا، لیکن عین وقت پر مصلحت اصلاح کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ اور کوئی مصلحت پیش نظر رہتی ہی نہیں اور یہ جبھی تک ہے جب تک کہ میں نے اپنے ذمہ اصلاح کی خدمت سمجھ رکھی ہے اور اگر کبھی اس سے قطع نظر کرلی تو پھر میں انشاء اللہ خوش اخلاق بھی بن کر دکھلا دوں گا۔ میرا اصل مذاق تو یہی ہے کہ کسی سے کچھ تعرض ہی نہ کرو۔ اور اپنے آپ کو سب سے یکسو رکھو۔ بقول احمد جام رحمۃ اللہ علیہ

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار   دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

(اشرف السوانح ۲/۶۳)

("آپ بیتی" ص ۲۶۹)

(۱۰)۔ "میں اپنے برا بھلا کہنے والوں کو ہمیشہ معاف ہی کرتا رہتا ہوں":۔

حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ مجھ میں حدت ہے شدت نہیں۔ بلکہ دوسروں کی جذبات کی تو میں اتنی رعایت رکھتا ہوں کہ دوسروں کی نظر بھی ان دقایق رعایت تک نہ پہنچتی ہوگی۔ بفضلہ تعالیٰ دور دور تک کے احتمالات اذیت پر بھی فوراً میری نظر پہنچ جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان سے احتراز کی توفیق بھی عطا فرما دیتے ہیں اور اسی لئے مجھے اور بھی غصہ آتا ہے کہ میں تو انکی اتنی رعایت کروں اور یہ میرے ساتھ ایسی بے فکری برتیں۔

(اشرف السوانح ۲/۴۶)

حضرت تھانویؒ کا مشہور مقولہ ہے کہ میں اپنے برا بھلا کہنے والوں کو ہمیشہ معاف ہی کرتا ہوں (۳/۱۴۸)(آپ بیتی ص ۲۷۰)

(۱۱)۔ "کیا آپ نے مجھ کو فرعون سمجھ لیا ہے؟"

آپ کے خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

ایک بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ سڑک سے بوقت صبح گذر رہے تھے۔ سرکاری بھنگی سڑک پر جھاڑو لگا رہا تھا۔ ایک عالم اور مخصوص رفیق نے آگے بڑھ کر مہتر سے کہا کہ بھائی ذرا سی دیر ملتوی کر دو تا کہ ہمارے حضرت گرد سے بچ جائیں۔ حضرت مولانا نے سن لیا اور فرمایا کہ آپکو کیا حق تھا کہ اس کے سرکاری کام میں دخل دیں وہ اپنی ملازمت کا حق ادا کر رہا ہے۔ کیا آپ نے مجھ کو فرعون سمجھ لیا ہے۔

اللہ اکبر عجیب عبدیت کی شان تھی۔ ایک طالب علم نے خط میں باطنی حالت اور فقہی مسائل کا استفسار دونوں جمع کر دیئے اس پر حضرت نے فرمایا کہ میں نے ان کو یہ جواب لکھا کہ آپ ایک خط میں فقہی مسائل کو اور احوال باطنی کو جمع نہ کیا کریں۔ اور فرمایا کہ

میں نے یہ نہیں لکھا کہ احوال باطنی کو فقہی مسائل کے ساتھ جمع نہ کریں۔ مسائل فقہیہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قوانین ہیں ان کا ادب اسی امر کو مقتضی تھا۔

بڑوں سے ان کی سمجھ اور فہم کے اعتبار سے حق تعالیٰ ان کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں۔ ایک بزرگ نے بارش دیکھ فرمایا کہ اے اللہ! شکر ہے کہ بڑے موقع سے آپ نے بارش فرمائی۔ آواز آئی کہ او بے ادب! اور میں نے کب بے موقع بارش کی ہے۔

بقربان را بیش بود حیران: (معرفت الٰہیہ ص ۳۸۰)

(۱۲)۔ ''ابھی تو میرا ایک خلق بھی درست نہیں ہوا''۔

ہمارے ضلع کے ایک حاجی صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جمعہ کا دن تھا حضرت اپنے کرتے پانجامے میں تشریف لائے حاجی صاحب معمر آدمی تھے۔ بے تکلف تھے، عرض کیا کہ حضرت آپ نے عبا نہیں پہنی۔ فرمایا عبا بڑوں کا لباس ہے حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آپ بھی تو بڑے ہیں۔ فرمایا کہ ''میں کیا بڑا ہوں ابھی تو میرا ایک خلق بھی درست نہیں ہوا''۔ اللہ کی کبریائی جنکے سامنے ہوتی ہے وہ اپنے کو سراپا تقصیر سمجھتے ہیں۔ (حوالہ بالا ص ۳۸۱)

مولانا بخشش احمد صاحب رحمہ اللہ (مجاز صحبت حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ) کی تواضع وفنائیت:۔

''ہوسکتا ہے کہ میرے نام کا کوئی اور ہو جس کو خلافت نامہ بھیجا گیا ہو''۔

آپ رشد وہدایت وتحصیل فیض باطنی کے لیے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرصہ تک حضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر رہے، کچھ عرصہ بعد حکیم الامت قدس سرہ نے اپنے فیض باطنی سی فیض یاب کیا۔ تھانہ بھون میں آپ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا کھانا حضرت کی دولت کدہ سے اپنے سر پر رکھکر لاتے، کچھ عرصہ بعد حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے مولانا کو اپنا مرید بنانے سے توقف فرمایا، آپ بہ ہزار حسرت ویاس گھر تشریف لائے اور دینی تعلیم کی تدریس میں

مشغول رہے۔

تقریباً دس ۱۰ سال بعد حکیم الامت رحمہ اللہ کا پیغام نامہ خلافت غیر متوقع طور پر مولانا کو موصول ہوا جو باعث صد ہزار انبساط و مسرت ہوا، لیکن آپ نے حکیم الامت کی خدمت میں عریضہ

ارسال فرمایا کہ:

''حضرت والا! میں تو آپ کی ارادت سے بھی محروم رہا پھر خلافت کا متحمل کیسے ہو سکتا ہوں، ہو سکتا ہے کہ میرے نام کا کوئی اور ہو جس کو خلافت نامہ بھیجا گیا ہو''۔

حضرت نے فرمایا:

''اگر اب تک میرے مرید نہ ہوئے تو کیا مضائقہ، اب کامل ارادت و خلافت تفویض کی جاتی ہے، خدا مبارک کرے''۔

آپ ہمیشہ گاڑھے کا کرتہ، پاجامہ اور لدھیانہ جوتا استعمال کرتے تھے، شکل و صورت سے بھی کوئی وجاہت نہیں پائی جاتی تھی مگر پھر بھی لوگوں کے قلوب آپ کی طرف مائل ہوتے تھے۔

(بزم اشرف کے چراغ ص ۲۳۸)

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے واقعات

(۱)۔ ''تواضع وفنائیت'':۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ آپ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

''مولانا اپنے کو حقیقتاً کسی عزت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، اپنے عالم، شیخ اور اتنی بڑی جماعت کے مقتدار ہونے کا احساس بالکل نہیں تھا، ایک خط میں ایک مرتبہ اس خاکسار کو تحریر فرمایا تھا:

''بندہ ناچیز کے بارے میں جناب مشورہ قبول فرمالیں تو دلی تمنا ہے کہ معمولی نام سے زائد کسی لفظ کا اطلاق الفاظ کی بے قدری ہے''۔

طبیعت کا یہ رنگ ان کے خطوط سے بے تکلف جھلکتا ہے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا

صاحب عمر میں چھوٹے، رشتہ میں بھتیجے اور آپ کے شاگرد بھی ہیں، ایک خط میں ان کو تحریر فرماتے ہیں:

''گرامی نامہ موجب مسرت وعزت ہوا، آں عزیز کی تشریف آوری کا بے حد اشتیاق ہے، اگر بقول آپ کے میں ''حضرت'' ہوں تو ماشااللہ آپ ''حضرت گر'' ہیں، مجھ نکمے اور ناکارہ کو کون پوچھتا اگر آپ کی توجہ اور کرم نہ ہوتا۔ حضرت (مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری) رحمتہ اللہ علیہ کے بعد سب سے پہلے آپ ہی نے الطاف واکرام فرمایا، پھر حاجی شیخ رشید احمد صاحب نے اظہار تعلق کیا اور یہ سب آپ ہی حضرات کا طفیل ہے۔ آپ کی تشریف آوری کا جس قدر اشتیاق ہے اسی قدر خیال ہے کہ سامنے ہونے سے میری گندگیاں اور ظاہر ہوں گی مگر اسی امید پر جی چاہتا ہے کہ آپ جیسوں کی مجالست اور ہم نشینی سے شاید اپنی بھی کچھ اصلاح ہو جائے''۔

ایک دوسرے خط میں موصوف کو تحریر فرماتے ہیں:

''رمضان المبارک کی دل بستگی اور اس پاک ماہ کی برکات وانوارات سے استفادہ اہل دل مبارک ہو، حق تعالی شانہ آں عزیز کو مزید توفیق وکمالات رضا سے کامیاب وفائز المرام کریں اور روز افزوں ترقیات قرب سے بہرہ اندوز رکھیں، ہم جیسے ضعفا کا کچھ حال نہ پوچھو، بس جوانان تیز رفتار کی دعا وہمتوں سے حق تعالی اس ضعیف ومسکین کا بھی بیڑہ پار فرمائیں''

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی بیاد آر حریفاں بادہ پیمارا

آپ نے آخری وقت تک اپنی طرف سے اطمینان نہیں کیا اور نفس کے مجاسبہ اور نگرانی سے غافل نہیں ہوئے بلکہ جس قدر لوگوں کا رجوع بڑھتا رہا اپنی طرف سے زیادہ غیر مطمئن اور خائف ہوتے گئے اور احتساب نفس کا کام بڑھاتے رہے، بعض اوقات اہل حق اور اہل بصیرت کو بڑی لجاجت سے اس طرف متوجہ فرماتے کہ وہ آپ پر نظر رکھیں اور اگر کہیں عجب وکبر کا شائبہ نظر آئے تو متنبہ کریں۔

مدرسہ مظاہر علوم کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

عزیز محترم حضرت شیخ الحدیث وحضرت المحترم جناب ناظم صاحب دامت برکاتہم

السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، امید ہے کہ مزاج سامی بعافیت ہونگے، ایک مضمون جس کا قبل از رمضان مجھے بہت زیادہ اہتمام تھا۔ اپنی قوت بشریہ کے ضعف وضعف ایمانی کی بناء پر بالکل نسیاً منسیا ہوگیا وہ یہ کہ حق تعالی کے فضل وکرم سے یہ کام اتنا وسیع ہوگیا ہے کہ اب اسکی روزافزوں ترقی ومقبولیت کو دیکھ کر میں اپنے نفس سے بالکل مامون نہیں ہوں کہ وہ کہیں عجب وکبر میں مبتلا نہ ہوجائے لہذا آپ جیسے اہل حق کی نگرانی کا میں سخت محتاج ہوں اور اپنی نگرانی کا آپ حضرات مجھے ہر وقت محتاج خیال کرتے ہوئے اس میں کی خیر پر مجھے جمنے کی تاکید فرمادیں اور اس میں کی شر سے مجھے جھنجلاہٹ سے منع کردیں۔

(۲۲ رمضان ۶۲ھ ۳۲ ستمبر ۴۳ء)

مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ مولانا رحمہ اللہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''لکھنو کے قیام میں ایک دفعہ ایک دوست کے یہاں عصر کے وقت چائے کی دعوت تھی، پاس کوئی مسجد نہ تھی، ان کی کوٹھی ہی میں نماز باجماعت کا سامان ہوا، خود کھڑے ہوکر اذان دی، اذان کے بعد مجھے ارشاد ہوا کہ نماز پڑھاؤ، میں نے معذرت کی تو نماز پڑھائی، نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کرکے فرمایا: بھائیو! میں ایک ابتلا میں گرفتار ہوں، دعا کیجئے کہ اللہ تعالی مجھے اس سے نکالیں، جب سے میں یہ دعوت لیکر کھڑا ہوا ہوں لوگ مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں، مجھے یہ خطرہ پیدا ہونے لگا ہے کہ مجھ میں حجاب نفس نہ پیدا ہوجائے، میں بھی اپنے آپ کو بزرگ نہ سمجھنے لگوں، میں ہمیشہ اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس ابتلا سے بسلامت نکال لیں، آپ بھی میرے حق میں دعا فرمائیں''۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے ایک قالین ہدیہ کیا، مولانا کی طبیعت پر قیمتی قالین بڑا بار ہوا، اس پر ایک بڑی لطیف تقریر فرمائی اور شہر کے ایک بڑے عالم کی خدمت میں یہ کہکر پیش کردیا کہ ہدیہ والے نے مجھ کو عالم سمجھ کر پیش کیا تھا، میں جس کو عالم سمجھتا ہوں اس کی خدمت

میں پیش کر کے سبکدوش ہو جاتا ہوں''۔

مولانا کو ''ہٹو بچو'' سے بڑی نفرت تھی، فرماتے تھے کہ ہٹو بچو فرعون و ہامان کی سنت ہے چاہتے تھے کہ بے تکلف رہیں اور چلیں پھریں، کوئی ہٹو بچو نہ کہے۔ میوات کے سفروں اور جلسوں کے موقع پر بھی جہاں ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا اور مولانا ہی مرکز توجہ ہوتے تھے، اسی کا اہتمام رکھتے تھے کہ پابندی اور اہتمام نہ ہو، آخری علالت میں بھی اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ لوگوں کو روکا اور ہٹایا جائے۔

آخری علالت کے آخری ایام میں جبکہ زائرین کی کثرت ہوتی تھی اور حالت کی نزاکت کی وجہ سے مصافحہ سے آپ کو روک دیا گیا تھا، ایک اجنبی شخص ایک دن ملنے آئے اور حاضرین مجلس کے اوپر سے پھلانگتے ہوئے مصافحہ کے لیئے بڑھے، ایک میواتی خادم نے بڑھ کر ان کو ہاتھ سے روک دیا جس سے وہ بہت غضبناک ہوئے اور علماء اور مولویوں کو برا بھلا کہتے ہوئے چل دیئے، حضرت مولانا نے اس میواتی خادم کو اشارہ سے بلا کے بہت تنبیہ کی اور فرمایا کسی مسلمان کا دل دکھانا اللہ کے یہاں بہت مبغوض ہے، جاؤ اس شخص سے معافی چاہو اور اس کو راضی کر کے واپس آؤ، چنانچہ اس بے چارے نے ایسا ہی کیا اور راقم سطور نے بھی مسجد سے باہر یہ تماشا دیکھا کہ وہ صاحب بے تکان گالیاں دے رہے ہیں اور وہ بے چارا میواتی ہاتھ جوڑے سامنے کھڑا ہے اور صرف یہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کا دل دکھایا ہے یا تو مجھے اس کو سزا دیکر یا ویسے ہی اللہ واسطے معاف کر دیجئے۔

(حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۲۱۵۔ ۲۱۸)

(۲)۔ ''عاجزی وانکساری'':۔

آپ اتنے باریک بین اور حاضر دماغ تھے کہ ایک ہی کام میں الگ الگ نیتوں کے ذریعہ ہر شخص کی سطح کے مطابق خصوصی فائدہ اور اجر و ثواب کی راہنمائی کرتے تھے۔
مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ نے ایک لطیف واقعہ لکھا ہے جس سے اس کا اندازہ

ہوگا:

''اخیر زمانہ علالت ہی میں جب کہ حضرت اٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے ایک روز دو پہر میں بستی نظام الدین پہنچا،ظہر کی نماز کے لئے بعض میواتی خدام حضرت کو وضو کرارہے تھے،اس وقت مجھ پر حضرت کی نظر پڑی،اشارہ سے بلایا اور فرمایا''مولوی صاحب!حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے باوجود یہ کہ حضور ﷺ کو برسوں وضو فرماتے ہوئے دیکھا تھا اور ایسے ہی حضرات ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بھی دیکھا تھا وہ متعلمانہ طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وضو فرماتے ہوئے دیکھتے تھے''۔

حضرت کا اشارہ یہ سننے کے بعد جب اس نظر سے میں نے حضرت کو وضو فرماتے ہوئے دیکھا تو محسوس کیا کہ فی الحقیقت ایسی بیماری کی حالت میں وضو کے لئے حضرت کے وضو سے ہمیں بہت کچھ سبق حاصل ہوسکتا ہے۔

حضرت کو جو تین چار خادم وضو کرار ہے تھے،یہ سب میواتی تھے ان کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ''یہ بیچارے مجھے وضو کراتے ہیں،میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ تم لوگ اللہ کے لئے مجھ سے محبت اور میری خدمت کرتے ہو اور تمہارا یہ گمان ہے کہ میں نماز اچھی پڑھتا ہوں،جیسی تم نہیں پڑھ سکتے،لہذا مجھے وضو اس نیت سے کرادیا کرو کہ اے اللہ!ہمارا گمان ہے کہ تیرے اس بندہ کی نماز اچھی ہوتی ہے جیسی کہ ہماری نہیں ہوتی،اس لیے ہم وضو میں مدد دیتے ہیں تاکہ تو اس نماز کے اجر میں ہمارا بھی حصہ کردے اور میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ!تیرے یہ سادے اور بھولے بندے میرے متعلق ایسا گمان کرتے ہیں،ان کے گمان کی لاج رکھ لے اور میری نماز کو قبول فرما کر انہیں بھی اسی میں شریک فرمادے''۔

پھر فرمایا''اگر میں سمجھنے لگوں کہ میری نماز ان سے اچھی ہوتی ہے تو اللہ کے یہاں مردود ہو جاؤں،میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ پاک اپنے ان سادہ دل بندوں ہی کہ وجہ سے میری نمازوں کو رد نہ فرمائے گا''۔ (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۱۳۶)

(۳)۔''آخرت کا استحضار'':

اسی قبیل کی ایک چیز یہ تھی کہ قیامت کا استحضار اور آخرت کا تصور (آنکھوں کے سامنے تصویر کی طرح رہنا) ایسا بڑھا ہوا تھا کہ اکثر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول یاد آجاتا تھا کانهم رای عین کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے سامنے آخرت ایسی رہتی تھی گویا آنکھوں دیکھی چیز ہے۔

ایک مرتبہ ایک میواتی سے دریافت فرمایا کہ دہلی کیوں آئے؟ سادہ دل میواتی نے جواب دیا کہ دہلی دیکھنے کیلئے۔ پھر مولانا کے انداز سے اس کو اپنی غلطی محسوس ہوئی، فوراً کہا کہ جامع مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے۔ پھر بدل کر کہا کہ آپ کی زیارت کے لئے۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ "دہلی اور جامع مسجد کی جنت کے سامنے کیا حقیقت ہے اور میں کیا ہوں جس کی زیارت کے لئے تم آئے۔ سڑ گل جانے والا ایک جسم"۔ پھر جنت کا جو ذکر کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ جنت سامنے ہے۔ (حوالہ بالا ص ۱۳۷)

رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب واں بھچروی رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)۔"حشر کے روز میرے پاس اس سوال کا جواب نہ ہوگا۔۔۔۔۔"

علوم شریعت اور سلاسل طریقت میں انتہا تک پہنچے ہوئے مقام و مرتبہ کے باوجود حضرت مولانا میں سادگی اور فروتنی کا وصف بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اپنے گھریلو کام اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے اور طالب علموں سے مدد لینا ان کی اہانت کرنے کے مترادف سمجھتے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"حشر کے روز میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ ہوگا کہ رزق اور علم تو ہمارا دیا ہوا تھا۔ پھر ہمارے مہمانوں طالب علموں سے گھریلو کام کیوں کرواتے رہے ہو؟"۔

(روایت مولانا عبدالرزاق مرحوم)

(۲)۔"شیخ کے انتقال کے بعد اپنے مرید اور شاگرد کے ہاتھ پر بیعت کر لی"۔

ان کی فروتنی اور کسرنفسی کا شاہکار تو وہ واقعہ ہے جسے گزشتہ صفحات میں نقل کیا جا چکا ہے کہ باوجود یہ کہ وہ اپنے شیخ ومرشد حضرت خواجہ محمد عثمانؒ کے اجلہ خلفاء میں سے تھے اور حضرت خواجہ سراج الدینؒ ان کے مرید ومجاز اور تلمیذ ارشد تھے۔ مگر انہوں نے پیر ومرشد کے انتقال کے بعد اپنے ہی مرید اور شاگرد کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ طریقت وتصوف کی تاریخ میں یہ پہلا اور اب تک آخری واقعہ ہے۔

(۳)۔ ''طلبہ کرام کی خدمت کا عجیب واقعہ'':۔

حضرت مولانا غلام اللہ خان کا بیان کردہ یہ واقعہ بھی ان کی کسرنفسی کا شاہد ہے جس کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا

''حضرت مولانا کے تمام تلامذہ اور احباب گواہ ہیں کہ حضرت مولانا ہر روز جب کہ تمام طلباء خواب شیریں کے مزے لے رہے ہوتے تھے۔ خود ہی کوزوں میں پانی بھر دیا کرتے تھے۔ طلباء جب فجر کی نماز کے لئے بیدار ہوتے تھے تو انہیں وضو کے لئے کوزے پانی سے بھرے ہوئے ملتے تھے۔ میں شروع شروع میں ''واں بھچراں'' گیا تو اس بات پر سخت حیران ہوتا تھا۔ میں نے ایک طالب علم ساتھی سے تذکرہ کیا تو پتہ چلا کہ یہ کام حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ خود ہی کرتے ہیں۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ اگلی رات میں تصدیق کے لئے رات بھر جاگتا رہا۔ آخر شب جب پانی کے برتنوں کے اٹھانے اور رکھنے کی آوزیں آئیں تو میں دبے پاؤں اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ مسجد کی جانب گیا دیکھا کہ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کوزوں میں پانی بھرنے میں مصروف ہیں۔''میں نے آگے بڑھ کر یہ کام کرنا چاہا تو حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں چاہتے کہ جو لوگ اللہ تعالی کے دین کا علم حاصل کرتے ہیں۔ ان کی تھوڑی سی خدمت سے مجھے بھی ثواب حاصل ہو جائے''۔

(۴)۔ ''اللہ راضی تھیوی، میں سمجھا ایویں پانیاں نیں''۔

اپنے شیخ ومرشد حضرت مولاناؒ کی سادگی کا ایک واقعہ مولانا غلام اللہ خانؒ اس

طرح بیان کرتے ہیں کہ:

''میں نے ایک بار گرم جرابوں کا ایک جوڑا حضرت مولانا کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا کہ سردیوں میں آرام رہے گا۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ جرابیں کیچڑ سے لتھڑی ہوئی ہیں اور حضرت مولانا ان سے کیچڑ صاف کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت جوتا بھی تو پہننا تھا۔ اس سادگی سے مسکرائے اور فرمایا، اللہ راضی تھیوی، میں سمجھا ایویں ای پانیاں نیں'' (اللہ آپ سے راضی ہو میں سمجھا کہ اسی طرح پہنتے ہیں)

(۵)۔ ''مجھے اس علم وفضل کا مالک عالم باعمل ہندوستان کے مرکز دہلی میں بھی نظر نہ آیا'':۔

تصنع اور بناوٹ سے پاک زندگی کا ایک واقعہ مولانا صوفی عبدالحمید سواتی نے ''فیوضات حسینی'' کے مقدمہ میں درج کیا ہے کہ:

''ایک بار دہلی کے ایک عالم حضرت مولانا کے علم وفضل کا شہرہ سن کر واں بھچراں پہنچے۔ اس وقت حضرت مولانا کے مٹی کا گارہ بنا کر اپنے گھر کی دیوار درست کرنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے لوگوں سے حضرت مولانا کے بارے میں پوچھا۔ تو کسی نے اشارے سے ان کی رہنمائی کی۔ مگر اس حالت میں دیکھ کر انہیں یقین نہ آیا۔ لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ ان سے مذاق نہیں کیا گیا، تو انگشت بدنداں رہ گئے۔ کچھ دنوں بعد جب وہ واپس جا رہے تھے تو ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ '' مجھے اس علم وفضل کا مالک عالم باعمل ہندوستان کے مرکز دہلی میں بھی نظر نہیں آیا۔''

(۶)۔ ''اس طرح کا ایک اور واقعہ'':۔

اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ حضرت مولانا کے صاحزادے مولانا عبدالرزاق صاحب مرحوم نے راقم الحروف سے عندالملاقات بیان کیا کہ:

''ایک بزرگ عالم حضرت مولانا کی شہرت سن کر بمبئی سے تشریف لائے تا کہ کچھ تفسیری

اشکالات سمجھ سکیں۔ حضرت مولانا کھیتوں میں جانوروں کے لئے چارہ کاٹ رہے تھے وہیں ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے پوچھا۔ بھائی حضرت مولانا حسین علی صاحب سے ملنا ہے وہ کہاں ملیں گے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ ابھی بتاتا ہوں چارہ اکٹھا کرکے گٹھا بنایا اور سر پر اٹھا لیا۔ اور کہا میرے ساتھ آئیں۔ اس بزرگ عالم نے انہیں حضرت مولاناؒ کا خادم سمجھا۔ راستہ میں حضرت مولاناؒ نے پوچھا کہ حسین علی سے کیا کام ہے؟ انہوں نے آمد کا مقصد بتایا۔ حضرت مولاناؒ نے چلتے چلتے راستے ہی میں ان اشکالات کا حل بیان کیا۔ وہ بہت حیران ہوئے کہ حضرت مولاناؒ خادم کا کس قدر وسیع العلم ہے تھوڑی دیر بعد جب مولانا نے مسجد میں درس دینا شروع کیا تب ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ معمولی کسان حضرت مولاناؒ کا خادم نہیں بلکہ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ ہیں۔ حضرت مولانا نے انہیں بڑے اکرام سے چند دن ٹھہرایا۔ اور قرآن پاک کا خلاصہ پڑھایا اور چند دن کے بعد انہیں گھوڑی پر بٹھا کر خود ریلوے اسٹیشن تک رخصت کرنے گئے۔ واپس ہوتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "اگر میں حضرت مولانا سے مل کر چند دن قرآن پاک نہ سمجھ لیتا تو اپنے آپ کو جاہل ہی سمجھتا۔"

(ماخوذ از سوانح مولانا حسین علیؒ ص ۹۱ تا ۹۳)

عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ کے واقعات

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والد صاحبؒ کی تربیت میں جن بزرگوں نے حصہ لیا ان میں حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب قدس سرہ کا اسم گرامی بھی سر فہرست ہے۔ آپ دیوبند میں "حضرت میاں صاحب" کے لقب سے معروف تھے۔ اور ہمارے دادا حضرت مولانا محمد یاسین صاحب قدس سرہ جو حضرت میاں صاحب کے استاذ تھے فرمایا کرتے تھے کہ وہ مادر زاد ولی ہیں بچپن میں بھی انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ بچے درس گاہ میں طرح طرح کی شرارتیں کرتے لیکن میاں صاحبؒ ان سے الگ رہتے اور کبھی کوئی غلطی ہو جاتی تو کسی تاویل یا انکار کے بجائے صاف لفظوں میں اعتراف کر لیتے تھے۔

حضرت میاں صاحب حضرت والد صاحبؒ کے استاد بھی تھے۔ پھر کتب خانہ دارالاشاعت میں دونوں شریک تجارت بھی رہے۔ اور بچپن سے لیکر بڑھاپے تک حضرت میاں صاحبؒ حضرت والد صاحبؒ کے اہم گھریلو معاملات میں بھی دخیل رہے اس لیئے حضرت والد صاحبؒ ان کے ایسے عجیب وغریب واقعات سنایا کرتے تھے کہ جن کی نظیر اس دور میں ملنی مشکل ہے اور جن کا جاننے والا بھی شاید حضرت والد صاحب کے سوا کوئی نہ ہو۔

(اکابر دیو بند کیا تھے؟ ص۵۴)

(ا)۔ ''ایثار، ہمدردی اور اخوت کی جیتی جاگتی تصویر'':۔

اعزاء واقربا، احباب، اہل محلّہ کے حقوق وجذبات کی جس قدر رعایت کرتے ہوئے اس مرد باخدا کو دیکھا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ میاں صاحبؒ کا اکثر مکان کچا تھا۔ جس پر ہر سال کہگل ہونا ضروری تھی۔ اگر نہ کی جاتی مکان منہدم ہونے کا خطرہ تھا۔ ہر سال برسات سے پہلے اس پر کہگل کرانے کا معمول تھا اور اس وقت گھر کا سارا سامان باہر نکالنا پڑتا تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر والد صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت! ہر سال آپ کو یہ تکلیف ہوتی ہے۔ اور ہر سال کا خرچ بھی جو اس پر ہوتا ہے وہ جوڑا جائے تو پانچ سات سال میں اتنا ہو جائے گا کہ اس سے پختہ اینٹوں کا مکان بن جائے۔

اخلاق کریمانہ سے کسی کی بات کاٹنے کا وہاں دستور ہی نہ تھا۔ بڑی دلداری اور حوصلہ افزائی کے ساتھ فرمایا۔ ''ماشاء اللہ آپ نے کیسی عقل کی بات فرمائی۔ میرا بھی اندازہ یہی ہے۔ پانچ سال میں جتنا خرچ اس پر ہو جاتا ہے اتنے خرچ سے پختہ مکان بنا کر اس غم سے نجات ہو سکتی ہے۔ ہم بڈھے ہو گئے اتنی عقل نہ آئی کہ ایک دفعہ ایسا کر لیتے۔ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اس کی جو اصل حقیقت تھی اس کا اظہار اس طرح فرمایا کہ

''میرے پڑوس میں جتنے مکان ہیں سب غریبوں کے ہیں اور کچے ہیں۔ ایسی حالت میں میاں صاحب کیا اچھا لگتا کہ اپنا مکان پختہ بنا کر بیٹھ جاتا، پڑوسیوں کو حسرت ہوتی۔

اس وقت یہ راز کھلا کہ حضرت کس مقام بلند پر ہیں۔ ان کے اعمال وافعال کا اندازہ لگانا

دشوار ہے کہ ان میں کیسے کیسے اسرار پوشیدہ ہیں۔ پڑوسیوں اور غریبوں کی رعایت ان کی خدمت جو حضرت میاں صاحبؒ کی فطرت بنی ہوئی تھی دوسروں کا اس طرف دھیان جانا بھی آسان نہ تھا''۔

درد نیابد حال پختہ ہیچ خام — بس سخن کوتاہ باید والسلام

میں نے دیکھا کہ اس کے بعد بھی ہمیشہ سالانہ یہ تکلیف برداشت کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں کے پڑوسیوں نے اپنے مکانات پختہ بنائے تب حضرت میاں صاحبؒ نے بھی اپنے مکان کو پختہ بنوایا۔

یہ حضرات ہیں جن کو سلف کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں گھی گراں ہو گیا تو حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظمؓ نے گھی کھانا ترک کر دیا۔ اور فرمایا میں اس وقت گھی کھاؤں گا جب مدینہ کے عوام گھی کھانے لگیں۔ یہ واقعہ تاریخ میں پڑھا اور سنا تھا مگر ایثار ہمدردی اور اخوت کے اس مقام بلند کی جیتی جاگتی تصویر حضرت میاں صاحبؒ ہی کی زندگی میں نظر آئی۔ (ص ۵۶)

(۲)۔ ''فنائیت کا مقام بلند'':۔

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں:

ایک مشہور عالم دین بزرگ سے بعض سیاسی مسائل میں حضرت میاں صاحبؒ کو شدید اختلاف تھا جس کا اظہار ہمیشہ برملا فرماتے رہے۔ لیکن اسکے باوجود ان کی شان میں اگر کسی سے کبھی کوئی نامناسب کلمہ نکل بھی جاتا تو بڑی سختی سے متنبہ فرماتے۔ اختلاف بھی ''اختلاف امتی رحمۃ'' ('میری امت کا اختلاف رحمت ہے،) کی تشریح پر تھا۔ اختلاف کی حدود سے سر موتجاوز ان کی فطرت ہی نہیں تھی۔

انہی مختلف الخیال بزرگ نے ایک دفعہ امساک باراں کی کہ شدت دیکھ کر نماز استسقاء پڑھنے کا اعلان کیا۔ میاں صاحبؒ کو غالباً کشف کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان ایام میں بارش نہیں ہوگی البتہ نماز کا ثواب حاصل کرنے کے لیے چلنا ضروری ہے۔

چنانچہ والد صاحب نے ان کی معیت میں نماز استسقاء ادا کی۔ بارش کو نہ ہونا تھا نہ ہوئی۔ ان بزرگ نے دوسرے روز کے لیے بھی نماز کا اعلان فرمایا۔ تو اس دن بھی وہی پہلے دن والی بات فرما کر نماز ادا کرنے پہنچ گئے۔ اور بغیر بارش ہوئے واپس آ گئے۔ تیسرے روز کے لیے پھر نماز کا اعلان ہوا تو میاں صاحب تیسرے دن بھی نماز کیلئے میدان میں پہنچ گئے اور خود ان بزرگ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آج نماز میں پڑھا دوں۔ ہر شخص حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ میاں صاحب تو کبھی پنج وقتہ نماز لوگوں کے اصرار پر بھی نہیں پڑھاتے آج انہوں نے خود نماز پڑھانے کی پیش کش کیسے کی۔ بہرکیف نماز استسقاء میاں صاحب کی امامت میں شروع ہوئی۔ میاں صاحب کے عقیدت مندوں کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ آج بارش ضرور ہو جائے گی۔ شاید میاں صاحب نے کشف کے ذریعے معلوم کر کے یہ تبدیلی کی ہوگی۔ لیکن آج بھی دھوپ اسی شدت کے ساتھ چمکتی رہی اور بادل کا دور بھی نام ونشان نہیں تھا۔ مجبور ہو کر پورہ مجمع شکستہ دل اور مغموم واپس ہوا۔ والد صاحب نے اس خلاف عادت عمل پر استفسار کیا کہ آپ تو کبھی نماز پنج گانہ میں بھی امامت نہیں فرماتے آج یہ کیا ماجرا تھا۔ تو فرمایا کہ "میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ جو عالم دین دو روز سے نماز پڑھا رہے ہیں لوگوں کو ان پر بدگمانی نہ ہو میں بھی اس میں شریک ہو جاؤں کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ بارش اس وقت ہونا مقدر میں نہیں۔ کسی عالم یا مقدس ہستی کا اس میں کیا قصور ہے اب اگر بدنامی ہے تو تنہا ایک عالم کی نہ ہو"۔

سوچئے ان اہل اللہ اور ہم دنیاداروں میں کس قدر بعد المشرقین ہے ہماری تمام کوشش اور سعی کا محور صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنے مخالف کا کوئی کمزور پہلو تلاش کر کے اس کو مجروح کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کیلئے ہر جائز و ناجائز حربہ آزمایا

جائے اور اگر قابو چل جائے تو اس کو پوری طرح ذلیل و رسوا کیا جائے لیکن یہی اختلاف جب اسلامی ڈھانچہ میں ڈھلتا ہے تو کس درجہ حسین اور دل فریب ہو جاتا ہے کہ جس پر سینکڑوں اتحاد قربان ہو سکتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان بزرگوں کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ دنیا میں رہنے اور دنیا کو برتنے کا لطف وسلیقہ بھی ان اہل اللہ ہی کو آتا ہے اور جو خود کو دنیا دار کہتے ہیں ان کو اس کے لطف کی ہوا بھی نہیں لگتی۔ (اکابر دیوبند کیا تھے؟ بحوالہ ارواح ثلاثہ: ۴۰۸، ۴۱۰)

حافظ العصر حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمہ اللہ کی تواضع وفنائیت:۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ان کا دوسرا وصف خاکساری وتواضع تھا۔ چپڑاسیوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ،بازار سے چیز خرید کر اپنے ہاتھ سے اٹھا کر لانے میں تامل نہ تھا۔ اس قسم کے کام جو لوگ اپنے لئے توہین سمجھتے تھے اس بے تکلفی سے انجام دیتے تھے کہ چہرہ پر میل نہ آتا تھا۔ اس سے زیادہ یہ کہ وہ انسپکٹر آف سکولز ہیں۔ ساتھ میں معتدد ماسٹر اور اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔اور وہ چلتے ہوئے خود بازار سے کوئی مٹھائی یا کھانے کی چیز خریدتے ہیں،خود بھی کھاتے ہیں۔اور خریدتے ہیں،خود بھی کھاتے اور ان کو بھی کھلاتے ہیں۔

فرماتے تھے میرے لئے یہ سادہ اسلامی شکل وصورت تحقیر کی بجائے عزت کا سامان بن گئی ہے۔انگریز افسر بھی عزت کرتے ہیں۔دیانت دار سمجھتے ہیں،ہمیشہ انہوں نے میرے کلام کو پسند کیا ہے۔سرکار نے بے وجہ خان بہادر نہیں بنایا،ترقی پر ترقی دی اور کسی موقع پر بھی میری ڈاڑھی اور لمبا کرتا میری کسی ترقی میں حارج نہیں ہوا۔ (گفتہ مجذوب ص ۷)

''نہ جانے ایمان بھی ہے کہ نہیں؟''

حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

حضرت خواجہ مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جلسہ (نشست) میں چوبیس ہزار بار ذکر اسم ذات کرتے تھے،پھر بھی فرماتے تھے "نہ جانے ایمان بھی ہے کہ نہیں"۔(احسن السوانح ص ۳۴۳)

فرمایا:ایک بار حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون میں حوض کے کنارے گھوم کر بار

بارفرمارہے تھے ''پتہ نہیں ایمان بھی ہے کہ نہیں''، ''پتہ نہیں ایمان بھی ہے، کہ نہیں''۔

(ایضاً ص ۳۵۲)

حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی رحمہ اللہ کی بے نفسی

آپ کے فرزندار جمند فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آج اگر کسی کو دین کی خدمت کا موقع ملتا ہے۔ تو اس کا نفس پھولتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں، لوگوں کی کوئی بات برداشت نہیں ہوتی، اس پر حضرت والد صاحب کا واقعہ یاد آیا کہ برسہابرس لگاتار تھانہ بھون میں مفتی رہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی نگرانی میں دین کی خدمت کی، فتاوی وغیرہ لکھے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی اور مجاز صحبت بنایا تو اس پر بے نفسی ملاحظہ ہو کہ حضرت رحمہ اللہ کی خدمت اقدس میں لکھا کہ ''حضرت اگرچہ میں اس کا اہل نہ تھا، لیکن جسطرح آپ نے نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے پڑھاتا ہوں، فتوی لکھنے کا حکم دیا لکھ دیتا ہوں، پڑھانے کا حکم دیا پڑھاتا ہوں، اسی طرح آپ کا حکم سمجھ کر بیعت بھی کرلیا کرونگا، آپ کے حکم کی تعمیل ہی سمجھوں گا''۔

یہ تھی بے نفسی ان لوگوں کی، کسی قسم کی بڑائی یا فخر نہیں کیا حالانکہ برسہابرس تک خدمات انجام دیتے رہے تھے۔ (حیات ترمذی ص ۵۶۰)

شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے واقعات

تقسیم ہند اور قیام پاکستان کی تاریخ:

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قائداعظم اور لیاقت علی خان مرحوم نے علامہ عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کو کراچی ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ ان کے ساتھ ہی آپ کراچی تشریف لائے۔

شیخ الاسلام کا اپنے وطن دیوبند سے یہ سفر اچانک عمل میں آیا تھا۔ اہل وعیال اور کل سامان دیوبند میں تھا مگر اعلان پاکستان کے ساتھ انہوں نے ہجرت کی نیت سے پاکستان کو اپنا وطن

بنالیا اور اس کے بعد کبھی اتفاقی صورت سے بھی وطن جانا نہیں ہوا۔ (چند عظیم شخصیات ۵۴)

(۲)۔ ''شیخ الاسلام کا اخلاص اور زاہدانہ زندگی''۔

پاکستان بننے کے بعد یہاں سے ہندوستان منتقل ہونے والے ہندوؤں کے مکانات اور متروکہ جائیدادیں کراچی اور ہر شہر قصبہ میں کھلی پڑی ہوئی تھیں اور پاکستان میں آنے والے مہاجرین ان پر باجازت یا بلا اجازت قبضہ کر رہے تھے، بناء پاکستان میں حصہ لینے والے اکثر حضرات کو بھی بڑی بڑی کوٹھیاں اور بنگلے اس طرح ہاتھ آئے۔ مگر شیخ الاسلام اس وقت بھی اپنے مختلف دوستوں کے مکانات میں عاریتاً رہتے رہے۔ اس طرح مختلف مکانات بدلے اور آخر عمر تک زندگی یوں ہی گزار دی کہ وفات کے وقت بھی ایک صاحب کے مکان کے ایک حصے میں مقیم تھے جس کے دو کمرے انہوں نے حضرت شیخ الاسلام کو عاریتاً دے رکھے تھے۔ اپنے لئے نہ مکان لیا نہ بنایا۔ شب و روز پاکستان کی صلاح و فلاح کی فکروں اور کوششوں میں ہمہ تن مصروف رہتے اور عسرت کے ساتھ متوکلانہ زندگی گزراتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے کہ نہ کوئی مکان نہ دوکان نہ بینک بیلنس نہ ساز و سامان۔

(چند عظیم شخصیات ص ۵۴)

(۳) ''غریب کی دلجوئی'':۔

محترم منشی عبدالرحمن خان مرحوم حضرت علامہ عثمانی رحمہ للہ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

ایک جلسہ کے اختتام کے بعد جب وہ واپس ہونے لگے تو اچانک سامنے ایک شخص ''عبدالستار'' نامی آ گیا اور اس نے آپ کو دیرینہ وعدہ یاد دلایا، کہ آپ نے فرمایا تھا کہ جب ملتان آؤنگا تو تمہارے پاس ضرور چائے نوش کروں گا آپ کے چند ہمراہیوں نے انہیں یہ دعوت ٹالنے کے لیے کہا۔ کیونکہ وہ بیچارہ ایک مسکین سا آدمی تھا، جسے کوئی خاطر میں نہ لا رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے وعدہ کیا تھا۔ اس لیے میں اس کی دل شکنی کرنا نہیں چاہتا۔ وہاں سے وہ اسکے ساتھ موٹر میں روانہ ہو پڑے، میں ساتھ تھا،

اس غریب مسکین سے جو کچھ ہو سکا اسے آپ نے بڑی محبت سے نوش فرمایا اور واپسی پر مجھ سے فرمانے لگے کہ "ہمارے جانے سے ہمارا کچھ نقصان نہیں ہوا مگر اس کا جو دل خوش ہوا اسکا یہ لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے"۔ یہ انکے علم وفضل کی ایک معمولی سی جھلک تھی جو اتنا بھی برداشت نہ کر سکے کہ جیسے محض غربت اور مسکینی اور پھٹے پرانے کپڑوں کی وجہ سے بنظر حقارت دیکھا جارہا ہے اس کی دل شکنی کی جائے۔

(ماخوذ از ماہنامہ محاسن اسلام شمارہ ۶۲)

مولانا عبدالمجید صاحب بچھرانوی (خلیفہ مجاز حکیم الامت رحمہ اللہ) کی تواضع وفنائیت:۔

پروفیسر احمد سعید صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مولانا عبدالمجید صاحب نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد حضرت تھانوی سے تعلق قائم کیا اور راہ سلوک میں خوب محنت مشقت کی، آپ کو کشف بہت ہونے لگا تھا یہاں تک کہ معمولی جڑی بوٹی بھی بولتی تھی کہ میں فلاں بیماری کا علاج ہوں۔ آپ نے ایک کاپی لیکر اس میں اپنے کشف اور جو بات ذہن میں آتی جمع کر فرمالی۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ واس کی اطلاع ہوئی تو ایک روز مجلس میں گول مول الفاظ میں سب کے سامنے کہا کہ یہ بڑا بننے اور اپنے کو بڑا سمجھنے کا مرض بہت برا ہے، اگر کوئی ایسا مریض میری مجلس میں ہے تو یہاں سے چلا جائے یہ بھی دراصل آپ کا بہت بڑا امتحان تھا کہ آیا خود اپنی غلطی کو مانتے ہیں یا نہیں، آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مجھ میں یہ مرض ہے حضرت نے فرمایا فوراً خانقاہ سے نکل جاؤ اور اہل خانقاہ سے فرمایا کہ ان سے کوئی بات نہ کرے، آپ نے وہ کاپی جلادی اور سارا دن حجرے میں پڑے رہتے صرف نماز کے لئے باہر نکلا کرتے، دعا واستغفار کرتے رہتے کہ ایک روز حضرت قدس سرہ نے خود کہلا بھیجا کہ مجھے خوش کرنا ہے تو آج نماز پڑھادو، آپ نے حسب حکم نماز پڑھائی اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن سے صحابہ نے حضور ﷺ کے حکم سے بولنا بند کردیا تھا اور پھر ان

کی برات پر جو آیات نازل ہوئی تھیں وہ نماز میں پڑھیں، نماز کے بعد حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اعلان فرمایا کہ اب ان سے بولنے کی اجازت ہے اور اس واقعہ سے اگر کوئی ان کی تذلیل کرے گا تو اس کے اعمال حط (ضائع) ہو جائیں گے، مولانا کے پاس جو رقم تھی وہ حضرت قدس سرہ کو پیش کی کہ ہدیہ قبول فرمالیں وہ قبول فرمایا اور آپ کو مخاطب کر کے فرمانے لگے:

''میں نے ایسا مسہل آپ کو دیا ہے جو پہلے کسی کو نہیں دیا تھا، الحمد للہ آپ کامیاب ہوئے اور مجھے یہی امید تھی کہ آپ اسے برداشت کریں گے''۔

(بزم اشرف کے چراغ ص ۶۳)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:۔

(۱) ''اس مقام کی کسی شخصیت میں کبھی اس درجہ کا تواضع نہیں دیکھا''۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ آپ کے تذکرہ میں تحریر میں فرماتے ہیں:

''یہ عاجز حضرت مفتی صاحب کی علمی عظمت کا پوری طرح قائل ہونے کے باوجود ان کے دوسرے قسم کے کمالات سے ہمیشہ زیادہ متاثر رہا ان کے جس کمال کا نقش میرے دل پر سب سے زیادہ گہرا ہے وہ انکی بے انتہا تواضع اور بے نفسی ہے۔ اس بارے میں اس عاجز کا جو تاثر اور احساس ہے واقعہ یہ ہے کہ اس کے اظہار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ نے ان کو جتنی بلندیاں عطا فرمائی تھیں وہ اتنے متواضع اور بے نفس تھے۔ ان سے ملنے والے ان کے کسی نیاز مند نے بھی کبھی محسوس نہ کیا ہوگا کہ وہ اپنے کو کچھ بھی سمجھتے ہیں۔ بعض اوقات اپنے بہت چھوٹوں کے ساتھ اس طرح پیش آتے اور ایسا معاملہ کرتے کہ انہیں شرم آتی اس عاجز نے اس مقام کی کسی شخصیت میں کبھی اس درجہ کا تواضع نہیں دیکھا۔ اور دوسری خاص بات جس سے عاجز بہت متاثر ہے یہ ہے کہ بعض روایتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ ''کان بخدم

نفسہ" (آپ خود ہی اپنے خادم تھے، اپنے گھر اور اپنی ذات کے معمولی معمولی کام خود کرتے تھے۔) حضرت مفتی صاحب اس اسوۂ نبی کے خاص نمونہ تھے۔ اس بلند مقامی کے باوجود اپنے گھر کے بچوں کے بہت سے ایسے معمولی اور حقیر کام خود کیا کرتے تھے۔ جن کے کرنے میں ایک معمولی آدمی بھی اپنی توہین سمجھے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ عاجز حضرت مفتی صاحب کی ان سیرتی خصوصیات سے اتنا متاثر ہے کہ ان کے ہاتھ پر کھلی کرامتیں دیکھتا تو غالباً اس سے زیادہ متاثر نہ ہوتا''۔

(ماہنامہ القاسم ''مفتی اعظم نمبر'' ص ۱۴)

(۲) ''سب سے بڑا متکبر وہ ہے جو اپنی خدمت کو اپنے لیے عار سمجھے''۔

شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''ان کے خصائص میں تھا کہ دوسروں سے خدمت نہ لو بلکہ انکی خدمت کرو اور اپنی خدمت خود کرو۔ چنانچہ جب آپ ملتان جیل سے واپس آئے تو اس وقت بچہ بچہ آپ کی عظمت سے واقف ہو چکا تھا۔ میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ بازار سے دودھ خرید کر دیگچی ہاتھ میں لئے ہوئے جا رہے ہیں۔ میں نے لپک کر دیگچی ہاتھ میں لینی چاہی تو پیچھے پھر کر مجھ کو دیکھا اور دیگچی ہاتھ میں دیدی میں نے عرض کیا کہ گھر میں اور کوئی نہ تھا جو اس خدمت کو انجام دیتا تو فرمایا کہ ''سب سے بڑا متکبر وہ ہے جو اپنی خدمت کو اپنے لیے عار سمجھے''۔ (بحوالہ بالا ص ۵۴)

(۳) ''اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے کے عادی تھے'':

مولانا ضیاء الحق صاحب دہلوی (مدرس مدرسہ امینیہ دہلی) رقمطراز ہیں:

''گھر کی صفائی کرنے اور برتن مانجھ لینے میں آپ عار کو محسوس نہ کرتے تھے۔ بازار سے دو پیسوں کا سودا بھی خود ہی خرید لاتے تھے آپ کو کوئی اجنبی تنکوں کی ٹوپی

اوڑھے، کھڑاویں پہنچے سادہ لباس میں پھرتے دیکھ کر کبھی کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ دنیا کی اتنی مقبول اور برگزیدہ ہستی ہے۔ اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے کی عادی تھے۔ اس لئے کسی کا کیا ہوا کام مشکل سے پسند آتا تھا''۔ (ص ۱۰۴)

مخدوم الملت علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)۔''تمام تصوف کا حاصل خود کو مٹا دینا ہے'':۔

حضرت حکیم محمد اختر صاحب ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

فرمایا کہ سید سلیمان ندویؒ نے حضرت تھانویؒ سے جب پہلی ملاقات کی اور اس وقت میں بھی حاضر تھا تو سید صاحب نے عرض کیا کہ کچھ نصیحت فرما دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ جیسے فاضل کو کیا نصیحت کروں؟ لیکن اپنے بزرگوں سے جو سنا ہے اسی کا تکرار کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تمام تصوف کا حاصل اپنے کو مٹا دینا ہے بس سید صاحب پر گریہ طاری ہو گیا۔ میں نے اسی وقت یہ شعر کہا۔

بہت چاہا نہ ظاہر ہو کسی پر راز ضبط غم دو آنسو کہہ گئے لیکن شکست دل کا افسانہ
(عارفی)

اس کے بعد یہ اشعار سنائے۔

نہ چھوڑا شائبہ تک دل میں احساس دو عالم کا
معاذ اللہ محبت کا یہ انداز حریفانہ
خبر کیا تھی بنائے گی محبت ایسا دیوانہ
مجھے بننا پڑے گا خود محبت ہی کا افسانہ (عارفیؒ)

پھر سید صاحب تھانہ بھون گئے۔ تین دن مجلس میں شریک ہوئے تیسرے دن کھڑے ہو کر سہ دری پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے۔ فرمایا تمام عمر جس کو علم سمجھا تھا اب معلوم ہوا کہ سب جہل تھا علم تو ان بڑے میاں کے پاس ہے اور سید صاحب نے فرمایا۔

جانے کس انداز سے تقریر کی　　　　پھر نہ پیدا شبہ باطل ہوا
آج ہی پایا مزا قرآن میں　　　　جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا
(البلاغ حضرت عارفی نمبر ص ۳۱۹)

(۲)۔ ''بھائی! ہمارے طریق میں تو اول وآخر اپنے آپ کو مٹادینا ہے'':۔
شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زیدمجدہم فرماتے ہیں:

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، جن کے علم وفضل کا طوطی بول رہا تھا، اور ڈنکا بج رہا تھا، وہ خود اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ جب میں نے "سیرت النبی ﷺ" چھ جلدوں میں مکمل کرلی، تو بار بار دل میں یہ خلش ہوتی تھی کہ جس ذات گرامی کی یہ سیرت لکھی ہے ان کی سیرت کا کوئی عکس یا کوئی جھلک میری زندگی میں بھی آئی یا نہیں؟ اگر نہیں آئی تو کس طرح آئے؟ اس مقصد کے لئے کسی اللہ والے کی تلاش ہوئی، اور یہ سن رکھا تھا کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی تھانہ بھون کی خانقاہ میں مقیم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا فیض پھیلایا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ تھانہ بھون جانے کا ارادہ کرلیا، سفر کرکے تھانہ بھون پہنچ گئے اور حضرت والا سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور کئی روز وہاں مقیم رہے۔ جب واپس رخصت ہونے لگے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! کوئی نصیحت فرمادیجئے، حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے خیال آیا کہ میں اتنے بڑے علامہ کو کیا نصیحت کروں؟ علم وفضل کے اعتبار سے پوری دنیا میں ان کی شہرت ہے، چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ! ایسے دل میں ایسی بات ڈال دیجئے جو ان کے حق میں بھی فائدہ مند ہو اور میرے حق میں بھی فائدہ مند ہو۔ اس کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''بھائی ہمارے طریق میں تو اول وآخر اپنے آپ کو مٹادینا ہے۔''

حضرت سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ حضرت تھانوی نے یہ الفاظ کہتے وقت اپنا ہاتھ سینے کی طرف لے جاکر نیچے کی طرف ایسا جھکا دیا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے

دل پر جھٹکا لگ گیا۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر (عبدالحی عارفی) صاحب فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو ایسا مٹایا کہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ایک دن دیکھا کہ خانقاہ کے باہر حضرت سلیمان ندوی مجلس میں آنے والوں کے جوتے سیدھے کر رہے ہیں۔

یہ تواضع اور فنائیت اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں پیدا کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد خوشبو پھوٹی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

(اصلاحی خطبات: جلد۵ ص ۴۷)

(۳)۔ ''حضرت سید صاحبؒ کی علامہ بنوریؒ سے عاجزانہ درخواست''

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ علامہ بنوریؒ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کی جلالت قدر اور علو مرتبت سے کون ناواقف ہے؟

علامہ اقبال کے الفاظ میں ''علوم اسلامی کی جوئے شیر کا فرہاد'' جس کے سامنے بڑے بڑے جبال علم ''مور ناتواں'' نظر آتے تھے ان کی بے نفسی و تواضع، خلوص وللّٰہیت اور محاسبہ آخرت کی فکر دیکھئے کہ وہ آخری عمر میں حضرت بنوریؒ سے فرماتے تھے:

''مجھ سے ابتدائی دور میں بعض قلبی لغزشیں ہوئی ہیں ان میں کچھ چیزوں پر تو مجھے تنبہ ہوا اور میں نے ان کی اصلاح کر لی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ (حضرت بنوریؒ) جیسے حضرات میری کتابیں غور سے پڑھیں اور ان میں کوئی لغزش نظر آئے تو مجھے متنبہ فرمائیں تاکہ میں ان سے رجوع کرلوں''۔

حضرت سیّد صاحب کا یہ ارشاد راقم الحروف نے حضرت بنوریؒ سے سنا تھا۔

(بینات، علامہ بنوری نمبر ص ۳۳۲)

(۴) ''میں ان کی تواضع وسادگی کو دیکھ کر تو مسخر ہی ہو گیا''۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ جو سیّد صاحب کے پیر ومرشد اور شیخ طریقت بھی تھے سیّد صاحب کے زورِ قلم اور استخراجِ مطالب کے قائل تھے۔ ان کی منور خانہ خدمات کا اعتراف انہوں نے اپنی مجلسوں اور تصانیف میں بار بار کیا ہے۔ بزمِ اشرف کے چراغ کے حوالے سے یہ بات نقل کی جارہی ہے کہ مولانا تھانویؒ نے ایک بار فرمایا:

''مولانا سلیمان ندوی صاحب دفعتہً تشریف لائے میں مکان پر تھا۔ سنتے ہی حاضر ہوا۔ میرے ذہن میں ان کا جثہ طویل وعریض تھا۔ ملا تو معتدل الخلقت پاکر قلب کو بہت انس ہوا پھر ملاقات ومکالمت سے ان کی تواضع وسادگی، رعایت جلیس کو دیکھ کر تو مسخر ہی ہوگیا''۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے سیّد صاحب نے ۱۹۳۸ء میں اصلاح کا تعلق پیدا کیا مرید ومرشد میں اتنی مناسبت تھی کہ بہت جلد سیّد صاحب سلوک کے مدارج طے کر گئے۔ ۱۲۲ کتوبر ۱۹۴۲ء کو مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سیّد صاحب کو خلافت دے کر فرمایا:

''الحمد للہ مجھے اب کچھ فکر نہیں میرے بعد ایسے ایسے لوگ موجود ہیں۔''

(بیس علمائے حق ص ۱۱۹)

(۵) ''درخواست نصیحت'':۔

غرض لکھنؤ کی مذکورہ حاضری کے بعد حضرت والا کی طبیعت اب پوری قوت کیساتھ اپنے شیخ عالی مرتبت سے اخذ فیض کیطرف متوجہ ہوگئی۔ ذوق وشوق نے بار بار تھانہ بھون کی حاضری پر مجبور کردیا اور شیخ کے خصوصی الطاف سے برسوں کے مراحل منٹوں میں طے ہونے لگے۔ ڈاکٹر صاحب مدظلہ، نے فرمایا کہ "ایک مرتبہ حضرت سیّد صاحب خانقاہ تھانہ بھون تشریف لائے محفل خاص آراستہ تھی سید صاحب حضرت مولانا تھانوی سے متصل بیٹھے ہوئے تھے۔ چپکے سے سیّد صاحب نے کوئی بات حضرت شیخ کے گوش گذار فرمائی اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد حضرت شیخ قدس سرہ نے سیّد صاحب کے کان میں کچھ ارشاد فرمایا ہم لوگ اس عرض وارشاد کو سن نہ سکے، مگر دیکھا یہ کہ دفعتہً سیّد صاحب پر گریہ طاری ہوگیا، یہاں

تک کہ سسکیاں بندھ گئیں، پھر سید صاحب رخصت ہو گئے، ساری محفل محو حیرت تھی کہ یہ کیا ماجرا تھا لیکن بارگاہ اشرفیہ میں استفسار کی کس کو مجال ہو سکتی تھی۔ ایک عرصہ بعد حضرت خواجہ صاحب (خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری مجذوب) نے جرأت کر کے وہ بات پوچھی تو حضرت حکیم الامت نے اس کا اظہار فرمایا اور خواجہ صاحب نے اس واقعہ کو بلا اظہار نام کے اشرف السوانح میں بھی درج فرمایا ــــــــــــ وہ یہ ہے:

''ایک مشہور فاضل ندوی اتفاقاً چند گھنٹوں کے لئے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چلتے وقت عرض کیا کہ مجھ کو کوئی نصیحت فرمائیے، حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں متردد ہوا کہ ایسے فاضل شخص کو میں کیا نصیحت کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فوراً میرے دل میں ایک مضمون ڈالا جو بعد کو معلوم ہوا کہ ان کے بالکل مناسب حال تھا۔ میں نے کہا کہ حضرت آپ جیسے فاضل کو میں نصیحت تو کیا کر سکتا ہوں لیکن ہاں میں نے جو اپنی اس تمام عمر میں سارے طریق کا حاصل سمجھا ہے وہ عرض کئے دیتا ہوں، وہ حاصل جو میں سمجھا ہوں وہ فنا وعبدیت ہے بس جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو مٹایا جائے، بس اسی کے لئے سارے ریاضات ومجاہدات کئے جاتے ہیں اور بس اپنی ساری عمر فنا وعبدیت کی تحصیل میں گذار دینی چاہیے اس تقریر کا ان پر اس درجہ اثر ہوا کہ وہ آبدیدہ ہو گئے''

شیخ عالی مقام کی اس نصیحت کا با اخلاص مرید کے قلب نے ایسا اثر قبول کیا کہ پھر صاحب نظر حضرات اس بات پر متفق ہو گئے کہ ''حضرت سید صاحب نے فنائیت میں جو کمال حاصل کیا اس کو کوئی نہ پا سکا''۔ (''تذکرہ سلیمان'' ص ۱۲۳)

(۶) ''خلافت سے سرفرازی'':۔

اگست ۱۹۳۸ء کو حضرت سید سلیمان نے راہ سلوک میں قدم رکھا اور اب اکتوبر ۱۹۴۲ء آ پہنچا تھا، مسافر نے عشق ومعرفت کی اتنی منزلیں طے کر لی تھیں کہ اب وہ مجدد وقت حضرت تھانوی کی نگاہ میں راستہ کے سارے نشیب وفراز اور پیچ وخم سے پوری طرح

باخبر اور ناواقفوں کی رہبری کے لئے ہر طرح لائق اعتبار تھا۔

استخارہ و استشارہ:۔ حکیم الامت نے اپنے قلبی داعیہ کی مزید تشفی کی خاطر استخارہ فرمایا، استخارہ سے تائید و تقویت پائی، پھر حضرت والا کے نام ایک مکتوب لکھا جس کا عنوان تھا کہ ۔۔۔۔۔۔ ''استشارہ بعد از استخارہ'' ۔۔۔۔۔۔ اس میں لکھا تھا کہ ''میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کو خلافت دوں، میں نے اس سلسلہ میں استخارہ بھی کرلیا ہے، اب آپ کا کیا مشورہ ہے؟''

جواب: حضرت والا فرماتے تھے کہ چونکہ دو تین ہی روز میں تھانہ بھون کی حاضری کا قصد تھا اس لئے میں نے اس گرامی نامہ کا جواب نہیں دیا بلکہ جب تھانہ بھون حاضر خدمت بھی ہوا تو خاموش ہی رہا ____________ آخر ایک دن حضرت والا (حکیم الامت کی طرف سے ایک پرچہ ملا کہ:۔

''آپ نے میرے استشارہ کا جواب نہیں دیا''

اس اصرار پر میں نے جواباً یہ عرض کردیا کہ ''حضرت والا کا مکتوب گرامی پڑھ کر قدموں تلے سے زمین نکل گئی، کہاں میں اور کہاں یہ زمہ داری''۔

عطائے خلافت:

حکیم الامت علیہ الرحمتہ اپنے مریدوں کو ہر مرحلہ پر آزماتے اور پرکھتے رہتے تھے، اور اکثر ایسے لطیف پیرائے میں کہ خود آزمائے جانے والے کو اپنی آزمائش کا احساس تک ہونے نہیں پاتا تھا۔ یہاں اس ''استشارہ'' میں بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید السالکین کے ''تاثر'' اور ''حال'' کی آزمائش بھی مقصود تھی اور خود اپنے اذعان کا مشاہدہ بھی چنانچہ جب سیّد السالکین کا وہ جواب جو ابھی نقل ہو چکا پہنچا، تو حضرت شیخ بیحد مسرور ہوئے اور حاضرین سے فرمایا کہ:۔ ''الحمدللہ وہی جواب آیا، جس کی توقع تھی''

بس اس کے بعد سیّد والا مرتبت کو سلاسل اربعہ میں خلافت باطنی عطا فرمادی اور مسند ارشاد پر ان کو متمکن فرمادیا۔، پھر خود اپنی حیات میں بعض اپنے زیر تربیت افراد کو بھی اپنے خلیفہ مجاز

کے سپرد فرما دیا، یہ واقعہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء کا ہے۔

شیخ الشیوخ کا تاثر:۔

اس بات کے راوی حافظ عثمان صاحبؒ دہلوی ہیں (جو خود بھی حکیم الامت کے فدائی اور خلیفہ مجاز تھے) کہ:۔

''حضرت سیّد صاحب کو خلافت عطا فرما کر حضرت والاؒ (حکیم الامت) اس درجہ مسرور و مطمئن تھے کہ بارہا فرمایا کہ ''الحمد اللہ مجھے اب کچھ فکر نہیں، میرے بعد ایسے ایسے لوگ موجود ہیں''

مرشد اور وہ بھی مرشد تھانویؒ جیسے شیخ محقق کی نگاہ تحقیق میں یہ اعتبار کوئی معمولی امتیاز ہے؟

خلیفہ مجاز کا حال:

بہر حال شیخ کا تاثر تو وہ تھا، خود خلیفہ مجاز کی کیفیت بھی قابل دید ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس عطائے خلافت کے ساتھ ہی حضرت والاؒ پر نیستی اور فنائیت بدرجہ اتم چھا گئی، وہ غرق عبدیت ہو گئے، اس اثر میں ڈوب کر حضرت نے جو غزل کہی ہے وہ ان کے نزول پر شاہد ہے یہ غزل جس طرح حضرت والا کی قلمی بیاض میں درج ہیا سی طرح یہاں نقل کی جاتی ہے:

ابھی تو مشق فغاں کنج میں ہزار کرے　　اثر کے واسطے کچھ اور انتظار کرے
جو آج لذت درد نہاں کا جویا ہے　　وہ پہلے سوز سے دل لوتو داغدار کرے
انھیں کے دینے سے ملتا ہے، جس کو ملتا ہے　　وہی نہ چاہیں تو کوشش کوئی ہزار کرے
ادب سے دیکھ لیں مشتاق دور سے ان کو　　مجال ہے جو کوئی ان کو ہمکنار کرے
سنا تو دے انھیں افسانہ غم ہجران　　وہ اعتبار کرے یا نہ اعتبار کرے
وہ اپنے کان سے سنتے ہیں میرے نالوں کو　　وہ طرز نالہ ہو جو ان کو بیقرار کرے
تری نظر میں ہے تاثیر مستی صہبا　　تری نگاہ جسے چاہے بادہ خوار کرے
تری نگاہ میں دونوں خواص رکھے ہیں　　وہ چاہے مست کرے چاہے، ہوشیار کرے

(ماخوذ از "تذکرہ سلیمان" ص ۱۴۰ تا ۱۴۲)

(۷) ''مدح وذم ایک'':۔

مقامات سلوک میں ''تواضع'' عبدیت کا ایک اعلی مقام ہے مگر خود اس مقام میں بھی رسوخ کے اعتبار سے ادنی واعلی کا فرق پیدا ہو جاتا ہے، ''کامل متواضع'' وہ ہے جو نفس کے انفعالات سے بلند وبالا ہو جائے، اسی کو حدیث شریف میں ''ہجرت نفس'' سے تعبیر فرمایا گیا اور ''اصل ہجرت'' قرار دیا گیا ہے۔ایسے ''مہاجر الی اللہ'' یا کامل انسان کی شناخت یہ ہے کہ اس کے لئے اپنی مدح وذم ایک سی ہو جاتی ہے، نہ واہ واہ سے وہ پھولتا ہے اور نہ ملامت سے مرجھاتا ہے۔خال خال ہستیوں کو اس مقام تک رسوخ میسر آتا ہے، مگر اللہ کی د ین کہ سلیمان عالی نے آن کی آن میں اس مقام کو بھی فتح کرلیا۔

ڈاکٹریت کے اعزاز خاص پر آپ نے دیکھا کہ سلیمانی نفس نے اپنے اندر اتنا تغیر بھی محسوس نہیں کیا جتنا ایک نیا کپڑا پہننے پر کسی میں پیدا ہو جاتا ہے اور شیخ الشیوخ حضرت تھانوی نے اسکی تصدیق بھی فرمادی کہ بیشک وہ اس انفعال سے برتر وبالا ہو چکے تھے،۔۔۔۔اب ایک واقعہ تنقیص کی بے اثری اور عرفان نفس کا بھی ملاحظہ ہو۔

ایک روز راقم کی موجودگی میں دو منکرین حدیث حضرت والا کی خدمت میں آئے اور اپنے مسلک کی گفتگو آغاز (شروع) کی عوی یہ کیا کہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہت آسان بھی ہے اور تائید میں یہ آیت پڑھ دی کہ ''ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر'' حضرت والا مخاطب کی لیاقت کو تاڑ گئے، دریافت فرمایا کہ آیا عربی سے واقفیت ہے؟ جواب اثبات میں ملا تو فرمایا اسی آیت کا ترجمہ کر دیجئے۔مخاطب نے مفہوم بیان کیا تو حضرت نے فرمایا کہ میں نے تو ترجمہ پوچھا تھا، پھر فرمایا کہ خیر یہی بتا دیجئے کہ یہ لفظ مدکر کیا ہے؟ اور اس کا مادہ کیا ہے، مسئول نے فورا کہا کہ یہ لفظ ''درک'' سے بنا ہے اور اس کے معنی سمجھے کے ہیں! حضرت والا نے فرمایا کہ مجھ کو ٹھیک اسی جواب کی توقع تھی، یہ تو آپ حضرات کی عربی دانی ہے، اور اس پر قرآن فہمی کا دعوے! پھر ان دونوں کو حضرت نے

نہایت شفقت سے سمجھایا کہ یہ لفظ ''ذکر'' سے مشتق ہے اور فلاں قاعدہ کے تحت ''ذ'' ''د'' سے بدل گئی وغیرہ، اس کے بعد نصیحت فرمائی کہ پہلے عربی زبان، پھر متعلقہ علوم قرآنی کے حصول کیطرف توجہ کی جائے اور پھر قرآن پاک میں غور وفکر کریں! ___________ اس گفتگو سے بظاہر وہ دونوں حضرات متاثر اور پشیمان بلکہ ممنون ہو کر گئے۔ مگر یہاں سے جا کر اپنے مرشد جناب پرویز کو نا معلوم کیا روئیداد سنائی کہ تازہ ''طلوع اسلام'' میں پرویز نے حضرت والا کے اخلاق پر حملہ کرتے ہوئے نہایت سخت بازاری لب ولہجہ میں ایک نوٹ لکھا جس کا حاصل یہ تھا کہ ہمارے دو آدمی ان سے بات کرنے گئے تو وہ نہایت بداخلاقی سے پیش آئے، اصل گفتگو بالکل قلم انداز کر دی۔

اس شذرہ کو پڑھ کر حضرت والاؒ کے سب ہی جاننے اور ماننے والوں کے دل کو جرحت پہنچی مگر صاحبزادہ سلمان سے رہا نہیں گیا، انہوں نے حضرت والا سے عرض کی کہ اس غلط بیانی اور اتہام کا جواب ضرور دیا جانا چاہیے۔ حضرت اقدس نے نہایت ناگواری کے لہجہ میں فرمایا:

''کیوں دیا جانا چاہیے، کسی ایک شخص نے کبھی کوئی بات خلاف لکھدی تو اسپر اتنا غصہ! جب لوگ تعریف کے پل باندھتے ہیں تو اس وقت بھی کبھی خیال آتا ہے کہ یہ لکھدیں کہ ہمارے ابا جان میں اتنے اوصاف نہیں ہیں،،؟ اللہ اکبر! کس مقام ارفع سے فرمارہے تھے۔ غرض اس جواب کو سن کر صاحبزادہ سلمہ، خاموش ہورہے اور گھر میں چلے گئے، پھر اس راقم حقیر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے حضرت نے ارشاد فرمایا:۔

''لڑکپن ہے، اس لئے اس قسم کے خیالات ہیں، ہم بھی اپنی نوعمری میں بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ ایک مضمون ایسا لکھدیں گے کہ مخالف کو منہ چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی، یہ سب طفلانہ باتیں ہیں۔ اب تو بحمد اللہ نہ کسی کی واہ وا کا کچھ اثر ہے نہ کسی کے طنز وتشنیع کا مخلوق کی مدح وقدح سے کیا ہوتا ہے۔ دیکھنا تو یہ چاہیے کہ خالق ومالک ہم سے راضی ہے یا نہیں؟''

بات بظاہر آئی گئی ہوگئی مگر دو ہی تین ہفتے گذرے ہوں گے ملتان سے ماہنامہ صدّیق الصدّیق کا نیا شمارہ جو آیا تو مدیر فاضل کی طرف سے اس میں پرویز صاحب کا ترقی بہ ترقی جواب بھی تھا اور حضرت والاؒ کے اخلاق کریمانہ کی توصیف بھی۔ مرشد عارف کی نظر اس پر پڑی تو صاحبزادہ کو طلب فرمایا اور ہنستے ہوئے بہ کمال بلاغت ارشاد ہوا۔

''لیجئے لیجئے سلمان میاں جلدی دیکھیئے! اس رسالہ میں طلوع اسلام کا جواب چھپا ہے اور آپ کے ابا کی برات اور بڑی تعریف چھپی ہے اب تو آپ کے ابا اچھے ہو گئے اور آپ کی تمنا پوری ہو گئی''۔ اللہ! اللہ عارف کی نگاہ میں خلق کی تعریف یا مذمت کس درجہ مضحکہ خیز ہوتی ہے، ہم ہیں کہ فانی مخلوق کو پیمانہ عزت و ذلت بنائے ہوئے، اور ایک عارف ہے کہ ہر فانی کو ''لا احب'' سے قطع کر کے صرف محبوب پر ٹکٹکی لگائے رہتا ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(ماخوذ از ''تذکرہ سلیمان'' ص ۳۱۴ تا ۳۱۷)

(۸) ''اب تلافی مافات میں مصروف ہوں''

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے فیض صحبت سے سید صاحب کی زندگی میں اس قدر واضح انقلاب رونما ہوا کہ وہ ایک طرف دنیائے علم سے دنیائے معرفت کی طرف آ گئے۔ اس زمانے کی کیفیات کا اندازہ سید صاحب کے اپنے مکاتیب وغیرہ سے بھی ہوتا ہے۔

مولانا عبدالباری ندوی کے نام وہ ایک خط میں رقم طراز ہیں:

''دس بارہ برس سے جو چیز نظری طور پر سمجھ میں نہ آتی تھی وہ عملاً سمجھ میں آ گئی اور اب تلافی مافات میں مصروف ہوں''۔

اسی طرح مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کو ایک مکتوب میں لکھا ہے:

''واہ واہ کا مزہ بہت اٹھا چکا اور اب یہ رنگ اتر چکا۔ اب تو آہ آہ کا دور ہے، اور اپنی پچھلی تباہی پر ماتم اور آئندہ کی فکر درپیش ہے''۔

(مکاتیب سلیمان مرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی مکتوب ۱۱۹)

شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)۔ابتداء بالسلام کرنے کا اہتمام:

حضرت اقدس مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بارہا ذکر فرمایا کہ حضرت شیخ الادب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی یہ ادا سارے مدرسے میں مشہور تھی کہ وہ ہر کس و ناکس کو ہمیشہ ابتداء بالسلام کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔اور کوئی دوسرا شخص عام طور سے انہیں سلام کرنے کی ابتدا نہیں کر پاتا تھا۔بعض اوقات طلباء پہلے سے طے کر کے کوشش کرتے کہ آج ہم مولانا رحمتہ اللہ علیہ کو پہلے سلام کریں گے لیکن اس کوشش میں کامیاب نہ ہوتے۔(اکابر دیو بند کیا تھے؟ص ۷۳)

(۲)۔''میں امیر ہوں،میرے حکم کی اطاعت ضروری ہے''۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے سنایا کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ کسی سفر پر روانہ ہوئے۔میں بھی انکے ساتھ تھا۔سفر کے آغاز میں حضرت مولاناؒ نے فرمایا۔''اپنے میں سے کسی کو امیر سفر بنالو!''ہم نے عرض کیا!''حضرت!امیر تو متعین ہیں''۔فرمانے لگے''اگر مجھے امیر بنانا چاہتے ہو تو پھر میری مکمل اطاعت کرنی ہوگی''ہم نے کہا''انشاءاللہ ضرور''۔لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب سامان اٹھانے کا مرحلہ آتا تو مولانا رحمتہ اللہ علیہ خود آگے بڑھ کر نہ صرف اپنا بلکہ دوسروں کا بھی سامان اٹھا لیتے۔ہم لوگ سامان اٹھانے پر اصرار کرتے تو مولانا رحمتہ اللہ علیہ فرماتے''میں امیر ہوں''میرے حکم کی اطاعت ضروری ہے''۔

اس کے بعد سارے سفر میں یہی معمول رہا۔کہ جب کوئی مشقت کا کام ہوتا تو مولانا رحمتہ اللہ علیہ آگے بڑھتے اور ہم مداخلت کرتے تو اطاعت امیر کا حکم سنا کر خاموش کر دیتے۔

(ایضاً ص ۷۳،۷۴)

رئیس القلم حضرت مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کے واقعات۔

(۱) ''مولانا گیلانی کی صاف دلی'':

عرض یہ کرنا ہے کہ مولانا گیلانی کے ذہن وفکر کی دور رسی اور مطالعہ ومعلومات کی وسعت اور اسی کے ساتھ نتائج اخذ کرنے کی جو مجتہدانہ صلاحیت تھی، آپ کے ہم عصر علماء اور تلامذہ دونوں ہی اس کے قائل ہیں۔

اس کے ساتھ مولانا کا دل اس قدر صاف اور بے غل وغش تھا کہ کبھی اپنی بڑائی اور استعداد پر کبر وغرور کا شائبہ بھی نہیں پایا گیا، بلکہ سراپا تواضع بنے رہتے، اپنے چھوٹوں کو خوب ابھارتے، ان کی حوصلہ افزائی کرتے، حتیٰ کہ کبھی کبھی اگر وہ ناسمجھ ہوتا تو بے جا تعلّی میں مبتلا ہو جاتا۔

مولانا ندویؒ نے لکھا ہے:۔

''ملنے جلنے خط وکتابت وغیرہ کسی چیز میں اپنی دینی ودنیوی، علمی وذہنی برتری یا دوسروں کو ان کی کم تری محسوس نہیں کراتے بلکہ خردوں، شاگردوں کو اتنا بڑھاتے کہ بزرگوں، بڑوں کے لئے زبان ولغت جواب دے جاتے، حضرت حالی کی طرح حضرت گیلانی نے بھی کہنا چاہیے اپنی ''خاکساری'' کا مستقل کام ہی یہ بنا رکھا تھا کہ ہر حال وقال سے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ بناتے رہیں''۔

خاکساری اپنی کام آئی بہت
ہم نے ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا''

(حیات مولانا گیلانیؒ ص ۱۶۷)

(۲) ''نفس پر قابو'':

مولانا گیلانی کا نفس مسلمان ہو چکا تھا، وہ تابع رہتا، کبھی اپنے اوپر اس کو غلبہ کا قطعاً موقع نہیں دیتے، طبیعت میں نہ ضد تھی اور نہ ہی تعلّی وترفع، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ سے جب شکوک وشبہات کی شکایت تھی اور شیخ الہندؒ نے فرمایا تھا

جاؤ اب کوئی اس طرح کی بات نہیں ہوگی، ایسا معلوم ہوتا ہے اسی دن سے مولانا کا قلب اور دماغ مومن کامل ہو گیا تھا، جس کا مولانا نے خود اعتراف بھی کیا ہے، اور جو پہلے نقل بھی کیا جاچکا ہے۔ مولانا عبدالباری ندوی جو حکیم الامتہ تھانویؒ کے مسترشد تھے، اور بہت سلجھی ہوئی طبیعت کے مالک اور کتاب وسنت کے باب میں شدت رکھتے تھے، اور برسہا برس حضرت گیلانی کے ساتھ حیدر آباد میں ان کا رہنا سہنا ہوا، انہوں نے لکھا ہے۔

''سالہا سال روز مرہ ہر طرح کے نجی سے نجی اور قریبی سے قریبی تعلقات ومعاملات کا سابقہ رہا

ایک بات بھی یاد نہیں جس میں بات کی پچ یا نفس ونفسیات کی ضد اور ہٹ کا کوئی نام ونشان ملا ہو۔ بلکہ دوسروں کی سخن پروری وخود رائی کے سامنے خود ہی سپر ڈال دیتے۔ مزاحمت و مقابلہ طبیعت میں تھا ہی نہیں، فناہی فنا کا غلبہ رہتا، اس فنائیت کی قدر پوری طرح جب ہوتی ہے کہ علم وقلم، دین دنیا کی کوئی بڑائی رکھنے والا الخصوص اان کی ہم عصروں کے رنگ وروش کا اس پہلو سے مقابلہ پڑتا ہے، اس لحاظ سے مولانا کو اپنے ہم چشموں میں فرد فرید ہی پایا''۔

(ایضاً ص۱۶۹)

(۳) ''مرشد بننے سے گریز'':

گیلانی کی ایک حاضری کے موقع سے ایک دن بیٹھے ہوئے حیدر آباد کے کچھ واقعات سنانے لگے۔ اس موقع سے اور باتوں کے ساتھ یہ بھی سنایا کہ ایک زمانہ میں میری تقریر حیدر آباد میں بڑی مقبول تھی، اور میری تقریر میں بڑا مجمع ہوا کرتا تھا، مسجد میں جمعہ کے دن مجمع کی گرویدگی کا عالم عجیب ہوا کرتا تھا، لوگ عقیدت سے ٹوٹے پڑتے تھے، بہت سارے لوگ آئے، اور خواہش کی بلکہ اصرار کیا کہ میں انہیں بیعت کرلوں، اس میں عیب ہی کیا ہے مگر رات میں جب ہوتی تو سوچتا کہ پتہ نہیں کہ قیامت میں اپنا معاملہ ہی کیسے طے پائے گا۔ اور کیا پیش آئے گا دوسروں کا بوجھ کیوں اپنی گردن پر ڈالنے کا ارادہ کروں، پھر بیعت کرنے کے خیال کو غلط وسوسہ قرار دے کر علیحدہ ہو جاتا۔ چنانچہ آپ نے کبھی بیعت

وارشاد کے رسمی طریقہ کو اختیار نہیں فرمایا، ہمیشہ اس پیری مریدی کے قصوں سے علیحدہ رہے۔ (ص ۲۵۱)

(۴) ''مولانا کا اپنا حال'':

پھر اپنا حال اس طرح ذکر میں آیا، جس میں تواضع اور اخفاء حال ہے:

''گو مدت ہوئی اس راہ سے دور ہو چکا ہوں، لیکن اب تک وہ حلاوتیں دل ناکام کو یاد ہیں، جو کسی زمانہ میں میسر آتی تھیں، آپ لوگوں کی انقلابی زندگی خیر کی طرف اور میرا انقلاب شر کی طرف باعث عبرت ہے''۔ (ایضا)

آگے لکھا:۔

''یقینا آپ (مولانا عبدالباری ندوی رحمہ اللہ) بہت بلند ہو چکے ہیں یوں ہی بلندی کیا کم تھی، اور اب تو ماشاء اللہ حکیم الامتہ مدظلہ العالی کی نیابت وخلافت کی دولت سرفراز ہیں''۔ (ایضا) (ص ۲۵۸)

(۵) ''اپنے کو مٹانے کا جذبہ'':۔

مولانا میں اپنے کو چھپانے کا بڑا جذبہ تھا، لوگ اپنے کو ابھارتے ہیں، مولانا اس کے برعکس اپنے کو مٹانے کی سعی کرتے تھے، اگر کوئی حسن عقیدت کا اظہار کرتا تو اس کو یقین دلاتے کہ میں ایسا نہیں ہوں، جیسا تمہارا حسن ظن ہے۔

میرے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''آپ نے اپنے اس کارڈ میں جو اس سے پہلے آیا تھا اس فقیر کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ جسکا قطعی استحقاق نہ تھا، اسی قسم کے حسن ظن کو اس جہول وظلوم کے ساتھ قائم فرمالیا ہے، اکبر مرحوم کا ایک شعر ہے

اکبر کی حقیقت اصلی کو پوچھو اس کے محلہ والوں سے
ہاں شعر تو اچھا کہتا ہے، دیوان تو ان کا دیکھا ہے

اچھا شعر اور صاحب دیوان ہونا دوسری بات ہے اور محلہ والوں کے سامنے آدمی کیا سمجھا جاتا

ہےاس کی اصل حقیقت وہی ہوتی ہے۔

آپ جیسے صادق الایمان والدین کے حسن ظن کو دیکھ کر اس کی امید قائم کر لیتا ہوں کہ شاید معاملہ کرنے والا حسن ظن کی رعایت فرمائے، تجربہ سے زیادہ اسی کی تائید ہوتی رہتی ہے''۔

(مکتوب ۱۲۵ اکتوبر ۱۹۵۲ء) (ص ۲۵۹)

(٦) ''باوقار اور سادہ زندگی'':

حیدرآباد کے قیام کے دوران مولانا گیلانی نے احباب کے مشورہ سے مجبور ہوکر ایک دفعہ کار خرید لی تھی۔ کچھ دنوں اس سے کام لیتے رہے مگر اس زحمت کو نباہ نہیں سکے اور کار فروخت کر دی، اور وہی مولویانہ طریقہ رکھا جو پہلے تھا۔

مولانا ندویؒ نے لکھا ہے:۔

''یاد رہے کہ دینی جاہ وجلال اور مال میں ان کا سر اللہ تعالیٰ نے اونچے ہمسروں سے نیچا نہیں رکھا تھا۔لیکن نمونہ دنیا کی زندگی میں اللھم احینا مسکینا و امتنا مسلما کا ہی بنے رہے ۔طالب علمی سے جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات کی صدارت تک اس مسکنت میں ذرہ برابر فرق کسی دیکھنے والے نے نہ دیکھا ہوگا۔ بنگلہ میں رہ کر اور موٹر میں چل کر بھی وہ دیو بند کے حجرہ میں رہنے والے اور اس کی گلیوں میں چلنے والے مسکین طالبعلم ہی معلوم ہوتے رہے''۔

اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ خستہ حال لوگوں کی طرح رہن سہن تھا، بلکہ منشا یہ ہے کہ دل میں کبر ونخوت کا کبھی شائبہ تک نہیں آیا، ورنہ لباس وضع قطع اور رہن سہن کے اعتبار سے ایک بارعب و

جیہ وشکیل پروفیسر اور علم وعمل کے لحاظ سے ایک عالم ربانی نظر آتے تھے۔(ص ۲۸۸)

(۷)۔''سادگی کا ایک واقعہ'':۔

صباح الدین عبدالرحمن صاحب نے مولانا گیلانی کا ایک واقعہ اپنے مضمون میں درج کیا ہے۔

لکھتے ہیں ۔

''مولانا دارالمصنفین اعظم گڑھ کی مجلس انتظامیہ کے رکن تو عرصہ سے تھے۔ پنشن پانے کے بعد مجلس عامہ کے بھی رکن بنائے گئے۔ مارچ ۱۹۵۰ء میں دارالمصنیفین کی مجلس انتظامیہ کا ایک اہم جلسہ تھا اس میں شرکت کے لیے وہ گیلانی سے اعظم گڈھ تشریف لائے۔ میری مسرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے میری قیامت گاہ میں قیام فرمایا۔ اس جلسہ میں مولانا کے علاوہ ڈاکٹر سید محمود مولانا دریابادی، عمران خان بھی تشریف لائے، جب ہم لوگ ان حضرات کی پیشوائی کے لئے اسٹیشن گئے تو مولانا کی سادگی دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ان کے ساتھ صرف ایک دری، ایک چادر ایک تکیہ المونیم کا ایک لوٹا اور ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے ایک دو جوڑے تھے (معارف اپریل ۱۹۵۷ء)

جب مولانا گیلانی کو دارالمصنفین کی رکنیت کی اطلاع پہنچی تو آپ نے سید صاحب کو لکھا۔

''یہ دارالمصنفین کی رکنیت کا کیا قصہ ہے سمجھ میں نہیں آیا کہ کس خصوصیت کو میرے اس انتخاب میں دخل ہے، نظر عنایت نگاہ کرم کے سوا اور کس چیز کا تصور کروں؟''

(مکتوب ۳ مارچ ۱۹۴۳ء شائع شدہ معارف مارچ ۱۹۶۳) (ص ۲۹۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے واقعات

مکارم اخلاق

حضرت مدنی کی زندگی کا یہ باب بہت وسیع ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے فضائل ومحاسن کے لئے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ حضرت نے لمبی عمر پائی اور اتنے لمبے عرصہ میں کروڑوں انسانوں سے ملاقات ہوئی۔ ہر کوئی آپ کے حسن اخلاق کا مداح نظر آتا ہے اور ہر کوئی حضرت کی تواضع، انکساری اور حسن خلق کا نیا قصہ سناتا ہے اور اگر ان تمام واقعات کو جمع کیا جائے جو مختلف لوگ بیان کرتے ہیں تو صرف ان کو قلم بند کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے:

اس سلسلے میں مولانا عبدالماجد دریابادی کا تاثر ملاحظہ فرمائیے:

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ العالی کے فضل وکمال مرتبہ ومقام پر گفتگوتو وہ کرے جوخود بھی کچھ ہو۔ مجھے ذاتی تجربہ اور عینی مشاہدہ تو مولانا کے ایک ہی کمال اور ایک ہی کرامت کا ہے اور وہ آپ کی بے نفسی، سادگی، تواضع اور انکساری اور خدمت خلق کا عشق ہے۔ کہتا ہوں اور گویا خانہ شہادت میں کھڑا ہوا بیان دے رہا ہوں کہ وہ بہترین دوست ہیں۔ بہترین رفیق سفر ہیں۔ مہمان ہو تو آپ کی میز بانی میں اپنے معمولات کو ترک کر دیں گے روپیہ پیسہ کی ضرورت پیش آئے تو خود قرضدار ہو جائیں گے۔ لیکن آپ کی حاجت ضرور کہیں سے پوری کر دیں گے۔ خدانخواستہ بیمار پڑ جایئے تو تیمارداری میں دن رات ایک کر دیں گے نوکری کی ضرورت پیش آئے کوئی مقدمہ کھڑا ہو ،کسی امتحان میں بیٹھ جایئے تو سفارش ناموں میں اور عملی دوڑ دھوپ میں نہ اپنے مرتبہ کا لحاظ کریں گے نہ اپنی صحت کا اور نہ خرچ کا۔ جس طرح بھی ہوگا۔ آپ کا کام نکالنے پر تل جائیں گے۔

اپنے بزرگوں کے ساتھ جو معاملہ بھی رکھتے ہوں۔ اپنے خردوں، شاگردوں اور مریدوں کے ساتھ یہ روش رکھتے ہیں کہ خادم کو مخدوم بنا کر ہی چھوڑتے ہیں حالی کے شعر کے معنی اب جا کر روشن ہوئے ہیں۔ ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا ______ خاکساری اپنی کام آئی۔

بہت سنا ہے کہ یہ شان محمود الحسنؒ شیخ الہند دیوبندی کی تھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو جانشینی کا حق ان سے زائد کسی کو نہیں پہنچتا۔ فرصت میسر آتی تو اس متن کی شرح بھی اپنے قلم سے کرتا اور پھر نوبت شرح پر حواشی آتی۔ اور ایک مختصر المعانی پر کئی کئی مفصل اور مطول تیار ہو جاتے۔

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے۔ (بیس بڑے مسلمان ص ۴۸۷)

(۱) ''درویشی اور ولایت'':۔

مدنی درویش سفروں میں جاڑے کی راتوں میں پلیٹ فارم پر کسی کونہ میں مصلی پر کھڑے ہو کر تہجد میں مشغول ہے خدام گزارش کرتے کہ ویٹنگ روم میں کیوں نہ

کھڑے ہوگئے؟ تو جواب ملتا ہے لوگوں کی نیند خراب ہوتی۔ مجھ جیسے شیخی خورے اور روسیاہ انسان کو کیا حق ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو پریشان کرے۔

۱۲ بجے رات کو بخاری شریف کا درس دیکر فارغ ہوتے ہیں سیدھے مہمان خانے میں میں تشریف لاتے ہیں۔ مہمانوں کے بستر اور تکیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں ایک دیہاتی مہمان کو تکلیف میں پاتے ہیں پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص حقہ کا عادی ہے۔ فوراً چلم لے کر جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے اسے حقہ بھر کے پلاتے ہیں۔ حق کی طرف توجہ کا یہ حال کہ ایک قدم شریعت وسنت کی خلاف نہیں اٹھتا۔ منہ پر اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو کھڑے ہو کر اسے روک دیتے ہیں۔ مجال نہیں کہ شیخ پر کوئی شاعر شیخؒ کی مدح میں کوئی قصیدہ پڑھے۔ جہاں کسی نے تعریف میں زبان کھولی اور جمالی درویش کا جلال بھڑک اٹھا۔ بندگی کا اتنا گہرا رنگ کہ اگر کوئی عقیدت کے جوش میں ہاتھ چومنے کے لئے ذرا جھکے تو ہاتھ کھینچ لیں کسی کو پیر دبانے کی اجازت نہ دیں اور خود رات کو سوتے میں اپنے مہمانوں کو ہمیشہ دباتے رہیں۔

(ایضاً ص ۴۸۶)

(۲) ''تواضع اور انکساری'':۔

انسان کی انسانیت اور برتری وسربلندی کا اصلی راز تواضع اور انکساری میں مضمر ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص بھی اللہ تعالی کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالی اس کو ضرور رفعت وسربلندی عطا فرماتے ہیں: یہی تواضع وانکساری اصل شان عبدیت ہے جو شخص بھی اپنی حقیقت کا شناسا ہوگا وہ مجسمہ تواضع ہوگا اور کبروغرور سے بالکل مبّرا ہوگا جو عبدیت کے بالکل منفی ومتضاد ہے۔

حضرت مدنیؒ کے متعلق گذشتہ سطور میں مولانا عبد الماجد دریا بادی کی تحریر گذر چکی ہے کہ خادم کو مخدوم بنا کر چھوڑتے تھے۔ واقعتہً حضرت مدنی تواضع انکساری کا ایک مجسمہ تھے کبھی صدر مقام پر نہ بیٹھتے تھے اور ہمیشہ نشست کے لئے مجلس کا گوشہ اختیار فرماتے تھے۔

ہر ایک چھوٹے بڑے کو ''آپ'' کے لفظ سے خطاب فرماتے تھے اور ہمیشہ اس انداز سے

گفتگو فرماتے تھے کہ گویا چھوٹا اپنے بڑے سے گفتگو کر رہا ہے اور ہر ایک کے ساتھ گفتگو کا یہی انداز تھا۔ گویا ان کی نظروں میں سب بزرگ تھے اور یہ خورد۔
ہر کام کے لئے خود سبقت کرتے اور ہر محنت ومشقت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے ۔غایت تواضع وانکساری کی وجہ سے اپنے ؟ مخالفین ومعاندین کا بھی ہمیشہ اچھے الفاظ میں ذکر کرتے اور کسی کو برے لفظ سے یاد نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ گورنمنٹ برطانیہ جسکی عداوت ونفرت آپ کی فطرت بن چکی تھی۔ اس کو بھی ہمیشہ ہماری مہربان گورنمنٹ فرمایا کرتے تھے۔ اگر چہ اس لفظ مہربان گورنمنٹ میں پورا طنز ہوتا تھا اور بعد کی تقریر میں گورنمنٹ برطانیہ کی تمام مہربانیوں کا راز فاش ہوتا تھا۔ حضرت مدنی کی یہی خاکساری اور انکساری تھی جس نے مخلوق خدا کو آپ کا گرویدہ اور شیدائی بنا رکھا تھا اور آپ ہر ایک کے سردار و سرتاج بنے ہوئے تھے۔ (ایضا ص ۴۹۶)

(۳) ''وہ بریلی سے رام پور تک دباتے رہے'':۔

میں نہ مولانا کا شاگرد ہوں، نہ مرید، نہ پیر بھائی ان کے مجاہدانہ کارناموں سے مجھے ان سے محبت وعقیدت ہوگئی تھی۔
میں ایک مرتبہ لکھنو سے میری طبیعت خراب تھی۔ چادر اوڑھ کر سیٹ پر لیٹ گیا بخار تھا اعضا شکنی تھی۔ اس لئے کراہتا بھی تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کون سا اسٹیشن آیا اور کون مسافر سوار ہوا۔
بریلی کے اسٹیشن کے بعد ایک شخص نے میرے پاؤں اور کمر دبانا شروع کی۔ بہت راحت ہوئی چپکا لیٹا رہا اور وہ دباتا رہا۔ مجھے پیاس لگی پانی مانگا تو اس نے اپنے صراحی سے گلاس پانی دیا اور کہا لیجئے۔ میں نے اٹھ کر دیکھا تو مولانا مدنی تھے۔ مجھے ندامت ہوئی اور معذرت کی لیکن انہوں نے اس درجہ مجبور کیا کہ میں پھر لیٹ گیا اور وہ رام پور تک برابر مجھ کو دباتے رہے پھر میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ (قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی) (ایضا ۵۱۴)

(۴) ''حضرت میں نے کیا غلطی کی ہے''؟

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یوپی ایک جگہ میری تقریر تھی۔ رات کو تین بجے تقریر سے فارغ ہوکر لیٹ گیا بین الیقظۃ والنوم مجھ کو محسوس ہوا کہ کوئی میرے پاؤں دبا رہا ہے۔ میں نے کہا کہ لوگ اس طرح دباتے رہتے ہیں کوئی مخلص ہوگا۔ مگر اس کے ساتھ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ یہ مٹھی تو عجیب قسم کی ہے باوجود راحت کے نیند رخصت ہو جارہی ہے۔ سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت مدنی ہیں۔ فوراً پھڑک کر چارپائی سے اتر پڑا اور ندامت سے عرض کیا۔ حضرت کیا ہم نے اپنے لیے جہنم جانے کا خود سامان پہلے سے کم کر رکھا ہے کہ آپ بھی ہم کو دھکا دے کر جہنم بھیج رہے ہیں شیخ نے جواباً فرمایا آپ نے دیر تک تقریر کی تھی آرام کی ضرورت تھی اور آپ کی عادت بھی تھی اور مجھ کو سعادت کی ضرورت ساتھ ہی نماز کا وقت قریب تھا میں نے خیال کیا۔ آپ کی نماز نہ چلی جائے تو بتایئے حضرت میں نے کیا غلطی کی ہے

سچ فرمایا گیا ہے۔

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال　　　که چوں سوار بہ منزل رسد پیادہ شور۔

(ایضاً ص ۵۱۵)

(۵)۔ ''عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤ گے'':

مولانا عبد اللہ فاروقی حضرت رائے پوری سے بیعت تھے لاہور دہلی مسلم ہوٹل میں برسہا برس خطیب رہے۔ انکا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور مولانا مدنی کے قیام کیا۔ ایک روز جب مولانا کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے گیا تو میں نے مولانا کا جوتا اٹھالیا۔ مولانا اس وقت تو خاموش رہے۔

دوسرے وقت جب ہم نماز پڑھنے کے لئے گئے۔ تو مولانا نے میرا جوتا اٹھا کر سر پر رکھ لیا میں پیچھے بھاگا۔ مولانا نے تیز چلنا شروع کر دیا۔ میں نے کوشش کی کہ جوتا لے لوں۔ نہیں لینے دیا میں نے کہا خدا کے لئے سر پر تو نہ رکھیے۔ فرمایا کہ عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤ گے۔ میں نے عہد کرلیا۔ تب جوتا سر پر سے اتار کر نیچے رکھا۔ (ایضاً ص ۵۱۶)

(۶)۔ ''خداوند تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا''؟

خشیتِ اللہ یہ کیفیت تھی کہ سب اوقات نماز میں جب آیات عذاب کی قراءت فرماتے تھے تو بے اختیار رونے لگتے تھے۔ وفات سے ایک روز قبل مولانا سید فخر الدین احمد

(حال صدر مدرس دارالعلوم)

کو بلایا اور فرمایا کہ چند روز نماز بیٹھ کر ترمیم سے پڑھ رہا ہوں۔ بڑی کوتاہی ہو رہی ہے۔ خداوند تعالیٰ کو کیا جواب دونگا یہ فرما کر بلند آواز سے رونا شروع کر دیا اور اس قدر روئے کہ اس سے پیشتر کبھی اتنا روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ (ص ۵۱۷)

(۷)۔ ''آپ اطمینان سے اچھی طرح کھایئے:''

چہ دشمن بریں خوان یغما چہ دوست کے مصداق آپ کا خوان کرم اپنے پرائے ہر ایک کے لئے کشادہ رہتا تھا۔ مہمانوں کا ہمیشہ جھمگٹا رہتا تھا۔ اور لطف یہ کہ چھوٹا بڑا۔ امیر غریب حاکم محکوم بلا امتیاز بندہ و آقا سب ایک دسترخوان پر حلقہ کی شکل میں بیٹھے ساتھ ساتھ کھاتے نظر آتے تھے۔ حضرت کی عجب شان ہوتی تھی سنت کے مطابق نماز کی سی شکل میں بیٹھے بیٹھے کھانا تناول فرماتے رہتے تھے۔ اور نگاہیں چاروں طرف گھومتی رہتی تھیں۔ جس مہمان کے سامنے روٹی ختم ہونے لگتی تھی۔ فوراً اپنے پاس سے گرم روٹی اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیتے تھے۔

مہمان نوازی کے سنت کے مطابق اور اس خیال سے کہ کوئی مہمان بھوکا نہ رہ جائے کھانا آخر تک کھاتے رہتے تھے۔ حالانکہ سب سے کم کھاتے تھے۔

ایک مرتبہ کھانے کے موقعہ پر ایک صاحب جو بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس بیٹھے تھے۔ دوسرے حضرات کے سفید پوش اور معزز ہونے کی وجہ سے مرعوب ہو کر کھانے کے حلقے سے پیچھے بیٹھ گئے حضرت نے دیکھا تو ساتھ کھانے کے لئے فرمایا۔ اتفاق سے وہ ایسے صاحب پاس آ بیٹھے جو بہت معزز اور سفید پوش تھے۔ اور انکے ساتھ بیٹھنے سے کچھ کبیدہ سے معلوم ہوتے تھے۔ اول الذکر اس چیز کو محسوس کر کے کچھ پریشانی کے ساتھ مرعوب ہو کر

ھاتے رہے۔ حضرت نے اس کو بھانپ لیا وار ان سے فرمایا کہ آپ اٹھیے وہ نہ اٹھے۔ تو دوبارہ فرمایا اٹھیے آپ اٹھیے۔ اب وہ اٹھے تو حضرت نے ان کو اپنے پہلو میں بٹھالیا اور فرمایا ۔ آپ اطمینان سے اچھی طرح کھایئے۔ پھر فرمایا کسی کو کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان بوسیدہ حال لوگوں کا کتنا اونچا درجہ ہوگا۔ سفید پوشوں پر گھڑوں پانی پڑ گیا نہایت شرمندہ ہوئے اور بعد میں ان صاحب سے معاف مانگی۔ (ص ۵۱۸)

(۸) ''ساری رات عبا اوڑھ کر گذاری'':

استاد العرب والعجم کا معمول تھا کہ عشاء کے بعد بارہ بجے تک حدیث کی سب سے بڑی مہتم بالشان کتاب بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔ مولانا فیض اللہ، حضرت مرحوم لالٹین دکھانے پر مامور تھے ان کا بیان ہے کہ ایک رات حضرت نصف شب کو سردی کے موسم میں مہمان خانہ میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ ایک خستہ حال بوسیدہ کپڑے میں ملبوس چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ان سے پوچھو کہ کیوں بیٹھے ہیں۔ اور پھر خود ہی جا کر پوچھا تو اس مہمان نے جواب دیا کہ کسی صاحب نے مجھے دستر خوان سے اٹھا دیا اور میرے پاس لحاف بھی نہیں ہے۔ حضرت پر بڑا اثر پڑا بار بار انکا نام پوچھا۔ مگر پتہ نہ چلا فوراً اندر تشریف لے گئے اور کھانا لیکر خود باہر تشریف لائے جب تک اس مہمان نے کھانا نہیں کھایا آپ باہر ہی بیٹھے رہے سارے مہمان اور اہل خانہ سو چکے تھے۔ حضرت اندر گئے اور اپنا بستر اٹھا لائے اور اس کو بچھا دیا اور خود ساری رات عبا اوڑھ کر گزار دی مولانا فیض اللہ جو حضرت کے شاگرد ہیں کا بیان ہے کہ میں نے بہت اصرار کیا اور چاہا کہ اپنا بستر لے آؤں اور حضرت آرام فرمائیں۔

مگر اس پیکر سنت نے گوارا نہ کیا۔ (ص ۵۱۹)

(۹) ۔ ''مخدوم خود خادم بنا ہوا تھا''۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے ''نقوش وتاثرات''

میں کیا خوب لکھا ہے: مخدوم خادم بنا ہوا تھا اور جس کا منصب آمر ہونے کو تھا۔ وہ فخر

ومسرّت اپنی ماموریت میں محسوس کر رہا تھا۔ دیوبند جایئے تو مولانا اسٹیشن پر پیش وائی کے لئے موجود، چلنے لگے تو اسٹیشن تک مشایعت پر آمادہ۔ کھانا کھانے کے لئے تو وہ لوٹا لئے ہاتھ دھلانے کو کھڑے، پانی مانگئے تو گلاس لیے حاضر سفر میں ساتھ ہو تو تانگہ کا کرایہ اپنے پاس سے دے دیں۔ ریل کا ٹکٹ وہ دوڑ کر لے آئیں ہوٹل کھائیں تو بل وہ خود ادا کریں۔ آپکا ہاتھ اپنی جیب میں ٹٹولتا ہی رہ جائے۔ بستر بھی وہ کھول کر بچھا دیں غرض یہ کہ مالی و بدنی چھوٹی و بڑی خدمت کی جتنی بھی صورتیں ہوسکتی تھیں

ان سب میں آپ کو پیش پیش دیکھا۔ مولانا محمد علی جوہر نے شعر کہا تو تھا

اپنے شیخ مولانا عبدرلباری صاحب فرنگی محلی کے حق میں مگر صادق مولانا دیوبندی پر لفظ بہ لفظ آ رہا تھا۔

ان کا کرم ہی ان کی کرامت ہے ورنہ یہاں۔ کرتا ہے کوئی پیر بھی خدمت مرید کی!

آپ کے لوٹے میں پانی لے آئیں۔ آپ کا سامان اپنے ہاتھ سے اٹھانے لگیں۔

تین دن قیام دیوبند میں روایتیں مشاہدہ بن کر رہیں۔ اور ''شنیدہ دیدہ'' میں تبدیل ہو گئیں تکلفات اور خاطر میں، مہمان نوازیاں کھانے پر کھانے چائے پر چائے۔

دوسروں کو شاید کام لینے میں وہ لطف نہ آتا ہو جو مولانا کو دوسرں کا کام کرنے میں آتا تھا۔

(ص ۵۲۱)

ایک مرتبہ ایک بنگالی طالب علم صاحب کو ایک ضرورت سے احقر نے ڈانٹا حضرت کے پاس بھیجا۔ حضرت جلسہ میں جا رہے تھے۔ وہ راستہ میں ملا۔ فرمایا آپ گھر چلیں میں جلسہ سے ہو کر آؤں گا وہ طالب علم گھر نہ پہنچ سکے کسی مسجد میں سو رہے۔ حضرت نے بہت تلاش کروائے جلسہ سے واپسی پر مگر وہ نہ ملے۔ جب صبح حاضر خدمت ہوئے تو حضرت نے بہت افسوس ظاہر فرمایا اور معذرت کی۔ دوسرے دن طالبعلم واپس ہوئے اور ساتھ ہی ڈاک سے حضرت کا گرامی نامہ پہنچا کہ ان بنگالی طالب علم کو تکلیف پہنچی۔ آپ میری طرف سے معافی چاہ لیں (مولانا شمس الدین صاحب نائب ناظم مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور)

(ص ۵۲۱)

(۱۰) ''حد سے زیادہ تواضع اور خاکساری''۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت مولانا کا جو مقام ہوگا اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن جو لوگ ان کے احوال سے کچھ بھی واقف ہیں وہ اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اس زمانے میں کسی عالم دین اور کسی روحانی پیشوا کو جو بڑی سے بڑی عظمت و وجاہت، بلندی و برتری حاصل ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ مولانا کو حاصل تھی۔ دارالعلوم دیوبند جیسی باعظمت دینی درسگاہ کے وہ صدر اور شیخ تھے۔ ہزاروں عالم (جو اپنی اپنی جگہ اپنے حالات کے مطابق کسی نہ کسی دینی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ اوران میں سے بہتوں کے خاصے وسیع و عریض حلقے ہیں) ان کے شاگرد اور فدائی، ہندوستان کے طول و عرض میں لاکھوں مریدین، پھر ہندوستان کی جنگ آزادی میں ان کی عظیم قربانیوں کے طفیل ملک کے اہل حکومت و سیاست کی نگاہ میں بھی ان کا خاص مقام اور حکومت کے اونچے سے اونچے عہدہ داروں کی نگاہ میں ان کا غیر معمولی احترام ان ساری عظمتوں اور بلندیوں کے باوجود ان میں تواضع اور انکسار اس قدر تھا کہ جن لوگوں کو قریب رہنے اور برتنے کا موقع نہ ملا ہو وہ کبھی اندازہ نہیں لگا سکتے بلکہ یہ عاجز اس موقع پر صفائی کے ساتھ یہ ظاہر کر دینا ہی مناسب سمجھتا ہے کہ بعض اوقات راقم سطور کو خیال ہوتا تھا کہ حضرت کا اتنا تواضع شاید دوسروں کیلئے مضر ہو اس سلسلہ میں بھی خود اپنے ساتھ گزرے ہوئے بعض واقعات کا ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے:

(۱) (۴۳ھ) کی بات ہے میری طالب علمی ہی کا زمانہ تھا۔ ہمارے وطن سنبھل کے ''مدرسۃ الشرع'' کی طرف سے خاصے بڑے پیمانے پر ایک جلسہ ہوا اس میں جماعت دیوبند کے اس وقت کے اکثر اکابر علماء (مثلاً حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی) نے شرکت

فرمائی تھی حضرت مولانا مدنی بھی تشریف لائے تھے۔ مدرسہ کے مہتمم اور جلسے کے منتظمین کی اجازت سے ایک دن دوپہر کے وقت کھانے کا انتظام میرے والد ماجد نے اپنے یہاں کیا تھا۔ جلسہ گاہ اوران حضرات کی قیام گاہ سے ہمارے مکان کا فاصلہ ایک میل سے کچھ زیادہ تھا اس لیے سب مہمانوں کوسواری کے ذریعہ لانے کا انتظام کیا گیا تھا اور سب حضرات سواری ہی سے آئے۔ لیکن حضرت مولانا مدنی نے یہ کیا کہ سنبھل کے اپنے ایک پرانے شاگرد اور نیا زمند کو بطور راہ نما ساتھ لے کر خاموشی سے ہمارے گھر پیدل تشریف لائے۔ حالانکہ موسم گرما تھا اور بارہ بجے کے بعد کا وقت تھا اور جیسا کہ عرض کیا گیا فاصلہ میل بھر سے بھی زیادہ تھا۔

(۲)۔ سنبھل کے اسی سفر میں ہمارے یہاں کے ایک صاحب نے جو بیچارے علمی دینی دنیوی کوئی بھی خاص حیثیت نہیں رکھتے تھے اور حضرت مولانا سے ان کا کوئی تعارف بھی نہیں تھا۔ حضرت مولانا مدنی سے درخواست کی کہ میرے گھر چل کر چائے پیجئے، مجھے یاد ہے کہ ان کی یہ بات سب کو کچھ عجیب سی معلوم ہوئی، لیکن مولانا نے بغیر کسی عذر ومعذرت کے قبول فرمالیا اور ان کے ساتھ ان کے گھر پر جاکر بالکل بے وقت چائے اور صرف چائے پی لی۔

(۳)۔ ایک عجیب واقعہ اور سنیے ۔حضرت کے ایک شاگرد نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ حضرت ریل سے سفر فرما رہے تھے اور یہ صاحب خادم کی حیثیت سے حضرت کے ساتھ تھے انھیں استنجا کا تقاضا ہوا بیت الخلا کا دروازہ کھولا تو اسکو بہت غلیظ اور گندہ دیکھ کر واپس آگئے اور اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے ۔تھوڑی دیر کے بعد حضرت مولانا تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے اور بیت الخلاء میں داخل ہوکر اندر سے دروازہ بند کرلیا، چندمنٹ کے بعد تشریف لے گئے تھے اور جب لوٹے بھر بھر کے بہت سا پانی بہا دیا اور اس کو صاف کر دیا تو باہر تشریف لائے۔ اور اپنے ان خادم سے کہا کہ اب چلے جاؤ۔ انہوں نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت ان کی واپسی کیوجہ محسوس کر کے بیت الخلا ، صاف کرنے ہی کے لیے اندر تشریف

لائے۔ کچھ حد ہے اس تواضع و بے نفسی کی؟

(۴)۔ کئی سال پہلے کی بات ہے حضرت کے ضعف پیری اور بعض دوسری اہم مصلحتوں کی بنا پر حضرت کے چند نیازمندوں نے (جن میں عاجز بھی شامل تھا) باہم مشورہ کر کے ایک دفعہ حضرت سے عرض کیا کہ حضرت اب صرف وہ سفر فرمایا کریں جس کی کوئی خاص ضرورت اور اہمیت ہو اور یہ جو ہو رہا ہے کہ لوگ معمولی معمولی مقامی ضرورتوں اور جلسوں کے لئے حضرت کو تکلیف دیتے ہیں۔ اور حضرت قبول فرما لیتے ہیں۔ (اور اسی طرح ہر ہفتے میں جمعہ کے ایک دن کا سفر تو ضروری ہوتا ہے) یہ سلسلہ اب بند فرما دیا جائے، حضرت نے فرمایا میں کیا کروں لوگ آ جاتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں، عرض کیا گیا کہ اگر حضرت طے فرمالیں کہ اس سلسلے کو بند کرنا ہے، تو تھوڑے عرصہ تک تو ایسا ہو گا کہ لوگ آئیں گے اور حضرت کے انکار فرما دینے پر مایوس چلے جائیں گے۔ اس کے بعد عام طور سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت نے اب یہ فیصلہ فرمالیا ہے تو پھر اس غرض سے لوگ آیا بھی نہیں کریں گے۔ فرمایا مجھ سے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ کے بندے آئیں اور وہ کہیں چلنے کے لئے اصرار کریں اور میں انکار پر جما رہوں عرض کیا گیا کہ حضرت کی صحت اور حضرت کا وقت بہت قیمتی ہے اس کو صرف ضرورت اور موقعے ہی پر صرف ہونا چاہیے۔ حضرت نے خاکساری اور تواضع میں ڈوبے ہوئے لہجے میں فرمایا آپ لوگ یہ کیا کہتے ہیں میں کیا ہوں اور میری کیا قیمت ہے۔ یہ مٹی کا جسم ہے جب تک چل رہا ہے اس سے کام لے لینا چاہیے۔ (ماخوذ از ''تحدیث نعمت'' ص ۲۴۹ تا ۲۵۳)

(۱۱)۔ ''اپنے سر پر پانی کا مٹکا رکھ کر اپنے شیخ کے گھر لیجا رہے تھے'':۔

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہندؒ کے ان جانثار رفقاء میں سے تھے جنہوں نے اپنے شیخ کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور انکے مقصد زندگی کو پورا کرنے کے

لئے جان کو جان نہیں سمجھا۔

احقر کے والد ماجدؒ ہمارے دادا حضرت مولانا محمد یاسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کرتے تھے کہ حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ جب شیخ العرب والعجم بن چکے تھے تو حضرت شیخ الہند کے گھر میں نکاح کی کوئی تقریب تھی اس موقع پر میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ حضرت مدنی خود اپنے سر پر پانی کا مٹکا رکھ کر اپنے شیخ کے گھر لے جارہے تھے۔ (جہان دیدہ ص۵۰۲)

(۱۲)''سادگی و بے تکلفی'':۔

حضرت مدنی سادگی اور بے تکلفی میں یکتائے روزگار تھے۔ شیخ طریقت اور عالم ربانی ہونے کے علاوہ حضرت مدنی کی ظاہری شخصیت ایک بڑے سیاسی رہنماء کی تھی اور ہر سیاسی لیڈر مسلم ہو یا غیر مسلم ملکی ہو یا غیر ملکی آ کے آستانہ پر حاضری کو ضروری اور باعث فخر سمجھتا تھا حضرت مدنی سنت نبوی ﷺ کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ سنت کے موافق چمڑے کا تکیہ استعمال کرتے تھے اور چمڑے کا گول دستر خوان استعمال ہوتا تھا جس پر ہمیشہ ایک سالن ہوتا تھا اور دائرے کی شکل میں کم از کم دس بارہ آدمی دستر خوان کے گرد بیٹھ کر ایک ہی برتن میں کھاتے تھے ان میں سے ایک حضرت بھی ہوتے تھے اور ساتھ ملکر کھاتے تھے۔ صبح کو ناشتے میں باسی روٹی اور مرچ کا اچار ہوتا تھا یہی حضرت کا اور تمام مہمانوں کا ناشتہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت نے کھانے والوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہم آپ حضرات کے ہاں جاتے ہیں تو آپ مرغ اور حلوے کھلاتے ہیں اور یہاں باسی روٹی اور اچار مرغ سے زیادہ مزیدار ہیں۔ (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۹۸)

(۱۳)''اخلاق حمیدہ'':۔

ہندوستان کے مشہور کیمونسٹ لیڈر ڈاکٹر محمد اشرف حضرت مدنی کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۶ میں کیمونسٹ پارٹی کو مسلمانوں کے تاریخی پس منظر پر سوچنا پڑا اور مجھے اس کام پر مقرر کیا گیا کہ اس کے بارے میں رپورٹ

پیش کروں ۔ میں اس مواد کی فراہمی کے لئے دیوبند حاضر ہوا خلوت میں مطالعہ کتب کا بھی موقع ملا۔ مولانا کے یہاں تقریباً سبھی لوگ قیام اللیل کے عادی تھے۔ ایک دن تو میں رات کو بمشکل ایک گھنٹہ سویا تو فجر کے وقت تکبیر بالجہر سے اٹھ بیٹھا۔ دوسرے دن بھی یہی کیفیت ہوئی تو حضرت سے عرض کیا کہ حضور کے ساتھ رہنے سے میری عاقبت تو درست ہو نہ ہو میری صحت کو خطرہ ضرور لاحق ہو جائے گا حضرت نے تبسم فرمایا اور علیحدہ کمرہ میں بندوبست کروادیا۔ دیوبند کے قیام کی غالباً چوتھی شام تھی کہ میں اپنے بستر پر دراز تھا رات کے دس بج چکے تھے گھومنے پھرنے کی وجہ سے کچھ تھکن زیادہ تھی چنانچہ لیمپ گل کیا اور سونے لگا دروازہ کھلا رہتا تھا مجھے کچھ غنودگی سی ہوئی کہ میں نے ایک ہاتھ ٹخنے پر محسوس کیا پھر دونوں ہاتھوں سے کسی نے میرے پاؤں دبانا شروع کر دیئے۔ میں چوکنا ہو گیا۔

دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا بنفس نفیس اس گنہگار کے پاؤں دبانے میں مصروف ہیں۔ میں نے جلدی سے پاؤں سمیٹ لیے اور بڑے ادب و لجاجت سے حضرت کو روکا مولانا نے حسرت سے فرمایا کہ آپ مجھے اس ثواب سے کیوں محروم کرتے ہیں؟۔ کیا میں اس قابل بھی نہیں کہ آپ جیسے مہمان کی خدمت کر سکوں۔ مجھ پر اس ارشاد کے بعد جو گزری میرے لئے اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔

یہ ان کے اخلاق اور فراخدلی کا ادنیٰ سا نمونہ تھا۔

(اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۹۹)

(۱۴) مخلوق خدا کی خدمت:

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت مدنیؒ آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ اسٹیشن پر شرف زیارت کے لئے گئے حضرت کے متوسلین میں سے ایک صاحبزادہ محمد عارف جو کہ ضلع جھنگ سے تعلق رکھتے تھے۔ دیوبند تک ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھے جن کا فراغت کو تقاضہ ہوا وہ رفع حاجت کے لئے بیت الخلاء میں گئے اور الٹے پاؤں بادل نخواستہ واپس

ہوئے۔حضرت مدنی سمجھ گئے۔فوراً چند سگریٹ کی ڈبیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کیں اور لوٹا لیکر لیٹرین میں گئے۔اچھی طرح صاف کیا اور ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ جائیے۔ لیٹرین بالکل صاف ہے وہ بڑا متاثر ہوا اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے باہر ہے۔اس واقعہ کو دیکھ کر اسی ڈبہ میں موجود خواجہ نظام الدین تونسوی نے ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ کھدر پوش کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ مولانا حسین احمد مدنی ہیں خواجہ صاحب نے اسوقت بے اختیار ہوکر حضرت مدنی کے پاؤں کو چھولیا اور پاؤں سے لپٹ کر رونے لگے۔حضرت نے جلدی سے پاؤں چھڑا لئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ تو خواجہ صاحب نے کہا سیاسی اختلافات کیوجہ سے میں نے آپ کے خلاف فتوے دیئے اور برا بھلا کہا۔اگر آج آپ کے اس اعلی کردار کو دیکھ کر تائب نہ ہوتا تو شاید سیدھا جہنم میں جاتا۔حضرت نے فرمایا میرے بھائی میں نے تو حضور ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ہاں ایک یہودی مہمان نے بستر پر پاخانہ کر دیا تھا۔صبح جلدی اٹھ کر چلا گیا۔جب اپنی بھولی ہوئی تلوار لینے آیا تو دیکھا کہ حضور ﷺ بنفس نفیس اپنے دست مبارک سے بستر کو دھو رہے ہیں۔یہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۱۰۱)

(۱۵) ''مجھ سے اتباع سنت کہاں ہوتا ہے؟'':۔

ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مدنی کے یہاں سالن دو برتنوں میں آ گیا عامۃ چونکہ ایک سالن بڑے برتن میں آیا کرتا تھا اسی کے چاروں طرف سب بیٹھ کر کھایا کرتے تھے اس دفعہ کوئی صاحب بیمار تھے ان کے واسطے سالن علیحدہ آ گیا تو انہیں حافظ محمد حسین صاحب نے کہا کہ حضرت اب سالن دو دو طرح کا کھایا جایا کریگا کہیں حدیث میں دو سالن کھانا حضور ﷺ سے ثابت ہے؟ اس پر حضرت مدنی نے ابو داؤد شریف کی روایت بیان نہیں فرمائی جس میں دو سالن کا تذکرہ ہے بلکہ یہ فرمایا مجھ سے اتباع سنت کہاں ہوتا ہے میں تو پیٹ کا کتا ہوں۔(ملفوظات فقیہ الامت ۲/۹۱

(۱٦) ''میرے مکتوبات قابل مطالعہ کہاں ہیں؟'':۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اعظم گڑھ ضلع کے ایک مدرسہ کے جلسہ میں تشریف لے گئے میں بھی وہاں حاضر ہوا میں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپکے مکتوبات کا مطالعہ کررہا ہوں تو ارشاد فرمایا کہ میرے مکتوبات مطالعہ کے قابل کہاں ہیں؟ کچھ جیل کے لکھے ہوئے ہیں کچھ ریل کے لکھے ہوئے ہیں میں نے عرض کیا پھر کس کے مکتوبات دیکھوں؟ تو فرمایا کہ مجدد الف ثانی کے مکتوبات دیکھئے حضرت گنگوہی کے مکتوبات دیکھئے۔ (حوالا بالاص ۹۱)

(١٧) ''معلوم نہیں وہ کیوں روئے'':۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت مدنی ایک مرتبہ کہیں تقریر کیلئے تشریف لے گئے وہاں فرمایا کہ بھائی تم لوگ کھیتی کرتے ہو اور جب بیل بوڑھا ہو جاتا ہے تو تم لوگ اسے چھوڑ دیتے ہو اس لئے مجھ کو بوڑھا بیل سمجھ کر ہی چھوڑ دیتے۔ چار پانچ منٹ کے بعد سب لوگ رونے لگے پھر (حضرت زادمجدھم نے) ارشاد فرمایا کہ معلوم نہیں وہ کیوں روئے؟ کیا بات سمجھی انہوں نے؟۔ (ملفوظات فقیہہ الامت جلد دوم قسط سابع ص ۸۸)

(١٨) '' شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا حضرت علامہ بنوریؒ کے نام ایک مکتوب'':

شیخ الاسلام حضرت بنوری نے حضرت مدنی کے نام ایک عریضہ تحریر فرمایا جسمیں حضرت سے بعیت کرنے کی درخواست تھی حضرت مدنی نے اس کا جو جواب تحریر فرمایا وہ ذیل میں بجنسہ نقل کیا جاتا ہے:

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دو والا نامے باعث سرفرازی ہوئے میرا عرض کرنا صرف اس وجہ سے تھا کہ مثل مشہور ہے'' خاک ہم از تو بزرگ بگیر'' اور یہ نہایت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے حضرت تھانوی مدظلہم کا عظیم الشان مرتبہ تصوف اور علوم میں معلوم ہے ان کی موجودگی میں ہم جیسے ٹٹو نجیوں کی طرف رجو

ع کرنا سخت غیر موزوں امر ہے آپ جب کہ مولانا کی بارگاہ میں رسوخ رکھتے ہیں تو کیوں نہ وہاں سے ہی اعتراف فرمائیں۔ مولانا محمد شفیع الدین صاحب (مرحوم) کے پاس سے آئے ہوئے جناب کو عرصہ گزر گیا اور غالباً اس کے بعد دو تین دفعہ زیارت کی بھی نوبت آئی ہے مگر کبھی تذکرہ تک نہ آیا تھا۔ بہر حال اگر جناب کو مجھ نالائق اور ننگ اسلاف سے حسن ظن ہے اگر چہ وہ غیر واقعی ہی ہے میں اپنی استطاعت اور لنگڑی قابلیت کے ساتھ خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کو حضرت سید آدم بنوری قدس اللہ سرہ العزیز سے بہت زیادہ مناسبت تھی اور سلوک میں انہی کے طریقہ کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ اگر چہ مبتدی کے لئے چشتیہ کے اذکار و اعمال کو زیادہ تر مفید فرماتے تھے۔ مگر انتہا میں حضرت سید صاحب ہی کا طریقہ ان کو پسندیدہ تھا بہر حال عمدہ صورت یہ ہوتی کہ آ بجناب سے بالمشافہ گفتگو ہوتی مگر اب اس وقت اس کا موقع نہیں ہے۔ آپ روزانہ ذکر قلبی اسم ذات کا پانچ ہزار کر لیا کریں، یعنی قلب کی طرف جو بائیں پستان سے چار انگل نیچے ہے توجہ فرما کر یہ خیال باندھیں کہ قلب سے لفظ اللہ نکلتا ہے اور حسب قاعدہ من احب شیئا اکثر ذکرہ قلب نہایت بے چینی سے اور محبت سے اوس محبوب حقیقی کا نام لیتا ہے یہ ذکر باوضو قبلہ رو ہونا چاہیے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ مقدار ایک ہی مجلس میں ہو جس طرح آسانی ہو، خواہ ایک مجلس میں یا متعدد مجالس میں کریں۔ اگر آخر شب میں ہو تو بہت بہتر ہے مگر لازم نہیں ہے جس وقت بھی آسانی سے ہو سکے، البتہ اس وقت معدہ پر نہ ہونا چاہیے اور یہ مقدار روزانہ پوری ہونی چاہیے اور اس سے زائد جس قدر بھی آپ چلتے پھرتے۔ اٹھتے بیٹھتے باوضو کر سکیں اس میں کمی نہ کیجئے۔ اس قدر توغل کیجئے کہ طبیعت ثانیہ ہو جائے باوضو ہمیشہ رہنا اس کے لئے مفید تر ہے۔ آئندہ بوقت ملاقات

عرض کروں گا، اگر خواب وغیرہ کوئی چیز معلوم ہو تو لوگوں سے تذکرہ نہ کریں دعوات صالحہ سے اس روسیاہ کو فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۳۰ شعبان ۱۳۵۹ھ

(۱۹)''اپنی تعریف کی بات سنتا ہوں تو مجھے سخت رنج ہوتا ہے'':

حضرت مولانا مدنی کی سیوہارہ کی شاہی مسجد میں نماز جمعہ کے بعد تقریر تھی ۔تقریر سے قبل ایک صاحب نے آپکی شان میں نظم شروع کی ۔ابھی چندھی اشعار ہوئے تھے کہ حضرت یکلخت کھڑے ہوگئے اور ان صاحب کو نظم پڑھنے سے روک دیا اور تقریر شروع فرمادی تقریبا ڈیڑھ گھنٹے کی یہ تقریر آیات واحادیث کی روشنی میں خودستائی شخصیت پرستی اور منہ پر تعریف کی مذمت میں تھی ۔لطف کی بات یہ کہ تقریر کے پہلو میں اخلاق وعمل ،اتباع اسوہ نبی ﷺ اور جہاد کی تلقین شامل تھی ،اسی تقریر میں آپ نے یہ جملہ ارشادفرمایا کہ:۔

میں کسی سے اپنی تعریف سنتا ہوں تو سخت رنج ہوتا ہے کہ لوگ اسوۂ نبی ﷺ اور سیرت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھول گئے۔

وہاں نیت میں خلوص تھا یہاں تعریف ہے،وہاں عمل تھا یہاں صرف قول اور مدح وستائش ہے حضرت مولاناؒ کی اس بات کا عوام پر زبردست اثر پڑا تھا،

(روایت سیّد ساجد حسین صاحب سیوہاری)

(شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے حیرت انگیز واقعات ص ۷۵)

(۲۰)''دوستوں سے بے تکلفی اور تواضع وانکساری'':۔

تمام فضائل اور کمالات کے باوجود تواضع وانکساری اور دوستوں سے بے تکلفی آپ کی طبیعت کا جزو لاینفک تھی ،یہ محسوس نہ ہونے دیتے تھے کہ آپ امتیازی شخصیت کے مالک ہیں

راقم الحروف کے والد جناب حافظ زاہد حسین صاحب امروہی سے اسی قسم کے مراسم تھے والد صاحب چونکہ حاجی امداداللہ صاحبؒ اور حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الھندؒ کی خدمت وصحبت میں عرصہ درازتک رہے تھے،اس لئے حضرت کوان سے گہرا تعلق تھا

۱۹۲۹ء میں امروہ میں جمعیت علما کا اجلاس ہوااور وہ آموں کا موسم تھا ،ہمارے یہاں

حضرت کی دعوت کی گئی، حضرت کے ساتھ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ بھی تھے گھر میں جب حضرت تشریف لائے تو گوشت کی ھانڈی پکی رکھی تھی۔
حضرت نے ازراہ خوش طبعی براہ راست ھانڈی سے شوربا پینا شروع کردیا یہ دلچسپ منظر دیکھ کر حملہ ہمراہی بشمول حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب بے ساختہ قہقہہ لگانے پر مجبور ہوگئے۔ (حوالہ بالا ص ۱۲۸۔ روایت مولانا سید طاہر حسن صاحب)

(۲۱) ''امتیاز پسند نہ فرمانا'':۔

حضرتؒ ایک تقریب میں بچھرایوں تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا اسعد میاں صاحب بھی ہمراہ تھے۔ میزبان صاحب نے ایک خاص کمرے میں حضرت کے کھانے کا انتظام کیا۔ اور اصرار کیا کہ حضرت وہیں تشریف لے چلیں۔ چونکہ دالان میں اہل قصبہ کھا رہے تھے۔ اس لئے حضرت نے اس امتیازی شان کو قطعاً پسند نہ فرمایا۔ اور جب زیادہ اصرار کیا گیا تو فرمایا کہ قضائے حاجت کے لئے بھی انسان وہیں جاتا ہے جہاں سب جاتے ہیں۔ الغرض آپ مجمع میں تشریف لائے اور سب کے ساتھ اسی عام دسترخوان پر کھانا تناول فرمایا۔

(حوالہ بالا ص ۱۲۸ روایت محمد یعقوب بچھرایوں)

(۲۲) ''مخملی قالین پر بیٹھنے سے انکار'':۔

کئی سال کی بات ہے حضرت شیخ سنبھل تشریف لائے۔ حضرت کے میزبان کی جانب سے اس بات کی اجازت نہ تھی کہ کوئی دوسرے صاحب حضرت کی دعوت کریں۔ البتہ چائے کے سلسلے میں ان کی جانب سے عام اجازت تھی چنانچہ میں نے حضرت کو چائے پر مدعو کیا اور آپ نے میری درخواست منظور فرمالی اور آپ نے نماز جمعہ کے بعد کا وقت مقرر فرمایا۔ میں نے حضرت کی نشست کے لئے جازم پر مخملی قالین بچھا دیا۔ وقت مقررہ پر جب حضرت تشریف لائے اور جازم پر مخملی قالین بچھا ہوا دیکھا تو بہت ناراض ہوئے اور اپنے دست مبارک سے قالین کو اٹھا کر ایک کنارے کر دیا۔ میں نے بہت اصرار

کیا اور کہا کہ حضرت کم از کم دری ہی بچھانے کی اجازت دی جائے۔لیکن حضرت نے فرمایا کوئی ضرورت یوں ہی ٹھیک بیٹھا ہوا ہوں

(حوالا بالاص ۱۲۷روایت قاری محمد سلطان الدین صاحب)

(۲۳)''خود جا کر پانی پلایا'':۔

ایک مرتبہ ایک خستہ حال شخص جو کہ قوم میں گندھیلا (غیر مسلم) تھا۔دروازے پر آکر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ مجھے پانی پلادو! حضرت کے گردوپیش بہت سے آدمی بیٹھے تھے۔مگر اتفاق سے کسی کو خیال نہ آیا۔حضرت اس کی آواز سن چکے تھے۔خود اٹھے اور جا کر نل سے لوٹے میں پانی بھرنا شروع کر دیا۔اب تو ہر شخص کو تنبہ ہوا اور ہر شخص نے آپ سے لوٹا لینا چاہا مگر حضرت نے کسی کو نہ دیا اور خود جا کر اس شخص کو پانی پلایا۔

(حوالہ بالاص ۱۲۸روایت مولانا فضل الکریم صاحب حسینی)

(۲۴)''اپنی تعظیم پسند نہیں فرماتے تھے'':۔

کسی شخص کو دست بوسی یا قدم بوسی کا موقعہ نہیں دیتے تھے۔ایک دفعہ ایک غیر مسلم نے آپ کے قدموں کو چھونا چاہا تو آپ اس طرح تڑپ کر ہٹ گئے جیسے قدموں تلے سانپ آ گیا ہو۔

آپ چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ایک شخص نے قدم بوسی کرنی چاہی تو آپ اس طرح چونکے کہ وہ شخص گر پڑا۔اگر کوئی شخص مصافحہ کر کے الٹے قدموں پیچھے ہٹتا تو آپ تنبیہ فرماتے۔

ایک مرتبہ ایسے ہی موقعہ پر فرمایا کہ:۔آدمیوں کی طرح چلو!۔

(حوالہ بالاص ۱۲۹روایت مولانا فضل الکریم خان حسینی)

(۲۵)''دست مبارک سے نالی صاف کی'':۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کے استاد محترم شیخ الہندؒ نے پاخانہ کی نالی صاف کرنے کے لئے بھنگی طلب فرمایا اتفاق سے اس وقت بھنگی نہ ملا تو حضرت شیخ الاسلام نے

اپنے دست مبارک سے خود ہی نالی کو صاف کر دیا۔ (حوالہ بالاص ۱۲۹)

(۲۶) ''شاگرد کی خدمت'':۔

اسارت کراچی کے زمانے میں مشہور لیڈر مولانا محمد علی صاحب، حضرت شیخ سے تفسیر قرآن کریم پڑھتے تھے۔اور حضرتؒ کا بے حد احترام فرماتے تھے۔اسکے باوجود حضرت شیخ میں خدمت خلق کا جو بے پناہ جذبہ تھا۔اسکا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے۔
مولانا محمد علی صاحبؒ کو کثرت بول کا عارضہ تھا۔جسکی بنا پر آپ نے پیشاب کے لئے برتن اپنے کمرہ میں ہی رکھوالیا تھا۔یہ برتن اکثر و بیشتر پیشاب سے بھرا رہتا تھا۔لیکن مولانا محمد علی صاحب جب علی الصبح بیدار ہوتے تو وہ برتن پیشاب سے خالی اور دھلا ہوا صاف ستھرا نظر آتا۔کافی عرصہ تک یہ معمہ ان کی سمجھ نہ آیا۔اتفاق سے ایک رات عین اس وقت آنکھ کھل گئی۔جب کہ حضرت شیخ اس برتن کو صاف کرنے کی غرض سے لئے جارہے تھے۔اس وقت معلوم ہوا کہ مخدوم جہاں خادم بنے ہوئے ہیں۔ (حوالہ بالاص ۱۲۹)

(۲۷) ''مخدوم لیکن خادم'':۔

مولانا نصر اللہ خان عزیز ایڈیٹر ایشیا، لاہور تحریر فرماتے ہیں۔
مولاناؒ ایک عظیم المرتبت عالم محدث اور فقیہ ہونے کے باوجود ایسے رفیق سفر ہیں جو خدمت لینے کے بجائے خدمت کرتے ہیں۔ریل کے سفر میں وہ شدید سردی کے موسم میں بھی خود وضو کرتے ہیں اور پھر اسٹیشنوں پر اتر کر رفقاء کے لئے لوٹے میں پانی بھر کر لاتے ہیں اور پاؤں دبا کر بیدار کرتے ہیں۔پھر وضو کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔
عام طور پر علماء اپنے مزاج کی یبوست اور غیر ضروری سنجیدگی کے لئے بدنام ہیں مگر عالم اسلام کی یہ سب سے بڑی شخصیت ہر وقت مسکراتی رہتی ہے۔ (حوالہ بالاص ۱۳۱)

(۲۸) ''ایک روپیہ قبول فرمالیا'':۔

ھدایا کے سلسلے میں حضرت کا معمول تھا کہ بڑی رقمیں پیش کرنے والوں سے فرما دیا کرتے تھے کہ بھائی کسی غریب آدمی کو دیدیجئے۔میں تو پانچ سو روپے تنخواہ پاتا ہوں۔

لیکن آپ کی انکساری ملاحظہ فرمایئے! کہ جب مرادآباد میں ایک مجذوب مولانا شمس الدین صاحب نے حضرت کی خدمت میں ایک روپیہ پیش کیا تو حضرت نے اسے بے چون وچرا فوراً قبول فرمالیا۔ (حوالہ بالاص ۱۳۱)

(۲۹) ''تعویذ کے لئے خوددرخواست'':۔

ایک مرتبہ حضرت کے یہاں فیض آباد سے ایک بزرگ حاجی عبدالرحیم صاحب فضلی تشریف لائے تو حضرت کی اہلیہ محترمہ نے حضرت سے عرض کیا کہ حاجی صاحب سے بچوں کے لئے تعویذ لادیجئے! ملاحظہ فرمایئے۔جس کے آستانے سے روزانہ تعویذ تقسیم ہوتے ہوں۔وہ خود دوسروں سے تعویذ کا سوال کررہے ہیں۔اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ مہمان خانہ معتقدین سے بھرا ہوا ہے۔(ایضاً)

(۳۰) ''دیکھا گیا دسترخوان بچھا رہے ہیں'':۔

قیام آسام کا واقعہ ہے کہ ایک دن تراویح سے فارغ ہوکر آپ کمرے میں تشریف لے گئے ہم لوگوں کو پہنچنے میں کچھ دیر ہو چکی تھی۔جب ہم لوگ اندر پہنچے تو دیکھا کہ حضرت دسترخوان بچھا رہے ہیں۔(حوالہ بالاص ۱۳۲)

(۳۱) ''مزدور کے مکان پر تشریف لے گئے اور معذرت کی'':۔

دیوبند کا واقعہ ہے میدو پلے دار نے ایک مرتبہ حضرت کی دعوت کی اور وقت پر حاضر ہوکر عرض گذار ہوا کہ حضرت کھانا تیار ہے تشریف لے چلئے۔حضرت کے یہاں اسوقت مہمانوں کا کافی ہجوم تھا اور حضرت کسی کام میں مصروف تھے۔آپ نے اس سے فرمایا کہ: میرا اسوقت جانا نہیں ہوسکتا تم کھانا یہیں بھیج دو! چنانچہ میدو دیگ لے کر حاضر ہو گیا۔دوسرے دن نماز فجر کے بعد خلاف توقع اور اچانک میدو کے مکان پر پہنچ گئے اور کنڈی جا کھٹکھٹائی۔

میدو نے دروازہ کھولا تو دیکھتا ہے کہ حضرت بذات خود دروازے پر کھڑے ہیں وہ بیچارہ کچھ مسرت اور کچھ شدت تاثر سے رونے لگا۔آپ کو مکان میں لے گیا حضرت نے فرمایا

بھائی! تم غریب آدمی ہو۔ میں نے کل تمھارے یہاں آنے سے اسلئے انکار کر دیا تھا کہ تم خوامخواہ زیر بار ہوتے (ایضا)

(۳۲) ''ہم تعمیل حکم کے لئے حاضر ہیں''؛۔

جب حضرت مہتمم صاحب پاکستان جا کر دوبارہ دیوبند تشریف لے آئے اس سلسلے میں حضرتؒ نے کافی جدوجہد فرمائی تو موصوف کی آمد کے سلسلے میں ایک جلسہ ہوا۔ حضرت نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا: کہ ہم تو آپ کے نوکر ہیں اور آپ ہمارے آقا ہیں، آپ ہمیں حکم دیں ہم تعمیل کے لئے حاضر ہیں۔ ایک عظیم مجمع میں اس قدر تواضع آپ ہی کا حصہ تھا۔ (ایضا)

(۳۳) ''معاف کیجئے گا! میں بالکل بھول گیا تھا''؛۔

مولانا عبدالصمد سورتی (مجاز حضرت شیخ) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت کو اپنی حالت کے بارے میں پرچہ دیا۔ حضرت نے فرمایا:۔

کہ میں آپ کو ذکر جہری بتاؤں گا۔ اس کے بعد حضرت بھول گئے۔ جب آسام پہنچے تو ایک دن مولانا عبدالصمد کو دیکھ کر فرمایا:۔

''معاف کیجئے گا! میں بالکل بھول گیا تھا۔ آپ نے بھی یاد نہیں دلایا۔

اتفاق سے حضرت کو جس وقت بات یاد آئی اس وقت آپکے پاس چند افسران بھی بیٹھے تھے۔ انہی کے سامنے حضرت نے ایک خادم اور مرید سے معافی مانگی

(حوالہ بالا۔ ص۱۳۲)

(۳۴) ''امتیازی برتاؤ سے انقباض''؛۔

ایک مرتبہ حضرت بہار کے دورہ پر تشریف لانے والے تھے تو میں نے مولانا منت اللہ صاحب رحمانی سے درخواست کی کہ پروگرام میں مقام سانحہ (ضلع مونگیر) کو بھی شامل کر لیجئے تاکہ دارالعلوم معینیہ کی سنگ بنیاد حضرت اپنے دست مبارک

سے رکھیں۔ مولانا نے از راہ شفقت میری درخواست منظور فرمالی۔
برسات کا زمانہ تھا۔ برسات کیوجہ سے آدھ میل تک کچی سڑک سخت ناہموار تھی۔ آتے ہوئے کار کے ڈرائیور نے ہمت کی۔ اور کسی طرح گاڑی مسجد تک لے آیا۔ مگراب بھی کم وبیش قیام گاہ تک ایک فرلانگ کا فاصلہ باقی تھا۔ حضرت اتر پڑے اور جائے قیام تک پیدل ہی تشریف لائے۔ اور جس بنگلہ میں قیام کا انتظام تھا۔ وہ کافی اونچائی پر واقع تھا۔ حضرتؒ چھڑی کے سہارے بمشکل وہاں تک پہنچے لیکن کسی کا سہارا لینا پسند نہیں فرمایا کمرے میں جاکر بیٹھ گئے تو وہاں کافی ہجوم ہوگیا سخت گرمی تھی۔ اس لئے پنکھا جھلنے کے لئے آدمی کھڑا ہوا لیکن آپ نے اسے سختی سے روک دیا۔ اور فرمایا کہ یہاں سینکڑوں آدمی بیٹھے ہوئے ہیں کیا انہیں گرمی نہیں لگتی۔ لوگوں نے بہت اصرار کیا مگر آپ نے اجازت مرحمت نہ فرمائی۔

(روایت مولانا ظفر الدین صاحبؒ رکن دارالافتاء دیوبند۔ ص ۱۳۳)

(۳۵) ''ایثار وانکسار''۔

ترک عہد حکومت کی بات ہے کہ مدینہ منورہ میں علاوہ احناف دیگر مسلک کے مفتیان کرام بھی فتوی دیا کرتے تھے۔ مفتی احناف بہت ضعیف اور کمزور تھے اس لئے ان سے کما حقہ محنت کیساتھ تحقیق وتدقیق مسائل کا کام انجام نہیں ہو پاتا تھا۔

اس لئے ان کے فتاوی ویسے مدلل اور محققانہ نہیں ہوتے تھے جیسے مفتی شوافع وغیرہ کے حضرت کا قیام اس وقت مدینہ منورہ ہی میں تھا۔ آپ سے احناف کی یہ سب دیکھی نہ گئی اور ایک دن مفتی احناف سے فرمایا کہ آپ چونکہ بہت ضعیف ہیں اس لئے اگر مناسب سمجھیں تو میں فتوی لکھ دیا کروں۔ اور آپ اس پر دستخط فرمادیا کریں اس کی اشاعت ہوگی آپ ہی کی جانب سے مفتی صاحب نے یہ بات بخوشی منظور کرلی۔ مدتوں یہ سلسلہ جاری رہا کہ فتوی حضرت لکھ دیا کرتے اور دستخط مفتی صاحب کردیا کرتے لطف یہ کہ کسی کو اس زمانے میں اس بات کی خبر تک نہ ہوئی۔

اسطرح حضرت نے دوسرے شہرت ووقار کی بحالی کے لئے گمنام رہتے ہوئے مسلسل

تکالیف برداشت کر کے ایثار و بے نفسی کا اعلیٰ ترین کردار پیش فرمایا۔

(حوالہ بالا ص ۱۳۴)

(۳۶) ''عوام کسے کہتے ہیں۔۔۔۔۔'':۔

حضرت کی عادت تھی کہ تراویحہ میں کبھی کبھار کوئی دلچسپ بات فرمادیتے جس سے حاضرین میں بشاشت پیدا ہوجاتی اور کسل دور ہوجاتا اور آپکا یہی معمول تہجد میں بھی تھا۔

ایک مرتبہ آپ کی بشاشت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے ایک جلیل القدر صاحب فرمانے لگے کہ:۔ حضرت آئندہ سال اگر ہم بانسکنڈی آئیں تو عوام کو تہجد میں شریک ہونے کی دعوت نہ دیں۔ یہ سن کر حضرت کو سخت انقباض ہوا اور خفگی آمیز لہجے میں فرمایا کہ:۔ عوام کسے کہتے ہیں؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ جو سراج (ایک طالبعلم) بیٹھا ہوا ہے اس کی وجہ سے ہماری نماز قبول ہوجائے؟

حضرت کے یہ فرمانے کے بعد مولوی سراج پر تو گریہ طاری ہوگیا۔لیکن ان گل افشانی فرمانے والے بزرگ کی حالت بھی قابل دید تھی۔(ایضا)

(۳۷) ''نمازی کے چپل سیدھے کئے'':۔

آج ا چشم دید واقعہ نگاہوں کے سامنے ہے۔حضرت نماز جمعہ سے فارغ ہوکر دیوبند کی جامع م ہد سے باہر تشریف لا رہے ہیں۔حسب معمول گویا پوری مسجد آپ کے ساتھ ہوگئی ہے۔۔جولوگ باہر نکل چکے ہیں۔وہ سیڑھیوں سے اور صدر دروازے کے سامنے سراپا اشتیاق بنے کھڑے ہیں حضرت ابھی پہلی سیڑھی پر ہیں کہ آپ کی نظر ایک چپل پر پڑتی ہے جو ٹھوکروں سے دوسری سیڑھی پر گر گیا ہے۔آپ آگے بڑھتے ہیں۔اور گرے ہوئے چپل کو اٹھا کر دوسرے چپل کے ساتھ ملا کر رکھ دیتے ہیں۔

یہ اسوقت کا واقعہ ہے جب ہزاروں نگاہیں ادب واحترام کیساتھ آپ پر مرکوز تھیں۔

آپ سیڑھیوں پر ہی تھے کہ دوسرا واقعہ پیش آیا ہے۔یوں تو سیڑھیاں تقریباً حضرت کے لئے خالی ہوچکی تھیں۔لیکن ایک دیہاتی بے خیالی یا عجلت میں آپ سے آگے اور جب ایک

صاحب نے اسے پیچھے ہٹنے کے لئے اشارہ کیا۔ تو حضرت وہیں کھڑے ہو گئے اور ان کو روکنے والے صاحب پر بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ! کیا اسکو حق نہیں ہے؟ پھر اسے کیوں روکا گیا؟ (روایت مولانا جمیل الرحمٰن سیوھاروی ص ۱۳۵)

''مکتوبات شیخ الاسلام'' سے چند اقتباسات :۔

(۱) ''اصلاح نفس کا خیال ایک نفس پرور سے؟ یاللعجب !''

''مجھ کو نہایت تعجب ہے کہ آپ جیسا تجربہ کار، زمانہ کی گرمی اور سردی سے واقف ،صاحب علم وشعور ایسی صریح غلطی میں پڑے جو کہ الفاظ ذیل سے نمودار ہو رہی ہے:

''عرصہ سے اصلاح نفس کی غرض سے خدمت والا میں حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں''

میرے محترم ! اصلاح نفس کے لیے کسی سگ دنیا، نفس پرست، ناکارہ و نالائق کے پاس آنا کیا معنی رکھتا ہے۔ پیاسا دریا کا قصد کرتا ہے، آتش (آگ) کا قصد نہیں کرتا۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں اپنی سیاہ روئی اور سیاہ کاری سے خود شرمندہ ہوں اور بسا اوقات روتا ہوں۔ محترم اگر اس وقت کمال کے اعلام و اکابر نہ بھی موجود ہوتے تب بھی مجھ جیسے سگ دنیا کی طرف نظر اٹھانا جائز نہ ہوتا، پھر خیال اصلاح نفس ایک پرور سے؟ یاللعجب !۔ اس سے یہ مقصد نہیں کہ آپ کو تشریف ارزانی سے روکا جائے۔ حاشا وکلا، بلکہ اپنی حالت کو ظاہر کر دینا ضروری ہے۔ بعض حضرات کو دھوکہ اس بات سے ہو رہا ہے کہ مجھ کو چند مقدس ہستیوں کی خدمت میں ایک زمانہ تک باریابی کی نوبت رہی ہے، اس لیے ضرور بالضرور لائق ہو گا۔ مقدمہ اولی بیشک صحیح ہے مگر مقدمہ ثانیہ غیر لازمی ہے۔

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل

کہ خضر از آب حیوان تشنہ ہی آ در سکندر

(مکتوبات شیخ الاسلام، سلوک وطریقت ص ۱۵)

(۲) ''عمر ۷۰ سے تجاویز کر گئی مگر توشۂ آخرت کچھ نہیں'' :۔

''ابتدا سے نہایت نفس پرست اور اعمال میں کاہل واقع ہوا ہوں، تمام عمر

گنا ہوں اور دنیا پرستی ونفسیات میں گذری ہے۔ اب عمر ستر ۷۰ برس تجاویز کر گئی ہے مگر توشہ آخرت کچھ نہیں ہے۔ ظاہری اسباب پر نظر کرتے ہوئے مغفرت کی کوئی امید نہیں ہے لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں کچھ ہوں۔ کلا واللہ اہل اللہ کے اوصاف جمیلہ اور احوال جلیہ سے بالکل عاری اور خالی ہوں'' (سلوک طریقت ص ۲۷)

(۳) ''توجہ الی اللہ اور اصلاح نفس کی مجھ کو فرصت کہاں؟''

''میں مختلف امور میں مبتلا ہوں، سیاسیات میں میرا انہماک ظاہر و باہر ہے۔ علوم ظاہرہ کا اشتغال الگ ہے، اسفار، لوگوں سے مخالطت اور خط و کتابت وغیرہ کی اس قدر کثرت ہے کہ جس کی وجہ سے توجہ الی اللہ اور اصلاح نفس کی فرصت ہی نہیں ملتی، تقریباً پانچ سو روپے ماہوار تنخواہ لیکر احادیث نبویہ کی تعلیم دیتا ہوں اور اس میں بھی کس قدر کوتاہیاں ہوتی ہیں، اگر رحمت خداوندی نے دستگیری نہ فرمائی تو چھٹکارا ممکن نہیں ایسے نفس پرور کو بعیت وارشاد کب مناسب ہے۔ میں تو صرف حضرات اکابر کے حکم پر بیعت کرتا ہوں، ہرگز ہرگز اس لائق نہیں''۔ (ص ۳۰)

(۴) ''محرومیت نے دامن نہ چھوڑا'':۔

''ہم جب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تقریباً ایک ماہ سے کچھ زائد مکہ معظمہ میں رہنا نصیب ہوا، مگر شعائر حج کی مشغولی کی بناء پر اس مدت قلیلہ میں بھی حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ کی خدمت میں روانہ حاضری نصیب نہ ہوسکی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ڈھائی مہینہ سے رہنا نصیب نہ ہوا۔ حضرت الاستاد شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں البتہ کچھ رہنا نصیب ہوا تو محرومیت نے دامن نہ چھوڑا''۔

(ص ۳۰)

(۵) ''آپ کا مجھ سے بیعت کرنا سخت غلطی تھی'':۔

'' مولانا وصی اللہ صاحب (خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ) منقطع الی

اللہ ہیں، ساری جھنجھٹوں کو چھوڑ کر صرف باطنی اشغال میں منہمک ہیں۔ ان کی بارگاہ میں ہزاروں کو فیض حاصل ہو رہا ہے، اس لئے موقع مت گنگوایئے، ان سے استفادہ کیجئے، وہ آپ کے قریب ہیں، ہر بات ان سے دریافت کر سکتے ہیں، روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں، میں اتنا دور ہوں کہ نہ پہونچنا آسان ہے اور نہ مجھ سے جواب حاصل کرنا آسان ہے، اس لئے ضروری ہے کہ آپ انھیں کی طرف رجوع کریں''۔ (ص ۳۰)

(۶) ''جانشین شیخ الہند'' لکھنے پر اظہار ناراضگی:۔

''آپ حضرات آئے اور گئے۔ دوسری ملاقات میں پہلی ملاقات کو بھی ناقص چھوڑا، میں پہلے ہی بوجہ خلاف قانون دوسری ملاقات سے مایوس تھا، مگر آپ نے اعتبار نہ کیا، خیر کوئی ضرورت بھی ایسی نہ تھی۔

مجھے آپکے لائے ہوئے رسالوں کو دیکھ کر سخت افسوس ہوا، حالانکہ خوش ہونا چاہیے تھا۔ ان رسالوں کے ٹائیٹل پر ''خلیفہ'' اور ''جانشین خاص'' کا لفظ میرے نام کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یہ کس قدر ظلم، کذب اور افترا ہے، جس کو آپ حضرت خود سمجھتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے خلیفہ ہونا بغیر تخلیف کے ممکن نہیں ہے۔ پھر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے کب اور کس وقت مجھکو اپنا خلیفہ بنایا، میں تو حضرت سے بیعت بھی نہیں، اگر چہ انہوں نے اپنے کرم و عنایت سے میری مکمل ظاہری و باطنی تربیت فرمائی جس کی وجہ سے مجھ کو بے حد فوائد حاصل ہوئے۔

مالٹا کی اسیری کے زمانہ میں میری باطنی اصلاح کے لئے مخفی طریقے پر توجہ مبذول رکھی اور کیوں نہ رکھتے، میں ان کا ہی تھا اور ہوں، اگر میری قابلیت فاسد اور استعداد کاسد نہ ہوتی بیشک آج مین آدمی ہوتا اور روحانی کمالات کا ایک گلدستہ نظر آتا، مگر بدقسمتی کا علاج کیا ہے۔

نہ شگوفہ ام نہ برگے، نہ ثمر، نہ سایہ دارم
در حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا۔

جیسے کالے توے پر کتنی ہی روشنی ڈالی جائے اس کا روشن ہونا اور اس کا روشن کرنا دونوں ممتنع

ہے، اسی طرح مجھ جیسے نالائق ونا کارہ کی حالت واقع ہوئی ہے۔

کعبہ بھی گئے پر نہ چھٹا عشق بتوں کا
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی۔

مہربانی کر کے اس کے انسداد کی فکر کیجئے، جتنے ٹائیٹل ہیں انکو جلوا دیجئے اور دوسرا ٹائیٹل چھپوایئے جس میں ''خادم'' یا ''شاگرد شیخ الہند'' تحریر فرمایئے''۔

(مکتوبات شیخ الاسلام، جلد اص ۳۳۷)

(۷) ''اگر آپ حضرات کا یہی معاملہ رہا تو بہت جلد مجھکو ہندوستان چھوڑنا پڑے گا'':۔

''اگر آپ حضرات مجھ کو اپنے میں سے شمار کرتے ہیں تو خیر، ورنہ میں یہاں سے نکلتے ہی حجاز کی فکر کروں گا، میں خود اپنی نفسی افکار میں مبتلا ہوں، مجھ کو عنداللہ اپنی خلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میں متحیر ہوں کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے کس بناء پر میرے ساتھ یہ (یعنی خلافت کا) معاملہ فرمایا، اور لوگوں میں کیوں اس کی اشاعت ہوئی۔ کاش! مولوی عاشق الٰہی صاحب وغیرہ کسی سے اس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ ایسی باتوں کی وجہ سے بڑوں پر دھبہ آتا ہے، ان کی وقعت نظروں سے گر جاتی ہے۔

خدا نے تین ایسے برگزیدہ بندے جو کہ حقیقی نائب ختم الرسل ﷺ تھے، مجھ کو دکھلائے اور کم وبیش ان کی صحبت عطا ہوئی مگر محرومی کے سوا کوئی چیز ہاتھ نہ لگی۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے اور اس قسم کی تشہیروں سے عالم کو گمراہ نہ کیجئے''۔ (بحوالہ بالا ص ۳۳۸)

(۸) ''نہ میں محمودی ہوں، نہ رشیدی ہوں، نہ قاسمی ہوں، نہ امدادی'':۔

''آپ اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لئے بہت سی باتیں تکلفات کی لکھ رہے ہیں، مگر میں ان سے دھوکہ میں نہیں آسکتا، مجھ میں کوئی قابلیت کسی بزرگ کی جانشینی کی نہیں ہے، بلکہ بخلاف اس کے اپنے لوگوں سے انتساب میں بھی مجھ کو سخت ندامت کا سامنا

ہوتا ہے۔ میں بجائے اس کے کہ ان کے آثار قدم کا متبع ہوتا، عملی حالت کو اس کے خلاف پاتا ہوں، اس لئے بجز اس کے کہ "ننگ اکابر" کہوں اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ مجھ کو نہ اپنے کو محمودی لقب بھاتا ہے، نہ رشیدی، نہ قاسمی، نہ امدادی اور نہ اس پر کبھی جرات ہوئی۔ ہاں! اگر خداوند کریم ان بزرگوں کے کاسئہ معرفت و اخلاص اور عمل وتقویٰ میں سے کچھ نصیب فرمادیں تو اس وقت میں کوئی مضائقہ نہیں، میں ان بزرگوں کو بدنام کرنے والا ہوں، نیک نام کرنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے''۔

(مکتوبات شیخ السلام ص۴۴)

(۹) ''مادحانہ کلمات لکھنے سے اجتناب کیجئے!'':۔

''مجھ کو اس سے سخت صدمہ ہوتا ہے کہ مادحانہ کلمات لکھتے ہیں اور اس سے تغافل برت رہے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مادحین کے لئے کس قدر سخت کلمات ارشاد فرمائے ہیں، اس لئے آپ کو بہت زیادہ اجتناب چاہیے اور سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ آپ اطراء مادح کرتے ہوئے ناجائز کلمات مثل ''خیر الاخیار'' ذات نور علی نور'' قبلہ وکعبہ حاجات "وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں، کس قدر غضب کی بات ہے کہ جس چیز کو ہم دوسروں کے لئے ناجائز بتائیں اور ان کو روکیں اسی کو خود عمل میں لائیں اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم ایسی باتوں سے سخت گریز کیجئے هو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض و اذا انتم اجنته فی بطون امهاتکم فلا تزکو انفسکم هو اعلم بمن اتقی الحذر الحذر خاتمہ کا حال معلوم نہیں، جب تک خاتمہ علی الایمان نہ ہوجائے اس وقت تک اشرف المخلوقات ہونا بھی صحیح نہیں''۔

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد۳ ص ۱۱۵)

(۱۰) ''آپ جھوٹی مدح سرائی چھوڑ دیں!'':۔

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا احثــــو

افي فمه التراب احثوا في وجوه المداحين التراب (بہت تعریف اور مدح سرائی کرنے والوں کے منہ میں خاک جھونک دو) ایک شخص نے دوسرے شخص کے سامنے اس کی تعریف کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسرت ظهر اخیک (تو نے اپنے بھائی کی پشت اور کمر توڑ دی) آپ ہر تحریر میں ایسی جھوٹی تعریف کرتے رہتے ہیں، اس خط میں لکھتے ہیں: "علامۃ المحققین" "امام المحققین" "حکیم المحققین" کیا یہ سب جھوٹ نہیں ہے؟ آپ کو کیا معلوم کہ میں کیا ہوں، آپ کو "مولوی" لکھ دینا چاہیے

اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں گرفت ہوگئی تو کیا جواب دیں گے؟ اگر میرا نفس امارہ ان الفاظ کی وجہ سے تکبر اور غرور میں مبتلا ہو گیا تو میری تباہی تو یقینی ہے اور پھر آپ بھی اس گناہ میں شریک ہونگے۔ میرے محترم؟ یہ طریقہ غلط ہے، ہم لوگ بے سوچے سمجھے اس غلط طریقے پر چلے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم میں غرور اور تکبر کا مہلک مرض اور افزوں ہوتا جاتا ہے"۔ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۲ ص ۵۶)

مخدوم الملۃ حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمہ اللہ کے واقعات

تواضع سے متعلق حضرت مفتی صاحبؒ کے ملفوظات:

(۱)۔ فرمایا:

پستی (تواضع) بڑی دولت ہے، مگر پستی کو اس لئے اختیار نہ کرے کہ بلندی ملے، پھر وہ پستی نہیں وہ تدبیر ہے بلند بننے کی۔

(۲) فرمایا:

تواضع کرنے کو اپنا حق اور منصب سمجھے اور تواضع سے بے خبر ہو کر تواضع کرے۔ متواضع اگر اپنی تواضع سے خبردار رہے گا تو وہ صورت تواضع ہوگی حقیقی تواضع نہ رہے گی جیسے نیند والا اگر اپنی حالت نیند سے خبردار رہے تو وہ صحیح نیند نہ کہلائے گی۔

(۳) فرمایا:

حضرت والا (حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ

اس طریق میں اول قدم بھی پستی ہے اور آخر بھی پستی ہے۔بغیر اس کے اورادووظائف کچھ بھی فائدہ مند نہیں اور عاجزی اور انکساری کی عینک ہی سے بندہ تعالیٰ کا دیدار حاصل کر سکے گا۔ (احسن السوانح ص ۲۳۷)

(۴)۔آپ کے خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ''اگر میرے عیوب کی کسی کو اطلاع ہو جائے تو کوئی میرے اوپر تھوکے بھی نہیں''۔جب ہمارے اکابر کا یہ حال ہے تو ہم جیسوں کو بھی اپنا مقام سوچ لینا چاہیے۔ (اصلاحی مضامین ص ۲۵۳)

(۵)۔جناب شورش کاشمیری مرحوم بیان کرتے ہیں کہ حضرت نے ایک دفعہ فرمایا:''میاں ہم لوگ تو دین کی روٹی کھاتے ہیں،اصل دیندار تو وہ لوگ ہیں جنہیں دین کی حیا اور دین کا پاس ہے''۔ (چٹان ۶۱-۶-۱۲)

(۶):مولانا وکیل احمد صاحب شیروانی (مؤلف تذکرہ حسن) فرماتے ہیں کہ جب کبھی احقر کے والد محترم حضرت مولانا حافظ جلیل احمد شیروانی (خلیفہ مجاز حضرت تھانوی) حضرت کی مجلس میں تشریف لیجاتے تو اکثر فرماتے کہ:

''مولانا! آپ کے سامنے تو بولتے ہوئے بھی شرم معلوم ہوتی ہے۔معاف فرمائیے! آپ نے تو حضرت (تھانوی) کو خوب دیکھا ہے''۔

(حضرت مفتی محمد حسن امرتسری اور ان کے مشاہیر تلامذہ وخلفاء ص ۹۳)

(۷)۔آپ کے خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت اقدس صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

تواضع پیدا کرنے کیلئے حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ جیسے بارہا قولاً تربیت فرماتے تھے عملاً بھی تربیت فرماتے تھے مثلاً''حضرت'' کہنے کے متعلق بعض دفعہ فرماتے یہ کیا''ادرک،ادرک'' کہتے رہتے ہیں یعنی جب مجھے حضرت کہا جاتا ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھ سے مذاق کیا جارہا ہے اور''ادرک،ادرک'' کہا جارہا ہے۔انتہا تھی حضرت رحمتہ اللہ

علیہ میں تواضع کی۔بعض دفعہ فرمایا کہ''لوگ جو مجھے''مفتی صاحب،مفتی صاحب'' کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب (بخاری رحمہ اللہ) کا میں استاد ہوں ،ان کی عزت کرتے ہوئے مجھے'' مفتی صاحب مفتی صاحب'' کہہ دیتے ہیں''(فیوض الاکابر ص۲۹)

واقعات:

(۱)'': میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال''۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: تھانہ بھون میں خانقاہ شریف کے جس حجرے میں میرا قیام تھا وہاں ایک روز خواجہ صاحب (حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمتہ اللہ علیہ) تشریف لائے اور دروازے کی چوکھٹ میں اس طرح کھڑے ہو گئے کہ دونوں باہیں پھیلا کر دونوں طرف ہاتھ رکھ لئے۔میں نے کہا خواجہ صاحب یہ شعر تو گویا آپ نے میرے لئے کہا ہے۔

میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال۔بدعمل،بدنفس،بدخو،بدخصال۔

خواجہ صاحب نے فرمایا: کہا تو میں نے اپنے لئے ہے،یوں کوئی اپنے اوپر چپکا تا پھرے تو اور بات ہے۔

(۲)'' آپ حضرات سے تعلق میری اپنی نجات کا ذریعہ بنے گا''۔

اپنے خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر محمد اختر صاحب مدظلہم کے ایک عریضہ کے جواب میں حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں:'' آپ کے محبت نامہ سے دل خوش ہوا،آپ حضرات سے تعلق

میری اپنی نجات کا ذریعہ بنے گا اور بننے کی امید ہے،احقر کے لئے حسن خاتمہ کی دعا اور مغفرت کی دعا فرما کر احسان فرماتے رہیں''۔(۳۰۲)

(۳)''میرے پاس کیا ہے،کچھ نہیں،لیکن لوگوں کوشبہ ہو گیا ہے کہ میں دنیدار ہو ں''۔

مولانا وکیل احمد صاحب فرماتے ہیں: احقر نے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے جناب حافظ ولی اللہ صاحب سلمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت والا نے مجھ سے بطور سوال یہ فرمایا: ''تم دیکھتے ہو کہ میرے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، آنیوالوں کے اندر امیر، غریب، اعلیٰ افسر، علما، غرضیکہ ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر یہ اتنے سارے لوگ کیوں آتے ہیں: صاحبزادہ فرماتے ہیں کہ میں خاموش ہوگیا، حالانکہ میرے پاس اس کا جواب موجود تھا کہ لوگ آپ جیسی مقدس و بزرگ ہستی کی زیارت کے لئے آتے ہیں، جب میں نے کوئی جواب نہ دیا تو حضرت والا نے خود ہی فرمایا: میرے پاس کیا ہے۔ کچھ نہیں لیکن لوگوں کو شبہ ہوگیا ہے کہ میں دنیدار ہو ں، تو گویا یہ لوگ دین کی وجہ سے میرے پاس آتے ہیں، اس سے اندازہ کرلو کہ دین میں کتنی عظمت پوشیدہ ہے، دین کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے، دین اللہ کی رحمت و برکت کا سرچشمہ ہے دو لت کوئی چیز نہیں، وہ ہوا کے جھونکے کی طرح نکل جاتی ہے۔

(۴) ''توبہ توبہ! آپ نے بھی آخرت کے لئے کس ناکارہ شخص کا قرب تلاش کیا''۔

حضرت اقدس ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب اعلی اللہ مقامھم و درجاتھم فرماتے ہیں؟''

، ایک روز حضرت والا نے انتہائی شفقت کے ساتھ احقر کو اپنے قریب بیٹھنے کے لئے کہا، قر یب بیٹھا تو مزید قریب ہونے کے لئے ارشاد فرمایا، قدرے اور قریب ہوگیا، اس دوران دل پر جو کچھ گذری تھی وہ بات زبان پہ آگئی، عرض کیا حضرت آخرت میں بھی اسی طرح اپنا قرب عطا فرمائیں، حضرت والا مفتی صاحب علیہ الرحمۃ یہ سن کر اس طرح اچھل پڑے گویا کوئی بہت ہی عجیب بات کہہ دی گئی ہو، فرمانے لگے: توبہ توبہ آپ نے بھی آخرت کے لئے کس ناکارہ شخص کا قرب تلاش کیا۔ (۲۸۴)

(۵) ''حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کمال تواضع''۔

ایک دفعہ دو عورتیں بے پردگی کی حالت میں حضرت والا کی خدمت اقدس میں

ایک مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوئیں ،حضرت والا نے اپنے صاحبزادہ صاحب کے ذریعہ کہلوایا کہ پردہ کرکے آئیں۔انہوں نے جواباً کہہ دیا کہ ہمارے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس سے پردہ کیا جاسکے۔اس پر ہمارے حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے خود ہی اپنے چہرۂ مبارک پر رومال ڈال لیا اور فرمایا ،، ان سے کہو آجائیں۔ جب آکر بیٹھ گئیں تو حضرت والا نے ان سے فرمایا کہ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لو۔ایک نے عرض کیا یہ میرے ساتھ میری چھوٹی ہمشیرہ ہے اس کا شوہر نہ تو اس کو آباد کرتا ہے۔ اور نہ ہی اس کو چھوڑتا ہے اور اس کو تنگ کر رکھا ہے اس کے چھٹکارے کی شرعاً کیا صورت ہے۔فرمایا: اس سے چھٹکارے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ طلاق ہے،تم اس سے کسی طرح طلاق حاصل کرلو،بس اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔مکرر دریافت کرنے پر کہ رہائی کی کوئی صورت نکالی جائے ،حضرت والا نے ارشاد فرمایا: میں مسئلہ بتاتا ہوں بناتا نہیں ،اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ،۔جب وہ اٹھ کر چلی گئیں تو حضرت والا نے اس وقت تک اپنے چہرہ مبارک سے رومال نہیں اتارا جب تک کہ سیڑھیوں سے ان عورتوں کے اترنے کی آواز کو نہ سن لیا۔پھر فرمایا :دیکھو ان عورتوں کا ظاہر تو ایسا ہے جو قابل نفرت ہے مگر ان کے دل میں دین کی محبت و عظمت ہے،اگر دین سے محبت و تعلق نہ ہوتا تو میرے پاس مسئلہ پوچھنے نہ آتیں''۔

اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا اپنی کمال تواضع کی بناء پر کسی کو ذلیل اور کمتر نہ سمجھتے تھے بلکہ اس کی خوبیوں کا زبان مبارک سے اظہار فرمایا کرتے۔(۲۸۶)

(۶) ''لاہور کے جامعہ اشرفیہ میں درس قرآن''۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

پاکستان بننے کے بعد مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کے زمانے میں میرے کراچی آنے سے پہلے آپ لاہور میں آکر مقیم ہو چکے تھے اور مدرسہ کے لئے شہر کی ایک

عمارت نیلا گنبد کے متصل حاصل کر چکے تھے، اور درس نظامی کے مکمل انتظام کے ساتھ خود درس قرآن دینے کا مشغلہ جاری تھا، مگر حضرت مفتی صاحب کی بے نفسی اور للّٰہیت کا ایک خاص انداز تھا کہ جب کبھی احقر یا کوئی دوسرے اہل علم لاہور آتے تو اس درس قرآن کے لئے ان کو بڑے ذوق وشوق سے دعوت دیتے اور خود درس میں شریک ہوکر ایک ایک جملہ پر داد استحسان دیتے تھے، دنیا میں کوئی پیر ومرشد یا عالم اپنے معتقدین، مریدین دوسروں کی اتنی تعظیم وتکریم نہیں کیا کرتا جس سے معتقدین کو یہ خیال پیدا ہو کہ یہ تو ہمارے بزرگ سے زیادہ بزرگ ہیں، مگر یہاں تو اپنی عزت وجاہ کو اللہ کے لئے قربان کئے ہوئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑی کشادہ دلی سے ہر اہل علم کے ساتھ یہی معاملہ فرماتے تھے، بارہا ایسی نوبت بھی آئی کہ احقر سے مدرسہ کی عمارت میں درس قرآن دلوایا اس میں جو تقریر ہوئی اس کو نہ صرف مقامی طور پر استحسان فرمایا بلکہ اس کا انتظام کیا کہ یہ تقریر بڑے مجمع کے سامنے نیلا گنبد کی جامع مسجد میں دوبارہ کی جائے۔ ایک مرتبہ اشتراکیت کی تردید میں ایک تقریر ہوگئی تھی تو جامع مسجد نیلا گنبد میں باقاعدہ اعلانات کے ساتھ رات میں جلسہ کا انتظام کیا اور شارٹ ہینڈ والے بلائے کہ میری اس تقریر کو منضبط کرلیں، اس کے مطابق بڑے اجتماع میں دوبارہ یہ تقریر ہوئی اور شارٹ ہینڈ والوں نے اس کو منضبط بھی کرلیا۔ (چند عظیم شخصیات ۲۷)

(۷) ''بیٹا مجھے معاف کردو، میری خدمت کی وجہ سے تمہیں بے آرام ہونا پڑا''۔

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی زیدمجدھم فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے مولانا عبیداللہ صاحب دامت برکاتہم آجکل جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ اس عاجز کو بتایا کہ ابا جی کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ گھر میں سوئے ہوئے، گرمی کا موسم تھا، بوندا باندی شروع ہوگئی، اماں جی اٹھیں اور انہوں نے اپنی چارپائی کو برآمدے میں رکھ لیا اور ابا جی چونکہ پاؤں سے معذور

تھے، چل پھر نہیں سکتے تھے، لہذا مجھے والدہ صاحبہ نے جگایا، میں ہی بڑا بیٹا تھا اور میں ہی جو ان العمر تھا، مجھے جگا کر کہا کہ بیٹا اٹھو اور ابا جی کو صحن کی بجائے برآمدے میں لا کر لٹادو۔ تم انہیں اٹھانا اور میں چارپائی برآمدے میں لا کر اوپر بستر کر دوں گی۔ میں نے اٹھ کر ابا جی کو اٹھایا جبکہ والدہ صاحبہ نے چارپائی برآمدے میں پہنچائی، میں نے جب ابا جی کو آکر بستر پر لٹا یا تو ابا جی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، مجھے فرمانے لگے: بیٹا مجھے معاف کر دو، بیٹا مجھے معاف کر دو، میری خدمت کی وجہ سے آپکے آرام میں خلل آیا ہے، میرے آرام کی خاطر تمہیں بے آرام ہونا پڑا''۔ سبحان اللہ یہ ہوتی ہے بے نفسی۔ (خطبات فقیر ج ۳۔ ص ۱۴۴)

(۸) ''حضرت مفتی صاحب اور حضرت لاہوری کی ایک یادگار ملاقات''۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کے فرزند ارجمند مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب تحریر

فرماتے ہیں: حضرت مفتی صاحب اور حضرت لاہوری کے باہمی تعلقات اور محبت کا نقشہ جن

آنکھوں نے دیکھا ہے، اسے الفاظ اور زبان ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ جب بھی کوئی دینی مسئلہ یا کوئی اہم بات منظر عام پر آتی تو یہ حضرات شیخین سر جوڑ کر بیٹھتے اور اس وقت کے اکابر کو ایک جگہ پر اکٹھا کر لیتے۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کیونکہ ایک ٹانگ سے معذور تھے اس لئے فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے فضل و کرم سے میرے اس عذر کی بناء پر مجھے میرے گھر کے اندر آپ حضرات کی میزبانی کا شرف حاصل ہو جاتا ہے اور آپ حضرات میرے اس عذر کی بناء پر شفقت فرماتے ہوئے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد تشریف لے آتے ہیں۔

قلت وقت کی بناء پر ایک واقعہ اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ میں ۱۹۶۱ء میں اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ پہلی مرتبہ حرمین شریفین میں حج کے لئے گیا ہوا تھا کہ حضرت مفتی صاحب ہمارے استقبال کے لئے لاہور سے کر

اچی آنے کے لئے اپنے آخری سفر کا ارادہ فرما چکے تھے۔ حضرت مفتی صاحب جب لاہور والوں کو آخری سلام پیش کرر ہے تھے تو انہوں نے لاہور شہر میں اپنے
احباب اور بزرگوں سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا جس میں سرفہرست حضرت لاہوری کی تاریخی ملاقات تھی جو ان شیخین نے شیرانوالہ گیٹ میں کی۔ حضرت مفتی صاحب نے حضرت لاہوری کو پیغام بھجوایا کہ میں ملاقات کے لئے حاضر ہونا چاہتا ہوں، جواب میں حضرت لاہوری نے یہ کہلا بھیجا کہ آپ تشریف نہ لائیں، میں خود آپ کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد آ جاتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب نے دوبارہ کہلا بھیجا کہ قلبی خواہش ہے کہ کراچی جانے سے پہلے خود شیرانوالہ گیٹ حاضر ہوں، حضرت لاہوری نے یہ اصرار دیکھا تو کہلا بھیجا کہ ضرور تشریف لائیں، ہمارے لئے آپ کی آمد باعث خیر و برکت ہوگی۔ چنانچہ بانی جامعہ اشرفیہ حضرت لاہوری سے آخری ملاقات کے لئے شیرانوالہ گیٹ تشریف لے گئے۔ آج وہ آنکھیں زندہ ہونگیں جنہوں نے اس ملاقات کا نقشہ کھینچا ہے کہ جب یہ حضرات شیخین آپس میں مصافحہ اور معانقہ کے بعد بیٹھے ہیں تو دیکھنے والوں نے بیان کیا کہ دونوں بزرگوں پر خاموشی کی ایک عجیب کیفیت کافی دیر تک جاری رہی، یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے بے زبان، بغیر الفاظ، بغیر بات چیت کے ساری باتیں آپس میں طے فرما رہے ہیں۔
مولانا روم نے شاید اسی موقع کے لئے فرمایا ہے:

اے لقائے تو جواب ہر سوال، مشکل حل شود بے قال وقال۔

ملاقات کا اختتام ان کلمات پر ہوا: بانی جامعہ حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں یوں عرض کرتے ہیں کہ میرے یہاں آنے کا سبب جہاں آپ کی ملاقات اور زیارت مقصود تھی وہاں سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ آپ سے اپنے حسن خاتمہ کے لئے دعا کا کہنے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ اللہ جل شانہ میرا خاتمہ ایمان پر نصیب کریں"۔
حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ "حضرت! اللہ جل شانہ نے آپ

سے اس ملک پاکستان، لاہور اور اس کی وجہ سے ساری دنیا کے اندر جو اسلام کی خدمت لی ہے، یہ حضرت کی کامیابی کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگی، اور پھر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے تعلق جوڑا ہے ایسا مثالی تعلق کسی خوش نصیب ہی کو حاصل ہو سکتا ہے''۔

یہاں ایک بات یہ بھی عرض کر دوں جس سے شاید حضرت لاہوریؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ کے درمیان محبت اور عظمت کا اندازہ ہو سکے۔ متعدد حضرات نے حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ مدرسہ شیرانوالہ قدیمی مدرسہ ہے یہاں دورہ حدیث اور درس نظامی کا نصاب شروع کر دیں تاکہ دور سے آنے والے طلبا اپنی پیاس بجھا سکیں۔

حضرت لاہوریؒ نے جواب میں فرمایا کہ ''جب سے جامعہ اشرفیہ لاہور میں بنا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ علماء نے طلبہ کی علمی پیاس بجھانے کے لئے ایک علمی مرکز بنا دیا ہے''۔

(بیس علمائے حق ص ۱۴۶)

(۹)۔''میرا اک کھیل خلقت نے بنایا'':

آپ کے خادم خاص جناب محمد اقبال صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مرشدی مولانا مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس عاجز نابکار سے فرمایا کہ معلوم ہے حضرت گنگوہی قدس سرہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کا یہ شعر کیوں گنگناتے تھے

میرا اک کھیل خلقت نے بنایا ۔۔۔ تماشا کو مرے پھر بھی تو نہ آیا

میں نے عرض کیا حضرت فرمائیں۔

فرمایا: ''حضرت گنگوہی قدس سرہ کی بینائی جاتی رہی تھی اور ان کی پالکی کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ، حضرت مولانا محمود حسن صاحب، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمھم اللہ اٹھاتے تھے اور چونکہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اپنے مریدین ومجازین عظام کے درجات کو پہچانتے تھے اور شیخ خود تو اپنا معتقد ہو نہیں ہو سکتا اور عالم بھر میں اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھتا ہے اس لئے فرماتے تھے کہ اتنے بڑے لوگ میرا تماشا بنا رہے ہیں''۔

بندہ کو تو یہی باور کیا گویا یقین ہے کہ اس طرح حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنی حالت کا اظہار فرما رہے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ بندہ نے عرض کیا حضرت! آپ بندہ کے مکان پر تشریف نہیں لاتے۔ فرمایا کہ تم کچھ کچھ سمجھ سکو گے تم باور نہیں کر سکتے کہ جب میں ایک مسلمان کے کندھوں پر سوار ہوتا ہوں میرا کیا حال ہوتا ہے۔ (کمالات حسن ص ۳۴)

(۱۰) ''اگر میری تعریف میں ہے تو سنانے کی قطعاً اجازت نہیں'':-

مولانا غلام محمد صاحب مدظلہ خادم خاص حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک پرچہ بندہ کو لکھ کر دیا جس کی عبارت درج ذیل ہے:

۱۹۵۲ء کا ذکر ہے، (حضرت مفتی صاحب) کراچی تشریف لائے ہوئے تھے اور حاجی محمد شفیع امرتسری کے گھر پر قیام تھا۔ ایک روز درس مثنوی میں مظہریت صفات باری تعالیٰ کے مسئلہ کی تشریح قالاً و حالاً ایسی فرمائی کہ ساری مجلس پر ایک کیفیت طاری ہوگئی، جب درس ختم ہوا راقم الحروف کی زبان سے بے ساختہ یہ رباعی ہوگئی جو شدت تاثر اور وفور فیضان کا اثر تھا

تو واقف سر و رمز رومی ہستی
وز بادہ عرفان الٰہی مستی
جرعے ز مئے قدیم ارزانی کن
اے تو کہ خیالم بہ فلک پیوستی

یہ حضرت کی توجہ باطنی کا کرشمہ تھا، مگر اسی کے ساتھ حضرت کی فنائیت تامہ کا مشاہدہ بھی اس سلسلہ میں یوں حاصل ہوا کہ احقر کو تو خود اپنی رباعی پیش کرنے کی جرأت اس وقت نہ ہوسکی تھی، بعد میں حضرت کے مرید رشید و خلیفہ مجاز حاجی نور محمد بٹ صاحب مرحوم جب لاہور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! مولوی غلام محمد صاحب نے حضرت کی شان میں بڑی ہی اچھی رباعی کہی ہے جو پیش کرنا چاہتا ہوں تو منع فرمایا اور حکماً ارشاد ہوا:

''اگر میری تعریف میں ہے تو سنانے کی قطعاً اجازت نہیں''

یہ شان تھی فنائیت کی ورنہ اور شیوخ تو اس قسم کی چیزوں کو خود فروغ دیتے ہیں۔

(ایضاً ص ۳۵)

(۱۱) ''اس مجلس میں سب سے زیادہ حقیر میں ہوں'':۔

کوئی مجلس نہ ہوتی تھی جس میں پستی کا ذکر نہ ہوتا اور اہل طریق کی ہدایت کے لئے یہ شعر اکثر بالقصد پڑھا کرتے تھے۔

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود، ہر کجا دردے شفا آنجا رود۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کہ ''خانقاہ میں بیٹھے ہوئے مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس مجلس میں سب سے زیادہ حقیر میں ہوں''۔ (ایضاً ص ۳۶)

(۱۲) ''میں کیا ہوں جو میرے ملفوظات لکھتے ہو مت لکھو!'':۔

جناب حفیظ الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کے مجازین میں سے تھے اور آخری دو سال جب حضرت اقدس رحمہ اللہ معذور تھے ان کی طرف سے خطوط کے جوابات بھی لکھتے تھے۔ایک صاحب کی درخواست پر حفیظ الرحمٰن صاحب نے حضرت سے اجازت چاہی کہ حضرت کے ارشادات بعنوان ''ملفوظات'' نقل کر لیا کروں ۔حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ''میرے ملفوظ''؟ پھر فرمایا ''میرے ملفوظ؟''۔فرمایا ''ملفوظات تو حضرت مرشدی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے ہیں میں تو وہی نقل کرتا ہوں، میں کیا ہوں جو میرے ملفوظات لکھتے ہو مت لکھو!'' (ایضاً ص ۳۷)

(۱۳) ''حضرت مفتی صاحب نے اپنی فقیری کو اس طرح چھپایا ہے جیسے مرغی اپنے چوزوں کو اپنے پروں میں لے لیتی ہے''۔

حضرت مفتی صاحب کی سادگی ہی شان عبدیت وفنائیت اور تسلیم ورضاء کا نمونہ تھی اور حضرت کے پاؤں کے تلوے میں پھوڑا ۱۹۳۴ء سے تھا اور ۱۹۵۱ء میں ٹانگ کٹوائی

۔گویا ۱۷۔۱۸ سال اس شدت تکلیف میں صبر واستقلال پر ذرا بھر آنچ بھی نہیں آنے دی اور ہمیشہ ہشاش بشاش رہے اور جس روز ٹانگ کاٹی گئی اسے یوم عید کہتے تھے۔اتنا بڑا آپریشن اور بیہوش کرنے کی اجازت نہ دینا، آپریشن کے شروع سے اختتام تک نبض کی رفتار میں سرموفرق نہ آنا جس بشاشت کے ساتھ آپریشن کے کمرے میں داخل ہوئے تھے اسی طرح واپس آنا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، یہ واقعہ قرون اولیٰ کی یاد تازہ کردیتا ہے۔حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے استفسار پر کہ یہ استقامت جو ٹانگ کٹنے کے وقت تھی اس کا کیا راز تھا ؟فرمایا:

'' میں اس وقت تکلیف کے اجزجزیل میں جو متشکل ہوکر سامنے آگیا تھا ایسا محو ہوا کہ کچھ پتہ نہ چلا کہ کیا ہورہا ہے''۔

گویا یہ مقام عین الیقین تھا کہ تکلیف کا احساس تک نہ ہوا اور یہ راز صرف اور صرف حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کو ان کے دریافت کرنے پر فرمایا۔ورنہ بقول احقر کی والدہ صاحبہ نوراللہ مرقدھا حضرت مفتی صاحب نے اپنی فقیری کو اس طرح چھپایا ہے جیسے مرغی اپنے چوزوں کو اپنے پروں میں لے لیتی ہے۔حضرت والدہ صاحب ولیہ تھیں اور ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ شب جمعرات انتقال فرمایا۔۹ حج فرمائے اس کے بعد دو مستقل عمرے کیے تھے۔فرماتی تھیں جس وقت میں حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ کا سلام ان کی زندگی میں مواجہ شریف کے سامنے پیش کرتی تھی مجھے حضور اقدس ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بھی۔عجیب ایک کیفیت وحال ہوتا تھا۔ (ایضاً ص ۳۸)

(۱۴)''یہ تو آپ کا احسان ہے کہ آپ کے ذریعہ ہم کلامی کی سعادت نصیب ہوجاتی ہے''۔

(۱)۔ایک دفعہ ایک صاحب نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے دعا کے لئے عرض کیا، تھوڑی بعد پھر عرض کیا تھوڑی دیر بعد پھر عرض کیا۔پھر کہا کہ حضرت! آپ کو دعا کے لئے

بار بار تکلیف دیتا ہوں، فرمایا کہ ''کیا کہا، ارے بھائی! تمہارے کہنے سے مجھے حق تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ تو آپ کا احسان ہے کہ آپ کے ذریعہ ہم کلامی کی سعادت مل جاتی ہے''۔

(۲)۔ حضرت کو ذیابیطیس کی تکلیف کی وجہ سے بار بار استنجاء کے لئے جانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بیت الخلاء جاؤ تو پڑھ لیا کرو **بسم اللہ اللھم انی اعوذ بک من الخبث و الخبائث** اور فارغ ہونے کے بعد **غفرانک الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی و عافانی**۔

اس طرح یہ تکلیف بھی میرے لئے رحمت بن گئی کہ ہر دفعہ دو مرتبہ (مسنون دعاؤں کے ذریعہ) حق تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف نصیب ہو جاتا ہے۔

دیکھئے! عبدیت و فنائیت، رضاء و تسلیم کس درجہ تھا؟ (ایضاً ص ۳۹)

(۱۵) ''بھائی! معاف کر دینا! میں نے تمہیں بہت تکلیف دی ہے''۔

چونکہ حضرت مفتی صاحب ایک زمانہ سے چلنے پھرنے سے لاچار ہو گئے تھے، ایک صاحب جن کا شمار رندوں میں ہوتا ہے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ان میں کبھی غرور، تکبر، نخوت اور خشونت نہیں پائی وہ صحیح معنوں میں قرون اولیٰ کے ان رفیقان رسول کا عکس تھے، جن میں صحب رسالت مآب کی خوشہ چینی کا شرف حاصل ہوا۔ اس لئے آپ کے جلیل القدر صاحبزادے انہیں کاندھوں پر اٹھا کر چارپائی وغیرہ بدلواتے اور حوائج ضروریہ سے فراغت میں معاون ہوتے تھے۔ مگر آپ کی یہ حالت تھی کہ صاحبزادگان سے قدم قدم پر معافی کے خواستگار ہوتے۔ فرماتے ''بھائی! معاف کر دینا میں نے تمہیں بہت تکلیف دی ہے''۔

(حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری اور ان کے مشاہیر تلامذہ وخلفاء ص ۹۳)

(۱۶)۔ ''میری کیا بساط ہے کہ دین کی خدمت کا کوئی اونچا دعویٰ کر سکوں؟''

ایک روز ایک اخبار کا نامہ نگار حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ

جامعہ اشرفیہ کے متعلق ایک مضمون لکھنے کا ارادہ ہے، کچھ مواد درکار ہے۔ حضرت مفتی صاحب مسکرائے اور پوچھا'' کیا آپ نے فیروز پور روڈ پر جامعہ اشرفیہ کی نئی عمارت دیکھی ہے؟''

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو فرمانے لگے'' بس مواد تو وہیں ملے گا، طالبعلموں کے درمیان تھوڑا سا وقت بسر کیجئے ان کے اساتذہ سے ملیے پھر آپ جو مناسب سمجھیں لکھیے!'' انہوں نے کہا کہ جامعہ کے رئیس (یعنی آپ) سے ملاقات کا بھی ایک مقصد ہے۔ آپ نے جواب دیا:

'' بھائی! میں تو خاموش گوشہ میں پڑا ہوں، ذات باری کے احسانات سے گردن جھکی ہوئی ہے، اس کی عنایتوں کا شمار ہی نہیں، میری کیا بساط ہے کہ دین کی خدمت کا کوئی اونچا دعویٰ کر سکوں، بس ایک چراغ جلا رکھا ہے کیونکہ زندگی محض مادی ضروریات کے لئے تگ ودو ہی کا نام نہیں، اس کا روحانی پہلو بھی ہے، جب تک اس خاکی جسم میں سانس ہے میں ان شاء اللہ یہ خدمت انجام دیتا رہوں گا۔

ذات کبریا کا سب سے بڑا کرم یہ ہے کہ ہمیں دینی کاموں کے لئے سرمایہ کی جس قدر ضرورت ہوتی ہے اس سے وافر حق تعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں اور یہ رقم ایسے لوگوں کے ہاتھ سے آتی ہے جن میں نام ونمود کی کوئی آرزو نہیں، اسی تائید ایزادی کا نتیجہ ہے کہ گرانی کے اس دور میں بھی جامعہ اشرفیہ کی عمارتیں سر اونچا کر رہی ہیں''۔ (ایضاً ۹۳، ۹۴)

(۱۷)'' حضرت مفتی صاحب کی شان تواضع'':۔

آپ کے خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

ایک نمایاں چیز جو شیخ طریقت، ہادیٔ امت، سراپا رحمت حضرت مفتی صاحب

رحمتہ اللہ علیہ میں احقر عاجز نے محسوس کی، وہ تواضع تھی اور فناء فی الشیخ کا یہ لازمی اثر تھا ،کیونکہ فناء فی الشیخ ہونے سے شیخ کے کمالات طالب میں آتے ہیں ''خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے''۔

حضرت تھانویؒ کی تواضع لامحالہ حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ میں آنی تھی اور آئی۔ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ ''حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ میں چونکہ بہت تواضع تھی تو سب اہل مجلس میں تواضع آ گئی تھی اور حضرت تھانویؒ کی مجلس میں ہر شخص اپنے آپ کو سب سے حقیر شمار کرتا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ میں اتنی تواضع تھی کہ اگر آسمان سے آواز آتی کہ دنیا میں سب سے حقیر کون ہے؟

...... تو سب سے پہلے حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے کہ میں ہوں''

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''بعض لوگ جب دو چار نفل پڑھ لیتے ہیں تو (ٹوپی ماتھے پر رکھ کر فرمایا کہ) ٹوپی یوں رکھ لیتے ہیں''، یعنی متکبرانہ طریق سے رکھ لیتے ہیں۔

غالباً حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا مقولہ نقل فرمایا کہ ''مجھے تکبر سے ایسی ہی نفرت ہے جیسی کفر سے نفرت ہے''۔

یاد پڑتا ہے کہ بعض دفعہ اپنی طرف سے یا حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''ہم اگر حق تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں پوچھیں تو یہ ایسا ہے جیسے پانی کے قطرہ میں باریک جراثیم ہوتے ہیں، ان میں سے ایک سر اٹھا کر یہ کہے کہ انسان کے فلاں کام میں کیا حکمت ہے؟'' یعنی جیسے پانی کے قطرہ کے باریک جراثیم کی انسان کے سامنے وقعت نہیں ایسے ہی انسان کی حق تعالیٰ کے سامنے کچھ وقعت نہیں کہ حق تعالیٰ کے کسی فعل پر اعتراض کر سکے۔ (فیوض الاکابر ص ۱۶، ۱۷)

(۱۸) ''سبحان اللہ! خلوت کی بھی تعلیم فرمائی اور تکبر سے بچنے کی بھی تدبیر سکھلا دی'':۔

ایک مرتبہ جبکہ احقر (حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم) خیر المدارس میں پڑھتا تھا تو

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے احقر سے فرمایا کہ ''طلباء سے الگ رہا کرو اور یہ خیال کرنا کہ جیسے بھنگی دوسرے لوگوں سے الگ رہتا ہے کہ اس کی گندگی سے اوروں کو تکلیف نہ پہنچے اسی طرح تم بھی الگ رہنا''۔ سبحان اللہ خلوت کی بھی تعلیم فرمائی اور تکبر سے بچنے کی بھی تدبیر سکھلا دی۔ (ایضاً ص ۱۷)

(۱۹) ''جب سقاوہ میں ہی کچھ نہ ہو تو بدنے میں کیا آویگا''؟

ایک دفعہ خیرالمدارس میں حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ تشریف لے گئے احقر چائے کے برتن دستر خوان پر رکھ رہا تھا، حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمتہ اللہ نے احقر کو کچھ تنبیہ فرمائی اور ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا'' کہ ''دیکھئے!۔۔۔۔۔آپ کے مرید ایسے ہیں''۔ حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے عجیب لہجہ میں فرمایا کہ ''جب سقاوہ میں ہی کچھ نہ ہو تو بدنے میں کیا آویگا؟۔ یعنی جس مشک میں سے لوٹے میں پانی ڈالنا ہے جب اس مشک میں کچھ نہ ہوگا تو لوٹے میں کیا آوے گا۔

عجیب عنوان سے اپنی عاجزی کا اظہار فرمایا۔ سبحان اللہ۔۔۔اولیاء اللہ میں جتنی حق تعالیٰ کی معرفت بڑھتی چلی جاتی ہے تواضع بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس راستہ میں اول قدم بھی فناء ہے اور آخری کمال بھی فناء ہے۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ ''جس سالک نے تواضع حاصل نہ کی، کچھ بھی حاصل نہ کیا''۔ (ایضاً ص ۱۷)

(۲۰) ''میں تمہیں ڈانٹ کر پچھتایا بہت'':

ایک دفعہ ایک طالب کو کسی کوتاہی پر ڈانٹا اور فرمایا ''تو نے خبیثوں جیسا کام کیا'' یہ بھی نہ فرمایا کہ تو خبیث ہے، پھر شاید یہ خیال فرمایا کہ اس کا قصور نہ تھا، تو اگلے دن بلا کر فرمایا کہ ''میں تمہیں ڈانٹ کر پچھتایا بہت'' عجیب تواضع تھی کسی شیخ کو مرید سے معافی مانگتے بھی بلا کسی نے سنا ہوگا۔ آپ نے اپنے آپ کو بالکل مٹا دیا تھا اور شاید حضرت کی شان فناء اور تنہائی پسندی ہی کی خواہش حق تعالیٰ نے یوں پوری فرمائی کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا وصال

کراچی میں ہوااور بہت جلد نہایت سادگی سے عامتہ المسلمین کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ع زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے (ایضاً ص ۱۷)

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) ''عسرت اور سادگی''۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ہم لوگوں کو خوب اندازہ تھا کہ مولانا کے یہاں عسرت اور نہایت سادگی کیساتھ گزران ہوتی ہے۔اس کا نتیجہ تھا کہ اخفاء حال اور تکلیف سے بچانے کے لئے مولانا اپنے عزیز مہمانوں کے کھانے کا انتظام باہر کرتے اور انجمن کے کسی خادم یا مسجد کے کسی منتظم کو کچھ نقد عنایت فرما دیتے ،جس سے ان مہمانوں کی میزبانی ہوتی رہتی۔ مجھے ایک مرتبہ اچانک اس کا اندازہ اور علم ہوا کہ مولانا کے گھر میں عام طور پر کیسی گزران اور کیا معیار زندگی ہے۔رمضان المبارک میں غریب مسلمانوں کے یہاں بھی کچھ نہ کچھ اہتمام اور تکلف ہوتا ہے لیکن مولانا کے یہاں میں نے اتنا بھی اہتمام نہیں پایا،

واقعہ یہ پیش آیا کہ رمضان مبارک میں مولانا کی خدمت میں مقیم تھا،مولانا نے ایک روز فرمایا کہ آج کھانا میرے ساتھ کھایئے گا افطار ہم لوگوں نے پنجاب کے رواج کے مطابق مسجد میں پانی یا چھوہارے سے کرلیا نماز مغرب کے بعد مولانا نوافل میں مشغول ہو گئے، فارغ ہوئے تو میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ مولوی صاحب میں گھر میں اطلاع دینا بھول گیا کہ آج آپ ساتھ کھانا کھائیں گے۔ یہ کہہ کر مجھے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ فرمایا کھانا آیا تو صرف روٹی اور دال کا پیالہ تھا جو غالباً ماش کی تھی۔اسی وقت دہی کا میری وجہ سے اضافہ کیا گیا۔مولانا نے کھانا کھاتے ہوئے فرمایا کہ مولوی ابوالحسن صاحب!(مولانا مجھے اکثر اسی طرح یاد فرماتے تھے) ہم سے تو یہ دال اچھی ہے کہ یہ جس مقصد کے لئے پیدا کی گئی تھی اس کو اس نے پورا کر دیا مگر ہم نے اپنی زندگی کا مقصد پورا نہیں کیا۔اس کے بعد بغیر کسی معذرت کے کھانے میں شریک ہو گئے اور ایسا معلوم ہوا کہ آج کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔

(حضرت لاہوری رحمہ اللہ اور ان کے خلفاء صفحہ ۱۱۲)

(۲) ''حد درجہ تواضع اور انکساری'':۔

مولانا جہاں دنیا اور اہل دل کے سامنے بڑے خوددار اور غیور واقع ہوئے تھے۔اہل دین اور خصوصیت کیساتھ ان حضرات کے سامنے جنکو اپنے مشائخ اور اکابر کی صف میں شمار کرتے تھے حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے،علمائے حق سے نہایت جھک کر اور فروتنی کیساتھ ملتے تھے اور ان کی نہایت تعظیم کرتے تھے،دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا ان کو اپنے اساتذہ کے صف میں سمجھتے تھے اور اپنے کو ان کے سامنے ایک طالبعلم سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے۔

معاصر علماء و مشائخ میں سے ان کو دو شخصیتوں سے بیحد عقیدت تھی اور وہ ان کے ساتھ اپنے مشائخ کا معاملہ کرتے تھے،ایک حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمتہ اللہ اور ایک ہمارے

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ۔دیکھنے والوں نے بارہا دیکھا ہے کہ مولانا حضرت رائے پوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت ادب کیساتھ دوزانو اس طرح مراقب ہوکر بیٹھ گئے ہیں جیسے کوئی مرید رشید شیخ کے سامنے۔اگر حضرت نے کوئی بات پوچھی تو نہایت ادب کیساتھ مختصر اور بقدر ضرورت جواب دیا،پھر خاموش ہو گئے مجھے یاد نہیں کہ ابتداءً کوئی سوال کیا ہو،یا کسی گفتگو میں حصہ لیا ہو۔(حوالہ بالا ص ۱۱۵)

(۳) ''کمال سادگی'':۔

آپ سفر میں نہایت ہی سادہ اور بے تکلف زندگی بسر کرتے تھے۔ایک دفعہ نواب بہاول پور کی دعوت پر بہاولپور تشریف لے گئے نواب صاحب کی طرف سے استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن پر وزیراعظم صاحب اور دوسرے خدام حاضر ہوئے۔حضرت جب پلیٹ فارم پر تشریف لے آئے۔تو آپ کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک مصلی تھا جس کے ساتھ ایک جیب سی لگی ہوئی تھی اس میں بعض ضروری اشیاء رکھ لیا کرتے تھے۔وزیر صاحب

نے حضرت رحمہ اللہ علیہ سے معلوم کیا کہ سامان اور خدام کس ڈبے میں ہیں؟ حضرت رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

''میرا سامان صرف یہی ہے جو میرے ہاتھ میں ہے۔ خادم وغیرہ کوئی ساتھ نہیں

چنانچہ

اس سادگی میں تشریف لے گئے''۔ (مردمومن ص ۱۸۰)

(۴) ''ایک اسٹیشن پہلے اتر کر پیدل جلسہ گاہ پہنچے'':۔

ایک دفعہ ضلع سیالکوٹ کے قصبہ (نوشہر کے زیاں) میں حضرت کا وعظ تھا، سینکڑوں لوگ گاڑی کے وقت اسٹیشن پر استقبال کے لئے گئے مگر حضرت کو نہ پایا اور لوٹ آئے۔ آخرکار جلسہ شروع کر دیا گیا، قرآن پاک کی تلاوت ہوئی نظمیں اور نعتیں پڑھی گئیں مولانا بشیر احمد پسروری رحمہ اللہ علیہ نے تقریر شروع کر دی تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ حضرت لاہوریؒ تنہا تشریف لے آئے ہیں احباب میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کسی نے عرض کیا حضرت ہم تو اسٹیشن پر استقبال کے لئے گئے تھے اور مایوس لوٹ آئے حضرت نے فرمایا میں اسی لئے تو قلعہ سوبھا سنگھ اتر گیا تھا اب وہاں سے یہاں تک پہنچا ہوں، میرے استقبال کی کیا ضرورت تھی، ان باتوں سے طبیعت کو مناسبت ہی نہیں۔

(ہفتہ روزہ ختم نبوت ...... جلد ۸ شمارہ ۱۸)

(۵) ''اکابر سے عقیدت ...... مشائخ کا ادب''۔

اکرام قطب عالم حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ علیہ تعالی:۔

(۱)۔ جناب جمیل احمد میواتی مجاز حضرت شیخ المشائخ سید العارفین قطب الارشاد مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت رائے پوری رحمہ اللہ علیہ کے جملہ متعلقین میں یہ بات بہت مشہور تھی کہ مشائخ کا ادب جسکو سیکھنا ہو وہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے سیکھ لئے

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ لاہور میں جمیعت العلمائے اسلام کی کانفرنس ہو رہی تھی

جس کے دوران روئیداد کے پمفلٹ تقسیم کئے گئے تھے۔ میں نے بھی خاصی تعداد ساتھ لی تا کہ حضرت اقدس رائے پوریؒ کے یہاں جا کر پڑھے لکھے لوگوں میں تقسیم کروں۔ میں وہاں پہنچا ہی تھا کہ حضرت لاہوریؒ بھی وہاں پہنچ گئے، دل میں خیال آیا کہ تقسیم سے پہلے حضرت لاہوریؒ سے مشورہ کرلوں چنانچہ میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا حضرت لاہوریؒ نے فرمایا نہ بھائی نہ، حضرت مولانا کے سامنے تقسیم نہ کرنا۔ آگے پیچھے تقسیم کر دینا یہ کہہ کر گھبراتے ہوئے اپنے جوتوں کو اتارا اور جلدی سے عصا رکھتے ہوئے حضرت کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوئے جس طرح ایک شاگرد اپنے استاذ کے سامنے اور مرید اپنے پیر کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ سلام کیا اور گردن جھکا کر بیٹھ گئے۔

(حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ علیہ کے حیرت انگیز واقعات ص ۲۳۹)

(۲)۔ سید امیر اعلی قریشی مدنی فرماتے ہیں کہ لاہور میں ایک مرتبہ مال روڈ پر واقع حاجی عبد المتین صاحب کے بنگلے میں حضرت اقدس قطب عالم شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ علیہ قیام فرمار ہے تھے کہ ایک دن شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تشریف لائے اسوقت تقریباً ایک سو عقیدت مندوں کا مجمع حاضر خدمت تھا، بڑھاپے اور کمزوری کیوجہ سے حضرت اقدس رائپوری رحمہ اللہ علیہ چارپائی پر محو استراحت تھے اور ارادتمند چارپائی کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اُن میں عامتہ الناس تو برائے نام تھے اصلاً یہ مجمع اصحاب علم وفضل اور معرفت وروحانیت کے بادہ نوشوں کا تھا مگر جب حضرت شیخ التفسیر تشریف لائے تو انکے لئے حضرت نے کرسی منگوا کر اپنی چارپائی کے بالکل قریب رکھوالی اور اپنے وقت کے یہ دونوں بزرگ اولیاء کرام ایک دوسرے کی اسطرح روبرو بیٹھے کہ انکے سینے آمنے سامنے تھے، دونوں بزرگ سلام دعا اور خیر خیریت پوچھنے کے بعد خاموش ہو گئے اور مجلس پر بھی سناٹا چھایا ہوا تھا کہ جیسے کوئی یہاں بیٹھا ہی نہیں ہے۔ دونوں بزرگوں نے بظاہر کسی موضوع پر کوئی گفتگو نہیں فرمائی لیکن بقول سلطان الاولیا حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ علیہ

ے دل دریا، سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانے ہو

یعنی اہل حق اور اصحاب صدق وصفا کے قلوب کی گہرائی دریاؤں اور سمندروں کی گہرائیوں سے بھی بڑھ کر ہے ان کے دلوں کی گہرائی کی تہہ میں کیا کچھ ہے؟ عام لوگ کیسے جان سکتے ہیں، دل کے آئینے میں یار کی تصویر رکھنے والے دو صاف شفاف دل آمنے سامنے تھے، انہوں نے باہم کیا کیا دیکھا، کیا کیا دکھایا اور کہا یا سنایا کوئی کیا جانے، دیکھنے والے تو ظاہری آنکھوں سے صرف یہی دیکھ رہے تھے کہ اقلیم رشید وہدایت کے دونوں آفتاب وماہتاب نظریں نیچے کئے سر جھکائے بیٹھے رہے اور کچھ ہی دیر بعد پہلے حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ علیہ نے سر اوپر اٹھایا اور بس یہ فرمایا ''حضرت! اب اجازت چاہتا ہوں''۔ (حوالا بالا ص ۲۴۰)

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ سے عقیدت

(۱)۔ حضرت اقدس شیخ التفسیر مولانا احمد علی رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ سے آپکے روحانی کمالات کیوجہ سے بے انتہاء انس وعقیدت تھی۔ اس سلسلہ میں حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ علیہ کا یہ ملفوظ غالباً آپ کے اکثر خدام ومتوسلین نے بارہا سنا ہوگا کہ میں بارہا مکہ معظّمہ گیا ہوں وہاں اہل اللہ کے جھنڈ کے جھنڈ ہوتے ہیں مگر میں نے حضرت مدنیؒ کے انوار ومرتبہ کا کوئی ولی نہیں دیکھا''

اس سے خود حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ علیہ کے بھی انوار ومرتبہ کا مقام سمجھ میں آتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ علیہ کس بلند وبالا مقام پر فائز ہیں کہ اولیاء کرام کے مقام ومراتب کو فوراً پہچان لیتے ہیں۔ (ایضاً ص ۲۴۱)

(۲) ''نشست گاہ کا بھی اکرام''۔

ایک دفعہ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ علیہ چند گھنٹے کے لئے جمعیت العلمائے اسلام کے ایک جلسہ میں شرکت کے لیے کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان تشریف لائے واپسی کا ارادہ فرما رہے تھے۔ مدرسہ کے مہتمم مولانا عبدالکریم صاحب نے عربی المدارس نے ایک حجرہ کیطرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت مدنی رحمہ للہ علیہ نے اس کمرہ میں ایک گھنٹہ تخلیہ فرمایا اور پھر بیعت کا سلسلہ بھی یہیں شروع فرمادیا تھا اتنا سننا تھا

کہ حضرت شیخ التفسیر رحمہ للہ علیہ بے اختیار اس کمرے کیطرف لپکے۔ حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی تشریف گاہ معلوم فرما کر عجلت سے وہیں تشریف فرما ہوئے اور فوراً دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیے، پھر معمولی درخواست پر خواہشمندوں کو بھی بیعت فرمالیا۔

۱۹۵۷ء میں شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ للہ علیہ کے وصال کے بعد ۱۹۵۸ء کی پہلی سہ ماہی میں جب مدرسہ ھذا کے سالانہ جلسے میں شرکت کے لئے حضرت شیخ التفسیر کلاچی تشریف لائے تو جلسہ میں تعزیتی قرارداد پیش کرنے کے لئے عرض کیا گیا۔ حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''میں تو وصال کے الفاظ زبان پر لانے سے قاصر ہوں تم قرارداد پڑھ دو میں دعا کرونگا''۔ (ص ۲۴۲، ۲۴۳)

(۳) ''حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں ہمیشہ دوزانو بیٹھنے کا اہتمام'':۔

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب خلیفہ مجاز حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ علیہ سے ایک مخصوص قلبی تعلق تھا جسکا آپ رحمہ اللہ علیہ اکثر اظہار فرمایا کرتے۔ ایک دفعہ رفیق محترم مولانا عبداللطیف جہلمی اور راقم الحروف حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ کا وہ مکتوب دکھایا جو قیام پاکستان کے بعد دیوبند سے بھیجا تھا غالباً حضرت لاہوری رحمہ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کے اس گرامی نامہ کو قیامت میں نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت اقدس لاہوریؒ نے فرمایا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں بعض دفعہ جمعیت العلمائے ہند کے اجلاس میں تین تین چار چار گھنٹے بیٹھنا پڑا ہے میں ہمیشہ دوزانو ہی بیٹھتا تھا۔ (ص ۲۴۴)

(۴) ''تواضع وانکساری'':۔

حضرت مولانا حامد میاں رحمہ اللہ علیہ امیر جامعہ مدینہ لاہور نے فرمایا:

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے کہ میں ایسے ہی نہیں بلکہ علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ اس وقت روئے زمین پر حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ جیسی کوئی دوسری جامع و بلند پایہ شخصیت موجود نہیں ہے۔ فرمایا کہ مجھے حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کے سامنے گھنٹوں بھی اگر بیٹھنا پڑا تو ہمیشہ دوزانو بیٹھتا اور میں نے یہ خواہش کی کہ میری ڈاڑھی کے بال حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کی مبارک جوتیوں میں سی دیئے جائیں ۔اس سے جہاں حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کی بلندی مقام ظاہر ہوتی ہے وہاں حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ علیہ کی غایت درجہ تواضع وانکساری بھی ظاہر ہوتی ہے جبکہ حضور اقدس جناب رسول ﷺ کا یہ فرمان عالی شان ہے کہ جو اللہ کو خوش کرنے کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند مرتبہ نصیب فرماتا ہے۔ کیا ٹھکانہ ہے اس عظمت و رفعت کا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ التفسیر رحمتہ اللہ علیہ کو اس کی جزا میں نصیب فرمائی کہ پاکستان میں پاکستانی مشائخ طریقت میں سے کسی سے اتنا فیض نہیں ہوا جتنا حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ علیہ سے پھیلا اور آپ سرکردہ علماء قرار پائے۔ (ص ۲۴۵)

(۵) ''درس توحید کی وجہ سے چھوٹوں کا اکرام و تعظیم''۔

پروفیسر محمد یوسف چشتی صاحب شارح اقبالیات فرماتے ہیں کہ انجمن حمایت الاسلام لاہور نے کالج کے قیام کا فیصلہ کیا۔ تو ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کو کالج کا سرپرست یا مربی اور مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ کو صدر با اختیار منتخب کیا۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کے ایماء پر پرنسپل کی اسامی کے لئے میں نے بھی درخواست دی۔ باقی دو درخواست گزار اور تھے لیکن قرعہ فال میرے نام نکلا چنانچہ نومبر ۱۹۲۹ء میں نے اپنے عہدے کا چارج لیا میرے فرائض منصبی میں یہ بھی تھا کہ روزانہ دس سے گیارہ بجے کے دوران میں حضرت اقدس لاہوری رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کالج کے متعلق ہدایات حاصل کروں اسوقت حضرت اقدس رحمہ اللہ علیہ کبھی کوئی ذاتی گفتگو یا نصیحت نہیں فرماتے تھے لیکن جب بعد نماز عصر ذاتی ملاقات یا شام کو مجلس ذکر میں ہوتا تو حضرت کا طرز عمل بالکل مختلف ہوتا

آپ رحمہ اللہ علیہ بالعموم اس عاجز گناہ گار بلکہ سیاہ کار ذرہ بے مقدار کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے، مصافحہ کے بعد اکثر معانقہ بھی فرماتے ذرہ نوازی کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۶۰ء میں جب یہ عاجز مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ علیہ کی دعوت پر مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں شریک تھا تو دوسرے دن حضرت اقدس مولانا لاہوری نور اللہ مرقدہ بھی تشریف فرما ہوئے، جب مجھے معلوم ہوا تو میں حاضر خدمت ہوا، میں کمرہ میں داخل ہوا تو آپ حسبِ معمول اس سیاہ کار کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور آپ رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ یہی علماء کرام کا سارا مجمع کھڑا ہو گیا مجھے بڑی ندامت ہوئی میں ضبط نہیں کر سکا جسارت کر کے دریافت ہی کر بیٹھا کہ حضرت اس ننگ خلائق کی اس قدر سرفرازی اور عزت افزائی کا باعث کیا ہے؟ یہ سنکر حضرت اقدس رحمہ اللہ علیہ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر محبت آمیز لہجے میں فرمایا'' میں تمہاری تعظیم نہیں کرتا اس شے کی تعظیم کرتا ہوں جو تمہارے سینے میں ہے۔ وہ شے توحید ہے،، میں نے پوچھا حضرت آپ کو کیسے معلوم ہوا فرمایا کہ آپ مسجد چراغ شاہ میں درس قرآن دیتے ہیں اس درس کے شرکاء مجھے بتاتے ہیں کہ اثبات توحید اور ابطال شرک وبدعات میں آپ بھی وہی کچھ فرماتے ہیں جو میں کہتا ہوں جب میں ان لوگوں کی گواہی سنتا ہوں تو تمہارے حق میں بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے اللہ اپنے فضل سے اس عقیدہ توحید کو تمہارا حال بنا دے۔ آمین۔ (ص ۲۵۲)

(۶) ''اکرام مولانا خیر محمد جالندھری رحمتہ اللہ علیہ'':۔

ڈاکٹر لال دین اخگر لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کمترین حضرت اقدس لاہوری رحمہ اللہ علیہ کی معیت میں ''تاندلیانوالہ'' سے ''وار برٹن'' واپس آ رہا تھا، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ علیہ بھی شریک سفر تھے، حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنا لوٹا پکڑ کر ٹٹی (بیت الخلاء) کی طرف جانے لگے تو حضرت لاہوری رحمہ اللہ علیہ ان کی تعظیم کے لئے اپنی جگہ کھڑے ہو گئے حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے دروازہ بند کر لیا تو ہمارے حضرت اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ جب حضرت مولانا خیر محمد رحمہ اللہ علیہ نے دروازہ کھولا تو ہمارے

حضرت رحمہ اللہ علیہ پھر تعظیما کھڑے ہو گئے۔ اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک مولانا موصوف بیٹھ نہ گئے۔ اس سے پہلے حضرت لاہوری رحمہ اللہ علیہ نے نماز پڑھنے کے لئے اپنا مصلی گاڑی کے سیٹ پر بچھا لیا تھا مگر جب مولانا خیر محمد رحمہ اللہ علیہ نے اپنا مصلی نیچے جوتوں کی جگہ بچھالیا تو حضرت لاہوری رحمہ اللہ علیہ نے بھی فوراً آپ کے اقتدا، میں اپنا مصلیٰ نیچے بچھالیا۔ (مقام ولایت، حصہ دوم ص ۲۳۳)

(۷) ''رواداری اور احترام مسلک کا عجیب منظر'':۔

معروف اہل حدیث عالم حضرت مولانا سید داؤد غزنوی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دفعہ اطلاع بھجوائی کہ فلاں روز وہ اپنے رفقاء کے ساتھ شیر نوالہ تشریف لائیں گے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مریدین تلامذہ اور عقیدت مندوں کو حکم فرمایا کہ مولانا سید داؤد غزنوی صاحب اور ان کے ساتھی جس نماز میں ہمارے ساتھ شامل ہوں تو آپ سب لوگ ان کے مسلک کے احترام میں رفع یدین کریں اور آمین بالجہر کہیں تاکہ ہمارے مہمانوں کو یہاں کوئی اجنبیت محسوس نہ ہو۔ جبکہ مولانا سید داؤد غزنوی رحمتہ اللہ علیہ پہلے ہی اپنے ساتھیوں کو تاکید فرما چکے تھے کہ شیر نوالہ میں میرے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے نہ آپ رفع یدین کریں نہ اونچی آواز سے آمین کہیں کیونکہ مولانا احمد علی صاحب حنفی مسلک ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس رواداری اور احترام مسلک کا یہ عجیب منظر دیکھا گیا کہ حنفی مسلک کے نمازی رفع یدین کر رہے ہیں اور آمین بلند آواز سے کہہ رہے ہیں جبکہ اہل حدیث مہمانوں نے اپنے میزبان کے اکرام میں نہ رفع یدین کیا نہ آمین بالجہر پڑھی۔

(ماخوذ از خدام الدین ۲۴ مئی ۹۶، ص ۱۳)

(۸) ''طلبہ کا سامان اٹھا کر مسجد لیجانا'':۔

حضرت مولانا عبد الشکور صاحب رحمہ اللہ علیہ شیخ الحدیث دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی ایک مرتبہ حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیمبل پوری رحمتہ اللہ علیہ صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کی معیت میں سہارن پور سے کیمبل پور آرہے تھے، ان کے

ساتھ کچھ طلبا بھی تھے جو دورہ تفسیر میں شرکت کے لئے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچنا چاہتے تھے۔

اتفاقاً حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ علیہ بھی لاہور اسٹیشن پر اکابرین دیوبند کے استقبال کے لئے موجود تھے لیکن وہ لوگ متوقع گاڑی سے نہ پہنچ سکے اور مولانا عبدالشکور صاحب، حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ علیہ سے بالکل ناواقف تھے۔

اسی ناواقفیت کی بناء پر انہوں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمتہ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ آپ ان طلباء کو شیرانوالہ کی مسجد میں پہنچا دیں۔حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے بلاکسی پس وپیش کے ان طلباء کا سامان اٹھایا اور مسجد شیرانوالہ پہنچا دیا۔طالب علموں کو جب معلوم ہوا کہ سامان پہنچانے والے ہی شیخ التفسیر ہیں تو بہت شرمندہ ہوئے۔

(خدام الدین لاہور ص ۱۶۔۲۶ جون ۱۹۶۴ء امام الاولیاء نمبر 359)

(۹) ''انسانی ہمدردی'':۔

ماسٹر سراج الدین صاحب لاہوری راوی ہیں کہ سن ۱۹۳۲ کا ذکر ہے۔میں تانگے میں اپنے دوستوں کے ہمراہ اپنے مکان واقع فاروق گنج (لاہور) جارہا تھا، سرکلر روڈ اور فاروق گنج کے درمیان ریلوے لائن کے نیچے ایک تنگ پل ہے جس میں سے تانگہ نہیں گزرسکتا، ہمارے پاس اتنا سامان تھا کہ ہم تینوں اٹھا بھی لیتے تو کچھ باقی بچ رہتا۔سامان تانگے سے اتارا گیا اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر ایک آدمی اور مل جائے تو سامان لے جانے میں آسانی ہوجائے گی۔

یکا یک میری نگاہیں اٹھیں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت رحمہ اللہ علیہ ایک بزرگ کے ساتھ تشریف لارہے ہیں۔آتے ہی سلام میں سبقت فرمائی پھر فرمایا'' سامان زیادہ ہے اور آپ کی تعداد کم ہے اس لئے لایئے کچھ سامان ہم اٹھا لیتے ہیں'' (مردمومن ص ۱۷۷)

(۱۰) ''تقاریر میں کوسنے والے سے بغل گیر ہوگئے'':۔

سید امین گیلانی لکھتے ہیں کہ حضرت اقدس لاہوری رحمہ اللہ علیہ نے ایک روز اتحاد بین المسلمین اور اخلاقیات کے موضوع پر باتیں کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مولوی صاحب اپنی تقاریر میں ہمیشہ مجھے کوستے تھے۔ طعن وطنز، تشنیع اور دشنام کا نشانہ بناتے تھے ۔ میں نے کبھی ان کی باتوں کا جواب نہ دیا نہ برا منایا۔ ایک روز اتفاق سے سر راہ ان کا آمنا سامنا ہو گیا انہوں نے مجھے دیکھا تو فوراً ایک دوسرے بازار کا رخ کرلیا میں بھی ادھر ہی مڑ گیا وہ ایک مسجد کے استنجا خانے میں چلے گئے میں مسجد کے باہر انتظار کرتا رہا جب وہ باہر آئے تو السلام علیکم کہہ کر میں ان کے ساتھ چل پڑا اور کہا کہ مولوی صاحب آپ مجھے جتنا جی چاہے برا بھلا کہہ لیا کریں مجھے گوارا ہے مگر یہ گوارہ نہیں کہ باہم سلام دعا تک نہ رہے ایسا تو بے علم کرتے ہیں علماء کا یہ کردار عوام پر کیا اثر چھوڑے گا؟۔ اگر آپ دیانت داری سے میرے عقیدے کو خلاف شریعت سمجھ کر مجھے برا بھلا کہتے ہیں تو آپ اجر کے مستحق ہیں ، اگر خدانہ کرے دانستہ تعصب سے ایسا کرتے ہیں تو خدا گواہ! میں نے آپ کو معاف کیا''۔

یہ الفاظ سن کر وہ بہت نادم ہوئے اور کہا مولوی صاحب! آئندہ میں کبھی آپ کے خلاف کچھ نہ کہوں گا ، بغل گیر ہوئے اور ہم دونوں اپنی اپنی راہ چل پڑے۔ پھر واقعی انہوں نے کبھی مجھے برا نہ کہا۔ (دو بزرگ صفحہ ۴۴)

(۱۱)۔اصاغر نوازی کی عجیب مثال:۔

ڈاکٹر لال دین اخگر لکھتے ہیں کہ حضرت رحمہ اللہ علیہ سے کسی نے شکایت کی کہ چھوٹی مسجد میں جمعہ کے دن مستورات آنی شروع ہو جاتی ہیں لیکن پردے کا انتظام پہلے کی نسبت دیر سے ہوتا ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا آج میں خود دیکھوں گا آپ رحمہ اللہ علیہ نے جب دیکھا تو شکایت صحیح تھی۔ آپ نے خادم مسجد بابا فضل دین کو تنبیہا کچھ فرمایا اور اپنے حجرے میں چلے گئے ، نماز عصر کے بعد بابا فضل دین کو پھر بلایا ، کچھ دیر بعد بابا حجرے سے باہر آئے تو ایک دو دوستوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا بات تھی؟ پہلے تو وہ لیت ولعل سے کام لیتے رہے اور ٹالتے رہے ، جب زیادہ اصرار کیا تو بتایا کہ حضرت رحمہ اللہ علیہ نے

دوپہر کے پردے والے واقعہ پر نہایت شفقت سے معافی مانگی ہے۔
حقیقتاً حضرت لاہوری رحمہ اللہ علیہ تواضع وانکساری شفقت ومروت کا ایک بے بدل مجسمہ تھے۔ (خدام الدین ۱۱ جولائی ۱۹۷۵ء ص ۱۲)

عارف باللہ حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمہ اللہ کے واقعات

حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب دامت برکاتہم آپکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔
سالک راہ طریقت جس کے سامنے حق تعالیٰ کی عظمت وکبریائی منکشف ہوتی ہے جسکو ہمہ وقت للہ تعالیٰ کی قدرت وقوت مستحضر رہتی ہے اسکی نگاہ میں ساری دنیا بے بس اور محتاج نظر آتی ہے اور سب سے بڑھ کر اسے اپنا نفس اور اپنی ذات ذلیل وخوار محسوس ہوتی ہے۔ اللہ کی بڑائی کے سامنے وہ اپنی ذات میں کسی طرح کی کوئی بڑائی اور خوبی نہیں پاتا۔ بلکہ کسی خوبی وکمال کی اسکی جانب نسبت کی جاتی ہے تو وہ شرم سے عرق عرق ہو جاتا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مولی کے سامنے غلام کیا حیثیت ہے لیکن چونکہ غلاموں کو بسا اوقات اپنے مولی کی معرفت نہیں حاصل ہوتی اس لئے وہ غلط بینی میں مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن جو غلام اپنے آقا کی معرفت رکھتا ہے وہ تمام خیر وکمال کو مولی کا سرمایہ سمجھتا ہے اور خود کو بالکل تہی دامن اور تہی مایہ پاتا ہے۔
حضرت اقدس عارف کامل تھے، حق تعالیٰ کی محبت ومعرفت بدرجہ کمال رکھتے تھے اس لئے تواضع وانکساران کے قلب کی گہرائی میں راسخ تھا۔
فرماتے تھے کہ:۔
''انسان کس بات پر تکبر وخود بینی کرے، درانحالیکہ اندر پاخانہ وپیشاب بھرا ہوا ہے، ناک اور دماغ بلغم سے پر ہے''۔

مرا اورا رسد کبریاء ومنی | کہ ملکش قدیم است وذاتش غنی

(بڑائی اور خودی کا حق صرف اس ذات کو ہے جس کی حکومت قدیم ہے اور اسکی ذات غنی ہے۔) (تجلیات شیخ ہالیجوی ص ۵۷)

اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان کرتے تھے کہ ایک شخص ایک پیر کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے اپنے مریدوں میں داخل کر لیجئے۔ پیر نے کہا پہلے جاؤ اور دنیا میں پھر و اور اپنے سے ذلیل ترین شے میرے پاس لے کر آؤ پھر بیعت کروں گا۔

شخص مذکور اس ارادہ سے نکلا اس کی نظر ایک نہایت کمزور کتے پر پڑی جو نہایت خراب وخستہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ اس کتے کو پیر صاحب کے پاس لے چلنا چاہیے۔ جونہی کتے کو ہاتھ لگایا، کتے سے آواز آئی کہ میں تم سے بہتر ہوں اسلئے کہ میں حیوان ہوں، اللہ تعالیٰ کے یہاں مجھ سے کوئی سوال نہیں ہوگا اور تیرے اعمال کی باز پرس قیامت میں ہونے والی ہے پھر میں کس طرح سے تجھ سے ذلیل ہوں۔ اس شخص نے سمجھ لیا کہ کتا ٹھیک کہتا ہے پھر اس نے دیکھا کہ ایک بھنگی نجاست اٹھا رہا ہے اس نے خیال کیا کہ یہ نجاست مجھ سے ذلیل ہے۔ اسکو پیر صاحب کے پاس لے چلنا چاہیے۔ نجاست سے آواز آئی کہ میں تم سے کمتر کیونکر ہوں۔ اسلئے کہ میں غلہ تھا، میوہ تھا، جب تم نے کھایا اور تیرے پیٹ میں پہنچا تو تیرے باطن نے مجھے نجس کر دیا۔ پس تیرا پیٹ مجھ سے بدتر ہے کہ مجھ جیسے پاک صاف میوے کو نجس اور پلید کر دیا۔ اس کے بعد وہ شخص اپنے پیر کے پاس لوٹا۔ پیر نے سوال کیا کہ اپنے سے کمتر کوئی چیز لائے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے سے بدتر اور کمتر میں کسی چیز کو نہیں پاتا پیر نے کہا اب تجھے بیعت کرتا ہوں۔

حضرت والا نے فرمایا کہ سالک کو چاہیے کہ خود کو سب سے کمتر اور حقیر سمجھے۔

(''تذکرہ الشیخ ہالیجوی'' ص۱۵۴تا۱۵۶)

(۱) ''میں اس گدھے کا بیوقوف مالک نہیں ہوں کہ آپ کی تعریف سے میرا نفس پھول جائے''۔

بعض دوستوں نے نقل کیا کہ ایک مرتبہ کوئی عالم پنجاب سے تشریف لائے۔ انہوں نے حضرت والا سے اجازت لے کر تقریر کی اور تقریر میں حضرت والا کی بے حد تعریف وتوصیف فرمائی۔ جب وہ تقریر ختم کر کے بیٹھے تو چونکہ حضرت والا کو روبرو تعریف

کرنی بہت ناپسند تھی اس لئے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ نے اس قدر تعریف کی ،مگر میں اس گدھے کا بیوقوف مالک نہیں ہوں کہ آپکی تعریف سے میرا نفس پھول جائے۔

''من آنم کہ من دانم''

اور آپ نے اس گدھے کے مالک کا قصہ اس طرح بیان فرمایا کہ ایک شخص کے پاس نہایت خراب اور بے کار گدھا تھا کہ اگر اس کے اوپر سواری کریں تو سوار کو زمین پر گرا دیتا۔ اگر سامان لادیں تو اس کو بھی زمین پر پھینک دیتا۔ وہ شخص اس گدھے سے تنگ آچکا تھا ۔اس نے سوچا کہ شہر میں لے جا کر اس کو فروخت کر دے۔

راستے میں جانوروں کی خرید وفروخت کرانے والا ایک دلال ملا اس نے پوچھا کہ اس گدھے کو کہاں لے جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ فروخت کرنے کے لئے۔ دلال نے کہا مجھے دلالی دو میں فروخت کرا دیتا ہوں۔اس شخص نے منظور کرلیا۔ دلال گدھے کو بازار میں لے گیا اور اس گدھے کی بہت تعریف کرنے لگا کہ سواری میں نہایت تیز رفتار اور نہایت عمدہ بار بردار ہے اور ایسا اچھا ہے اور ایسا اچھا ہے اس گدھے کا مالک دلال کی تعریف سن کر ایسا مغرور ہوا کہ دلال سے کہنے لگا کہ ایسا گدھا میں کیوں بیچوں میں اس کو نہیں بیچتا۔ دلال نے کہا میاں تمہارا گدھا تو وہی ہے جو زمین پر گرا دیا کرتا تھا۔ میں نے تو بیچنے کے لئے اس طرح تعریف کی اور تم اتنے احمق ہو کہ اس کی تعریف سن کر اترانے لگے اور بیچنے سے انکار کر دیا۔ (ایضاً ص۱۵۶)

(۲) ''میرے اعمال تو ایسے ہیں کہ زمین پھٹ جاتی اور مجھے دھنسا دیا جاتا''۔

حضرت والا کے ہر ہر عمل سے تواضع وکسر ونفسی ٹپکتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی فیاض نور صاحب (جو کہ حضرت والا کے مریدوں میں تھے اور حضرت کے ہم عصر بھی تھے) نے حضرت والا سے کہا کہ کوئی کرامت دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ''میں اللہ تعالیٰ کی زمین پر چل رہا ہوں اور اسکی دی ہوئی روزی کھا رہا ہوں اس سے بہتر کرامت کیا ہو سکتی ہے ورنہ میرے اعمال تو ایسے ہیں کہ زمین پھٹ جاتی اور مجھے دھنسا دیا

جاتا''۔ (ص ۱۵۷)

(۳) ''میں کون اور میری رائے کیا؟ جو علماء حضرات فیصلہ فرمائیں میں ان کا متبع ہوں''۔

مرشدی حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ نے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضرت والا کی مجلس میں موجود تھا۔ مسئلہ حیات النبی کے بارے میں ملک کے اندر علماء بحث ومباحثہ کر رہے تھے۔ اسی زمانے میں حاضرین مجلس میں سے کسی شخص نے سوال کیا کہ حضرت والا اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' حضرت نے فرمایا کہ میں کون اور میری رائے کیا؟ جو علماء حضرات فیصلہ فرمائیں میں انکا متبع ہوں''۔ (ص ۱۵۷)

(۴) ''سبھی لوگ اللہ کے خاص بندے ہیں، صرف ایک میں گنہگار شخص ہوں''۔

مولوی محمد زکریا بلوچ نے بیان کیا کہ جس سال حضرت والا نے حج کیا، میں بھی حضرت والا کے ساتھ تھا۔ حج سے فراغت کے بعد حضرت والا جب جدہ میں تشریف فرما تھے مولوی محمد اسماعیل صاحب شکار پوری بھی جدہ میں آئے۔ مولوی صاحب نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے اس سفر میں اللہ کچھ خاص بندوں کو دیکھا؟ حضرت والا نے فرمایا کہ:

'' مولوی صاحب! جو لوگ بھی حج میں یہاں آئے تھے سبھی لوگ اللہ کے خاص بندے ہیں، صرف ایک میں گنہگار شخص ہوں''۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مجھے آپ کی کسر نفسی سے کچھ کام نہیں ہے آپ میرے سوال کا جواب دیجیے۔

حضرت نے فرمایا کہ اللہ کے چند ذاکر بندوں کو دیکھا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ذاکر کس کو کہتے ہیں؟ حضرت والا نے فرمایا کہ ان کا تعلق ہر وقت اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنی بیوی سے ہمبستر ہو رہے ہوں۔

مولوی زکریا نے کہا حضرت والا میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مدینہ منورہ میں جو شخص

سفید ریش میرے ساتھ بیٹھتے تھے حکیم بھی تھے اور اللہ کے ذاکر بندے تھے۔

(ص ۱۵۸ بحوالہ تجلیات ص ۵۷ تا ۶۰)

(۵) ''حضرت اقدس کی پوری زندگی تواضع وفنائیت کا عملی نمونہ تھی''

تواضع وانکساری کی تعلیم ہر شیخ اپنے مریدوں کو دیتا ہے، مرید اپنی استعداد کی بقدر اسے حاصل کرتا ہے۔ حضرت اقدس کی پوری زندگی تواضع وفنائیت کا عملی نمونہ تھی۔ حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی علیہ الرحمتہ نے ایک عجیب عنوان سے اسکی تعلیم اپنے صاحب کمال مرید کو مخاطب کر کے دی تھی۔ حضرت اقدس ہی کی زبان سے سنئے !، اصلاح وتعلیم کے لئے یہ ارشاد ایک کان بے بہا ہے۔

فرماتے ہیں:۔

''میں اپنے حضرت کے ساتھ تھا، ان کی خدمت میں سکھر سے آگے منگرانی کا شہر ہے۔ وہاں حضرت صاحب گئے وہ لوگ حضرت کے خصوصی معتقد تھے۔ وہاں ایک ایسا آدمی تھا جو کیمیا کی تلاش میں دن رات سرگرداں رہتا تھا۔ اس نے بڑے سفر کئے تھے۔ پہاڑ ،صحرا، جنگل میں بوٹیاں تلاش کیں اور لوگوں سے ملتا رہا اور پوچھتا رہا کہ کہیں سے کیمیا ہاتھ لگ جائے۔ حضرت صاحب ان سے پوچھتے رہے کہ کہاں کہاں کے سفر کئے ہیں اور وہ بتاتا رہا۔ آخر میں حضرت والا نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ ''حماد اللہ بیٹے ! کیمیا گر کافر ہے کیونکہ یہ شخص خدا کی ذات میں شریک بننا چاہتا ہے۔ صمد صرف اس کی ذات ہے، وہی بے نیاز ہستی ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، سب مخلوق اس کی محتاج ہے، بندوں کو حکم ہے کہ وہ سب اللہ تعالی کے محتاج رہیں۔ اور اسی سے مانگیں۔ اس کیمیا گر کا خیال ہے کہ مجھے ایسی چیز ہاتھ لگے کہ میں پھر کسی کا محتاج نہ رہوں اور لوگ میرے محتاج ہو جائیں۔ تو گویا وہ اللہ کی صفت صمدیت میں شریک بننا چاہتا ہے۔ بندے کو حکم ہے کہ وہ نیچا پن اختیار کرے یہ فاسد خیال اسکے دل میں نہ آئے کہ لوگ میرے تابع ہو جائیں۔ اتنی دنیا میرے پاس ہو کہ لوگ میرے محتاج بن جائیں۔ یہ صفت اللہ تعالی کی ہے۔

جو بڑی ہستی ہوتی ہے اس کو سب سے بڑی خوشی اس بات پر ہوتی ہے کہ اس کے آگے آدمی اپنے آپ کو کمتر اور عاجز سمجھیں، جتنا بندہ اپنے آپ کو خداوند قدوس کے سامنے کمتر سمجھتا ہے اور عاجز و حقیر جانتا ہے، اسی قدر اسکی طرف خدا کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ مطیع و فرمانبردار ہونا بھی اس ہستی کی قدر دانی ہے۔ بندہ کبھی نافرمانی نہ کرے اور ہر وقت مطیع رہے۔ یہ ہے معرفت الٰہی۔ اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھے جو کچھ ہو رہا ہے سب اس کی طرف سے ہو رہا ہے انسان میں یہ خصلت پیدا ہو جائے کہ وہ خدا کے آگے محتاج اور متضرع ہو، اسی پر تکیہ کرے سب کام میں اسی پر سہارا کرتا رہے۔ یہ خصلت بندہ کی خدا کو بہت پسند ہے''۔

(ص ۱۵۹، ۱۶۰، بحوالہ تجلیات ص ۱۳۷ دوسرا ایڈیشن)

مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کی فنائیت:۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شاہ (مولانا محمد یعقوب مجددی) صاحب رحمۃ اللہ مولانا لکھنوی کی بے نفسی کے واقعات بھی سناتے تھے۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے کہنے پر جمعہ کی نماز پڑھائی سورۃ ''والتین'' کے آخر میں بجائے فَلَهُم اَجرٌ "غَيرُ مَمنُون" کے لَهُم اَجر "مَمنُون" پڑھ دیا۔ مقتدیوں میں ایک صاحب بڑے سادہ لوح اور جلد باز تھے۔ پوری طرح سے سلام بھی نہیں پھیرا تھا کہ پکار کر کہا ''صاحبو! ٹھہر جاؤ نماز دوبارہ ہوگی''۔ مولانا نے میری طرف دیکھا اور فرمایا ''دوبارہ نماز پڑھاؤں؟'' میں نے کہا کہ آپ ان باتوں کا کچھ خیال نہ کریں یہ بڑے بھولے آدمی ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا ایسے جلیل القدر عالم اور علم الفقہ کے مصنف تھے لیکن بے بسی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ یہ نہیں فرمایا کہ بھائی میں بھی کچھ پڑھا لکھا ہوں نماز ہوگئی''۔ (پرانے چراغ ج:۲ ص ۲۲۲)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) ''بے نفسی و بلند ہمتی'':۔

پھر آپ نے دیکھا کہ جس عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے راہ حق کے لئے قربانیوں میں کبھی ایک لمحے کے لیے بھی توقف نہیں کیا وہ اپنی ذات یا اہل وعیال کے لئے کبھی کسی اجر یا معاوضے کا طلب گار نہ ہوا۔ یہاں تک کہ زندگی کے بالکل آخری اوقات میں وہ چپ چاپ کرائے کے ایک کچے مکان میں مقیم ہو گیا اور کبھی کوشش نہ کی کہ اسے کوئی درمیانے درجہ کا مکان ہی الاٹ ہو جائے حالانکہ اسکے گردوپیش بارہ تیرہ سال تک الاٹ منٹوں کا ایک ہنگامہ بپا رہا۔

وہ غیر معروف فرد نہ تھا۔ ہزاروں آدمیوں کے دل فرط عقیدت سے اس کے لیے برابر تڑپتے رہے۔ ارباب حل وعقد میں بھی اسکے شناساؤں، بلکہ عقیدت مندوں کی کمی نہ تھی مگر اس نے اپنے لیے زندگی کا جو سانحہ تجویز کر لیا تھا اس میں ایسی باتوں کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ اہل حق اپنی ہر متاع اہل علم کی فلاح و بہبود کے لیے لٹاتے رہتے ہیں۔ مگر خود کبھی کوئی چیز لینے کے روادار نہیں ہوتے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ علیہ کیلیے عزیز ترین متاع اسکی درویشی تھی۔ وہ اسی متاع پر اس طرح قانع اور مطمئن رہا کہ ارباب اقتدار کو اپنی بلند پایہ مسندوں پر بیٹھ کر بھی کبھی وہ اطمینان شاید ہی نصیب ہوا ہو۔ اسی مقام کے باب میں عرض کیا گیا ہے

گر دولت ایں بود کہ بہ درویش مے دھند
باید گریستن جم و کے را بہ تخت خویش

(مولانا غلام رسول مہر)

توحید کی پر جوش اشاعت اور سنت کی ترویج میں جس والہانہ انداز سے انہوں نے حصہ لیا اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ عشق رسول کی نزاکتوں اور توحید کے اسرار و رموز کو اس کامیابی سے بیان کرتے تھے جو صرف انہی کا حصہ تھا۔ اردو بولتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ۔

غالب ،ذوق اور داغ نے شاعری کو چھوڑ کر خطابت اختیار کر لی ہے اور پنجابی میں تقریر کرتے تھے تو محسوس ہوتا تھا کہ:۔

چناب اور راوی نے اپنی روانیاں انہیں بخش دی ہیں۔

آہ! آج ہم ایسی جامع صفات شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں۔ (جناب محمد حنیف ندوی)

شاہ جی بعض اوقات بڑے بڑے علمی و دینی مسائل کی گرہیں کھولتے ہوئے شعر وشاعری سے ایسا کام لیا کرتے تھے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ۔مثلاً ایک مرتبہ حج کے بارے میں تفصیلات بیان کر رہے تھے کہ اچانک مزاج کا دھارا شعر وسخن کیطرف پھر گیا کہنے لگے ۔

کوئی تو بات ہے ساقی کے میکدے میں ضرور   جو دور دور سے میخوار آ کے پیتے ہیں

یہ فیض میکدہ دیکھو کہ چار ہی دن میں   ہم ایسے رند بھی پینا بتا کے پیتے ہیں۔

شاد عظیم آبادی کے یہ اشعار شاہ جی کے نفیس لب ولہجہ میں سن کر حاضرین بے ساختہ جھوم اٹھے۔

میں نے شاہ جی کے سامنے بڑے بڑے ادیبوں اور خطیبوں کے چراغ گل ہوتے دیکھے ہیں ۔ایک جلسے میں شاہ جی کے علاوہ مولانا محمد علی اور دیگر زعماء نے بھی تقریریں کیں۔لیکن شاہ جی کی تقریر کا رنگ وروغن ہی کچھ ایسا تھا کہ ان کے بعد اس فن کے بعض نامی گرامی لوگوں کی تقریریں بھی عوام کو متاثر نہ کر سکیں۔ چنانچہ مولانا محمد علی جوہر نے شاہ جی سے کہا:

''بخاری! تم اپنی تقریر میں لوگوں کو جب قورمہ اور پلاؤ فراہم کرتے ہو تو بعد میں انہیں یہ بھی کہہ دیا کرو کہ محمد علی کی روکھی سوکھی روٹی بھی قبول کر لیا کریں''۔

اس پر شاہ جی فوراً بولے:۔

''حضور! ایک جرنیل ایک سپاہی کے بارے میں یہ بات کہہ رہا ہے'' سپاہی کی شہرت تو دراصل جرنیل کی عظمت کا آئینہ ہوتی ہے''۔

یہ الفاظ سن کر مولانا محمد علی نے مزید بحث وتمحیص کی گنجائش نہ پاتے ہوئے یکسر

چپ سادھ لی۔
بخاری جیسے خطیب کو یہ فخر حاصل ہے کہ مولانا محمد علی جوہر جیسے جادو بیاں مقرر نے اپنے اخبار ''ہمدرد'' میں شاہ جی رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں نہایت جلی طور پر لکھا تھا کہ:۔
''یہ شخص مقرر نہیں، ساحر ہے''۔ (بیس بڑے مسلمان ص ۸۸۶)

(۲)''اپنے سر مبارک کا رومال اتر کر حضرت لاہوری کے قدموں میں بچھا دیا'':۔

حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ پر دل وجان سے عاشق تھے۔ایک دفعہ منبر پر کھڑے کھڑے حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ شاہ جی مرحوم مسجد میں بغیر صف کے بیٹھے ہیں تو آپ نے منبر سے اتر کر اپنا جانماز لے جا کر شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کو پیش کیا۔لیکن شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ تیزی سے محراب میں پہنچے اور اپنے سر مبارک کا رومال اتار کر حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں میں بچھا دیا۔
(حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے حیرت انگیز واقعات ص ۳۸۷)

(۳) "میرے گناہوں پر میرے مالک نے پردہ ڈال دیا ہے"۔

حافظ صفوان محمد آپکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:
شاہ جی دوسروں کی عیوب کی پردہ پوشی فرماتے تھے۔کسی کی دل آزاری ان کا شیوہ نہ تھا، صلح کل ان کا مسلک تھا، ان کے منہ سے کسی نے جھوٹی بات نہیں سنی، وہ اس بات یا اس روایت کو ہرگز بیان نہ کرتے جس کی صحت میں انہیں ذرہ برابر بھی شک ہوتا۔ بے حد منکسر المزاج تھے، آخری ایام میں ایک بار فرما رہے تھے:
"میری زندگی ہی کیا ہے؟ میں کیا ہوں؟ نہ نبی ہوں نہ ولی، خدا کی مخلوق میں سب سے برا اور عاجز، میرے گناہوں پر میرے مالک نے پردہ ڈال دیا، ورنہ عطاء اللہ جیسے کروڑوں مارے مارے پھرتے ہیں جنہیں کوئی جانتا تک نہیں۔ یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے قرآن کی کچھ خدمت مجھ سے لے لی اور اس پر بھی کوئی دعوی نہیں۔ استغفر اللہ! پوری زندگی میں کیا

ہوا کوئی ایک حرف بھی قبول ہو گیا تو نجات ہو جائے گی ،ان شاء اللہ نجات کی امید ضرور رکھتا ہوں ، کیونکہ اتنا مجھے یقین ہے کہ میں نے اس کے سوا کسی کو خدا نہیں مانا اور میاں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو ان کا حریف بنتے دیکھنا میں برداشت نہیں کر سکتا ،اور کوئی عمل میرے پلے نہیں ،بس اسی کے فضل وکرم کے سہارے جی رہا ہوں"۔

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت شریعت نمبر ص ۴۶۰)

(۴) "شاہ جی! اللہ کے لئے ہمیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیجئے":

آپکے رفیق خاص شاعر اسلام جناب محمد امین گیلانی صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

راقم الحروف نے یہ واقعہ خود حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی سنا کہ مدرسہ خیر المدرس جالندھر کے جلسہ میں شریک تھے۔کھانے کے دستر خوان پر بیٹھے تو سامنے ایک نوجوان بھنگی کو دیکھا،شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ آؤ بھئی کھانا کھالو،اس نے عرض کیا جی! میں تو بھنگی ہوں۔شاہ جی نے درد بھرے لہجہ میں فرمایا:"انسان تو ہو،اور بھوک تو لگتی ہے" یہ کہہ کر خود اٹھے ،اس کے ہاتھ دھلا کر ساتھ بٹھا لیا،وہ بے چارہ تھر تھر کانپتا تھا اور کہتا جا رہا تھا کہ جی! میں تو بھنگی ہوں۔شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ نے خود لقمہ توڑا،شوربے میں بھگو کر اس کے منہ میں دے دیا،اس کا کچھ حجاب دور ہوا تو شاہ جی نے ایک آلو اس کے منہ میں ڈال دیا،اس نے جب آدھا آلو دانتوں سے کاٹ لیا تو باقی آدھا خود کھالیا،اس طرح اس نے پانی پیا تو اس کا بچا ہوا پانی خود پی لیا۔

وقت گذر گیا،وہ کھانے سے فارغ ہو کر غائب ہو گیا۔اس پر رقت طاری تھی وہ خوب رویا،اس کی کیفیت ہی بدل گئی۔عصر کے وقت اپنی نوجوان بیوی جس کی گود میں ایک بچہ تھا ساتھ لیکر آیا اور کہا شاہ جی! اللہ کے لئے ہمیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیجئے اور میاں بیوی اسلام لے آئے۔ (بخاری رحمہ اللہ کی باتیں ص ۲۹، ۳۰)

مولانا سید حسین صاحب رحمہ اللہ (مجاز صحبت حکیم الامت حضرت تھانوی

رحمہ اللہ علیہ) کی تواضع وانکساری

حضرت تھانوی قدس سرہ، کی تعلیمات میں معاملات اور حقوق العباد کی ادائیگی سرفہرت ہیں، مولانا سید حسین بھی حقوق العباد کی ادائیگی پر خصوصی توجہ فرماتے۔ آپ میں تواضع وانکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کے ایک شاگرد نے آپ کے ساتھ کسی کوتاہی پر اپنے بوڑھے خانساماں (باورچی) کو ڈانٹ دیا اور اس سے معافی منگوائی، آپ کو یہ بات ناگوار گزری چنانچہ جب وہ بوڑھا خانساماں باورچی خانے میں گیا تو آپ نے اس کے پیچھے جاکر خود اس سے معافی مانگی (بزم اشرف کے چراغ ص ۹۱)

حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ علیہ کے واقعات

۱۔"ان کا درجہ بہت اونچا ہے، اللہ کے ایسے بندوں کو بیعت کرنے سے شرم آتی ہے"۔

آپکے مسترشد خاص حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ علیہ آپکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

اللہ کے مقبول بندوں کے الوان مختلف ہوتے ہیں ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است، کسی پر حزن وشکستگی کا غلبہ ہوتا ہے، کسی پر احساس نعمت اور انبساط کا، کسی پر جلال کے آثار زیادہ ہوتے ہیں کسی پر جمال کے، کسی پر کسی حال کا غلبہ ہوتا ہے کسی پر کسی دوسری کیفیت کا، مرشدنا حضرت رائے پوری قدس سرہ پر۔ جہاں اس بے بصر اور بے بصیرت کا اندازہ ہے۔ "فنائیت" اور "انا کی نفی" کا غلبہ تھا، انہی آنکھوں نے اس باب میں جو حال حضرت کا دیکھا اس سے آگے درجہ اور مقام کے تصور سے بھی کم از کم اس ناچیز کا ذہن تو عاجز ہے۔ بارہا اس کا اظہار فرمایا کہ "ہر آنے والے کو میں اس خیال سے بیعت کر لیتا ہوں کہ شاید یہی اللہ کا بندہ میری مغفرت کا ذریعہ بن جائے"۔

بٹ ہاؤس (سہارنپور) کے آخری قیام کے زمانہ میں میرے ایک عزیز مولوی تحسین احمد سنبھلی جو حضرت سے بیعت تھے سنبھل سے حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے اپنے والد

ماجد (ایک رشتہ کے میرے بڑے بھائی منشی بشیر احمد صاحب) کا یہ پیغام مجھے پہنچایا کہ بینائی سے محرومی کے باعث میں خود سفر کر کے حضرت کی خدمت میں حاضری سے معذور ہوں ،تم حضرت کی خدمت میں میری معذوری کا حال عرض کر کے درخواست کرو کہ میری بیعت غائبانہ قبول فرما کر مجھے بھی حضرت اپنے خدام میں شامل فرمالیں! ــــــــــ میں نے ایک مناسب وقت پا کر حضرت کی خدمت میں ان کا حال عرض کیا کہ "وہ محکمہ تعلیم میں ملازم ایک مڈل اسکول ہیڈ ماسٹر تھے ،اللہ کی توفیق سے اس زمانہ میں بھی بہت دیندار اور خوش اوقات تھے ،ایک رات اچانک بغیر کسی خاص تکلیف کیان کی بینائی چلی گئی اور صبح معلوم ہوا کہ کالا پانی اتر آیا ہے جو لا علاج سمجھا جاتا ہے۔ لکھنؤ سے سنبھل میرا جانا ہوا اور میں عیادت وتعزیت کی نیت سے ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ اللہ تعالی کے اس فیصلہ پر دل سے راضی ہیں بلکہ ان کو ایک درجہ میں اس کو خوشی ہے کہ اب میرے مالک نے مجھے ایسا کر دیا کہ ہر طرف سے یکسو ہو کے بس اسی میں مشغول رہوں"۔

پھر ان کے جو قابل رشک دینی حالات اور معمولات میرے علم میں تھے تھے وہ بھی میں نے حضرت سے ذکر کیے اور آخر میں عرض کیا کہ نابینائی کی مجبوری کی وجہ سے چونکہ حاضری سے معذور ہیں اس لیے حضرت سے غائبانہ بیعت کی درخواست کرتے ہیں حضرت رحمتہ اللہ علیہ پر ان کا حال سن کر رقت طاری ہوگئی اور گلوگیر آواز میں فرمایا ان کا درجہ بہت اچھا ہے اللہ کے ایسے بندوں کو بیعت کرنے سے شرم آتی ہے انھیں اس کی ضرورت بھی نہیں ،آپ یہی جواب انکو لکھدیں"۔

حضرت نے اس وقت یہ بات کچھ اس طرح فرمائی کہ میں اس کے بعد کچھ عرض نہیں کر سکا اور خاموش ہو گیا۔ چند منٹ کے بعد حضرت نے خود مجھے طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "وہ اللہ تعالی کے بہت ہی اچھے بندے ہیں ،شاید انہی کا تعلق میری مغفرت کا ذریعہ ہو جائے ،آپ انھیں لکھدیں کہ میں نے ان کا تعلق قبول کر لیا"۔

الحمد اللہ ہمیں حضرت رحمہ اللہ علیہ کے کشف وکرامات کا بھی بارہا تجربہ ہوا ،لیکن بخدا ہزاروں

کھلی کرامتیں اس نعمت عظمیٰ "فنائیت" اور انا کی نفی "کے برابر نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمہ اللہ علیہ کے قلب وباطن کو جاہ کے جذبہ سے بالکل ہی پاک کردیا تھا۔ وہی "جاہ" جس کے متعلق ائمہ معرفت کا ارشاد ہے کہ "آخر مایخرج من قلوب الصدیقین حب الجاہ (یعنی طالبین وسالکین ہی نہیں بلکہ صدیقین کے قلوب سے جو روحانی بیماری سب سے آخر میں نکلتی ہے وہ حب جاہ کا جذبہ ہے۔

(تحدیث نعمت ص ۲۰۵، ۲۰۶)

۲۔ بے نفسی وفنائیت کے عجیب واقعات:۔

آپ کے دوسرے مسترشد خاص مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحب رحمہ اللہ علیہ آپ کے مفصل تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

"حضرت رحمہ اللہ علیہ نے اپنے مرشد ومربی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ علیہ کی فنائیت و بے نفسی کے متعلق اپنا ذاتی مشاہدہ وتاثر جو کچھ بیان فرمایا، حضرت کے یہاں رہنے والوں کا بعینہ یہی تاثر حضرت کی ذات کے متعلق ہے کہ کبھی ایک کلمہ بھی ایسا نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بو بھی آتی ہو، جب جاہ کا یہاں سرکٹا ہوا تھا، اس خادم کو ۱۳۶۹ھ کے آخری سفر حج میں ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور تقریباً تین مہینے شب وروز ساتھ رہنا ہوا، بعض خدام نے اپنے ادراک والطاف الٰہی کے واقعات بھی سنائے، پورے سفر میں حضرت نے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جس سے حضرت کے علومرتبہ یا کسی کشف وادار کا احساس ہو، حج کے علاوہ بھی کبھی کوئی ایسی بات قصداً نہیں فرمائی، جس میں لوگوں کو عقیدت میں اضافہ یا آپ کی بذرگی کا احساس ہو خدام نے جب سنا، اپنی نفی اپنا انکار اپنی بے حسی اور عباوت کا اظہار سنا شیخت کی باتیں یا متصوفانہ نکات یا سلوک ومعرفت کی تحقیقات بیان کرنے کا حضرت کے ہاں دستور ہی نہ تھا مسئلہ علماء سے پوچھتے۔ تصوف کی کوئی بات پوچھتا ہو۔ شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ علیہ) یا کوئی دوسرا صاحب علم وصاحب نظر قریب ہوتا تو اسکی طرف محول فرمادیتے، اگر اصرار کیا جاتا اور بات

ضروری ہوتی تو نہایت نپے تلے لفظوں میں مغز کی بات فرما دیتے۔ ایسی بات سے گریز کرتے جس سے آپ کی طرف نکتہ رسی اور ذہانت کا اندازہ ہو لیکن اہل حقیقت سمجھ جاتے کہ۔

غواص کو مطلب ہے گہر سے کہ صدف سے

کسی بھی بھری مجلس میں خواہ اس میں کیسے ہی نئے نئے اور سربرآوردہ اشخاص کیوں نہ ہوں۔ اپنی لاعلمی اور اپنے عامی ہونے کا اظہار کرنے میں کوئی تامل نہ ہوتا اس کا اثر حاضرین مجلس اور خاص طور پر صاحب علم طبقہ پر کچھ پڑتا ہو۔

1:۔ راولپنڈی میں ایک مرتبہ قریشی صاحب کی کوٹھی پر چمن میں عصر کے بعد بڑی وسیع مجلس تھی، بعض اعلیٰ عہدہ دار اور عمائد شہر جمع تھے، پروفیسر عبدالغنی صاحب جے پوری نے (غالباً اس خیال سے کہ حضرت کچھ ارشاد فرمائیں اور لوگ مستفید ہوں) سوال کیا کہ حضرت صبر کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت نے بڑی بے تکلفی سے راقم کی طرف اشارہ کیا کہ مجھے تو معلوم نہیں ان سے پوچھو! میں نے اپنے نزدیک بڑی کسر نفسی اور تواضع سے کام لیتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت! مجھے تو اس لغوی معنی کے سوا کچھ معلوم نہیں، نہایت سادگی اور اطمینان سے فرمایا کہ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں! مجلس پر سناٹا چھا گیا، حضرت کو اس کا احساس نہیں معلوم ہوتا تھا کہ مجلس کے خواص حضرت کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے، جن کو علماء، عمائد کے ایک بڑے گروہ نے اپنا شیخ و مربی تسلیم کر رکھا ہے۔

۲۔ ایک مرتبہ لائل پور کے دوران قیام میں اس بارے میں خدام و احباب کے درمیان بڑی کشاکش تھی کہ حضرت رمضان کہاں کریں۔ لائل پور کے اہل تعلق لائل پور کے لیے کوشاں تھے، لاہور کے احباب لاہور کے لئے مصر تھے اور قریشی صاحب وغیرہ راولپنڈی کے لئے عرض کرتے تھے، حضرت نے ایک روز سحور کے وقت تینوں گروہوں کے خاص خاص اشخاص کو بلایا اور فرمایا کہ بھائی دیکھو میں ایک غریب کاشتکار کا لڑکا ہوں، میرے گھر میں ایسی غربت تھی کہ میں جب طالب علمی میں آیا کرتا تھا کہ میری والدہ کو فکر ہوتی تھی کہ گیہوں

کی روٹی کا انتظام کس طرح کریں؟ غبی بھی ہوں، اول تو کچھ زیادہ پڑھا نہیں، پھر جو کچھ پڑھا تھا وہ بھی بھول گیا، اب تم جو مجھے کھنچتے پھرتے ہو اور کوئی ادھر لے جانا چاہتا ہے کوئی ادھر تو یہ محض اس کی برکت ہے کہ کچھ روز اللہ کا نام لیا، تم خود اخلاص کے ساتھ چند روز اللہ کا نام کیوں نہیں لیتے کہ خود مطلوب بن جاؤ،

یہ تقریر کچھ ایسی سادگی اور اثر کے ساتھ فرمائی کہ بعض حضرات کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

۳۔ لکھنو سے بریلی جاتے ہوئے سفر میں مجھ سے فرمایا کہ آپ لوگ اہل علم ہیں، آخر آپ نے مجھے کیوں آگے کر دیا اور کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہیں، ایک مسترشد خادم کو جو اپنی حقیقت اور احتیاج سے کسے قدر واقف تھے، اس کا جو جواب دینا چاہئے تھا وہ عرض کیا گیا۔

۴۔ ایک مرتبہ آزاد صاحب نے حضرت کو مخاطب کر کے ایک غزل کہی جس کا مقطع تھا۔

یہ کیا ستم ہے کہ آزاد تیرے ہوتے ہوئے ہے میکدہ میں بھی اور تشنہ کام ہے ساقی

یہ شعر سن کر فرمایا کہ بھائی میرے، پاس تو پانی بھی نہیں، یہ شعر تو شیخ الحدیث کو سنانا یہ دراصل حضرت کا حال تھا جس میں کسی تصنع یا مصلحت بینی کا دخل نہیں تھا، بداہتہً اور وجدانی طور پر اپنے کو ہر کمال سے عاری سمجھتے تھے اور اہل نظر کے نزدیک یہ مقام ہزار کرامتوں اور ہزار علوم ومعارف سے ارفع ہے۔

۵:۔ بے نفسی اور فنائیت کا ایک واقعہ جو میرے نزدیک سیکڑوں مجاہدات اور صدہا کرامات سے بھی بلند اور بیش قیمت ہے یہاں نقل کیا جاتا ہے، اس واقعہ سے اندازہ ہوگا کہ حضرت کی طبیعت وقتی تائثرات وجذبات سے کس قدر غیر متاثر واقع ہوئی تھی اور آپ کا مزکی نفس بے نفسی اور فنائیت کے کس درجہ پر پہنچ گیا تھا اور آپ کی طبیعت میں کس درجہ وضعداری، نباہ کی قوت اور حق شناسی تھی۔

وفات سے تین چار ماہ قبل کا واقعہ ہے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے وہ خادم جو ساری عمر خانقاہ کے کھانے وغیرہ کے ذمہ دار رہے، بوجہ اپنی علالت کے ان کی بیوی نے اپنے لڑکے کے

ذریعہ معذوری ظاہر کردی جس پر حضرت کے کچھ فرمائے بغیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے اپنے گھر میں کھانے کا انتظام کیا، حضرت نے بالکل سکوت فرمایا، اس کے بعد منتظمین نے ان کے خلاف بہت شکایات کیں، کھانا اچھا نہیں ہوتا، روٹی کچی ہوتی ہے، کبھی نمک غائب، مہمانوں کو تکلیف ہوتی ہے غرض کہ اس طرح کی بہت سی باتیں انہوں نے کہیں، گویا وہ چاہتے تھے کہ بہت اچھا ہوا کہ انھوں نے استعفیٰ دیدیا۔

حضرت سے انہوں نے کہا کہ یہ منجانب اللہ ہوا ہے ہم چاہتے بھی یہی تھے، لیکن ان سب کے کان بھرنے کے باوجود حضرت نے سکوت اختیار فرمایا کبھی ایک لفظ بھی نہیں کیا کرے ،صرف ایک مرتبہ ان شکایات کے جواب میں ایک عام بات یہ فرمائی کہ "بھائی اصل میں ایک کام جب بہت دن تک کیا جاتا ہے تو اس میں اتنا اہتمام نہیں رہتا اور ایسی باتیں ہو ہی جاتی ہیں"۔

بہر حال دوسرے دن حضرت نے ان کو دوسری کوٹھی سے بلوایا، مگر وہ آئے نہیں، کئی گھنٹے کے بعد پھر بلوایا پھر بھی تشریف نہیں لائے ،ظہر کے بعد پھر وہ شکایات کا سلسلہ جاری ہوا، اس کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً آدمی بھیجا اب کی وہ تھوڑی دیر کے بعد آگئے، کمرہ خالی کروایا گیا، چارپائی کی پشت پر حضرت کے بھائی مولانا عبدالوحید صاحب تشریف رکھتے تھے، حضرت استغراق میں تھے جب وہ آئے تو حضرت نے فرمایا کون ہے؟ انھوں نے کہا ظفرالدین ،فرمایا آگئے؟ انھوں نے اپنا حال بتایا اور ڈاکٹر کے دکھانے کا ذکر کیا۔

حضرت نے ارشاد فرمایا مجھے تمہاری بیماری کی بہت فکر ہے اللہ تعالیٰ تمہیں صحت عطا فرمائے میں بہت معذور ہوں ،چل نہیں سکتا ورنہ دن میں کئی مرتبہ تمہاری خدمت میں آتا ،اگر تکلیف کی وجہ سے نہیں آسکتے ہو تو اپنے لڑکے بشیر احمد کے ذریعہ اپنی خیریت کہلوادیا کرو، دوا بھی تو تم نے خریدی ہوگی؟ جب ڈاکٹر کے پاس گئے تو کچھ پیسے تو لے جاتے ،انھوں نے جواب دیا کہ حضرت! دس روپے لے گیا تھا اور دوا اتنے ہی میں آئی اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میری واسکوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالو (اس میں اس وقت

۳-۴ روپیہ تھے) اور فرمایا کہ یہ رکھلو دوائی وغیرہ میں کام آئیں گے اس کے بعد فرمایا کہ دوسری جیب بھی تو دیکھو اس میں بہت بڑی رقم تھی اور فرمایا کہ یہ بھی رکھلو انہوں نے کچھ تکلف کیا حضرت نے فرمایا کہ اور بھی بہت خرچ ہیں اس کو رکھلو۔ اللہ کا شکر کیا کرو، وہ یہ محض میرے مالک کا فضل ہے جب وہ رقم لیکر واپس جانے لگے تو حضرت نے پھر آواز دی اور ارشاد فرمایا کہ تم نے ہمارا کھانا پکانا کیوں چھوڑ دیا؟ تین چار مہینے کی بات تھی میں تو چاہتا تھا کہ تمہارے ہی ہاتھ سے کھاتے انہوں نے اپنی اہلیہ کا ذکر کیا حضرت فرمایا تمہاری تین بچیاں ہیں انہوں نے عرض کیا کہ وہ چھوٹی بچیاں ہیں، حضرت نے فرمایا ہم تو چاہتے ہیں کہ تمارے ہاں کھائیں چاہے جیسا بھی ہو کچا ہو یا پکا ہو بے نمک ہو یا جسطرح کا بھی ہو اگر تم اور تمہارے گھر والے نہ کرسکیں تو ایک .... ملازمہ رکھلو ان کا خرچ ان شاء اللہ میں دونگا، اس کو مجھ سے لے لیا کرو کسی کو خبر نہ ہو لیکن پکے تمہاری ہی نگرانی میں، انہوں نے کہا کام کرنے والی عورت کوئی اچھی ملتی نہیں، حضرت نے فرمایا کہ تمہیں اچھی نہیں ملتی تو میں بھائی فضل الرحمن سے ہی کہتا ہوں وہ انتظام کردیں گے۔ انہوں نے کہا کہ سوچ کر بتاؤں گا اسی درمیان میں یہ بھی فرمایا کہ تمہارے پاس چاول کی بوریاں بھی تو آئی تھیں اس میں سے ایک بوری چاول علی میاں کے لیے ہمیں چاہیے اس کے بعد وہ چلے گئے اس کے بعد حضرت نے کچھ نہیں لیا۔

دوسرے تیسرے روز بہت بڑی تعداد میں ہدایا وتحائف اور رقمیں آئیں، حضرت کی جیبیں تو روپیہ سے بھر ہی چکی تھیں پوری چارپائی بھی نوٹوں سے اٹ گئی، اپنے بڑے رومال میں ان سب روپیوں کو اکھٹا کر کے باندھ لیا اسکے بعد حاجی ظفر الدین صاحب کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ "اس کو خوب مضبوطی سے اور کس کر باندھ تا کہ زیادہ بڑی نہ معلوم ہو اور رکھ لو" کھانے کے سلسلہ کی کوئی بات نہیں فرمائی (روایت مولانا عبدالوحید صاحب) (سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ص ۲۴۶ تا ۲۵۱)

۳۔مزید چند سبق آموز واقعات:۔

ذیل میں اب حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع وفنائیت سے متعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی "آپ بیتی" سے مزید چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

1:۔حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نوراللہ مرقدہ کے دیکھنے والے تو ابھی تک ہزاروں ہیں۔تواضع میں اپنے شیخ قدس سرہ کا نمونہ تھے،اس غایت تواضع ہی کا ثمرہ تھا کہ ابتداء بیعت میں باوجود اعلیٰ حضرت رائے پوری کے مشورہ کے کہ گنگوہ میں حضرت قطب عالم سے بیعت ہوں۔حضرت رائے پوری نے یہ فیصلہ کیا کہ اتنی اونچی دربار کے قابل نہیں۔اس کی تفصیل سوانح حضرت رائے پوری میں ذکر کی گئی ہے جس میں اعلیٰ حضرت رائے پوری قدس سرہ کے مشورہ پر جو جواب حضرت رائے پوری نے دیا وہ یہ تھا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو جو کچھ ملا حضرت گنگوہی سے ملا مگر میرا رجحان آپ کی طرف ہے۔میری طرف سے اگر مہمانداری کی فکر ہے تو میرے حقوق حضرت کے ذمہ نہیں ہیں،میں اپنے طعام کا خود ذمہ دار ہوں۔حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب یہ خط دیکھ کر بہت خوش ہوئے،لوگوں کو یہ خط دکھایا اور فرمایا"دیکھو!یہ ہیں طالب"۔

2:۔مجاہدات کے بیان میں حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہ کے بہت سے حالات گذر چکے،پکی پکی جلی ہوئی روٹی جو ملتی اس کو نہایت ہی صبر وشکر کے ساتھ نوش فرماتے ،وہاں کے قیام میں پتے بھی چابے اور کبھی مہتمم باورچی خانہ کو بھی ایک دفعہ کے سوا اس وجہ سے نہیں ٹوکا کہ اگر اس نے حضرت سے شکایت کر دی اور حضرت نے جواب میں فرمایا کہ میاں!اچھا کھانا ہے تو کہیں اور جاؤ تو کیا ہوگا۔

یہ واقعہ بھی لکھوا چکا ہوں کہ حضرت رائے پوری ایک دفعہ تھانہ بھون حاضر ہوئے تو حضرت حکیم الامۃ نے فرمایا کہ میں تو رائے پور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں آپ مجھے یاد نہیں،فرمایا حضرت!میں آپ کو کیا دہ سکتا تھا،میری وہاں کوئی حیثیت

اور امتیاز نہیں تھا شاید آپ کو یاد ہو کہ حضرت کی خدمت میں ایک خادم بار بار آتا تھا بدن پر ایک کمری ہوتی تھی اور تہبند باندھے ہوئے فرمایا ہاں کچھ یاد تو آتا ہے۔ فرمایا میں وہی ہوں

3:۔ حضرت اپنی انتہائی تواضع کی ہی وجہ سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی نگاہوں میں بڑھتے چلے گئے اور ساری خصوصی خدمات اعلیٰ حضرت کی حضرت رائے پوری کی طرف منتقل ہوتی چلی گئی، یہ واقعہ تو پہلے بھی گذر چکا کہ اعلیٰ حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے آخر عمر میں اپنے کپڑے بھی حضرت رائے پوری ثانی کو ہبہ کر دیئے تھے کہ اپنی ملک میں کچھ نہ رہے لیکن غایت تواضع سے حضرت اپنے شیخ کے کپڑوں کو استعمال نہیں کرتے تھے اور چونکہ امامت بھی حضرت ہی کے سپرد تھی، اس کا ایک قصہ خود بیان فرمایا کہ میں ایک دفعہ نہر پر کپڑے دھونے گیا ایک ہی جوڑا کپڑوں کا تھا اسی کو دھو سکھا کر پہن لیتا، اس دن سوکھنے میں ذرا دیر ہوگئی ، جمعہ کا وقت ہو گیا ، جمعہ میں ہی پڑھایا کرتا حضرت میرے انتظار میں تھے جب حاضر ہوا فرمایا مولانا ! کہاں رہ گئے تھے ، میں نے سکوت کیا، دوبارہ پھر دریافت فرمایا ، میں نے سکوت کیا، بار بار اصرار سے پھر دریافت فرمایا تو عرض کیا حضرت کپڑے نہیں سوکھے تھے اس لیے حاضری میں دیر ہوگئی، حضرت نے غصہ سے فرمایا آپ کے پاس میرے کپڑے موجود نہیں ہیں انکو کیوں نہیں استعمال کرتے ، کیا انکو آگ لگانا ہے، مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ اس کے باوجود بھی حضرت کے کپڑے پہننے کی جرات نہ ہوئی۔

۴:۔ اعلیٰ حضرت رائے پوری نے قولاً فعلاً اشارۃً حضرت رائے پوری ثانی کو جانشین بنا رکھا تھا، لیکن اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد کئی سال تک حضرت رائے پوری ثانی نے رائے پور کا قیام اختیار نہیں فرمایا، زیادہ پنجاب کے اسفار اور مکان پر رہتے اور جب رائے رائے پور کی زیارت کا اشتیاق غالب ہوتا تو بہٹ جناب الحاج شاہ زاہد حسین صاحب مرحوم کے مکان پر چند روز قیام کرتے اور شاہ صاحب کی گاڑی میں اور کبھی پیدل روزانہ جاتے اور واپس آجاتے کہ کسی کو یہ واہمہ نہ ہو کہ مولانا اپنے کو گدی نشین سمجھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے وصال کے قریب چودھری صدیق صاحب کو انکی زمین میں

جو خانقاہ کے متصل تھی ایک مکان بنا دینے کو فرمایا تھا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد جب چودھری صاحب نے حسب وصیت مکان بنانے کا ارادہ کیا تو مولانا نے فرمایا کہ میرے لیے مکان کی ضرورت نہیں، میرے لیے تو صرف ایک چھپرا ڈال دیجئے۔ مگر چودھری صاحب کو اعلیٰ حضرت کی وصیت تھی، اس لیے مولانا کے ایک سفر کو غنیمت سمجھ کر ایک پختہ دلان بنا دیا۔ ایک سردری، اس کی اندر ایک کوٹھا اور دونوں جانب ایک ایک حجرہ تعمیر کرا دیا جو اب تک حضرات رائے پوری ثانی کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے۔

۵:۔ ۴۵ھ کے سفر حج میں جب کہ اعلیٰ حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کا قیام بھی مدنیہ پاک میں تھا حضرت رائے پوری قدس سرہ کا باوجود شیخ المشائخ ہونے کے حضرت سہارنپوی کی خدمت میں دوزانوں، مودٔدبانہ، خادمانہ بیٹھنا تو مجھے بھی خوب یاد ہے۔ ہم خدام سے اتنا ادب نہیں ہوتا جتنا حضرت رائے پوری کیا کرتے تھے جسکو دیکھ کر رشک آتا تھا، اور حضرت رائے پوری کو یہ قلق رہتا تھا کہ ان کے متعلقین حضرت سہانپوری کی خدمت میں اس وقت اہتمام سے کیوں نہیں حاضر ہوتے۔

۶:۔ ایک دفعہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے حضرت کی تعریف اس لئے نہیں کرتا کہ اس میں بھی اپنی ہی تعریف ہے ورنہ ہمارے حضرت تصوف کے امام تھے، اور تو کچھ نہیں عرض کرتا، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ میں چودہ سال حضرت کی خدمت میں رہا، اس طویل مدت میں کبھی ایک کلمہ بھی حضرت کی زبان مبارک سے ایسا نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بو بھی آتی ہو۔

۷:۔ حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی خصوصیت جو بہت ہی نمایاں تھی کہ معاصر اکابر میں بھی جس کسی کا تذکرہ حضرت کے ہاں ہوتا تو ناواقف یا نو واردیوں سمجھتا کہ ایک مرید اپنے شیخ کا تزکرہ کر رہے ہیں اور اگر ان بزرگوں میں سے کسی کے یہاں آپ کا ذکر خیر ہوتا تو معلوم ہوتا کہ کسی شیخ وقت کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

ایک مرتبہ کوئی شخص تھانہ بھون سے ناراض ہو کر آئے تھے اور حضرت کے سامنے بے ادبی

کے ساتھ وہاں کا تذکرہ کرتے تھے، آپ نے فرمایا کہ حضرت تھانوی میرے بھی شیخ ہیں اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے ساتھ محبت وعقیدت ،احترام واعتماد کا جو غیر معمولی معاملہ تھا وہ دنیا پر روشن ہے۔جس مجلس میں مولانا کا کوئی ناقد یا مخالف ہوتا وہاں اور زیادہ جوش کے ساتھ ان کے فضائل ومناقب بیان کرتے اور ان کے خلوص ومقبولیت کا اعلان فرماتے ۔ایک مرتبہ بعض آنے والوں نے مولانا کے سیاسی مسلک اور ان کے سیاسی انہماک پر کچھ اعتراض کیا تو فرمایا کہ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں ان کے سفروں میں خادم کی طرح ان کے ساتھ رہتا اور ان کی ادنی ادنی خدمتیں انجام دیتا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی بانی جماعت تبلیغ کے حضرت بہت معتقد تھے کبھی "حضرت دہلوی" کے سوا اور طرح کا نام نہیں لیا۔اپنے خدام کو بہت تاکید واہتمام کے ساتھ حضرت کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے اور خود بھی بڑے اہتمام کے ساتھ نظام الدین تشریف لے جاتے اور کئی کئی روز قیام فرماتے۔ (آپ بیتی جلد۲ص ۲۶۴،۲۶۹)

۴:۔ "چھپر کا مکان ہوتا تو اور بھی جی خوش ہوتا "

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رئیس الاحرار نے ایک مکان تیار کیا اور اس پر ایک کمرہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری رحمہ اللہ کے لئے تیار کرایا اور حضرت کو لکھا کہ حضرت کے لیے میں نے کمرہ تیار کرایا ہے، جب تشریف لائیں گے یہاں ٹھہرینگے۔تو حضرت نے جواب میں لکھا کہ جی خوش ہوا اور اگر چھپر کا مکان ہوتا اور بھی جی خوش ہوتا کہ برسات میں ایک کونہ میں ٹپکا تو دوسرے کونے میں جاتے اسی طرح رات گذاردیتے یہ اچھا تھا۔

5:۔ "یہ شخص ہر آن اپنی نفی میں مشغول ہے":۔

ارشاد فرمایا کہ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب سے ان کے کسی بے تکلف دوست نے کہا وہ بھی صاحب نسبت تھے کہ تم کسی سے بیعت نہیں؟ فرمایا ہاں میں حضرت رائپوری

سے بیعت ہوں۔ان کے دوست حضرت رائپوری رحمہ اللہ کی مجلس میں گئے ،عصر سے مغرب تک بیٹھے ،اٹھ کر کہنے لگے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کس سے مرید ہوئے ہو وہ تو خالی ہیں ،بالکل کورے ،کچھ بھی نہیں ،ان کے پاس مولانا چپ رہے کچھ بھی نہ بولے ،اگلے روز پھر گئے مجلس میں بیٹھے ،پھر اٹھے اور کہا انا للہ وانا الیہ راجعون میں کس غلط فہمی میں مبتلا تھا ،یہ شخص ہر آن اپنی نفی میں مشغول ہے کہ میں کچھ نہیں میں کچھ نہیں حتی کہ پاس بیٹھنے والے پر بھی اثر پڑ رہا ہے۔ (ملفوظات فقیہ الامت ۲ حصہ 10 ص 89

6:۔حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور حضرت رائپوریؒ کی خانقاہ تھانہ بھون میں حاضری:۔

ارشادفرمایا کہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ سہارنپور تشریف لائے مجلس میں ذکر آ گیا حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کے درمیان سیاسی اختلاف کا ،اس پر مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فیض کی نہ یہاں کمی نہ وہاں یعنی فیض کی نہ تھانہ بھون میں کمی نہ دیوبند میں کمی ،معترض یہاں سے بھی محروم۔

اس کے بعد حضرت رائپوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارا تو بہت جی چاہتا ہے کہ تھانہ بھون حضرت تھانوی کی خدمت میں حاضر ہوں لیکن ہم لوگ بے سلیقہ اور بے شعور ہیں بزرگوں سے ملنا ،ان کے پاس جانا ،بیٹھنا ہمیں آتا نہیں اور حضرت کی طبیعت تو اور نازک ہے ایسا نہ ہو کہ ہمارے سلیقہ پن سے حضرت کو ہم سے کوئی تکلیف پہنچ جائے اس لئے وہاں جانے کی ہمت نہیں ہوتی۔

ایک طالب علم حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والا اس مجلس میں موجود تھا ،اس نے یہ سن کر جلدی تھانہ بھون کا سفر کیا اور حضرت رائپوری کا کا سفر کیا اور حضرت رائپوری کا یہ مقولہ وہاں نقل کیا۔حضرت تھانوی رحمتہ اللہ نے فرمایا "افسوس !میں نے سفر ترک کر دیا ورنہ میں خود رائپور حاضر ہوتا"

حضرت کا یہ مقولہ یہاں سہارنپور پہنچا اس وقت تک دونوں حضرات !اب تو بس چلیں گے ،ہم سے تکلیف پہنچ جائے بڑی پہنچ جائے ہم تکلیف پہنچانے نہیں جا رہے ہیں، آخر بچوں کو بڑے گود میں لیتے ہین تو وہ ان پر پیشاب بھی کر دیتے ہیں ،ہم حضرت کے بچے ہیں"۔ چنانچہ تھانہ بھون میں گئے ،جب حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ فلاں وفلاں آ رہے ہیں تو مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ کوئی اپنی جگہ نہ اٹھے سب اپنی جگہ بیٹھے رہیں ،میرا اٹھنا سب کا اٹھنا شمار ہوگا ،چنانچہ حضرت اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ پر تشریف لائے ،ملاقات کی ،معانقہ کیا اور ساتھ لیجا کر اپنی مسند پر بیٹھایا، کچھ دیر تو سکوت رہا کوئی کچھ نہیں بولا ،آخر حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے ہی ابتدا فرمائی کہ بڑے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رحمہا للہ کے زمانہ میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کو اپنا بزرگ تصور کرتے ہوئے ایک مرتبہ رائپور حاضر ہوا ،اس کے بعد وہان جانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی ،وہاں آپ کو دیکھنا یاد نہیں پڑتا ،حضرت رائپوری رحمہ اللہ نے پوچھا کہ حضرت ! کیا بات پیش آ گئی تھی جس کے باعث پھر رائپور تشریف نہیں لے گئے ،فرمایا انہوں نے میرے ساتھ معاملہ میری حثیت سے بہت اونچا کیا ،مجھے برداشت کرنا مشکل ہو گیا ،تاہم رات کو مجھے لٹا دیا گیا ،کچھ دیر بعد میری آنکھ کھلی ،میں نے دیکھا کہ کوئی صاحب میری چارپائی کے قریب ٹہل رہے ہیں ،معلوم ہوا کہ مولانا عبدارحیم صاحب ہیں ،میں گبھرا کر اٹھا کہ حضرت کیا بات ہے؟

فرمایا کہ یہاں کے لوگ ایسے ہی بے سلیقہ ہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی چلے اور پر کی آہٹ سے آپ کی نیند اچاٹ ہو جائے"،میں نے کہا کہ حضرت !میرا آنا تو بس ختم ہوا،اس کے بعد نہیں گیا ،مگر اس وقت وہاں آپ کو دیکھنا یاد نہیں پرتا۔حضرت رائپوری رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اس وقت کیا پہچانتے ،شاید آپ کو خیال ہو کہ ایک شخص آدھی آستین کی کمری اور گھٹنوں تک پائجامہ پہنے ہوئے مہمانوں کے لیے چارپائی بچھاتا تھا ،بستر بچھاتا تھا ،ہاتھ دھلاتا تھا ،دستر خوان بچھاتا اور کھانا لاتا تھا۔حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے غور کر کے فرمایا

کہ ہاں !اس حلیہ کا ایک آدمی پنجابی شکل کا تھا تو کہی ،عرض کیا حضرت !وہ یہی خادم تھا،حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا

ہر کہ خدمت کرد اومخدوم ماشد

پھر جب وہاں سے چلنے لگےتو حضرت تھانوی رحمہ اللہ بھی اپنی جگہ سے اٹھنے لگے مگر ضعف کی وجہ سے اٹھنا ذرا مشکل ہورہا تھا،حضرت رائپوریؒ نے بغل میں ہاتھ ڈال کر اٹھا دیا،اس پرحضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بڑا عجیب وغریب جملہ فرمایا کہ "آگے بھی خیال رکھنا بھول نہ جانا"۔ (ملفوظات فقیہ الامت جلد 1 حصہ رابع ص 74,72)

(اس واقعہ میں اعلیٰ حضرت رائپوری ،حکیم الامت حضرت تھانوی ،حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اورحضرت مولانا عبدالقادرصاحب رائپوری رحمہ اللہ چاروں بزرگوں کی بے نفسی وفنائیت واضح ہے۔مرتبہ)

عارف باللہ حضرت ساہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمہ اللہ کے واقعات

1۔حضرت والا کی سادگی:۔

آپ کے خادم خاص حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب آپکےمختصر حالات تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت والا پھولپوریؒ کی سادگی کے متعلق خود حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ صاحب علیہ کا مطبوعہ ملفوظ یہاں نقل کرتا ہوں:

نقل ملفوظ مطبوعہ ملفوظات حسن العزیز ص 83:

فرمایا (یعنی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے) مولوی عبدالغنی صاحب ماشاءاللہ سپاہی آدمی ہیں بڑے مستعد ہیں۔پہلوان آدمی ہیں پھرعلمی کمال جدا مگر وضع سے مطلق نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کچھ بھی ہیں یہ ذکر کا اثر ہے،ذکر عجیب جیز ہے۔

سب اصلاحیں اس سے معلوم ہوجاتی ہیں۔مولوی عبدالغنی کس قدر سادے ہیں کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ پڑھے لکھے بھی ہیں۔ذکر بناوٹ کوتو بالکل اڑا ہی دیتا ہے۔

مولوی عیسیٰ صاحب بہت خوش پوشاک ہیں کہنے بھی لگے تزئین میں کیا حرج ہے یہ تو جمال ہے اور حدیث میں ہے اللہ جمیل یحب الجمال میں سنتا رہا بعد میں میں نے کہا۔ مولوی صاحب یہ سب اسی وقت تک ہے۔ جب تک حقیقت منکشف نہیں ہوتی اور جب حقیقت منکشف ہو جاوے گی۔ تو اللہ جمیل یحب الجمال سے استدلال رکھا رہ جاوے گا۔ صحیح مفہوم اس کا سمجھ میں آ جاوے گا۔ چنانچہ وہ تھانہ بھون میں رہے اب ان کی حالت دیکھئے اچکن اور گھڑی سب بھول گئے۔ غریبوں کی سی وضع ہوگئی۔ (معرفت الہیہ ص31)

2: ہندو استاد کی خدمت کا عجیب واقعہ:۔

آپ کے خلیفہ مجاز حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہمارے حضرت رحمہ اللہ نے نبوٹ ہندو استاد سے سیکھا۔ ہندوؤں کو مارنے کے لیے ہندو استاد سے ہی کمال حاصل کیا، وہ ہندو اس فن میں بہت ماہر تھا۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ جب اس کے پاس نبوٹ سیکھنے جاتے تو علی الصباح فجر کی نماز سے پہلے جا کر اس کی بھینس کے نیچے سے گوبر صاف کرتے تھے۔ زمین خوب اچھی طرح صاف کر کے خشک مٹی ڈال کر زمین کو خشک کرتے تھے۔ پھر بھینس کے لیے سانی بناتے، سانی کھلی اور بھوسے کو ملا کر بنائی جاتی ہے۔

اس کے بعد فجر کی نماز پڑھتے تھے۔ ہندو استاد اور پھر اس سے صحیح بخاری کا سبق نہیں پڑھتے تھے نبوٹ سیکھتے تھے۔

استاد کی عزت کا اثر یہ ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے نبوٹ میں وہ کمال حاصل کیا کہ اس ہندو کے بڑے بڑے پرانے شاگرد وہ کمال حاصل نہیں کر سکے۔

(جواہر الرشید حصہ دوم ص39)

امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی رحمہ اللہ کے واقعات

1:۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم کے نام ایک خط

مولانا کے اندر باوجود علم وفضل زہد وتقویٰ کے حد درجہ تواضع اور خاکساری تھی۔ اپنے بڑوں

کے ساتھ بڑے سے بڑا معاملہ کرتے اور چھوٹوں کیساتھ برابر والوں کا سا معاملہ کرتے۔اہل علم کے علم کا اعتراف کرتے ان کی قدر کرتے ان کو اپنے سر بیٹھانے کی کوشش کرتے۔اور بڑے عزت واحترام کا معاملہ کرتے۔خصوصا ان لوگوں کے ساتھ جن کا تعلق حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمتہ اللہ سے رہا ہو۔اور دینی تحریک سے دیرینہ ربط رہا ہو۔اس کے علاوہ ہر نئے آنے والے کے ساتھ وہ جس درجہ کا آدمی ہوتا اس سے اونچا معاملہ فرماتے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کو ایک خط مین لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

مخدوم ومحترم ومکرم ومعظم جناب حضرت سید الاستاد ادام اللہ مجدکم ومتعنا والمسلمین بفیوضکم ۔اسلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرترکاتہ،حضرت عالی کا واالا نامہ شرف صدرو ہوکر باعث صد مسرت ومنت ہوا۔حق تعالی شانہ،آں محترم کو اپنی بے نہایت مرضیات سے علامال فرمائیں اور ہم ضعفا کے لئے آپکے ان انوارات واوصاف و کیفیات سے جو بارگاہ رسالت سے آپ میں ودیعت ہیں۔اور حضرت سید صاحب شہید رحمہ اللہ کے تعلق نے ان کو جلادیکر پھر ہمارے جیسے خوبیوں کے گہرائیوں کے سمندروں کے موتیوں کے ادراک نہ کرنے والوں کے لئے قابل ادراک فرمادیا اور حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ تعلق اور آپ کی انکے ساتھ قابل رشک محبتوں نے ان کو روز روشن کیطرح کھول دیا اب بھی ہم جیسے کورا نکا احساس نہ کریں تو جناب عالی کے لئے تو حقیقتا کوئی نقصان نہیں اللہ رب العزت نے آپ کو بہت نعمتوں سے مالامال فرمادیا۔

جن کا شکر آپ پر واجب ہے بہت شکر کریں۔

البتہ نقصان صرف ہمارا ہے کہ نہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے انکلی قدر دانی کرکے فائدہ اٹھایا ۔نہ ان ہستیوں سے جنکو وہ قدر کرکے بہت قابل قدر بنا گئے۔آپ نے تو انکے زمانے میں بھی اور بعد میں بھی حد سے زیادہ اس عاجز پر بار ہا حد سے زائد احسانات فرمائے جسکا حق

تعالیٰ شانہ، حد سے زیادہ آپ کو صلہ مرحمت فرمائیں۔ البتہ یہ ضعیف و ناکارہ بہت ہی قابل توجہ اور دعا ہے خصوصاً ان لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کے ذیل میں (جن میں بہت اہم آپکی ہستی ہے) جنکی اس کام کے اشتغال سے اس نے فروغ کی صورت اختیار کی اور حضرت مرحوم انکو دل سے چاہتے تھے۔ آپ کا بہت ہی احسان ہوگا اگر آپ اپنے مخصوص اوقات میں میرے لئے رو کر اس بارے میں اللہ رب العزت سے گڑگڑا کر مل جاتی ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ میرے لئے حق شناسی و مرحوم شناسی کے دروازے کھول دے اور اصولوں میں بصیرت و عمل کی توفیق بخشیں جسمیں اہل ہنر و خیر سے اس کام میں پوری طرح متمتع ہو سکوں اور ان کی توجہات سے یہ کام سرسبز ہو اور میری گندگیوں کے نذر ہو کر یہ کام ضائع یافتہ نہ ہو جائے۔ آپ کا خط بارہا لیکر بیٹھا کچھ لکھنے کی ہمت نہ پڑی۔ دوبارہ پر چھوڑ دیا۔ آپکے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں کوتاہی حجاب بنی آنے کیلئے درخواست بھی کس منہ سے کروں۔ سوائے بولنے کے تو کچھ سیکھا نہیں اور اس سے کچھ ہوتا نہیں۔ فتن نے اپنے پردوں کو چاک کر دیا۔ مصائب کیڑوں کیطرح امنڈ پڑے۔ علاج پر اہل بصیرت اور اہل فہم ورائے مطلع نہ ہوئے اور جو مطلع ہوئے تو ان کا اختلاط اور اجتماع ٹوٹا واللہ خیر حافظاً وھوارحم الراحمین حضرت عالی ہی آمیں مشعل راہ ہو سکتے ہیں جناب عالی کی تشریف آوری کے خیال سے بھی بڑی مسرت ہوئی اہل دل تو اپنا کام دل سے کریں ہم جیسے بے دل کیا کریں محبت آپکی اپنے دل میں نہ رکھیں تو پھر مرنے کے بعد کے سہارے کے لیے کیا چیز رہے۔ آپ کے دل میں اپنی محبت کو بہت ہی مبارک دسمجھتا ہوں حق تعالیٰ شانہ جانبین کے لئے ترقیات کا دروازہ کھولیں۔ بندہ محمد یوسف

2: کسی سے استفادہ کرنے میں کبھی حجاب نہیں ہوا:۔

مولانا کو کسی عالم سے باوجود اپنے علم و فضل کے استفادہ کرنے میں حجاب نہیں ہوا۔ انہوں اپنی مشہورہ کتاب "حیاۃ الصحابہؓ" لکھنی شروع کی تو آمیں بھی کبھی پس و پیش نہ کیا کہ کسی اہل علم کے سامنے اس کتاب کو پیش کریں اور آمیں اصلاح کے طالب ہوں یہ وہی

شخص کر سکتا ہے جس کے فنائیت حد سے بڑھ کر ہو اور "انا" کا نام ونشان بھی نہ ہو ورنہ بڑے سے بڑا عالم۔ "ہیچو من دیگر ے نیست" کا شکار ہو جاتا ہے۔ مولانا نسیم احمد فریدی لکھتے ہیں

ایک مرتبہ فرمایا:

ہم ایک کتاب صحابہؓ کے حالات پر لکھ رہے ہیں آپ نے اسکو دیکھ لیا ہوتا۔ یہ عنوان میرے ذوق وشوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اختیار فرمایا گیا تھا۔ جس سے اپنی نا قابلیت کو سامنے رکھ کر شرمندہ گی ہوئی اور اس سے مسرت ہوئی کہ اس نااہل کو اس قابل سمجھا گیا کہ وہ ان کے افادات سے استفادہ کر دسکے گا۔

3:"منشی جی! ہمارے لیے اور ہمارے گھر والوں کے لیے دعا کرنا!":۔

ایک رفیق خاص اپنا چشم دیدہ واقعہ لکھتے ہیں:

منشی اللہ دتہ صاحب اپنے چند رفقاء کے ساتھ حج کو تشریف لے جارہے تھے۔ جب مرکز سے باہر نکلے تو حضرت مولانا بھی ننگے پاؤں سڑک تک آ گئے۔ اور جب منشی جی رخصت ہونے لگے تو حضرت مولانا نے بڑے عاجزاز اور مودبانہ طور پر منشی جی سے فرمایا "منشی جی! ہمارے لیےاور ہمارے گھر والوں کے لیے دعا کرنا"۔

4: "مجھے تو ابھی تک چھ نمبر نہیں آئے":۔

ایک مرتبہ مدارس کی جماعت سہارنپور کے علاقہ میں چلا گزار کر آئی رات کا کھانا مولانا نے اپنے ساتھ کھلایا یا مولانا نے کھانے کے درمیان میں فرمایا "بھائی تمہارا سفر کیسے گزرا" جماعت نے کہا حضرت! بہت اچھا گزرا مگر بدن پر گرمی کے سبب چھالے پڑ گئے ہیں۔ مولان مسکرائے اور فرمایا تمہیں چھے نمبر بھی آ گئے۔ انہوں نے عرض کیا حضرت الحمد للہ ہم سب کو چھے نمبر آ گئے۔ مولانا نے فرمایا اللہ تعالی کا بہت کرم ہوا لم پر مجھے تو ابھی تک نہیں آتے۔

5: "اس بالٹی کے اٹھانے کا لطف و مزہ اب تک پا رہا ہوں"۔

یہ تو ان لوگوں کیساتھ معاملہ تھا جو اہل علم تھے یا جماعت سے تعلق رکھتے تھے مولانا کا معاملہ تو ادنی سے ادنی آدمی کیساتھ بھی تواضع اور انکساری کا تھا۔ خواہ مخواہ اپنا ہو یا غیر ہو۔ مولانا جو جماعتوں کو رخصت کرتے تو فرماتے جماعت والو اپنی خدمت، ساتھیوں کی خدمت، امیر کی خدمت اور راستہ پر جو مل جائے بلا تفریق مذہب اسکی خدمت کرو اس پر اپنا ایک واقعہ سنایا:

"ایک مرتبہ بستی حضرت نظام الدین کی رہنے والی چھوٹی سی بچی بالٹی میں پانی بانٹنے لے جارہی تھی میں نے دیکھا اور لپک کر اسکے گھر تک پہنچا آیا۔ اس بالٹی کے اٹھانے کا مزہ و لطف اب تک پا رہا ہوں"۔

6: کئی دنوں تک مہمانوں اور گھر والوں کی نجاست اٹھا کر جنگل میں پھینکتے رہے۔

خدمت خلق اور اکرام ضعیف کا جذبہ مولانا کے اندر بے پایاں تھا۔ اس سلسلہ میں وہ ادنی سی ادنی خدمت کرتے ہچکچاتے نہ تھے بعض خدمتیں ایسی ہوتی ہیں کہ عام سے عام آدمی بھی اس کو کرتے ہچکچاتا ہے اور اپنے مقام سے کم تر سمجھتا ہے۔ لیکن مولانا کو کم سے کم درجہ کا کام کرتے ہوئے بھی باک نہ ہوتا۔

مولانا اظہار الحسن کاندھلوی بیان کرتے ہیں:

"ایک بار بستی نظام الدین میں مہتروں نے ہڑتال کر دی مہمان مرد تو جنگلوں میں جا کر فراغت حاصل کر لیتے۔ لیکن عورتوں کا مسئلہ سخت بن گیا تھا۔ یا ان مردوں کا جو بیمار یا بوڑھے تھے اس سے گندگی پھیلنے لگی مولانا نے کئی دن تک مہمانوں اور گھر والوں کی نجاست اٹھا کر جنگل میں جا کر پھینکی مگر کسی کو اس کی خبر نہ ہوئی۔"

(از سوانح مولانا محمد یوسف صاحب ص 280 تا 284)

عارف باللہ حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوری رحمہ اللہ کے واقعات

1: اکوڑہ خٹک تشریف آوری:۔

آپ کا وطن قیام فرمانا ہی تھا کہ اردگرد کے علاقہ میں جتنے بڑے بڑے مدارس تھے سب نے تشریف آوری پر اصرار کیا۔ آپ ارباب مدارس کی بدانتظامی اور پھر اپنے ضعف کی وجہ سے برابر انکار کرتے رہے۔ صوبہ سرحد میں بھی تقسیم کے بعد کافی مدارس قائم ہوگئے تھے جو بڑی کامیابی سے ترقی کے راستے پر گامزان تھے۔

جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم مولانا بادشاہ گال صاحب اور دیگر منتظمین نے آپ پر بے حد اصرار کیا۔ حضرت مولاناؒ نے ضعف اور کمزوری کا عذر کیا مگر یہ حضرات ہر قیمت پر حضرت مولاناؒ کو بے جانے پر تلے ہوئے تھے۔ مختلف علماء کی سفارش بھی لاتے رہے۔ بالا آخر ایک سال کے لیا کوڑہ تشریف کے گئے۔ دوسرے سال کے آغاز میں پھر حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ کے سفارش و اصرار پر آپ نے جانا منظور فرمایا۔ کل 4 سال آپ نے اکوڑہ خٹک میں قیام فرمایا۔ (یہ دارالعلوم اکوڑہ خٹک مولانا عبدالحق والا نہیں جامعہ اسلامیہ اس سے کچھ پہلے آتا ہے۔)

اس علاقہ میں آپ کا رہنا صوبہ صرحد، افغانستان اور قبائلی علاقہ کے طلبہ کے لئے بڑی برکت کا باعث ہوا، اور بولے طالبین علوم حدیث سند حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ 1958ء سے آپ نے اپنے گھر میں قیام کا ارادہ فرمالیا، کہ ظاہری علوم کی خدمت کرتے کرتے ساری عمر گذر گئی۔ اب اصلاح ورشد کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے اور حضرت حکیم الامتؒ کی امانت کا حق ادا کرنے لگے۔ ان ایام میں زہد کا بہت غلبہ ہوگیا تھا۔ حضرت مولانا نے قریباً ان ایام میں اپنے چچازاد بھائی مولانا) عبدالقدیم صاحب کے نام ایک خط میں یہ الفاظ تحریر فرمائے جن سے حضرت کی اندرونی کیفیت، انجذاب الی اللہ، زہد تقویٰ اور دینوی علائق سے انقطاع کے جذبات کے انقطاع کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے فرماتے ہیں:۔ "دل میرا بہت پریشان ہے۔ سب حیات سفر میں گذر گئی۔ کوئی کام دین کا نہ کرسکا دل چاہتا ہے کہ سب کام دنیا کے چھوڑ چھاڑ کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤں۔ موت

کا وقت میرا بہت قریب ہے زندگی ختم ہونے والی ہے آخرت کا کوئی توشہ پاس نہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی مرقیات میں مشغول کردے اور دنیا کی سب پریشانیوں سے نجات دیدے اور بقیہ چندروزہ زندگی آرام اور اطمینان اور اپنی مرقیات میں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے"۔

اللہ اللہ! حضرت کا یہ اونچا مقام اور یہ مسلسل دینی خدمات اور پھر تہی دامنی کا یہ اعتراف

(بیس مردان حق، جلد 1 ص 963)

2: طلبہ پر شفقت:۔ مولانا محمد اسحاق صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا طلبہ سے باپ کی طرح شفقت فرماتے ان کی ضروریات وحوائج کا خیال رکھتے طلبہ کے ساتھ بہت تواضع اور انکسار پیش آتے۔

مولانا محمد اسحاق صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت کی زندگی میں وہ تواضع اور طلبہ سے شفقت دیکھی جو اور کہیں بہت کم دیکھی۔ ایک دفعہ حضرت کے پاس مدرسہ (جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک) کے چھوٹے نابالغ طالبعلم آئے۔ وہ مدرسہ کے مہتمم صاحب کے پاس کوئی درخواست لے جارہے تھے اور حضرت مولاناؒ نے اس پر کوئی سفارش لینا چاہتے تھے۔ جب یہ بچے کمرہ میں داخل ہوئے تو اسوقت آپ چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ سامنے چارپائی خالی تھی۔ حضرت کو طالب علموں نے سلام کیا۔ حضرت نے سلام کا جواب دینے کے بعد ان سے خالی چارپائی پر بیٹھنے کو کہا مگر وہ نہیں بیٹھے تو حضرت بھی چارپائی سے اتر کر نیچے بوریئے کے فرش پر تشریف فرما ہوئے پھر طلبہ سے شفقت آمیز لہجے میں مخاطب ہوئے کہ کیا خدمت ہے۔ یہ حضرت کی ہمیشہ عادت تھی کہ جب بھی کوئی ان کے پاس آتا، تو حضرت اگر چارپائی پر ہوتے تو نیچے اتر جاتے اور آنے والوں سے گفتگو فرماتے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت ٹیک لگائے ہوئے کسی سے گفتگو فرماتے ہوں۔ یا کوئی نیچے بیٹھا ہوا اور حضرت اوپر چارپائی پر بیٹھے ہوں"۔

(بحوالہ بالا ص 966)

۳: شان تواضع :۔

آپ عالمانہ علو کے باوجود تکلف وتفنع سے دور اور نا ونمود سے نفور تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری تحریر فرماتے ہیں:

علم وفضل اور شرف وکمال کے ساتھ انکسار وتواضع ،خاموشی اور کم گوئی مولانا کی ایک فطری کرامت تھی۔

مولانا سید محمد ازہر شاہ صاحب قیصر تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت مولانا سطحی اور خود فروش انسانوں کی طرح اپنے کمالات کی تجارے نہیں کیا کرتے تھے اور نہ معرفت الٰہی ،یقین کامل اور نور باطن کی جو دولت انہیں ملی تھی اس کی وہ شہرت پسند فرماتے تھے غرضیکہ اس طبقہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا جو!

" کسی کی زلف پریشان کسی کا دامن چاک جنوں کو لوگ تماشہ بنائے پھرتے ہیں "

حضرت مولانا کی طبعی تواضع میں تفنع وتکلف نہ تھا اس لئے علو منصب یہ کبھی اس طبعی وفطری تواضع میں رکاوٹ نہ بن سکی۔ جس وقت حضرت مولانا مظاہر العلوم کے عہد صدارت پر فائز تھے اس وقت کے دو سبق آموز واقعات کا سبق پنہاں ہے:۔

1:۔ ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ عید الاضحٰی کے موقع پر حسب معمول حضرت اقدس استاد الاساتذہ مولانا سید عبد الطیف صاحب اقدس سرہ ،ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور قربانی کے انتظام میں مشغول تھے ایک ضرورت کی بنا پر مجھے حضرت اقدس ناظم صاحب حضرت الاستاد قدس سرہ کے حجرہ میں تشریف فرما ہیں۔ مین حضرت اقدس سرہ حجرہ میں داخل ہوا۔ میری آنکھوں نے یہ دیکھا کہ حضرت ناظم صاحب کے پاؤں دبا رہے ہیں اللہ اللہ! جامعہ کے صدر مدرس ہونے کہ باوجود اور جم غفیر دار الطلبہ میں کثیر تعداد شاگردوں وطلبہ کے ہوتے ہوئے حضرت الاستاد قدس سرہ نے اپنے استاد محترم حضرت ناظم صاحب پاؤں دبانے میں ہی اپنی سعادت سمجھی۔ جب میں حجرہ میں داخل ہوا تو یہ خیال ہوا کہ اب

حضرت اس خدمت سے رک جائیں گے مگر میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت الاستاد جامعہ الاستاد کے صدر مدرس نہیں ہیں بلکہ ہماری طرح ایک طالب ہیں۔

2۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت الاستاد قدس سرہ نے جامعہ دارالعلوم دیو بند میں بھی دورہ حدیث کا درس لیا تھا۔ حضرت راس المحدثین علامہ شیخ الہند قدس سرہ بخاری شریف اصغر حسین میاں صاحب دیو بندی قدس سرہ سے بھی ابوداود شریف پڑھی تھی۔ میری طالب علمی کے زمانے میں جب حضرت راس المحدثین علامہ شیخ الہند قدس سرہ سے بخاری شریف کا درس حاصل فرمایا اسی زمانہ میں حضرت الاستاد نے حضرت عارف باللہ مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب دیو بندی قدس سرہ سے بھی ابوداود شریف پڑھی تھی۔ میری طالب علمی کے زمانے میں جب حضرت اقدس میاں صاحب قدس سرہ، مظاہر العلوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر سہارنپور تشریف لائے تو بعض مرتبہ غریب کانہ پر قیام فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت الاستاد قدس سرہ نے مجھ سے فرمایا کہ شیخ! حضرت میاں صاحب تمہارے مکان پر قیام فرمایا کرتے ہیں کبھی موقع ہوا اور حضرت تشریف لائیں تو ایک مرتبہ سخت گرمی کا موسم تھا حضرت اقدس میاں صاحب قدس سرہ سہارنپور تشریف لائے اور میرے یہاں قیام فرمایا۔ میں نے حسب حکم حضرت الاستاد کو اطلاع کردی۔ دوپہر وقت تنہائی کا تھا اس کی خبر کردی۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔ چلچلاتی دھوپ میں سر پر رومال ڈالے غریب خانہ پر پہنچے اور جس کمرہ میں حضرت میاں صاحب آرام فرمارہے تھے اس کمرے میں داخل ہوئے۔ میں نے باہر سے دروازہ بھیڑ دیا۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ شروع میں کیا باتیں ہوئی البتہ میں نے کچھ دیر کے بعد آہستہ سے دروازہ کو تھوڑا سا کھولا اور دروازہ سے یہ دیکھا کہ حضرت اقدس میاں صاحب قدس سرہ چارپائی پر استراحت فرمارہے ہیں اور حضرت الاستاد صدر مدرس مظاہر العلوم پاؤں دبا رہے ہیں تقریباً گھنٹہ بھر پاؤں دبارہے۔ بعد میں حضرت الاستاد قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے یہ تکلف کیوں فرمایا ہم خدام خدمت کے لئے کافی ہیں۔ فرمانے لگے کہ شیخ! میاں صاحب میرے اساتذہ کرام کی برکت سے لکھ پڑھ لیتا

ہوں۔ یہ دونوں واقعات الاستادقدس سرہ کے کمالات میں زریں حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ (ص۹۷۹تا۹۸۰)

4:۔ بے نفسی وفنائیت :۔

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے
تیری ہستی کی رنگ وبو نہ رہے

حضرت مولانا سے تعلق رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ آپ نے اپنے نفس کو ایسا مٹا دیا تھا کہ کبھی ایسا نقطہ نہیں سا گیا جس سے اپنی تعریف کی بو آتی ہو۔ جب جاہ کا یہاں سر کٹا ہوا تھا اور یہ جب جاہ اولیا، علماء کے قلوب سے سب سے آخر میں نکلنے والی بیماری ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کا ارشاد ہے :۔

"جب جاہ ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر میں اولیاء اللہ کے قلوب سے نکلتی ہے جب سالک حسد سالک صدیقین کے مقام تک پہنچتا ہے تب اس سے پیچھا چھوٹتا ہے"۔

حضرت مولانا نے مسلسل مجاہدات وریاضیات اور مرتب معالجات حضرت حکیم الامت تھانوی سے اپنے نفس کو ایسا مٹادیا تھا کہ بغیر تصنع وتکلف کے بے نفسی وفنائیت طاری رہتی۔ حضرت مولانا کبھی کوئی ایسی بات نہ فرماتے جس سے آپ کے علومرتبہ یا کشف وادراک کا احساس ہوتا مولانا محمد علی صاحب استاد دارالعلوم حقانیہ فرماتے ہیں :۔

"مظاہر علوم میں ترمذی شریف کے درس میں ایک بار کشف کی بحث آگئی۔ ایک طالب علم نے شدت عقیدت سے عرض کیا کہ حضرت آپ تو سب کچھ مکشوف ہوتا ہوگا حضرت کو جلال آیا اور نہایت غصہ میں فرمایا کہ آپ جیسے صوفیوں کو کشف ہوتا ہوگا میں تو خدا کا ایک عاجز بندہ ہوں مجھے تو ظاہری شریعت کی پابندی کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا"

مولانا فضل الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت مولانا کے سفر کراچی کے موقع پر عجیب کوائف دیکھنے میں آئے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے حضرت کے ملاقات کے لئے اوقات مقرر فرما

دیے تھے عصر کے بعد مجمع قابل دید ہوتا۔ حضرت حسب عادت خاموش رہتے اور مجمع پر بھی رحمتوں کی بارش ہوتی نظر آتی۔ کوئی صاحب اگر کوئی بات دریافت فرماتے تو مختصر بات کے بعد پھر خاموشی طاری رہتی۔ گاہ بگاہ واردین میں دریافت کی جرات نہ ہونے کی وجہ سے خاموشی کا تسلسل رہتا۔ جس پر مولانا عبدالجلیل صاحب مجھے کہتے کہ تم کچھ گفتگو شروع کرو تاکہ سامعین کچھ سن سکیں۔ الغرض کافی دنوں تک یہی حالت رہی۔ اگر حضرت کی جگہ کوئی اور ہوتے تو تقریریں جھاڑی جاتیں۔ نکات و رموز کا اظہار ہوتا مگر یہاں تو اس خاموشی اور سکینے میں وہ اثرات و برکات تھے جو لمبی چوڑی تقریروں میں نظر نہ آتے۔ مجمع دن بدن بڑھتا چلا جاتا اور واردین کا تانتا بدھا رہتا۔ اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق دامن بھر کر لے جاتے۔ اس سفر کراچی کے موقع پر حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے حضرت مولانا کے اعزاز میں چائے کی دعوت کا اہتمام فرمایا۔ دارالعلوم کراچی میں جب حضرت نے حضرت مولانا سے فرمایا کہ حضرت یہ سب آپ کے مواعظ سننے کے مشتاق ہیں۔ حضرت نے صاف انکار فرمادیا کہ میں تقریر نہیں کرسکتا۔ حضرت مفتی صاحب نے ان الفاظ سے حضرت مولانا کے کمال اور رفعت شان کا اعتراف اور حضرت مولانا کو
خراج تحسین پیش فرمایا کہ:۔

"حضرت تھانویؒ کے انتقال کے بعد ہم سب میں تغیر آیا۔ زمانہ کے حالات سے متاثر ہوئے مگر حضرت مولانا کا کمال ہے کہ آپ میں کوئی تغیر نہیں آیا"۔

حضرت مفتی صاحب کے ان توصیفی کلمات کو سن کر حضرت مولانا کے چہرہ پر رنج والم اور اضطراب کے آثار صاف نظر آرہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کی تقریر ختم ہونے پر حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ باشارہ حضرت مفتی صاحب کھڑے ہوئے کھڑے ہونے سے قبل حضرت مولاناؒ کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت میں کیا عرض کروں۔ مولانا نے ارشاد فرمایا کہ مفتی صاحب نے جو ارشاد فرمایا ہے اس کی تردید کریں۔ مگر حضرت بنوریؒ نے کھڑے ہو کر حضرت کے وہ اوصاف بیان فرمائے جو ہم نے کبھی سنے بھی نہ تھے۔ منجملہ ان کے یہ بھی

ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نے قبل از بیعت ہی حضرت مولانا کو خلافت عطا فرمادی تھی۔اس تقریب کے دوران حضرت کے چہرہ پر آثار رنج وغم صاف نظر آرہے تھے۔ جب حضرت بنوریؒ بیٹھ گئے تو مولانا نے فرمایا کہ آپ کو تو میں نے تردید کے لئے کہا تھا، آپ نے بجائے تردید کے تائید شروع کردی یہ تھا حضرت کا کمال انکسار

مگر ان کمالات کو اپنے اظہار، بناؤ، ریاکاری اور نمائش کی بالکل کوئی ضرورت نہیں۔ مظاہر علوم سہارنپور جیسے وقیع اسلامی مدرسہ کے صدر مدرس حضرت تھانویؒ کے مجاز خلیفہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے شاگرد اور سیکڑوں علماء کے استاد ہونے کے باوجود مولانا کی زندگی بیحد سادہ ان کی جائے رہائش بہت معمولی اور ان کی پوری زندگی اسباب واموال سے خالی تھی۔ چٹائی پر اٹھنا بیٹھنا۔ معمولی برتنوں میں کھانا پینا اور توکل وسادگی گذارنا مولانا کا معمول تھا مولانا کے نزدیک یہ زندگی ایک قیام گاہ اور ایک منزل نہیں تھی بلکہ ایک راستہ اور رہگذر تھی اور ان کے انداز واطوار سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ اس راستہ اور شاہراہ سے گزر کر منزل مقصود پر پہنچنا چاہتے ہیں۔

مولانا فضل الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک دفعہ بہود کی عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا قصہ درپیش ہوا۔ ہماری بستی بہبودی میں عید کی نماز مساجد میں ہوتی تھی میں نے عرض کیا کہ حضرت اگر آپ لوگوں کو فرمادیں تو عیدگاہ میں ایک جگہ نماز ادا کیا کریں گے۔ فرمایا کہ میری بات کون مانتا ہے۔ میں نے کہا حضرت کو اپنی شان معلوم نہیں بہت اصرار پر فرمایا کہ بہت اچھا۔ مولانا عبدالشکور صاحب اور حضرات کے بڑے صاحبزادے مولانا حافظ عبیدالرحمٰن بھی مؤید بنے۔ وعدہ فرمالیا کہ میں کوشش کرونگا۔ چنانچہ مسئلہ حال ہوگا۔ حضرت کا فرمانا تھا کہ سب نے مان لیا اس کے بعد عیدگاہ میں امامت کا مسئلہ تھا، کیونکہ ائمہ میں ہر ایک امامت کا خواہاں ہوتا ہے اس مسئلہ کا میں نے حل پیش کیا کہ حضرت عید کی نماز پڑھائیں مگر انکار کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ مجھ سے امامت نہیں ہوتی میں نے عرض کیا کہ بغیر آپ کی ذات کے اور کسی پر اتفاق ہو

نہیں سکتا۔

اس لئے جناب یہ درخواست منظور فرمائیں۔ بہت اصرار کے بعد حضرت نے درخواست منظور فرمائی۔ جو عید کا زمانہ قریب ہوتا تو حضرت فرماتے کہ تم خود عید کی نماز پڑھاؤ۔ میں معذور ہوں۔ میں عرض کرتا کہ بغیر آپ کے لوگ کسی پر متفق نہیں ہیں۔ حضرت کی آخری عیدالاضحیٰ تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ کچھ لوگ میری امامت پر ناراض ہیں۔ میرے پاس اس کا جواب نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا کہ لوگوں سے حضرت کے سامنے عیدگاہ میں دریافت کرونگا۔ عیدگاہ میں میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہو؟ سب نے کہا کہ یہ ہمارے لیے فخر کا سبب ہے۔ الغرض آپ کی زندگی میں کسر نفسی فنائیت اور امتیازی شان سے احتراز کی عجیب شان تھی۔

اس طبعی افتادہ کی وجہ سے آپ نے چاہ کنعان میں لاکھ چھپنے کی کوشش کی مگر قدرت نے آپ کو نکال کر منصۂ شہود پر پیش کر دیا تھا۔ آپ دانۂ تخم کی طرح لاکھ مٹے۔ مگر کشت زار ہو کر مخلوق کے افادہ کے لئے باہر نمودار ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ (ص980تا982)

5:۔ اصلاح میں کسر نفسی:۔

حضرت مولانا کی اس طبعی تواضع اور انکساری کا یہ اثر تھا کہ جب آپ کی طرف کوئی سالک اصلاح نفس کے لئے رجوع کرتا تو آپ بغیر تکلف وتصنع کے اپنی بے بضاعتی کا اظہار فرما کر کسی دوسرے کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرماتے طالب کے بار بار اصرار پر آپ اس کو انکارہ کا ارشاد فرماتے۔ لوگوں کو بیعت کے لئے دعوت دینا یا بلانا تو درکنار خود رجوع کرنے والوں سے انکار فرماتے کہ وہ اور کسی طرف چلے جائیں۔ آپکے دیرینہ خادم اور سفر حج کے رفیق مولانا محمود صاحب رنگونی (مفتی اعظم برما) نے جب بیعت اور اصلاح کے لئے درخواست پیش کی تو جواب میں یہ تحریر فرمایا غور سے پڑھئے۔ کہ کس انداز سے اپنی بے بضاعتی اور کوتاہی کا اظہار کیا جا رہا ہے فرماتے ہیں:

"آپ نے اصلاح کے متعلق اس ناکارہ کی طرف رجوع رجوع کرے تو فرمایا

ہے۔آپ ایک عرصہ دراز تک سہارنپور قیام فرما چکے ہیں اور اس طویل مدت اقامت میں آپ مجھ ناکارہ کے اطوار اور ناکارگی اور اقوال واعمال کی کوتاہیوں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔اسکے باوجود بھی آپ جیسا عقل منداصلاح کے لئے مجھ جیسے ناکارہ آوارہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔بیحد تعجب انگیز ہے۔اصلاح کے لئے دب سے اوّل شرط مصلح کا اہل ہونا اور پابند شریعت ہونا لازم اور ضروری ہے۔جس سے میں واقعی بے بہرہ ہوں اور یہ تصنع اور تواضع نہیں بلکہ خالص اور صاف اظہار واصع ہے۔اسلئے میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ اس کام کے لئے کسی اہل اور بھلے آدمی کیطرف رجوع فرماویں ،جن سے آپ کو دین کا نفع ہو۔احقر کی طرف سے یہ مشورہ آپ کو بہت خلوص اور ہمدردی کا ہے۔امید ہے کہ آپ اس کو قبول فرما کر اس کی وجہ سے مجھے دعائیں دیں گے،اور اگر باوجود میری آوارگی اور نزارگی اور کوتاہیوں کے آپ میری ہی طرف رجوع فرمانا چاہیں تو احقر کو کچھ عذر نہیں
استخارہ مسنونہ کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے کام شروع کر دیجیے۔مجھ سے جو کچھ خدمت ہو سکے گی اس میں انشاءاللہ تعالیٰ دریغ نہ کروں گا۔(تحریر مکتوب مورخہ ۲۳،ذیقعدہ ۶۲ھ)

اللہ اللہ اندازہ لگائیے ،کس قدر وضاحت سے اپنے بارے میں یہ الفاظ فرمائے جا رہے ہیں ۔اپنی حقیقت ظاہر کرنے کے بعد پھر استخارہ اصرار کے بعد آمادگی کا اظہار بھی کہ حضرت حکیم الامت کی اس امانت عظمیٰ کو اوروں تک پہنچانا بھی ہے۔

ایک صاحب (مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ علیہ نے اصلاح کے لئے درخواست پیش کی ۔جواب میں تحریر فرمایا:۔

"اپنی اصلاح کی فکر خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے الھم زد فزد میں تو خود ہی بہت بداعمال ،بدافعال ہوں ۔اس کام کے لئے بہتر یہ ہے کہ کسی دیندار باکمال انسان کی طرف رجوع کریں ۔اس معاملہ کے لئے آپ پہلے استخارہ کرلیں"

"جب سے آنحضرت سے جدا ہوا ہوں اس وقت سے لیکر اب تک دب بدن حالت میں تنزل ہی آتا جارہا ہے اور حضرت اب اپنے اندر انتہائی تنزل بنسبت پہلی خجالت کے معلوم

کرتا ہوں۔اپنی اصلاح آنحضرت ہی کی خدمت بابرکت میں رہنے میں منحصر معلوم ہوتی ہے۔دل تو حضرت اب تک یہی چاہتا ہے کہ اپنی زندگی کا کچھ حصہ آنحضرت کی خدمت اقدس میں گذار دوں تاکہ اللہ تعالیٰ آنحضرت کی صحبت میں رہنے کی برکت سے احقر کی اصلاح فرمادیں"۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا نے تحریر فرمایا:

"یہ آپکا حسن ظن ہے۔جزاکم اللہ تعالیٰ۔ورنہ میں تو ایک بدکار ناشائستہ انسان ہوں بلکہ انسان کہلائے کے بھی لائق نہیں ہوں"

مولانا محمد اسحاق صاحب وزیرستانی تحریر فرماتے ہیں:

حضرت کو میں نے خط لکھا کہ اپنے نفس امارہ کی اصلاح آپ سے کرنا چاہتا ہوں اور ساتھ کچھ روحانی امراض بھی لکھ دیئے۔حضرت نے تحریر فرمایا کہ مجھ جیسے گنہگار سے کسی کی اصلاح کیسے ہوسکتی ہے۔تم کسی متبع سنت کی طرف رجوع کرو"لیکن میرے اصرار پر اصلاح کے تعلق کو قبول فرمالیا۔

اپنے اسلاف میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ علیہ کی بھی یہی شان تھی۔مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ علیہ تذکرہ الرشید" میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ مولانا محمود حسن رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

کسر نفسی اور تواضع کا سبق آپ کے قدم قدم پر برکت وسکون سے حاصل ہوتا ہے بایں وجہ بیعت لینے سے عموماً اپنے کو بچایا۔مگر جو ہر کو کتنا ہی گودڑ میں دبایئے۔اور مشک کو کیسا ہی کپڑوں میں چھپایئے،کھلے اور مہکے بغیر نہیں رہتا۔ (ص983تا984)

حضرت مفتی سعید احمد صاحب (مفتی مظاہر علوم سہارنپور) کی تواضع وفنائیت۔

جامع الکمالات ہونے کے باوجود اپنے شاگرد سے بیعت ہوئے۔

آپ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے مجاز صحبت تھے، اپنے علم وفضل میں یگانہ روزگار تھے، بہت بڑے فقیہ ومحدث تھے، ہر فن میں کمال حاصل تھا، اس کے باوجود آپ تواضع وانکسار کا پیکر تھے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد آپ نے اپنے ہی تلمیذ رشید حضرت مولانا مسیح اللہ خان شروانی رحمہ اللہ (خلیفہ ءمجاز حکیم الامت رحمہ اللہ) سے رجوع کیا اور مجاز بیعت قرار پائے۔

ساری زندگی درس وتدریس اور فقہ وحدیث کی خدمت میں مصروف رہے اور آخر دم تک جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد (انڈیا) کے شیخ الحدیث رہے، ہزاروں طالبان علم حدیث وفقہ نے آپ سے کسب فیض کیا اور سینکڑوں سالکان طریقت نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔

مفتی رشید احمد صاحب میواتی اپنے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان رحمہ اللہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب لکھنوی رحمہ اللہ مجاز صحبت حضرت حکیم الامت تھانوی وشیخ الحدیث جامع مفتاح العلوم جلال آباد انڈیا سے راقم الحروف کو شرف تلمذ اور خصوصی طور پر خدمت اقدس میں رہنے کی سعادت حاصل کی ہے، آپ میرے شیخ حضرت والا مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے بھی استاد تھے، انہوں نے کئی سال تک حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے پڑھا اور مشکواۃ تشریف تک غالبًا مدرسہ ھذا ہی میں اپنے وطن میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے کتب پڑھیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ذہانت وذکاوت، حلم ووقار، اخلاق واوصافِ حمیدہ میں اپنے اکابر کا نمونہ تھے، انتہاء درجہ منکسر المزاج تھے، باوجود اس کے کہ حضرت والا

(مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ) کے استاذ تھے مگر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی رحلت کے بعد آپ نے حضرت والا رحمہ اللہ سے رجوع فرمایا حالانکہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی طرف سے آپ مجاز صحبت ہو چکے تھے۔ حق تعالی درجات بلند فرمائیں" آمین۔

(کاروان تھانوی ۱۶۳، ۱۶۴)

حضرت مولانا فخر الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حکیم الامّت حضرت تھانوی رحمہ اللہ) کی تواضع وفنائیت۔

عالم ربانی حضرت مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمہ اللہ کے مفصل تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سناتے تھے کہ مولانا فخر الدین شاہ صاحب گھوٹکی کے علاقہ کے زمیندار تھے اور سید ہونے کی وجہ سے عوام میں پیر مشہور تھے۔ حضرت حکیم الامّت رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے اور حضرت کے ہاں آمد و رفت ہوئی، حضرت نے انکے اصلاح کی طرف توجہ دی، جب سلوک کی منزلیں طے کرلیں اور اجازت وخلافت کا وقت قریب آیا تو حضرت حکیم لامت رحمہ اللہ حضرت فخر الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ کو آخری گھاٹی سے بہت سہولت سے پار لے گئے، وہ اس طرح کہ حضرت نے فرمایا کہ ''میں نے سنا ہے کہ آپ لوگوں کو مرید کرتے ہیں حالانکہ آپ کی ابھی اصلاح نہیں ہوئی ہے''؟ جواب دیا کہ میں تو کسی کو بیعت نہیں کرتا اور نہ ان کو مرید سمجھتا ہوں، لیکن خاندان کے اکابر سے نسبت کی وجہ سے لوگ مجھ کو اپنا پیر سمجھتے ہیں اور عقیدت رکھتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا: تم ان سب کو لکھ دو کہ میری اصلاح نہیں ہوئی، میں پیر بننے کے قابل نہیں، لہٰذا تم اپنا اصلاحی تعلق کسی اور سے قائم کرلو''۔ حضرت نے پوچھا کیا ایسا کرو گے؟ عرض کیا ضرور کروں گا۔

چنانچہ کافی تعداد میں کارڈ منگوائے اور کارڈ پر حضرت کا فرمایا ہوا مضمون لکھنا شروع کردیا، کوئی آٹھ ۸ دس ۱۰ کارڈ لکھے ہوں گے کہ حضرت نے ایک خادم کو بھیجا کہ جاکر دیکھ آؤ کیا کررہے ہیں، انہوں نے دیکھ کر بتایا کہ خطوط لکھ رہے ہیں۔ حضرت نے بلایا اور سب خطوط لے لئے اور کارڈوں کی قیمت دیدی اور فرمایا: ''امتحان لینا تھا، تذلیل مقصود نہ تھی، یہ ایک اہم امتحان تھا جس سے حب جاہ کی جڑ کٹ گئی''۔

پھر حضرت فخر الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ حضرت کے خلیفہ مجاز ہوئے۔

(ماہنامہ محاسن اسلام حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ مہاجر مدنی ص ۲۹۔۳۰)

حضرت مولانا شیر محمد مہاجر مدنی رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ) کی تواضع و سادگی۔

سادگی آپ کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ مولانا منظور نعمانی نے اس ضمن میں لکھا کہ ''جب الفرقان بریلی سے شائع ہونا شروع ہوا تو اس کے ابتدائی دور میں گھونکی سکھر سے سالانہ چندہ کا ایک منی آرڈر آیا۔ مرسل کا نام صرف ''شیر محمد'' لکھا ہوا تھا اور تحریر کی سادگی سے اس کا شبہ بھی نہیں ہوا کہ یہ کوئی طالب علم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ خریداروں کے رجسٹر میں صرف شیر محمد لکھ دیا۔ عرصہ کے بعد الفرقان میں ایک مضمون کے بارے میں ان صاحب کا خط آیا جس میں امداد الفتاوی کے حوالے سے اس مسئلہ کے متعلق حضرت تھانوی کی ایک خاص تحقیق کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس خط سے پہلی دفعہ یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی عالم دین ہیں۔ جب مولانا کے پاس الفرقان کا شمارہ پہنچا جس میں ان کا نام مولانا شیر محمد لکھا ہوا تھا تو ممدوح نے مجھے لکھا ''میں عالم نہیں ہوں عامی ہوں۔ اکابر کی کتابیں دیکھنے کا شوق ہے ان سے کچھ باتیں معلوم ہوگئی ہیں۔ اس لئے میرے نام کے ساتھ مولانا نہ لکھا جائے''۔

(''بزم اشرف کے چراغ'' ص ۵۹)

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب (خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ) کی فنائیت۔

مولانا عبدالقدوس رومی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

جس سال احقر مدرسہ مظاہر علوم میں دورۂ حدیث میں شریک تھا، اخیر سال ماہ شعبان میں حضرت مصلح الامت علیہ الرحمتہ نے تھانہ بھون کا سفر فرمایا تھا اور واپسی میں مولانا ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمتہ کے مکان کتب خانہ امداد الغرباء میں قیام ہوا۔ اس موقع پر مدرسہ مظاہر علوم میں ہم لوگوں کا درس بخاری شریف ختم ہو رہا تھا، احقر (جونکہ اس وقت بھی حضرت ہی سے وابستہ تھا) حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ آج ہمارے ہاں بخاری

شریف ختم ہو رہی ہے۔ اگر جناب بھی شرکت فرمالیں تو خوشی ہوگی، حضرت اپنی خمول (گمنامی) پسندی کی بنا، پر لوگوں سے میل ملاقات کا مزاج ہی نہ رکھتے تھے۔ اس لئے ال مدرسہ میں سے کسی کو خبر بھی نہ تھی کہ مولانا ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمتہ کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان حضرات کی طرف سے کوئی دعوت بھی نہ تھی۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ اس وقت واقعتہً ختم بخاری تھا، آج کل کی طرح اس کی نمائش اور تشہیر کہاں ہوئی تھی۔

ہم میکدے سے نکلے کے دنیا بدل گئی

احقر کی درخواست پر حضرت نے بے تامل شرکت پر آمادگی ظاہر فرمادی، مگر دوسرے ہی لمحہ یہ سوال بھی فرمالیا کہ "جہاں بیٹھ جاؤنگا وہاں سے اٹھا کر کہیں اور بیٹھنے کو تو نہ کہا جائیگا؟"

احقر نے عرض کیا یہ کیسے ہو سکے گا وہ لوگ جناب کی شایانِ شان جگہ پر تو ضرور بٹھانا چاہیں گے۔ یہ سن کر انکار فرمادیا کہ پھر تو میں نہ جاؤنگا۔ (حالاتِ مصلح الامّت، جلد ۱، ص ۱۶)

جامع المنقول والمعقول علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمہ اللہ کی فنائیت۔

استاذ، شاگرد کے حلقہ ارادت میں:

مصلح الامّت حضرت مولانا شاہ محمد وصی اللہ صاحب الہ آبادی کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ کل جن اساتذہ کرام کے سامنے آپ نے طالب علمانہ زانوئے تلمذ تہ کیا تھا، ایک دن وہ آیا کہ انہیں میں سے ایک نہایت جلیل القدر استاذ، استاذ الاساتذہ، جامع معقول ومنقول بزرگ، دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی نور اللہ مرقدہ اپنے اس عظیم المرتبت شاگرد کی خدمت میں مسترشدانہ حاضر ہوئے۔

تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ تاریخ کی یہ شہادت ہے کہ علامہ طیبی نے اپنے شاگرد عمر خطیب تبریزی سے مشکوۃ شریف تالیف کرا کے خود اس کی شرح لکھی۔ ماضی قریب میں حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، جنہوں

نے مثنوی مولانا روم کا تکملہ تحریر فرمایا، زبردست عالم و فاضل، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ کے تلمیذ خاص اور مرید تھے۔ لیکن بعد میں اپنے چھوٹے بھائی اور اپنے شاگرد جناب حاجی کمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔

تاریخ نے پھر ایک بار یہی داستان دہرائی۔ جو لوگ حضرت علامہ بلیاوی رحمہ اللہ سے واقف نہیں انہیں کچھ بتانے کی حاجت نہیں۔ لیکن جو لوگ ناواقف ہیں ان کی خدمت میں مختصر تعارف ضروری ہے۔ تاکہ واقعہ کی اہمیت ان کے ذہن میں آسکے۔

حضرت علامہ رحمہ اللہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کے مخصوص تلامذہ میں تھے۔ جملہ علوم وفنون بالخصوص معقولات میں امام تسلیم کئے جاتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے موجودہ اساتذہ اور ہندوستان میں پھیلے ہوئے بیشتر علماء آپ کے شاگرد ہیں۔ درسِ حدیث میں خاص امتیاز کے مالک تھے۔ آپ کا درس مختصر مگر نہایت محققانہ ہوتا تھا۔ مدرسہ فتح پور دہلی، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، مدرسہ ہاٹ ہزاری چاٹگام اور چند ماہ مدرسہ دارالعلوم مئو میں صدارتِ تدریس کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ کے اساتذہ نے بالآخر آپ کو دارالعلوم دیوبند کے لئے منتخب فرمایا۔

۱۳۷۷ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین، ناظم تعلیمات اور شوریٰ کے ممبر بنائے گئے اور تادمِ حیات ان عہدوں پر متمکن رہے۔

ماہ و تاریخ تو محفوظ نہیں تاہم یہ معلوم ہے کہ حضرت علامہ الٰہ آباد حضرت مصلح الامّت کے درِ اقدس پر ۱۳۸۳ھ میں تشریف لائے تھے۔ مہینہ غالباً ذیقعدہ کا تھا کیونکہ حضرت علامہ کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت مصلح الامّت نے پہلا خط یکم ذی الحجہ کو آپ کے نام تحریر فرمایا ہے۔ دونوں بزرگوں کی ملاقات اور باہم مکاتبت میں ایک عجیب کیف محسوس ہوتا ہے۔ ایک طرف حضرت علامہ بایں جلالتِ شان اپنے کو حضرت والا کے سامنے مسترشدانہ اور مستفیدانہ پیش کرتے ہیں۔ اور ادب و احترام کی وہی نگہداشت ملحوظ

رکھتے ہیں۔ جو ایک مرید کو اپنے شیخ کے ساتھ ملحوظ رکھنی چاہے اور دوسری طرف حضرت مصلح الامت بالکل ایک تلمیذ رشید اور شاگرد کی صف میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں جیسا کہ استاذ کا حق ہے اور حق یہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے اپنی دونوں حیثیتیں کما حقہ نباہ دی ہیں۔

ان مکاتبت سے استاذ شاگرد اور مراد و مرید کے باہمی روابط و تعلقات کا جیسا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ اگر تاریخ میں اس کی مثال آپ ڈھونڈھنا چاہیں تو شاید مشکل سے دوا ایک دستیاب ہوں گی۔ حضرت علامہ کا یہ کمال ہے کہ استاذ ہونے کے باوجود مسترشدانہ حیثیت ہی سامنے رکھتے ہیں۔ اور کمال بالائے کمال حضرت والا رحمہ اللہ کا ہے کہ باوجود یکہ شیخ و مصلح ہیں، مگر اپنی تلمیذانہ حیثیت کو کہیں فراموش نہیں فرماتے۔ ایسا ادب واحترام کو دل تڑپ اٹھتا ہے۔

حضرت والا کے ساتھ حضرت علامہ کو جو عشق و تعلق تھا، دیکھنے والوں نے اس کے آثار اس وقت نمایاں طور پر دیکھے جب حضرت والا کے وصال کی خبر دیو بند پہنچی، حضرت علامہ اس وقت وضو کر رہے تھے۔ جونہی یہ خبر صاعقہ اثر گوش زد ہوئی۔ لوٹا بے اختیار ہاتھوں سے چھوٹ گیا اور اسی وقت فرشِ علالت پر جو گرے ہیں تو ایک ماہ بھی دنیائے فانی میں قیام نہیں فرمایا اور بہت جلد عالم برزخ میں اپنے شاگرد و شیخ سے جا ملے۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔ بقول مجذوب رحمہ اللہ

کوئی مزا مزا نہیں، کوئی خوشی خوشی نہیں — تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

(حکیم الامت رحمہ اللہ کے حیرت انگیز واقعات ص ۶۵۷)

شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ کے واقعات

(۱) ''حضرت! یہ لوگ مجھے پہچانتے ہیں اسی لئے گدھا کہتے ہیں''

حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ کی خانقاہ مسکین پور شریف میں دور دراز سے سالکین آکر قیام کرتے اور تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی محنت کرتے تھے۔ عام طور پر یہ حضرات جب فجر کے وقت قضائے حاجت کیلئے بستی سے باہر ویرانے میں جاتے تو واپسی پر کچھ خشک لکڑیاں بھی

اٹھا کر لے آتے۔ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ کی عادت شریفہ تھی کہ لکڑیوں کا بہت بڑا گٹھڑ اسر اٹھا کر لاتے اتنا بڑا گٹھڑ پر دیکھ کر حیران ہوتے اور آپس میں طنز ومزاح کرتے۔ یہ باتیں کسی ذریعہ سے حضرت قریشیؒ کو پہنچیں تو حضرتؒ نے حضرت مولانا عبدالغفور مدنی کو بلا کر فرمایا، مولانا! آپ اتنا بڑا گٹھڑ سر پر نہ لایا کریں، بس تھوڑی سی لکڑیاں بھی لے آئیں گے تو کار خیر میں شرکت ہو جائے گی۔ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ نے عرض کیا، حضرت! مجھے اس میں کوئی مشقت نہیں اٹھانا پڑتی، میں اپنے شوق سے لے آتا ہوں۔ حضرت قریشیؒ نے فرمایا، مولانا! یہاں کے مقامی لوگ جاہل ہیں، یہ لوگ آپ کی قدر نہیں جانتے لہذا آپ کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت مولانا تو پوچھا'' حضرت آخر کیا باتیں کرتے ہیں فرمایا کہ مولانا! جب آپ اتنا بڑا گٹھڑ سر پر لارہے ہوتے ہیں تو یہ لوگ آپکی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں، دیکھو پیر قریشی نے خراسان سے گدھا منگوایا ہے۔ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ نے فوراً کہا، حضرت! یہ لوگ مجھے پہچانتے ہیں اسی لئے گدھا کہتے ہیں۔ سبحان اللہ، تواضع کا کیا عالم تھا۔ (حیات حبیب ص ۱۵۶)

(۲) ''اگر ان حضرات کی ترابِ نعلین ہو جاؤں تو میرے لئے یہی فخر ہے''۔

دارالعلوم کورنگی میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کو مدرسہ آنے کی دعوت دی۔ ایک مخلوق تھی جو وہاں آئی ہوئی تھی، میلے کا سماں تھا۔ مسجد میں بیان ہوا اور حضرت کے بیان سے پہلے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ علیہ نے حضرت کا تعارف ان الفاظ میں کرایا۔'' شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب'' حضرت کی تعریفیں کیں وہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلبی تاثرات تھے جو زبان سے فرمارہے تھے اس کے بعد حضرت سے بیان کی درخوست کی حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے خطبہ مسنونہ پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا:'' نہ میں شیخ ہوں، نہ میں شیخ المشائخ ہوں، نہ مولانا ہوں، نہ مولوی اگر ان حضرات کی ترابِ نعلین ہو جاؤں تو میرے لئے

یہی فخر ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے جو کچھ فرمایا یہ ان کی محبت ہے میں کچھ بھی نہیں''   (حیات ادریس ص ۴۰۷)

(۳) ہاتھ چومنے والوں کو تنبیہ۔

جو لوگ فرطِ عقیدت سے ہاتھ چومتے یا پاؤں پڑتے تو انہیں فرماتے:

''چاہیئے تو یہ کہ اپنے پیر کو جنت میں پہنچاؤ، خدا کے بندو! اس کو جہنم میں تو نہ پہنچاؤ، ہاتھ چومنا اگرچہ جائز ہے مگر اس طرح کہ ہاتھوں کو لب لگیں پیشانی نہ ہی لگے، پیشانی صرف اللہ کے آگے جھکاؤ۔''

(تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالغفور عباسی مدنی ص ۲۹)

(۴) ''مجھے اس بیان سے سخت تکلیف پہنچی ہے''۔

مولانا غلام محمد صاحب نے ایک تعریفی شعر پڑھ کر آپکے بارے میں آپ کی موجودگی میں کہا کہ ''مولانا عبدالغفور صاحب اولیاء میں سے ہیں، عالم ربانی ہیں، مجدّد ہیں۔''

نماز کے بعد آپ نے فرمایا:

''مجھے اس بیان سے سخت تکلیف پہنچی ہے، میں نہ مجدّد ہوں، نہ عالم ربانی، میں تجدید کی کونسی باتیں کرتا ہوں جو مجھے مجدّد کہا گیا ہے، میں تو شریعت کی باتیں بتلاتا ہوں اور شریعت کی تبلیغ کرتا ہوں، الحمدللہ یہاں کے سب علماء علماءِ ربانی ہیں، میں تو اگر اولیاء کی جوتیوں کی خاک بھی بن جاؤں تو ہزار بار شکر کروں، آئندہ کوئی شخص میری نسبت ایسی باتیں نہ کیا کرے''   (حوالۂ بالا ص ۳۰)

خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) کمالِ تواضع:

جلسہ کے دنوں میں جیسے باقی اساتذہ کی درسگاہیں مدعوین علماء کرام کیلیے خالی کر دی جاتی ہیں۔ حضرت والاؒ دارالاہتمام خالی فرما دیتے، نہ ہی اپنے لئے کوئی

خاص کمرہ متعین فرماتے تھے۔

معمول یہ تھا کہ رات کوتمام مہمانوں کے راحت وآرام سے مطمئن ہو کر خدام سے دریافت فرماتے کہ کوئی لیٹنے کی جگہ ہے؟ آپؒ کے معمول سے واقف ہونے کی وجہ سے خدام اکثر اس کا اہتمام کرتے کہ آپ کیلئے کوئی کمرہ خالی رہے۔

ایک دفعہ حسب معمول مولانا محمد صدیق صاحب سے پوچھا کہ کوئی جگہ ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ کوئی جگہ خالی نہیں تمام کمروں میں مہمان آرام فرماہیں۔ رضا کاروں کے کمرے میں ایک کونے میں کچھ جگہ تھی، حضرت نے دیکھ کر فرمایا یہ بھی تو جگہ ہی ہے۔ چنانچہ وہیں لیٹ گئے تقریبا ڈیڑھ گھنٹہ بعد اٹھ کر ذکر میں مشغول ہو گئے اور صبح تک ذکر کرتے رہے (بیس مردان حق جلد۲ ص۳۲)

(۲) ادب وتواضع:

حضرتؒ میں غایت درجہ تواضع و بے نفسی پائی جاتی تھی جو اہل اللہ کی علامت اور اصحاب معرفت کا امتیاز خاص ہے۔ ایک دفعہ علامہ مولانا سلیمان ندویؒ جامعہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے برآمدہ میں چارپائی پر آرام فرما تھے، حضرت قدس سرہ سب کے سامنے سید صاحبؒ کے پاؤں دابتے رہے۔ یہ خدام کو ادب وتواضع اور اکرام ضیف کا عملی درس تھا۔ (بحوالہ بالا ص۳۴)

3 ایک سبق آموز واقعہ:

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ ایک مرتبہ درس حدیث دے رہے تھے۔ دوران تدریس ایک جگہ ایسا اشکال وارد ہوا کہ اس کا حل سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کوئی ہمارے جیسا ہوتو وہ ویسے ہی گول کر جاتا۔ پتہ ہی نہ چلنے دیتا کہ یہ بھی کوئی حل طلب نکتہ ہے یا نہیں۔ طلباء کو کیا پتہ، وہ تو پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ تو استاد کا کام ہے کہ یا نہ بتائے۔ مگر وہ حضرات امین تھے۔ یہ علمی خیانت ہوتی ہے کہ استاد کے ذہن میں خود اشکال وارد ہو جواب بھی سمجھ میں نہ آئے اور طلباء کو بتایا بھی نہ جائے۔ ان حضرات سے تو وہ خیانت نہیں ہوتی تھی

۔ چنانچہ آپ نے طلباء کو برملا بتادیا کہ اس مقام پر یہ اشکال وراد ہورہا ہے مگر اس کا حل سمجھ میں نہیں آرہا۔ کافی دیر تک طلباء بھی خاموش رہے اور حضرت بھی خاموش رہے۔ آپ بار بار اس کو پڑھ رہے ہیں۔ کبھی صفحے الٹ رہے ہیں اور کبھی اس کا حاشیہ دیکھ رہے ہیں مگر اس کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آرہا۔ حتی کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو بات سمجھ نہیں آرہی ،چلیں میں فلاں مولانا سے پوچھ لیتا ہوں ۔ یہ وہ مولانا تھے جو حضرت سے ہی دورہ حدیث کر چکے تھے۔ وہ حضرت کے شاگرد تھے۔ اپنے شاگردوں کے سامنے ان کا نام لیا کہ میں ذرا ان سے پوچھ لیتا ہوں ۔ چنانچہ آپ اٹھنے لگے۔ اتنے میں ایک طالب علم بھاگ کر گیا اور اس نے جا کر مولانا کو بتادیا کہ حضرت آپکے پاس اس مقصد کیلئے آرہے ہیں۔ مولانا اپنی کتاب بند کر کے فوراً حضرت کے پاس پہنچے۔ حاضر ہو کر عرض کیا ،حضرت آپ نے یاد فرمایا ہے۔ فرمایا ہاں مولانا! یہ بات مجھے سمجھ نہیں آرہی ۔ دیکھو کہ اس کا حل کیا ہے۔ انہوں نے پڑھا اور سمجھ تو گئے مگر بات یوں کی ،حضرت !جب میں آپکے پاس پڑھتا تھا تو آپ نے ہمیں یہ سبق پڑھاتے ہوئے اس مقام کو اس وقت یوں حل فرمایا تھا اور آگے اس کا جواب دے دیا۔ اب دیکھیں کہ اپنی طرف منسوب نہیں کیا کہ جی میرا تو علم اتنا ہے کہ اب استاد بھی مجھ سے پوچھنے آتے ہیں۔ نہ۔۔۔ نہ وہ صحبت یافتہ تھے ،تربیت یافتہ تھے۔ اسکو کہتے ہیں تصوف اور یہ ہے مٹنا۔ (خطبات فقیر ،جلد (۳) ص ۱۴۱)

4 اتباعِ شریعت وسنت:

بحمد اللہ حضرت حکیم الامتؒ کے تمام متوسلین و مسترشدین ہی اتباع شریعت و سنت میں رنگے ہوئے ہیں۔ ان میں حضرات خلفاء و مجازین کی شان کچھ اور بھی نمایاں ہے۔ یہی رنگ ہمارے حضرتؒ میں جھلکتا تھا ، کذب و غیبت سے قطعاً نا آشنا تھے ،علم وعمل کا مجسمہ اور خدا ترسی کا نمونہ تھے۔ تواضع وانکسار آپکی طبیعت بن چکی تھی۔ کبھی کسی شخص سے درشتگی اور ترش روئی سے پیش نہ آتے۔ آپؒ کی اس نرمی خوش خلقی اور تواضع کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپکو ایک خاص وقار اور رعب عطا فرمایا تھا۔ خودسرائی اور خودنمائی کی عادات بد

حضرتؒ کو چھو کر بھی نہ گزری تھیں، کاملین کی سنت کے مطابق طبیعت پر ہمیشہ تواضع اور سادگی کی ایک خاص کیفیت طاری رہتی، گفتار، رفتار لباس خوراک وغیرہ میں ہرگز توقع نہ تھا۔ آپ نسبت اشرفیہ کے ایک بلند پایہ شیخ تھے مگر ایک دفعہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ خلیفہ مجاز حکیم الامتؒ کی موجودگی میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے جوش میں فرمایا:

''حضرتؒ (حکیم الامت تھانویؒ) کے اقوال سننے ہیں تو ہم سے سن لو، اور افعال وعمل دیکھنا ہے تو مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو دیکھ لو''۔

یہ الفاظ حضرتؒ کے کمال انکسار وتواضع کو ظاہر کر رہے ہیں۔

(بیس ۲۰ علماءِ حق ص ۱۷۹)

حضرت حاجی عبدالغفور صاحب جودھیوری رحمتہ اللہ کے واقعات۔

(۱)۔ بے نفسی:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حاجی صاحب کی زندگی میں جو ایمانی صفت میری نگاہ میں بہت ہی زیادہ نمایاں ہے وہ ان کی بے نفسی ہے، اگر ان کو کسی ایسے کام میں جو عرف عام میں بہت ہی پست اور گھٹیا سمجھا جاتا ہو اور جس کے کرنے سے لوگوں کی نظروں میں آدمی بے وقعت ہو جاتا ہو اجرِ اخروی اور دینی نفع کا کوئی پہلو نظر آئے تو وہ اس کو بڑی بے تکلفی بلکہ ذوق وشوق سے کرتے ہیں اور اس کی بالکل پروا نہیں کرتے کہ کوئی کیا سمجھے گا اور کیا کہے گا۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ جس سے مجھے بڑا سبق ملا اور جس کا میرے دل پر آج تک اثر ہے یہاں بھی ذکر کرتا ہوں:

یہ بات مجھے پہلے سے معلوم تھی کہ حاجی صاحب نے خیر کے جو مختلف سلسلے قائم کر رکھے ہیں اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ مفید دینی اور اصلاحی کتابیں کافی مقدار میں کتب خانوں سے

اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اس کتاب سے فائدہ اٹھائے گا تو اگر مناسب سمجھتے ہیں تو اس کو وہ کتاب بلا قیمت ہدیہ کر دیتے ہیں ورنہ اس کو خریدنے کی ترغیب دیکر اس اصل قیمت پر دے دیتے ہیں جس پر وہ کتب خانہ سے آئی ہوتی ہے اور کبھی مزید نقصان برداشت کر کے اس سے بھی کم قیمت پر دے دیتے ہیں ، یہ سلسلہ حضرت حاجی صاحب کے ہاں غالباً ۳۰۔۴۰ سال سے قائم ہے۔

میرے نزدیک تو یہی بڑی بے نفسی کی بات ہے کہ کسی شخص کو کتاب خریدنے کی ترغیب دیکر خود ہی اس کے ہاتھ کتاب فروخت کی جائے ،لیکن اس سلسلہ میں اب سے تین ۳ سال پہلے مجھے ایک بڑا ہی حیرت انگیز اور بہت ہی سبق آموز تجربہ ہوا۔

حاجی صاحب نے مجھے جودھپور آنے کے لئے لکھا ، میں نے ارادہ کر لیا اور اُن ہی کے مشورہ سے سفر کا پروگرام اس طرح بنا کہ پہلے میں ''پی پاڑ'' اتروں اور دو دن وہاں قیام کر کے جودھپور جاؤں ، حاجی صاحب نے مجھے لکھا کہ میں ان کے لیے ڈیڑھ دو ۲۰۰ سو روپے تک کی مفید اور عام فہم دینی اور اصلاحی کتابیں بھی کتب خانہ ''الفرقان'' سے لیتا آؤں ، چنانچہ میں نے یہ کتابیں ساتھ لے لیں ، پروگرام کے مطابق میں ''پی پاڑ'' پہنچا تو دیکھا کہ حاجی صاحب وہیں تشریف فرما ہیں ، انھوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کیا کتابیں ساتھ آئی ہیں ؟ میں نے عرض کیا جی ہاں لایا ہوں ، فرمایا تو مجھے ابھی دیدیجئے ! میں نے عرض کیا کہ کتابیں جودھپور ہی تو جانی ہیں اس طرح میرے بکس میں چلی جائیں گی ، فرمایا نہیں مجھے یہاں ہی دیدیجئے ، میں نے ساری کتابیں حوالہ کر دیں ۔ فرمایا جو کمیشن دیا گیا ہو وہ منہا کر کے ہر کتاب کی قیمت مجھے بتادی جائے ۔ میرے ایک رفیق سفر نے حساب لگا کر ہر ایک کتاب کی قیمت بعد منہائی کمیشن لکھدی ، یہ جمعہ کا دن تھا ، اس کے بعد جب میں جمعہ کی نماز کے لیے مسجد گیا تو دیکھا کہ مسجد کے احاطہ ہی میں ایک درخت کے نیچے بچھی ہوئی چادر پر وہی کتابیں اس طرح لگی ہوئی ہیں جس طرح بعض غریب کتب فروش زمین پر چادر بچھا کر اپنا کتب خانہ لگا کر بیٹھ جاتے ہیں ، میں نے سمجھا کہ حاجی صاحب نے یہ کتابیں کسی صاحب

کے سپرد کر دی ہیں اور وہ بیچارے اس طرح ان کو فروخت کر رہے ہیں۔

اگلے دن حاجی صاحب نے دریافت فرمایا کہ ان کے علاوہ اور کتابیں بھی ساتھ ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ جی بس یہی تھیں، فرمایا وہ تو یہیں ختم ہو گئیں، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دوکان حاجی صاحب نے خود ہی لگائی تھی اور خود ہی بیٹھ کتب فروشی، فرمائی اور طریقہ یہ اختیار کیا کہ ہر پڑھے لکھے شخص کو خود بلاتے اور ایک دو کتابیں اس کو دیکر فرماتے کہ ان کو دیکھو، جی چاہے گھر لے جاؤ، اگر مفید سمجھو اور خرید سکو تو قیمت ادا کر دینا اور اگر خریدنے کی استطاعت نہ ہو اور رکھنا چاہو تو یوں ہی رکھالینا، مگر مجھے آکر بتا جانا۔

جب یہ بات مجھے معلوم ہوئی کہ حاجی صاحب نے خود ہی بیٹھ کے کتب فروشی کی ہے اور اس طرح کی ہے تو میری طبیعت پر ایک تو اس کا بوجھ پڑا کہ میری کتابوں کی وجہ سے انھوں نے اتنی زیرباری اٹھائی اور دوسرا وسوسہ دل میں یہ آیا کہ شاید بہت سے لوگوں نے سمجھا ہو کہ بیچنے کے لئے میں اپنی کتابیں سفروں میں بھی ساتھ لیے پھرتا ہوں اور یہاں میں نے حضرت حاجی صاحب سے یہ بیجا کام لیا ہے۔

اب مجھے یاد نہیں کہ اس بار میں نے حاجی صاحب سے کچھ عرض کیا اور موصوف نے اس کے جواب میں فرمایا یا از خود مجھ سے فرمایا۔ کہ ''حضرت! میرے پاس اتنا علم تو ہے نہیں کہ میں ایسی کتابیں لکھ کر اللہ کے بندوں کو نفع پہنچا سکوں اور اس کا ثواب حاصل کر سکوں، لیکن یہ کر سکتا ہوں کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے ان کی اشاعت میں اور اللہ کے زیادہ سے زیادہ بندوں تک ان کے پہنچانے میں کوشش کروں اور اس طرح اس ثواب میں شریک ہو جاؤں، میں بس اس لالچ میں ایسا کرتا ہوں''۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حاجی صاحب نے جس ''پلی پاڑ'' میں اس شان سے یہ ''کتب فروشی'' کا عمل کیا، وہاں کے لوگ عموماً حضرت موصوف کو ایک شیخ و مرشد اور جودھ پور کی ایک معزز اور باوقار شخصیت کی حیثیت سے جانتے پہچانتے ہیں، دراصل ایسا نفس کش عمل وہی شخص کر سکتا ہے جس کا نفس بالکل کٹ چکا ہو اور جس کی نظر ہر طرف سے ہٹ کر

بس اللہ تعالیٰ کی رضا اور اجرِ آخرت پر جم گئی ہو۔

اللہ تعالیٰ اس دولت کا کچھ حصہ اس ناچیز کو بھی عطا فرمائے۔ (تحدیث نعمت ۳۳)

۲۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اجازت:

حاجی صاحب نے بیان فرمایا کہ بالکل اچانک حضرت کا والا نامہ آیا جس میں تلقین بلا بعیت کی اجازت دی گئی تھی۔ مجھ پر اس کا ایسا اثر پڑا کہ خلاف عادت چیخ نکل گئی، پھر میں نے حضرت کو لکھوایا کہ "میں پڑھا لکھا کچھ نہیں ہوں، میں نے ذکر و شغل بھی نہیں کیا ہے پھر میں ایک چھوٹی ذات کا آدمی ہوں یعنی تیلی، البتہ ظاہر صوم وصلوٰۃ کی پابندی اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی ہے، ریا، عجب، کبر، حسد وغیرہ کے بارہ میں بھی کچھ موٹی موٹی معلومات ہیں۔ ایسی حالت میں اگر یہی مناسب خیال فرماویں تو خدمت کے لئے حاضر ہوں"۔

حضرت نے حسب معمول اسی پر جواب دیا، پڑھا لکھا نہ ہونے کے بارہ میں اور ذکر و شغل نہ کرنے کے بارہ میں میں نے جو لکھا تھا اُس کے متعلق حضرت نے کچھ تحریر نہیں فرمایا، اور اپنے تیلی ہونے کا میں نے جو ذکر کیا تھا اس پر تحریر فرمایا "کیا حرج ہے، بعضے تیل گھی سے بھی زیادہ قیمت کے ہوتے ہیں" ظاہر صوم وصلوٰۃ کی پابندی نصیب ہونے کا میں نے جو ذکر کیا تھا اس پر حضرت نے تحریر فرمایا کہ کیا یہ تھوڑی نعمت ہے" ریا اور عجب وغیرہ کے بارہ میں جو میں نے لکھا تھا کہ اس کے متعلق بھی موٹی موٹی معلومات ہیں، اس پر تحریر فرمایا" پھر تو نور علیٰ نور"۔

اور آخر میں جو میں نے لکھا تھا کہ ایسی حالت میں بھی اگر یہی مناسب خیال فرماویں تو خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ اس پر تحریر فرمایا کہ "ہاں ضرور ان شاء اللہ برکت ہوگی" (تحدیث نعمت ص ۳۳۶)

مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کی تواضع وفنائیت:

جناب ظفر اللہ بیگ صاحب لیکچرار جامعہ اسلامیہ، اسلام آباد نے بتایا کہ ایک دفعہ حضرت مجاہد ملت رحمہ اللہ نے ان کے گاؤں "پیرو" (ضلع جھنگ) میں ایک جلسہ سے

خطاب کرنے تشریف لانا تھا۔ ان کے والد مولانا احمد یار صاحب (فاضل دیوبند) نے ملازم کو گھوڑی دیکر بھیجا کہ آپ کو ریلوے اسٹیشن سے لے کر آئے۔ ملازم نے ریل گاڑی کی ایک ایک سواری کو بغور دیکھا، اس کا اندازہ تھا کہ مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ امیر مجلس تحفظ ختم نبوت رواجی قسم کے امیر ہونگے۔ عالمانہ قیمتی لباس، مجبوبانہ وضع قطع، خطیبانہ چال ڈھال، بھاری بھرکم شخصیت ہوں گے جن کے ساتھ ایک ملازم نما طالب علم ہو گا جوان کا بریف کیس اٹھائے آتا ہوگا، خوصورت رنگدار قیمتی عینک انہوں نے لگارکھی ہوگی، ان کے جسم سے تازہ تازہ چھڑکے ہوئے پاؤڈر کی خوشبو آرہی ہوگی جو انہوں نے گاڑی سے اترنے سے ذرا پہلے گاڑی کے حمام میں جاکر چھڑکا ہوگا اور وہ دور ہی سے گھوڑی والے ملازم پر برسنا شروع کردیں گے کہ انہیں اس تک پہنچنے میں زحمت اٹھانا پڑی۔ وہ خود انہیں لینے اندر اسٹیشن تک کیوں نہیں آیا۔

سواری والے ملازم کو جب کوئی ایسی مافوق البشر شخصیت نظر نہ آئی تو وہ پریشان کھڑا رہا۔ مولانا نے علامات سے پہچان لیا کہ وہ لینے تو انہیں ہی آیا ہے، مگر اس سے یہ کہا جائے کہ آپ ہی مولانا محمد علی جالندھری ہیں تو وہ مانے گا نہیں اگرچہ آپ اس پر سچی قسم بھی کھائیں، کیونکہ کئی روز کے مسلسل تبلیغی سفر کی بدولت آپؒ کے پاس ایک ہی کپڑوں کا جوڑا تھا جو میلا ہو چکا تھا بلکہ کرتہ تو پھٹ کر بوسیدہ ہو چکا تھا۔

آپ اس کے قریب گئے سلام کیا اور فرمایا: ''بھائی تم کہاں سے آئے ہو، کسے لینے آئے ہو؟'' اس نے کہا ''مولانا محمد علی جالندھری کو لینے آیا ہوں، انہوں نے ہمارے گاؤں پیرویں تقریر کرنی ہے۔ آپ نے کہا ''دیکھو مولانا تو آئے نہیں، تم مجھے لے چلو، تمہیں ثواب ملے گا، میں نے بھی تقریر سننے تمہارے گاؤں جانا ہے''۔ وہ کبھی آپؒ کے من موہنے چہرہ کو دیکھتا، کبھی آپ کی فقیرانہ وضع قطع کو۔

آخر کار وہ آمادہ ہو گیا مگر خود زین والے حصہ پر اور آپ کو پیچھے گھوڑی کی ننگی پیٹھ پر بٹھالیا، جب گاؤں پہنچے تو واقفین حال اسے مارنے تک آئے ''ظالم!

تم نے مولانا کو پیچھے یوں بٹھایا ہوا ہے؟''۔اب تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی مگر اسے اعتبار نہیں آتا تھا اور وہ بار بار کہہ رہا تھا'' مجھے تو آپ نے مولانا محمد علی جالندھری کو لانے بھیجا تھا بھلا مولانا ایسے''۔۔۔۔۔۔۔آپ نے فرمایا:'' بھائی اس کا قصور نہیں، قصور تو میرا ہی ہے، میں نے اسے اپنا نام ہی نہیں بتایا تھا، یہ تو اس کا احسان ہے کہ مجھے اجنبی سمجھ کر بھی اپنے ساتھ لایا''۔ (ماخوذ ماہنامہ محاسن اسلام ملتان، شمارہ ۷۱ ص ۲۷)

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندہلوی رحمتہ اللہ کے واقعات

تواضع اور فنائیت کے حسین پیکر:

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

(۱) قیام جامعہ اشرفیہ کے زمانے میں الحمدللہ بار بار باہمی ملاقات اور مسلسل خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ باہمی تعلق روز بروز بڑھ رہا ہے وہ ہر تصنیف مجھے سناتے اور چھپنے کے بعد عطا فرماتے تھے۔ یہی سلسلہ کچھ احقر کیطرف سے جاری رہتا تھا باوجود اس فوقیت کے جو اللہ تعالیٰ نے ہر علم وفن اور عمل اور اخلاق میں انکو مجھ پر عطا فرمائی تھی اپنی تواضع کی بناء پر فتویٰ میں مجھ پر اعتماد فرماتے تھے اور میری تمام تصانیف کو اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھتے تھے۔وفات سے غالباً ایک سال پہلے جب میری تفسیر'' معارف القرآن''، مکمل ہوئی اور آخری آٹھویں جلد مولانا موصوف کی خدمت میں بھیجی تو اس پر اپنی انتہائی خوشنودی کا اظہار فرمایا جس کو دارالعلوم کے ماہنامہ البلاغ میں شائع کر دیا گیا ہے،اسی کے ساتھ ایک خط میں تحریر فرمایا کہ'' میں تمہاری ہر تصنیف کے دو نسخے رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ومن کل شی خلقنا ذوجین'' مولانا موصوف کی ہر مجلس اور گفتگو میں علمی چاشنی اور قرآن وحدیث کے جملے بڑے موقع ہوا کرتے تھے۔

(چند عظیم شخصیات ص ۱۰۵)

(۲)۔میرے لڑکے مولوی محمد تقی سلمہ اب سے چند ماہ پہلے لاہور گئے تو مولانا کی

خدمت میں حاضر ہوئے بڑی شفقت کے ساتھ بٹھایا اور فرمایا کہ ''معاصرین میں باہم کچھ چشمک ہوا کرتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم میں اور مفتی صاحب میں کبھی اس کا نام نہیں آیا۔ جب کوئی مفتی صاحب کی تعریف و مدح کرتا تو میں اس کو اپنی ہی تعریف سمجھتا ہوں کیونکہ ابن حاجب نے کافیہ میں توابع بیان کے تحت صفت کی دو قسمیں لکھی ہیں جن میں ایک صفت متعلق منعوت بھی ہے جیسے زید العالم اخوہ یعنی زید جس کا بھائی عالم ہے اس میں بھائی کے عالم ہونے کو خود زید کی صفت قرار دیا ہے تو میں مفتی صاحب کی صفت کو اپنی صفت کیوں نہ سمجھوں''؟

حقیقت یہ ہے کہ مجھ بے علم بے عمل کا تو کہنا ہی کیا مولانا کو اللہ تعالیٰ نے علمی کمالات میں اپنے بھی معاصرین میں خاص امتیاز اور تفوق عطا فرمایا تھا مگر اس کے ساتھ بزرگوں کی صحبت نے تواضع اور فروتنی کی بھی وہ صفت عطا کر دی تھی جو قدیم علماء دیوبند کا خاص امتیاز تھا کہ نہ کہیں علم کے دعوے نہ دوسروں پر اپنی فوقیت کا کہیں کوئی شائبہ، مشہور مقولہ ہے کہ ''معاصرت مفاخرت کی بنیاد ہوتی ہے'' مگر اللہ والوں کی شان ان سب چیزوں سے بلند ہوتی ہے، حق تعالیٰ نے مولانا موصوف کو ایسا ہی بنایا تھا جس کے آثار انکے تمام اعمال وافعال میں ظاہر ہوتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ علمی کمالات بھی جبھی اپنا رنگ لاتے ہیں جب انکے ساتھ تزکیہ باطن اور تقویٰ وطہارت ہو مولانا موصوف کو حق تعالیٰ نے جس طرح علمی کمالات میں فائق فرمایا تھا اسی طرح انکو باطنی کمالات سے مزین فرمایا تھا۔ (ایضاً ص ۱۰۶)

(۳) تخت والوں سے بھی اونچے ہیں ترے خاک نشین:۔

جناب کوثر نیازی مرحوم آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

مولانا کی درویشی کا عالم یہ تھا کہ اخبار نہیں پڑھتے تھے نہ ہی کوئی اخبار گھر پر آیا میں جب بھی حاضر ہوتا پوچھتے ''مولوی صاحب نئی خبر کیا ہے'' میں جستہ جستہ تفصیل عرض کر دیتا۔ ایک دن میں نے عرض کیا ''حضرت! اگر اجازت ہو تو میں اخبار بھجوا دیا کروں آپ تازہ ترین حالات

سے باخبر رہیں گے'' فرمانے لگے'' مولوی صاحب! ہم اخبار کیسے پڑھیں ایک تو اس میں فلمی اشتہار ہوتے ہیں دوسرے تصوریں تیسرے خبریں ہوتی ہیں مگر راوی نامعلوم! خدا جانے! یہ ثقہ ہے کہ نہیں ہمیں تو بس اسی طرح خبریں تم ہی بتادیا کرو'' دیکھنے کی چیز تو یہ ہے کہ جس بات کو حضرت کاندھلویؒ نے حق جانا اس پر عمل کس سختی کے ساتھ کیا۔ تصویر اور فلم کے بارے میں رائے تو دوسرے علماء کی بھی یہی تھی اور اس وقت بھی اکثر علماء احضرات یہی رائے رکھتے ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ اس پر عمل کتنے اصحاب کا ہے؟ کون ہے جو تصویر نہیں کھنچواتا؟ کون ہے جو اپنی تقریبات میں فوٹو گرافروں کو نہیں بلواتا؟ کون ہے جو ٹی وی کو غلط جاننے کے باجود اس پر جلوہ افروز نہیں ہوتا؟ کون ہے جو بینکنگ سسٹم کو غلط قرار دینے کے باجود بنکوں میں اپنے اکاؤنٹ نہیں کھلواتا؟ کون ہے جو جدید تعلیم کے مخالف ہو ین کے باجودہ اپنے بچوں کو سکولوں اور کالجوں میں نہیں بھیجتا؟ جہاں تک مذہبی حلقوں کا تعلق ہے رائے سب کی وہی تھی اور وہی ہے جو حضرت کاندھلوی کی تھی فرق صرف عمل کا تھا۔ وہ جس بات پر اعتقاد رکھتے تھے کر کے دکھاتے تھے، جو کہتے تھے اسی کے مطابق ان کا عمل تھا۔ اسوۂ یہ خالصتاً صاحبان عزیمت کا ہے مجھ جیسے اصحاب رخصت نہ اس راستے پر چلنے کی ہمت رکھتے ہیں اور نہ اس دور میں اس کی ضرورت ہی سمجھتے ہیں۔ ہماری بات جانے دیجئے۔ سوال تو ان حضرات سے ہے جو ایک بات مانتے ہیں اور پھر اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس معیار پر میں نے تو اپنی زندگی میں ایک ہی شخص کو بتمام وکمال پورا اترتے دیکھا اور وہ حضرت کاندھلویؒ تھے۔ تصویر کو ناجائز کہا تو پھر عمر بھر تصویر نہیں کھنچوائی، جلسے میں بھی کسی نے تصویر لینا چاہی تو اسے وہیں ڈانٹ دیا۔ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ خود انکی اولاد کے پاس بھی انکی تصویر نہ ہوگی۔ کرسی گھر میں رکھنا خلاف سنت سمجھتے تھے تو پھر ساری عمر چٹائی اور ایک معمولی سی دری پر ہی بیٹھ کر گزار دی۔

مجھے یاد ہے کہ ایک زمانہ میں اپنے وقت کے صاحب جبروت حاکم ملک امیر محمد خان نواب آف کالاباغ نے جو اس وقت مغربی پاکستان کے گورنر تھے آپ سے ملنے کی خواہش کی جو

شخص پیغام لایا تھا اس سے کہا:۔

''مولوی صاحب! میں تو انکے پاس جانے کا نہیں کہ حکام کے پاس جانا میرے مسلک کے خلاف ہے وہ یہاں آنا چاہیں تو شوق سے آئیں مگر شرط یہ ہے کہ اپنے کمرہ میں کرسی نہیں رکھنے دوں گا بیٹھیں گے تو وہ بھی میرے ساتھ دری پر بیٹھیں گے''۔

اب اس تفصیل کو جانے دیجئے کہ آگے کیا ہوا؟ مختصر یہ کہ ملاقات ہوئی اور اس پر تعریف نواب کالاباغ کی بھی ہونی چاہیے کہ انھوں نے شرط منظور کی اور ایک بوریا نشین فقیر کی کتابوں سے اٹے ہوئے کمرے میں نیچے بیٹھ کر ان سے بات چیت کی سچ ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کی بات ہی کچھ اور ہے۔

بادشاہوں سے ترے در کے گدا اچھے ہیں
تخت والوں سے بھی اونچے ہیں ترے خاک نشین (بیس علماء حق ص ۲۲۶)

(۴) ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں:۔

حج پر جانے کی آرزو ہر سہا برس سے تھی۔ جس عالم دین نے مشکوۃ کی شرح عربی زبان میں لکھی ہو اور اسکی طباعت بھی قاہرہ میں ہوئی ہو، ہر و پیگنڈہ اور پبلسٹی کے اس دور میں وہ چاہتا تو سعودی عرب کی حکومت تسہیلات سفر اور ضیافت کا کیا کچھ سامان بہم نہ پہنچاتی ؟ مگر وہ تو ان باتوں سے کوسوں دور تھے۔ ان کا ذکر سننا بھی انہیں گوارانہ تھا۔ کئی سالوں میں تو جا کر زادراہ فراہم ہوا۔ یہ مرحلہ طے ہوا تو فکر دو باتوں کی دامن گیر تھی ایک دن میں حاضر ہوا تو کہنے لگے'' مولوی صاحب! کوئی ایسی صورت کرو کہ پاسپورٹ تصویر کے بغیر بن جائے'' میں نے عرض کیا'' کوشش تو ضرور کروں گا اگر چہ مشکل بہت ہے۔ البتہ ایک گزارش ہے آپ جانے لگیں تو روانگی کی تاریخ پہلے سے بتادیں کچھ ہم بھی دعا کی درخواست کرسکیں گے'' فرمایا'' مولوی صاحب! دعا تو وعدہ ہے ہر مقام پر نام لے کر کرونگا مگر روانگی کی تاریخ میں نہیں بتاؤں گا اور ہاں دیکھنا کہیں اخبار میں نہ آجائے کہ حج پر جارہا ہوں شہرت ہوگی اور عجب و کبر کا ڈر ہے'' اب یہ معلوم نہیں یہ فوٹو کا فت خواں کیسے طے ہوا میں تو اپنی کوشش

میں ناکام ہوگیا تھا۔ہاں اتنا جانتا ہوں کہ وہ بغیر تاریخ بتائے تشریف لے گئے اور بغیر تاریخ بتائے واپس تشریف لے آئے نہ جاتے ہوئے رخصت کرنے والوں کا ہجوم تھا نہ آتے ہوئے استقبال کرنے والوں کا اژدہام

نہ پوچھا ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھا نکو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

(ص ایضا ۲۲۷)

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے واقعات:۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نہ صرف یہ کہ علوم شریعت کے متبحر عالم تھے بلکہ حضرت مرحوم علوم طریقت اور سلوک وتصوف کے بھی کامل شیخ تھے اور آپ کی ذات گرامی علوم ظاہری اور علوم باطنی دونوں کا مخزن تھی اور علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ حضرت موصوف کا اصلی جوہر اور حقیقی زیور تھا۔آپ کے علم وفضل ،اخلاص وعمل ،تقوی وطہارت ،خشیت وللہیت ، سادگی تواضع اور دیگر اوصاف فاضلہ سے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی اور آپ کے فیض صحبت سے ایمان وایقان کی ایسی دولت ملتی تھی اور دین کا وہ صحیح مزاج پیدا ہوتا تھا جو محض کتابوں کے پڑھنے پڑھانے سے کبھی پیدا نہیں ہوسکتا کسی نے سچ کہا ہے.....

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

بایں علم وفضل اور ہمہ کمالات سے متصف ہونے کے باوجود مولانا مرحوم
عادات واطوار کی سادگی میں اپنی مثال آپ نہ مولانا کے خورد ونوش میں کوئی تکلف تھا اور نہ ہی گفتگو اور طرزِ کلام میں کوئی تصنع تھا۔سادہ وضع کے پرانے بزرگ تھے ،ہمیشہ نئے طور طریق اور تہذیب جدید کے آداب سے دور بلکہ نفور رہے۔چنانچہ وضع قطع لباس وطعام اور گفتگو میں اپنے بزرگوں کے طریقے کے موافق ہمیشہ سادگی اور بے تکلفی کو ہی
اختیار کیا اور یہ واقعہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم جیسی شریعت وطریقت کی جامع کمالات اور

نادرۂ روزگار شخصیتیں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور ایسے مردانِ حق آگاہ کا کہیں قرنوں میں ظہور ہوتا ہے۔ (بیس علماء حق ۲۴۴)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت عثمانی عہد حاضر کے آئمہ فن علماء، اولیاء اتقیاء کی صف میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کو علمی و عملی مقامات میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا تھا اور ساتھ ہی بزرگان دین کی صحبت نے تواضع اور فروتنی کی بھی وہ صفت عطا کر دی تھی کہ جو علماء دیوبند کا خاص امتیاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علمی کمالات کے ساتھ باطنی کمالات سے بھی مزین فرمایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی جامع علم و عمل خدا ہستیاں کہیں قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں۔'' (ایضاً ص ۲۵۶)

(۱) ''اب ایسے متواضع اور منکسر المزاج بزرگ کہاں پیدا ہوں گے؟''

آپ کے فرزند ارجمند مولانا قمر احمد عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

۱۹۶۹ء کے اواخر میں حضرت مولانا بحیثیت امیر اعلیٰ مرکزی جمعیت علماء اسلام موچی دروازہ لاہور کے عظیم الشان جلسۂ عام کی صدارت فرمانے کے لئے لاہور تشریف لائے جس میں مشرقی اور مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے علماء کرام نے بہت بڑی تعداد میں شرکت فرمائی تھی مشرقی پاکستان سے مولانا اطہر علی سلہٹی (خلیفۂ ارشد حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ) اور مولانا صدیق احمد چاٹگامی بھی تشریف لائے تھے، موچی دروازہ کے جلسہ عام کے علاوہ تمام مخصوص اجلاس جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن میں منعقد ہو رہے تھے جن میں صرف مرکزی قائدین ہی شرکت کرتے تھے۔

مشرقی پاکستان کے علماء کرام کے قیام کا انتظام بھی یہیں تھا، جب مولانا رحمہ اللہ کو خصوصی اجلاس میں معلوم ہوا کہ مولانا اطہر علی گزشتہ شب سے درد گردہ کی تکلیف میں مبتلا ہیں اور اس وجہ سے وہ اس اجلاس میں شرکت کے لیے نہیں آ سکے، تو مولانا یہ سنتے ہی اُن کی

جائے قیام کی طرف روانہ ہو گئے حالانکہ اسی ۸۰ سال کی عمر میں ضعف و یرانہ سالی اور گھٹنوں میں درد کی شکایت کے باعث حضرت مولانا رحمہ اللہ کے لیے ان دنوں چند قدم چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا دوسری طرف جونہی مولانا اطہر علی صاحب رحمہ اللہ کو معلوم ہوا کہ مولانا اُن کی عیادت کے لئے تشریف لا رہے ہیں تو وہ بیتابانہ اٹھ بیٹھے اور خادم کو دوڑایا کہ حضرت سے جا کر کہو ''میں اب بالکل ٹھیک ہوں اور اجلاس میں شرکت کے لئے حاضر ہو رہا ہوں'' اور وہ واقعی اسی حالت میں اپنے کمرہ سے باہر نکل آئے تھے مگر دوسری طرف مولانا عثمانی بھی تشریف لا چکے تھے اس لئے اُنہیں مجبوراً واپس جانا پڑا، پھر دیر تک معذرت خواہانہ انداز میں مولانا نہ رحمہ اللہ کی زحمت فرمائی پر اظہارِ تاسّف فرماتے رہے، اب ایسے متواضع اور منکسر المزاج بزرگ کہاں پیدا ہونگے؟ (چالیس بڑے مسلمان جلد اول ۶۹۴)

(۲)۔ ''ان شاء اللہ ان حضرت کی علمی و دینی خدمات میری مغفرت کا ذریعہ بنیں گی''۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

راقم الحروف کا بارہا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کی مجلس میں جب بھی کسی شریک مجلس کی طرف سے حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندہلوی مہاجر مدنی مدفیوضہم کے اسماء گرامی حضرت مولانا کے شاگردانِ رشید کے زمرے میں بیان کیے جاتے تو آپ نے اس امر واقعی پر کبھی کسی فخر و مباہات کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ یہی ارشاد فرمایا کہ:

''میں تو ان حضرات کو اپنا معاصر و ہم چشم خیال کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ جلّ شانہ ان حضرات کی علمی و دینی خدمات جلیلہ کو ان شاء اللہ میری مغفرت و بخشش کا بھی وسیلہ و ذریعہ بنا دیں گے''

اللہ اکبر! یہ ہے اس جلیل القدر عالم دین اور محدث اجل کی تواضع و بے نفسی کا

عالم جس کے تجرّ فی الحدیث اور تفقہ فی الدّین کو برصغیر کے اکابر علماء کے علاوہ عالم اسلام کے علماء و محققین نے بھی تسلیم کیا ہے، بلکہ اس کی گرانقدر علمی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے اور جس سے شرف تلمذ پر ان شاگردانِ جلیل نے بھی ہمیشہ فخر محسوس کیا ہے

(حوالہ بالا ص ۶۹۵)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) تواضع اور سادگی کے پیکر:

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمہ اللہ آپکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

ایک اور واقعہ یاد آیا جس سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے خصوصی تعلق واضح ہوتا ہے، حضرت رحمہ اللہ کے یہاں دوقسم کی مجلسیں ہوتی تھیں، ایک مجلس عام ہوتی تھی ایک مجلس خاص، عام مجلس میں بھی حضرت رحمہ اللہ مخصوص حضرات کو اپنے بائیں جانب بٹھایا کرتے تھے، مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی انہی حضرات کے ساتھ تشریف رکھتے تھے، ایک روز مفتی صاحب رحمہ اللہ کو آنے میں کچھ دیر ہوگئی اور جب وہ پہنچے تو مجلس بھر چکی تھی، آگے بیٹھے کی کوئی گنجائش نہیں تھی مفتی صاحب رحمہ اللہ پیچھے بیٹھ گئے، حضرت رحمہ اللہ نے اِدھر اُدھر دیکھا البتہ اپنے پاس کچھ تھوڑی سی جگہ تھی، چنانچہ مفتی صاحب رحمہ اللہ سے مرمایا: ''مولوی شفیع یہاں آجاؤ''۔ مفتی صاحب نے اولاً عذر کیا کہ: ''حضرت آرام سے بیٹھا ہوں'' حضرت اس وقت خاموش ہوگئے، لیکن کچھ دیر بعد پھر بہت مسرت کے لہجے میں فرمایا: ''مولوی شفیع! میرا جی چاہتا تھا کہ تم یہاں میرے پاس بیٹھو''۔ چنانچہ جب مفتی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت رحمہ اللہ کا اصرار دیکھا تو اٹھ کر آگے تشریف لے گئے۔

اس واقعہ سے احقر نے دو نتیجے نکالے، ایک تو یہ کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی طرف حضرت کی کس قدر خصوصی توجہ تھی گویا حضرت اُس مجلس میں اصلی مخاطب مفتی

صاحب ہی کو سمجھتے تھے، اس لیے چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح قریب آ جائیں، دوسری طرف اس سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تواضع کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ انہیں اپنی تواضع کی بنا پر آگے بڑھتے ہوئے شرم آتی تھی کہ میری کیا خصوصیت ہے جو میں اتنے لوگوں سے آگے جا کر بیٹھوں، تمام عمر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا یہی حال رہا کہ ظاہری و باطنی علوم وکمالات کے جامع ہونے کے باوجود تواضع اور سادگی کے پیکر بنے رہے۔

(البلاغ مفتی اعظم نمبر ۴۰)

(۲) مجھے ان کی اس تواضع پر بے حد شرمندگی محسوس ہوئی:

یاد آیا کہ ایک مرتبہ دارالعلوم میں ایک مجلس تھی، اساتذہ کرام اور طلبہ حاضر تھے، میں وہاں پہنچا تو فرمائیں گے، یہ اصطلاحی عالم تو نہیں مگر ان شاء اللہ علماء کے کام کی باتیں ارشاد فرمائیں گے'' میں نے عرض کیا کہ ''حضرت ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ یہاں تشریف نہ رکھیں''۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب تشریف لے گئے، اور میں نے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی باتیں شروع کر دیں، کیونکہ میرا مبلغ علم تو صرف اور صرف حضرت تھانوی قدس سرہٗ ہی کی باتیں ہیں۔

موسم گل میں پوچھتے ہو کیا حال تم اس دیوانے کا
جس نے ایک ہی گل کے اندر سارا گلستان دیکھا ہے

میں نے دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بعد میں خاموشی کے ساتھ مجلس میں پیچھے آکر بیٹھ گئے، مجھے ان کی اس تواضع پر بے حد شرمندگی محسوس ہوئی (۴۳)

(۳) بے تکلف اور سادہ زندگی:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کی دولت بھی فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھی، علوم باطنی کے بغیر علوم ظاہرا ایسے ہیں جیسے روح کے بغیر جسم، اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو جسم کے ساتھ اس کی روح بھی عنایت فرمائی تھی، آپ

کی زندگی میں علم وعمل کے اعلیٰ معیار پر ہونے کے باجود انتہائی سادگی تھی، آپ ہر کس وناکس سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے تھے، آپ کی بے تکلفی اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ میں ایک روز آپ سے ملنے گیا تو دیکھا کہ حضرت کمرے میں جھاڑو دے رہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت میں دیدوں؟ فرمایا نہیں! پورے کمرے کو جھاڑو دی، کچھ کچرا اٹھا کر پھینکا، پھر ہاتھ دھو کر مصافحہ کیا اور بے تکلفی سے باتیں شروع کردیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو باعتبار دین ودنیا بڑے مراتب عالیہ عطا فرمائے تھے مگر ان کا انداز زندگانی اس طرح سادہ اور بے تکلف تھا اور کوئی امتیازی شان معلوم نہ ہوتی تھی، ان کی ساری زندگی (اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھلی ہوئی تھی، یہی سبب تھا کہ انکی ذات میں بڑی محبوبیت تھی، ظاہری اور باطنی کمالات کی وجہ سے لوگوں کو صرف عقیدت ہی نہیں بلکہ ایک درجہ کی محبت بھی تھی، ہر طبقہ کے لوگوں میں نہایت ہر دلعزیز تھے، تواضع وانکساری انکی عادت ثانیہ تھی۔ لباس وپوشاک، رہنے سہنے میں نہایت سادگی اور بے تکلفی تھی، میں نے ان کو کبھی قیمتی لباس پہنے نہیں دیکھا، عام طور پر چوگوشہ ٹوپی، کرتا اس پر بعض وقت صدری اور شرعی پاجامہ، البتہ جب کبھی کسی تقریب یا مجلس خاص میں جاتے تو عمامہ زیب سر اور عبا زیب تن فرمالیتے تھے، ایک رومال بھی ہاتھ میں رہتا تھا، روزمرہ کے استعمال کی ضروری اشیا بھی نہایت سادہ اور معمولی حیثیت کی رہتی تھیں، اپنے ضروری کام خود اپنے ہاتھ سے انجام فرمالیتے تھے بقول کسی شاعر کے رہی

تکلف سے نہیں خالی کوئی بات ، مگر ہر بات میں اک سادگی ہے۔

ایک مرتبہ میں حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ گھر کے اندر سے بلاوا آیا،

ایک مرتبہ میں حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ گھر کے اندر سے بلاوا آیا، حضرت رحمہ اللہ اندر نہیں گئے، پھر بلاوا آیا تو فرمانے لگے کہ بھائی! ہمارے ناشتے کا وقت ہے، پھر ناشتہ وہیں منگوالیا اور مجھ سے فرمایا کہ آپ بھی ہمارے ناشتے میں شامل ہوجایئے، ناشتہ آیا تو میں نے دیکھا کہ اس میں تین چار چھلکے تھے، ماش کی دال تھی، پاپڑ تھے اور چائے، آپ

نے تکلف نہیں فرمایا اور یہی سادگی اور بے تکلفی آپ کے ہر انداز زندگی کی جان تھی۔

(۴۸)

(۴)۔ میرے پاس کوئی سرمایۂ آخرت نہیں ہے، میں نے عمر بھر کچھ نہیں کیا۔

جب آپ پر پہلا دل کا دورہ ہوا تو اس وقت میں حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عیادت کے لیے گیا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہم لوگوں کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور نہایت نحیف اور لرزتی ہوئی آواز میں فرمانے لگے: میرے لیے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادیں، میرے پاس کوئی سرمایہ آخرت نہیں ہے، میں نے عمر بھر کچھ نہیں کیا، چند سیاہ لکیریں کھینچی ہیں، اللہ تعالیٰ انہی کو قبول فرمالیں تو ان کی رحمت ہے'' یہ بھی وہی غلبہ توحید اور اپنی بے مائگی کا احساس ہے جس کو مقام عبدیت اور فناء الفنا سے تعبیر کرتے ہیں ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ (۵۰)

۵۔ حضرت مفتی صاحب کا امتیازی وصف:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

برصغیر میں علوم دینیہ کے سب سے بڑے مرکز **دار العلوم دیوبند** میں ایک طالب علم کی حیثیت سے راقم سطور اب سے قریباً ستاون سال پہلے شوال ۱۳۴۳ھ میں داخل ہوا تھا، اس وقت ہمارے دینی مدارس میں منطق، فلسفہ اور علم کلام وغیرہ ''معقولات'' کا بہت زور تھا، میں ان فنون اور علوم عربیہ کی تعلیم و تحصیل سے فارغ ہو کر وہاں پہنچا تھا، میرا طالب علمانہ قیام دار العلوم میں صرف دو سال رہا، پہلے سال مشکوۃ شریف اور ہدایہ اخیرین کی جماعت میں شرکت رہی اور دوسرے سال دورۂ حدیث میں۔

ان جماعتوں کے سارے اسباق اس دور کے دار العلوم کے اکابر اساتذہ (امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سراج احمد رشیدی، حضرت مولانا رسول خان ہزاروی، حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہم اللہ تعالیٰ) ہی

پڑھاتے تھے اس لیے راقم سطور کو دارالعلوم کے صرف انہی اساتذۂ کبار کے تلمذ کا شرف حاصل ہو سکا۔

اپنی طالب علمی کے اس دور میں بھی کم آمیزی کا گویا مریض تھا (اب بھی یہی حال ہے جو میرے لئے یقینا مفید سے زیادہ مضر ہے) بہر حال کم آمیزی کی اسی عادت کی وجہ سے دارالعلوم کے اس دور کے ان حضرات اساتذہ سے کوئی خاص تعلق اور رابطہ نہیں رہا جن سے کوئی سبق پڑھنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی، ان اساتذہ میں حضرت مولانا محمد شفیع صاحب بھی تھے جو دارالعلوم کے کم عمر اساتذہ میں اپنے علم اور سیرت وصلاح کے لحاظ سے اس وقت بھی ممتاز سمجھے جاتے تھے۔

ان کا ایک امتیازی وصف جس کا اس زمانے میں بھی قلب پر خاص اثر تھا، تواضع کا غیر معمولی رویہ تھا، جہاں تک یاد ہے جب بھی ان کو دیکھا نگاہ نیچی اور سر جھکا ہی دیکھا، جو طالب علم سامنے آتا، سلام میں سبقت فرماتے، اور اگر طالب علم سلام کرتا تو ازراہ تواضع کسی قدر خمیدہ ہو کر بڑی محبت سے سلام کا جواب دیتے، جب کسی سے مخاطب ہوتے یا کوئی آپ سے مخاطب ہوتا ہمیشہ حسین چہرے پر مسکراہٹ کھیلتی۔

دارالعلوم کی مسجد سے متصل ایک بالائی کمرے پر آپ کا تجارتی کتب خانہ تھا (جو غالبا اس زمانہ میں استاذنا حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ کی شرکت میں تھا) جب کبھی اپنے لیے یا کسی دوسرے کے لیے کوئی کتاب خریدنے کے واسطے وہاں جانا ہوتا تو مفتی صاحب رحمہ اللہ (جو بہر حال دارالعلوم کے اساتذہ میں تھے) مجھ طالب علم سے اس طرح پیش آتے کہ مجھے بڑی ندامت اور شرمندگی ہوتی، غالباً ہر ایک کے ساتھ وہ اسی طرح پیش آتے ہونگے (۵۲)

(۶)۔اُن کے اس رویہ سے میں ہمیشہ شرمسار رہتا:

دارالعلوم کی رسمی طالب علمی کا دور ختم ہونے کے بعد راقم سطور جہاں بھی رہا، سال میں ایک دو دفعہ دیو بند حاضری کا برابر معمول رہا، ان حاضریوں میں بھی حتی الامکان

حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کا اہتمام کرتا، وہ ہمیشہ اس طرح پیش آتے کہ گویا میں ان کا چھوٹا نہیں ہوں کم از کم اقران میں سے ہوں، ان کے اس رویہ سے میں ہمیشہ شرمسار رہتا، دراصل یہ تواضع ہمارے اکابر و اسلاف کا خاص ورثہ تھا اور حضرت مفتی صاحب نے اس سے حصہ وافر پایا تھا۔ عارفین اور حکماء اخلاق کا مشہور مسلمہ ہے کہ تمام محاسن اخلاق کی اصل اور سرچشمہ ''تواضع'' ہے جس طرح تمام مساوی اخلاق کی جڑ اور بنیاد ''کبر'' ہے

(ص ۵۵)

(۷)۔ خدمت خلق اور بے نفسی کا ایک سبق آموز واقعہ:

استاذ محترم حضرت اقدس مفتی محمد رفیع عثانی صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

سردیوں کی ایک رات میں والد صاحب رحمہ اللہ بذریعہ ریل تھانہ بھون اسٹیشن پر اترے، براںچ لائن پر یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا اسٹیشن بھی بہت چھوٹا اور آبادی سے کافی دور ہے، راستہ میں کھیت اور غیر آباد زمینیں ہیں وہاں اس زمانے میں بھی بجلی تو تھی ہی نہیں، رات کے وقت قلی یا سواری ملنے کا بھی امکان نہ تھا کیونکہ اس وقت اکا دکا ہی کوئی مسافر آتا جاتا تھا، گاڑی دو تین منٹ رک کر روانہ ہوگئی اب اسٹیشن پر ہو کا عالم تھا، ہر طرف جنگل، اندھیری رات اور سناٹا، اسٹیشن سے قیام گاہ تک آمدورفت عموماً پیادہ پا ہوتی تھی، والد صاحب رحمہ اللہ تنہا تھے، سامان بھی ساتھ نہ تھا اس لیے کوئی فکر نہ تھی، اچانک آواز آئی ''قلی قلی''! یہ آواز بار بار آرہی تھی اور اب اس میں گھبراہٹ بھی شامل ہوگئی تھی، کوئی صاحب مع اہل وعیال اسی گاڑی سے اُترے تھے، قلی نہیں مل رہا تھا جو آبادی تک سامان پہنچادے، یہ والد صاحب رحمہ اللہ کے ایک واقف کار تھے اور عقیدت مندانہ ملتے تھے، والد صاحب رحمہ اللہ سے اپنا بوجھ اٹھوانے پر ہرگز راضی نہ ہوتے یا عمر بھر ندامت کے بوجھ میں دبے رہتے۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جلدی سے سر پر رومال لپیٹ کر اوپر سے چادر ڈالی اور مزدورانہ ہیئت میں تیزی سے پہنچ کر کہا ''سامان رکھواؤ کہاں جانا ہے''؟ انھوں نے پتہ مختصراً بتاتے ہوئے میرے سر پر سامان لادنا شروع کردیا، پہلا

بکس ہی اتنا بھاری تھا کہ میں نے کبھی نہ اٹھایا تھا، اس پر دوسرا بکس رکھا، تیسرا عدد میرے ہاتھ اور بغل میں تھمانا چاہتے تھے، میں نے دونوں ہاتھوں سے بمشکل اس بکسوں کو سنبھالتے ہوئے کہا کہ ''حضور! میں کمزور آدمی ہوں زیادہ نہیں اٹھا سکتا یہ (تیسرا عدد) آپ سنبھال لیں۔

مختصراً قافلہ روانہ ہوا، بوجھ سے پاؤں ڈگمگا رہے تھے مگر میری اس کمزوری کو میری ٹارچ نے چھپالیا تھا جو انھیں راستہ دکھارہی تھی اور میری طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ دیتی تھی، ان کی قیامگاہ پر سامان اُتار اوہ یہ کہہ کر ذرا اندر گئے کہ ''ابھی آکر پیسے دیتے ہیں'' میں موقع پا کر وہاں سے غائب ہوگیا، اگلے دن وہ صاحب خانقاہ میں حسب سابق بڑی تعظیم سے ملے، مگر اُنھیں کیا معلوم وہ ایک ''قلی'' سے مل رہے ہیں (ص ۱۲۰)

(۸) ایسا ہی ایک اور واقعہ: آگے لکھتے ہیں:

اسی موقع پر ایک اور وقعہ بھی سنایا کہ ''میں دیوبند میں ایک دن نماز فجر کے لیے جا رہا تھا، سامنے ایک بہت ہی ضعیف بڑی بی کو دیکھا جو پانی کا گھڑا کنویں سے بھر کر لا رہی تھیں مگر اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا، بمشکل چند قدم چل کر بیٹھ جاتی تھیں، مجھ سے دیکھا نا گیا، پاس جا کر کہا ''لاؤ اماں یہ گھڑا تمہارے گھر پہنچادوں'' یہ کہہ کر میں نے گھڑا اٹھالیا، وہ جولاہوں کے محلّہ میں اہتیں اور اسی برادری سے تعلق رکھتی تھیں، جب میں گھڑ بڑی بی کے گھر میں رکھ کر باہر نکلا تو وہ نہایت لجاجت اور الحاح کے ساتھ دعائیں دینے لگیں جو مجھے کافی آگے تک سنائی دیتی رہیں، اگلے دن پھر اسی وقت اور اسی حال میں ملیں، میں نے پھر گھڑا اٹھا کر ان کے گھر پہنچادیا، واپسی پر پھر ان کی دعائیں دور تک سنتا رہا، میں نے یہ سوچ کر کہ یہ سودا سستا ہے کہ چند منٹ کی محنت پر اتنی دعائیں ملتی ہیں میں نے روز کا یہی معمول بنالیا، بڑی بی بھی اس کی عادی ہوگئیں، اب میں کنوئیں پر ہی پہنچنے کی کوشش کرتا تھا تا کہ انھیں ڈول بھی کھینچنا نہ پڑے، بحمدللہ یہ معمول عرصۂ دراز تک جاری رہا، یہاں تک کہ بڑی بی نے آنا ہی چھوڑ دیا، شاید ان کا انتقال ہوگیا تھا''۔ پھر فرمایا کہ یہ واقعہ بھی آج پہلی بار تم ہی کو بتا

رہاہوں تا کہ کچھ سبق حاصل کرو۔ (۱۲۲)

9۔اجازت بیعت اور خلافت سے سرفرازی:

تھانہ بھون میں چوتھی حاضری ۱۳۴۳ھ یا ۱۳۴۴ھ میں ہوئی تھی اور اب ۱۳۴۹ھ چل رہا تھا، سلوک وتصوف اور عشق ومعرفت کی پر پیچ راہوں سے گذرتے گذرتے اب وہ مقام آ گیا تھا جہاں حکیم الامت مجدد ملت حضرت تھانوی جیسا رہبر ورہنما ہر طرح امتحان کرنے کے بعد مطمئن تھا کہ جس مسافر طریقت نے ان کی اُنگلی پکڑ کر اپنے سفر کا آغاز کیا تھا، اب وہ راستہ کے تمام نشیب وفراز اور پیچ وخم سے نہ صرف پوری طرح باخبر ہے بلکہ ناواقفوں کی رہبری کے لیے بھی اس پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ میں اچانک حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا مکتوب گرامی دیوبند پہنچا جس میں والد ماجد رحمہ اللہ کو تلقین وبیعت کی اجازت تحریر تھی وہ مکتوب گرامی یہاں بعینہ نقل کیا جاتا ہے:

۔حکیم الامت رحمہ اللہ کا گرامی نامہ: ربیع الثانی۔۔۔۔۱۳۴۹ھ

''مشفقی مولوی محمد شفیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند سلمہ اللہ

السلام علیکم!

بے ختہ قلب پر وارد پر ہوا کہ آپ کو مع دوسرے احباب کے بیعت وتلقین کی اجازت ہو، پس توکلاً علی اللہ اس وارد پر عمل کرنے کے لئے آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر کوئی طالب حق آپ سے اس کی درخواست کرے تو قبول کرلیں اس سے متعلم کے ساتھ معلم کو بھی نفع ہوتا ہے، میں بھی دعا کرتا ہوں اور اپنے خاص محبین پر اس کو ظاہر بھی کر دیجیئے۔

بنظر احتیاط بیرنگ لفافہ بھیجتا ہوں

والسلام

بندہ اشرف علی از تھانہ بھون ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ

حضر والد صاحب رحمہ اللہ علیہ کو اللہ جل شانہ نے حقیقی تواضع وانکسار سے نوازا تھا ،ان کے وہم وخیال میں بھی نہ تھا کہ کبھی یہ نوبت بھی آنیوالی ہے کہ حکیم الامت رحمہ اللہ اپنی خلافت سے سرفراز فرمائیں گے ،اچانک یہ گرامی نامہ ملا تو حیرت میں رہ گئے اور مرشد تھانوی رحمہ اللہ کو اسی عالم حیرت میں یہ خط لکھا:

حیرت وفنائیت

مکتوب: والا نامہ گرامی صادر ہوا، دیکھ کر حیرت میں رہ گیا کہ ناکارہ وآوارہ شفیع اور بیعت وتلقین کی اجازت!

صلاح کار کجا ومن خراب کجا

میں تو واللہ باللہ کسی بزرگ سے بیعت ہونے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتا ،سلوک کے ابتدائی مراحل سے بھی روشناس نہیں، کسی دوسرے کو کیا تلقین کروں گا اور پھر ایسا کون بیوقوف ہوگا جو مجھ سے درخواست بیعت کرے گا، بار بار والا نامہ کو دیکھنا اور اپنی سیہ کاری پر نظر کرتا ہوں تو حیرت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ مجھ جیسے غفلت شعار سیہ کار کو اتنے بڑے منصب سے نوازنا کہیں اس منصب کی بدنامی کا سبب نہ ہو ،اس خیال سے یوں جی چاہتا ہے کہ اس کی اشاعت نہ تو اچھا ہے۔

جواب: ''یہی تو بنا ہے اس اجازت کی کہ آپ اپنے کو ایسا سمجھتے ہیں''۔

مکتوب: ''اس والا نامہ کے بعد سے ہر قدم پر اپنی ناکارگی کا مزید احساس ہونے لگا''۔

جواب: ''ان شاء اللہ بہت نفع ہوگا''۔

مکتوب: ''دعا وہمت سے دستگیری کی احتیاج بھی اور زیادہ محسوس ہونے لگی''۔

جواب: ''میں حاضر ہوں''۔

مکتوب: ''یہاں تو ہنوز روز اوّل ہے''۔

جواب: نہایت کی تفسیر عود الی البدایہ ہے، ان شاء اللہ تعالی یہ ''روز اوّل'' وہی ہدایت ہے۔

اسی سلسلہ کا ایک اور مکتوب

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۴۹ھ

مکتوب: ''جب سے حضرت والا نے خطاب خاص سے معزز فرمایا ہے میری سست اور کمزور طبیت کے لئے ایک تازیانہ ہو گیا ہے کسی وقت اس کا تصور ذہن سے نہیں جاتا کہ مجھ جیسا ناکارہ وآوارہ، طریق سے ناآشنا اور بزرگوں کی یہ عنایات کہیں مجھ پر حجت نہ ہوں، بالخصوص جب سے دیو بند میں غیر اختیاری طور پر اس کا چرچا ہوا ہے ہر وقت اس سے ڈرتا ہوں کہ لوگ مجھے دیکھ کر میرے بزرگوں کو بدنام کریں گے۔ اس کا الحمدللہ اتنا فائدہ بھی ہوا کہ گناہوں سے بچنے کی کچھ ہمت بڑھ گئی اور نماز میں کچھ من جانب اللہ تعالیٰ حضور کی ایک کیفیت پیدا ہونے لگی جو پہلے نہیں تھی بلکہ پہلے یہ کیفیت گاہ گاہ ہوتی تھی اور اب الحمدللہ اکثر رہنے لگی''۔

جواب: ''مجھ کو یہی امید تھی''۔

مکتوب۔۔۔۹ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

مکتوب: ''بارگاہ سامی میں حاضر ہو کر حضرت کی جوتیوں کے طفیل سے الحمدللہ یہ تو ہوا کہ ''غرور'' سے ایک گونہ نجات ہوئی اور اپنے کچھ معائب گویا متمثل ہو کر

شرمندہ مثل زنگی آئینہ دیدہ ہوں

کی کیفیت پیدا ہوگئی اور یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ تمام اہل خانقاہ میں سب سے زیادہ ناکارہ وآوارہ بدنام کنندہ خانقاہ میں ہی ہوں، کئی روز سے حزن کی کیفیت او حسرت بڑھ رہی ہے کہ جب آفتاب ہدایت کا مواجہہ میں بھی میری تاریکی کا یہ حال ہے تو آئندہ کیا ہوگا''۔

جواب: ''یہ استدلال متکلم فیہ ہے، یہ ایسا استدلال ہے کہ ستارہ کہے کہ جب آفتاب کے سامنے بے نور ہوں تو شب کو کس قدر بے نور ہوں گا، بعض اوقات بعض احوال کا ظہور قرب میں نہیں ہوتا و بعد میں ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ان فکروں ہی میں نہ پڑنا چاہیے جو ہو سکے کرتا رہے نہ ہو سکے نادم رہے''۔

مکتوب: شراب لعل وجائے امن ویا مہربان ساقی
دلا کئے بہ شود کارت اگرا کنوں نخواہد شد

حضرت کے سب خدام اپنے اپنے کام میں ہیں اور رفیع حالات میں، اور اس ناکارہ کا کام صرف یہ ہے کہ کام کرنے والوں کو دیکھتا اور غبطہ کرتا ہے، وقت کچھ ایسا تنگ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کام نہیں ہوتا اور ایام عمر گزرتے جاتے ہیں، نیند کی کثرت نے اور بھی تباہ کردیا، اب بجز اس کے کہ حضرت والا سے استغاثہ کروں عالم اسباب میں کیا چارہ ہے"۔

جواب: "سب کا جواب معروض ہو چکا ہے"۔

مکتوب: ازاں رحمت کہ وقف عام کردی ، جہاں را دعوت انعام کردی

نمی دانم چرا محروم ماندم ، رہین ایں چنیں مقسوم ماندم

جواب: جب "نمی نادانم" ہے پھر فکر ہی نہیں، مصیبت تو "می دانم" میں ہے

مکتوب: "امید ہے کہ اس نالائق خادم کی خاص طور سے دستگیری فرمائی جائیگی کہ

جواب: "مطمئن رہنا چاہیے کہ بعض ترقی اطمینان مستحق کرامت گنہگار امنند ہی پر موقوف ہے"۔ (۱۴۴ تا ۱۴۷)

(۱۰)۔ استعفاء کی خواہش اور خشیت وتواضع۔

آپ کے فتاویٰ اور فقہی تحقیقات کو اس زمانہ کے فقہا، ارباب فتویٰ اور آپ کے بزرگوں نے جس انداز میں سراہا اور دل کھول کو داد ور دعائیں دیں، اس کی تفصیلات بہت ہیں جن کا یہ موقع نہیں مگر حضرت والد ماجد رحمہ اللہ علیہ کی خشیت اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت اس فکر سے پریشان رہتے تھے کہ کسی فتوے میں غلطی نہ ہوجائے، چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے نام ایک خط (مورخہ ۱۴ رمضان ۱۳۵۰ھ میں تحریر

فرماتے ہیں کہ:

''اس وقت فتویٰ لکھنا ایک پہاڑ معلوم ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام میرے بس کا نہیں، اس لیے حیران ہوں کہ کیا کروں، کیا یہ درخواست کروں کہ مدرسہ والے مجھے اس سے معافی دیں اور پھر درس میں لے لیا جائے؟ کیونکہ وہاں غلطیاں چل نہیں سکتیں شاید دیانۃً میرے لیے بہ نسبت اس کام کے وہ کام زیادہ اچھا ہو''؟

مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے تسلی دی کہ!

''جب اللہ تعالیٰ نے خشیت کا یہ غلبہ دیا ہے تو اعانت بھی ہوگی جیسا احادیث میں وعدہ ہے، اگر مدّتِ معتد بہا کے بعد اس کی ضرورت محسوس ہوگی بعد میں مشورہ ہر وقت ممکن ہے''۔

اپنے مرشد اور بزرگوں کی ایسی ہی تسلیوں اور ہدایات کی بنا پر آپ اس کام میں لگے رہے مگر یہ سمجھنے کے لیے آپ کسی طرح تیار نہ تھے کہ اس کام کی اہلیت بھی میرے اندر ہے، اسی خشیت وتواضع کا غلبہ تھا جس نے مقدمہ ''امداد المفتین'' میں آپ سے یہ لکھوا دیا ہے کہ:

''میں اپنی علمی بے بضاعتی سے بے خبر تو نہ تھا مگر یہ حقیقت ہے کہ اس کام کے لیے علم کے جس پایہ ومنزلت کی ضرورت تھی اس سے پورا واقف بھی نہ تھا؟ تعلیمی خدمتوں کی طرح حضرت اساتذہ اور بالخصوص سیدی واستاذی حکیم الامّت مجدّد الملّت حضرت تھانوی قدس سرہ کی امداد واعانت کے بھروسہ اس بار کو سر پر اٹھالیا، کئی سال تک کام کرنے کے بعد اس علم تک رسائی ہوئی کہ یہ کام مجھ جیسے بے بضاعت وبے لیاقت لوگوں کا نہیں''۔

؎ سمجھے اتنا کہ کچھ نہ سمجھے ہائے
سو بھی ایک وعمر میں ہوا معلوم

(۱۷اھ)

۱۱۔ حقیقتِ علم

شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی محمد عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں!

گزشتہ صفحات میں حضرت والد صاحبؒ کے علمی مذاق اور علم دوستی کے بارے میں بہت سی باتیں تفصیل سے لکھ چکا ہوں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ کی شخصیت بنیادی طور پر ایک علمی شخصیت تھی، آپ کی ساری عمر درس وتدریس اور تصنیف وافتاء جیسے کاموں میں بسر ہوئی، کتب بینی کے شوق اور ذوقِ مطالعہ کے بارے میں بھی پیچھے لکھ چکا ہوں کہ اس دور میں اس کی نظیریں کم ہی ملیں گیں، لیکن اس زبردست علمی انہماک کے باوجود یہ ہر آن آپ کے ذہن میں متحضر رہتی تھی کہ یہ کتابی علم اور وسعتِ مطالعہ محض ایک خول ہی خول ہے اور جب تک اس میں عمل اور خشیت اللہ کی روح پیدا نہ ہو اس وقت تک انسان خواہ کتنا بڑا عالم اور محقق بن جائے، اس کی ساری علمی تحقیقات بے وزن اور بے جان رہتی ہیں۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر صرف علم کسی شخص کی عظمت کے لیے کافی ہوتا تو شیطان بھی بڑا عالم ہے اور وہ مستشرقین جو دن رات علمی تحقیقات میں مصروف رہتے ہیں وہ بھی بہت سے مسلمان اہل علم سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ایسے علم کی کیا قدر وقیمت ہو سکتی ہے جو انسان کو ایمان کی دولت نہ بخش سکے، اسی طرح جو علم انسان کی عملی زندگی پر اثر انداز نہ ہو وہ بے کار ہے۔

کہنے کو تو یہ بات سبھی کہتے ہیں کہ عمل کے بغیر علم بیکار ہے لیکن ایسے لوگ کم ہوتے ہیں جن کی زندگی میں یہ بات پیوست ہو چکی ہو، حضرت والد صاحبؒ کی ادا ادا میں یہ حقیقت جلوہ گر نظر آتی تھی، علم وتحقیق کے کام سے اس درجہ وابستگی کے باوجود آپ کو اس علم وتحقیق سے نفرت تھی جو انانیت اور خود بینی پیدا کرے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ لوگ مدرسہ میں پڑھانے کیلیے مشاہیر محققین تلاش کرتے ہیں، لیکن مجھے ایسے متواضع اللہ والے چاہییں جو علمی تکبر، خودرائی، خود پسندی سے پاک ہوں اور اپنے شاگردوں کو مسلمان بنا

سکیں خواہ علم وتحقیق میں ان کا پایہ کسی قدر کم کیوں نہ ہو۔

خود آپ کا یہ حال تھا کہ علم وتحقیق کے اس مقام بلند کے باوجود جو اس دور میں خال خال ہی کسی کو حاصل ہوا ہے، آپ کو اپنے کسی علمی کارنامے پر کوئی ناز پیدا ہونے کا تو سوال ہی نہیں تھا، اپنی بڑی سے بڑی خدمت کو ہیچ سمجھتے رہے۔ انسان کو عام طور سے اپنی تحریروں اور اپنے لکھے ہوئے مضامین سے ایک اُنس پیدا ہو جاتا ہے، چنانچہ مصنفین میں عام طور پر یہ شوق پایا جاتا ہے کہ ان کی تالیفات کا تذکرہ کیا جائے، انہیں سراہا جائے، چنانچہ مصنفین کی محفلیں اپنی تصانیف ہی کے ذکر اور انکی تعریفوں سے لبریزہ ہوتی ہیں، بعض لوگ جا بجا اپنی تالیفات کے حوالے دیکر اُن کے اقتباسات لوگوں کو سناتے رہتے ہیں، کبھی کسی میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ کرنے کا اصل کام وُہ ہی تھا جو اس نے انجام دے دیا۔ حضرت والد صاحب قدس سرہ کے یہاں اس قسم کی باتوں کا نہ صرف یہ کہ کوئی سوال نہ تھا بلکہ آپ کو اس قسم کے ہر طرزِ عمل سے سخت کراہیت تھی ۔ آپ بڑے سے بڑا تالیفی کام کرگزرنے کے باوجود اسی فکر میں رہتے کہ نہ جانے اس کا حق ادا ہوا یا نہیں؟ محض لوگوں کی تعریف سے آپ کو خوشی حاصل نہ ہوتی، ہاں! اگر کسی جگہ سے یہ اطلاع ملتی کہ فلاں کتاب سے فلاں شخص کو کوئی عملی فائدہ پہنچا ہے، اس کی زندگی میں تبدیلی آئی ہے، یا اس کے نظریات بدلے ہیں تو آپ بہت خوش ہوتے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور اس خدمت کے لیے اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کی دعا فرماتے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم خیال لوگوں سے کچھ داد وصول ہوگئی تو کیا فائدہ؟ اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے کتاب لکھی گئی تھی اسے فائدہ پہنچا یا نہیں؟

''تفسیر معارف القرآن'' کی شکل میں آپ نے جو عظیم علمی کارنامہ انجام دیا، آج بفضلہٖ تعالیٰ وہ ایک دنیا کو سیراب کر رہا ہے اور عام مسلمانوں سے لے کر علماء تک سب اس سے فیض یاب ہو رہے ہیں، لیکن جب کوئی شخص آپ کے سامنے اس تفسیر کی تعریف کرتا تو یہی فرمایا کرتے کہ:

''تفسیر لکھنے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، البتہ میں نے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی ''تفسیر بیان القرآن'' کو نسبتاً آسان انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، علماء کرام کے لیے تو شاید اس میں فائدے کی چیزیں زیادہ نہ ہوں، البتہ میں نے عام مسلمانوں کے لیے یہ کتاب لکھی ہے، خدا کرے کہ اس سے کچھ فائدہ پہنچ جائے۔''

لوگ تو عام طور پر دوسروں سے اخذ کی ہوئی باتیں اپنی طرف منسوب کرنے کی کوشش میں رہتے، حضرت والد صاحبؒ کا معاملہ یہ تھا کہ باوجود یہ کہ ''معارف القرآن'' میں وقت کی ضرورت کے بے شمار ایسے مسائل ومباحث موجود ہیں جو ''بیان القرآن اور'' اور دوسری تفسیروں کے مباحث سے زائد ہیں، لیکن وہ ہمیشہ یہی فرمایا کرتے کہ اس کتاب میں، میں نے کام کیا کیا ہے؟ بس ''بیان القرآن'' اور بعض دیگر تفاسیر کی تسہیل کر کے انہیں نسبتہً عام فہم انداز میں بیان کر دیا ہے۔''

اور یہ محض زبانی باتیں نہ تھیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کا حقیقی ثمرہ یعنی تواضع کا وہ مقام بلند عطا فرمایا تھا کہ اپنے نفس یا اپنے کسی کام پر نہ آپ کی تعریفی نگاہ پڑتی ہی نہیں تھی، اور بڑے سے بڑا کارنامہ انجام دینے کے بعد خود پسندی کا کوئی شائبہ پیدا ہونے کی بجائے آپ کی بے نفسی میں اور اضافہ ہو جاتا تھا۔

بعض علماء اور مصنفین کو تفرد کا شوق ہوتا ہے، اور جو کوئی تحقیقی یا علمی نکتہ از خود ان کے ذہن میں آ گیا ہو، اُسے وہ اپنی طرف منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، اور اسے بیان کرتے وقت یہ کہنے میں لطف آتا ہے کہ ''یہ بات مجھے کہیں بھی نہیں ملی''، لیکن حضرتؒ کا معمول اس کے برعکس یہ تھا کہ اگر از خود کوئی تحقیق یا نکتہ ذہن میں آتا تو اس تلاش میں رہتے کہ علماءِ متقدمین میں سے کسی کے یہاں وہ منقول مل جائے، اور اگر وہ منقول مل جاتا تو بے حد مسرور ہوتے اور اسے اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے اسی کی کتاب یا عالم کی طرف منسوب فرماتے جن کے کلام میں وہ ملا ہو اور فرمایا کرتے تھے کہ ''تفرد سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے''۔ اگر کوئی شخص آپ کی کسی تحریر وتقریر کے بارے میں آپ کو متنبہ کرتا کہ

اس میں فلاں فلاں بات غلط یا نامناسب درج ہوگئی ہے، تو قطع نظر اس سے کہ وہ چھوٹا ہے یا بڑا، اس کے ممنون ہوتے، اور بات سمجھ میں آجاتی تو فوراً بلا تائل اس میں تبدیلی فرمادیتے، بلکہ انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ کسی کے اعتراض کو بالکلیہ رد نہ کرنا پڑے، اس غرض کے لیے آپ نے حکیم الامت
حضرت تھانوی قدس سرہ کی اتباع میں اپنے رسالہ ماہنامہ ''المفتی'' میں ایک مستقل سلسلہ ''اختیار الصواب'' کے نام سے جاری فرمایا ہوا تھا۔

پھر اگر آپ اپنے کسی کام یا تالیف وتصنیف کے علمی معیار کے بارے میں مطمئن بھی ہوجاتے تو یہ حقیقت ہر آن مستحضر رہتی کہ اس کام کی اچھائی برائی کا اصل مدار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہونے پر ہے، اگر یہ اس بارگاہ میں قبول ہے تو سب کچھ ہے اور خدانخواستہ قبول نہ ہو تو یہ ساری علمی محنت اور تحقیقی کاوش دو کوڑی کی نہیں ہے۔

آخر عمر میں آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''میری ساری عمر کاغذ کالے کرنے میں گزر گئی، تھانہ بھون حاضری ہوئی تو شیخؒ نے وہاں بھی کاغذ کالا کرنے ہی کے کام میں لگادیا، اگر اس میں کوئی حرف اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوجائے تو بیڑا پار ہے، ورنہ اپنے سارے اعمال ہیچ در ہیچ معلوم ہوتے ہیں''۔ اور یہ فرما کر آپ اکثر بڑے سوز کے ساتھ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ

بس ہے اپنا ایک ہی اگر پہنچے وہاں
یوں تو کرتے ہیں بہت سے نالہ اگر وفریاد ہم (۴۸۹ تا ۴۹۲)

۱۲۔ تواضع وفنائیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت والد صاحبؒ کو تواضع کا جو کمال عطا فرمایا تھا، وہ یہی تھا کہ علم وفضل کے دریا سینے میں جذب کرلینے کے باوجود انہیں اس بات کا ہر وقت یقین اور استحضار تھا کہ میں کسی رفعت وتعظیم کا ہرگز اہل نہیں۔

صرف ایک واقعہ مثالاً پیش کرتا ہوں۔ ساری عمر آپ کا معاملہ یہ رہا کہ ملاقتیوں کے لئے کوئی

خاص وقت مقرر نہیں فرمایا۔ بلکہ جب کوئی آ گیا، خواہ کتنے ہی ضروری کام میں مشغول ہوں، اس سے ملاقات فرمائی۔ اس طرزِ عمل کے نتیجے میں آپ کو سخت دشواری اٹھانی پڑتی تھی۔ بعض اوقات تصنیف و تالیف کے وقت لوگ پہنچ جاتے اور کام میں رکاوٹ پڑ جاتی اور بعض مرتبہ کسی دوسرے اہم کام میں مشغول ہوتے اور کوئی شخص اپنی معمولی سی ضرورت لیکر آ جاتا تو اس کی ضرورت پوری فرمانے کی وجہ سے وہ اہم کام رک جاتا، ہم لوگوں نے بارہا عرض کیا کہ ملاقات کے لیے ایک وقت مخصوص فرما دیں تاکہ جس کسی کو ملنا ہو اسی وقت آ کر مل لیا کرے اور بے وقت پریشانی نہ ہو۔ لیکن آپ ہمیشہ اس بات کو ٹال جاتے تھے، جب ہمارا اصرار بہت بڑھا تو ملاقات کا وقت تو مقرر فرما دیا، لیکن اگر کوئی شخص دوسرے وقت آ جاتا تو ملاقات سے انکار پھر بھی نہ فرماتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وقت کا وہ تعین نتیجہ خیز نہ ہو سکا، جب تک لوگوں کے بے وقت آنے کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا تو ہم نے پھر کہنا شروع کیا کہ جب تک آپ لوگوں کو بے وقت ملاقات سے انکار نہ فرمائیں گے، اس وقت تک تعین وقت کا خاطر خواہ نتیجہ ظاہر نہ ہوگا، ہماری اس بات کے جواب میں آپ ہمیشہ طرح دے جاتے اور اپنے طرزِ عمل کا کوئی خاص وجہ بھی بیان نہ فرماتے۔

آخر ایک روز میں نے اپنی حماقت سے یہ عرض کر دیا کہ ''ابا جی! حضرت تھانوی قدس سرہ کے یہاں تو ہر چیز کا نظام الاوقات مقرر تھا اور کسی کو اس کی مخالفت کی اجازت نہ تھی''۔

احقر کی اس بات پر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اُس روز پہلی بار کھلے اور فرمایا!

''ارے بھائی، حضرت رحمہ اللہ کے مقام و منصب کی ہوس کروں تو مجھ سے زیادہ احمق کون ہوگا؟ حضرت رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا تھا اس کی بنا پر انہیں حق پہنچتا تھا کہ وہ لوگوں کو اپنے نظام الاوقات کا تابع بنائیں، انہیں جو عظیم دینی کاموں کے لیے اللہ نے پیدا فرمایا تھا وہ اس کے بغیر کیسے انجام پا سکتے تھے، اس کے علاوہ لوگوں کو ان سے انمول فائدہ پہنچتا تھا، اس لیے اگر اس فائدے کے حصول کے لیے انہیں کچھ مشقت اٹھانی پڑے تو کچھ حرج نہ تھا، لیکن میں کیا ہوں؟ اور میرا مقام کیا ہے؟ میں خلق خدا کو کس بنیاد پر

آنے سے روکوں؟ میں نے وقت تو تمہارے کہنے سے مقرر کر دیا ہے تاکہ سہولت ہو جائے، لیکن جو شخص محنت اٹھا کر پہنچ ہی گیا اسے واپس کرنے کا نہ مجھے حق ہے، نہ میرے بس کی بات ہے،،۔

اس روز پہلی بار اس طرز عمل کی اصل وجہ معلوم ہوئی اور اندازہ ہوا کہ وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں؟ میری عقل حیران تھی کہ جس شخص نے خدمت دین کا اتنا ہمہ گیر کام انجام دیا ہو اور جس کا صبح وشام لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ نہ ہو، اسے نہ یہ معلوم ہے کہ وہ کیا ہے؟ اور نہ اس بات کا اندازہ ہے کہ اس کی ذات سے خلقِ خدا کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے؟ آپ کے ان جملوں کو محض زبانی بات بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اول تو وہاں غلط بیانی کا شائبہ بھی امکان سے باہر تھا اور دوسرے یہ بات تنہائی میں اپنے بیٹے سے کہی جا رہی ہے جہاں تواضع کے رسمی مظاہرے کا کوئی سوال نہیں ۔۔ لہذا سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کو

اللھمہ اجعلنی فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیرا

اور من تواضع للہ رفعہ اللہ کا مثالی مظہر بنا دیا تھا (ص۵۲۲تا۵۲۳)

(۱۳) یہ خود مسافر ہیں ان کو زحمت دینا مناسب نہیں۔

استاد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

حاجی محی الدین صاحب جو نہایت وضع دار بزرگوں میں سے ہیں اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ سفر عمرہ میں ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، میرے ساتھ میرے دونو جوان بچے بھی تھے، جہاز میں حضرت رحمہ اللہ کی سیٹ اوپر اور ہماری سیٹ نیچے تھی، فرماتے ہیں کہ معمولی معمولی کام کے لیے اوپر سے خود نیچے اتر کر آتے لیکن کسی سے کسی ادنی کام کو بھی نہیں فرمایا، ہم نے عرض کیا کہ حضرت! یہ بچے ہیں آپ کا کام کرنے میں خوش ہوتے ہیں تو نہایت انکساری سے فرمایا کہ یہ خود مسافر ہیں، ان کو زحمت دینا مناسب نہیں (۸۹۳)

(۱۴) حضرت مفتی صاحب کا اپنے بعض ہم عصروں کے ساتھ معاملہ۔

حضرت مفتی صاحب ؒ کا معاملہ دوسرے بزرگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی عظمت واحترام کا تھا اگرچہ وہ ضابطہ میں آپ کے استاذ یا شیخ نہ ہوں' بلکہ بعض ہم عصروں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرماتے تھے۔ حضرت سید سلیمان صاحب ندوی رحمہ اللہ' حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری' حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمہ اللہ' حضرت مولانا شیر علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ ' حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنی رحمہ اللہ' شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی دامت فیوضھم اور عارف باللہ سیدی حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب اطال اللہ بقاء وغیرہ کے ساتھ ہم نے آپ کو ایسا معاملہ کرتے دیکھا جیسا اساتذہ ومشائخ کے ساتھ کیا جاتا ہے' ان حضرات کی خدمت میں جانے کا اہتمام' پھر ان کو دارالعلوم میں بلانے کے درخواست حضرت رحمہ اللہ کا معمول تھا' حالانکہ ان میں سے اکثر آپ کے پیر بھائی اور بعض تو عمر میں چھوٹے تھے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی حیات میں ان سے بے تکلفانہ مراسم تھے۔

۱۳۷۲ھ میں دارالعلوم میں ایک مختصر سا جلسہ ہوا، حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ اور علامہ سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ بھی تشریف لائے، فراغت کے بعد جلسہ گاہ میں ہی کسی مسئلہ کی تحقیق میں حضرت سید صاحب رحمہ اللہ نے ''شامی'' طلب کرکے مطالعہ شروع فرمادیا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ان کے سامنے اس طرح دوزانو بیٹھے تھے جیسے شاگرد استاد کے سامنے، ایک صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو دوسری طرف بلانا چاہا تو حضرت نے سید صاحب کی طرف اشارہ کیا، جس کا انداز یہ تھا کہ سید صاحب کی اجازت کے بغیر میں کیسے اٹھ جاؤں؟، اسی طرح ۱۳۸۴ھ میں استاد محترم محدث کامل فقیہ اعظم حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری رحمہ اللہ دارالعلوم میں تشریف لائے تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ان کے ساتھ شاگردوں جیسا معاملہ فرماتے تھے۔

(ص ۸۹۷)

(۱۵) ''مفت میں کچھ کاغذ کالے کر لیتا ہوں اور کیا م کام ہے؟'':

آپکے خلیفہ مجاز حضرت مفتی عبدالحکیم صاحب سکھروی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:
روہڑی سے اسٹیشن پر جارہے تھے، ایک شخص ساتھ ساتھ چلنے لگا اس نے حضرت سے کہا تم کیا کام کرتے ہو؟ فرمایا ''جس کام کی آجکل کوئی قدر و قیمت نہیں'' وہ نہیں سمجھا، پھر اس نے پوچھا تو فرمایا
''مفت میں کچھ کاغذ کالے کر لیتا ہوں اور کیا کام ہے''۔ اسٹیشن آیا سامان آپ کا میرے پاس تھا، میں نے پلیٹ فارم نہیں لیا تھا، پل پر میں نے عرض کیا تو سامان لیکر خود ہی ریل گاڑی میں جا کر سوار ہو گئے مسئلہ کی بات تھی۔ تواضع تو حضرت رحمہ اللہ سے از حد ٹپکتی تھی، ہر کام میں تواضع کے مظہر اتم تے۔ اللهم افض علينا۔ (ص ۹۶۰)

(۱۶) حضرت کی شان و تواضع:۔

آپکے خلیفہ مجاز حضرت مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم آپکے مفصل تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:
حدیث شریف میں ہے من تواضع لله رفعه الله (اوکما قال) یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتے ہیں۔ اس حدیث میں تواضع اور اس کا ثمرہ بیان کیا گیا ہے۔ تواضع کا حاصل یہ ہے کہ بالقصد اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھے اور دوسروں کو فی الحال یا فی المآل اپنے سے بہتر سمجھے، اس کا ثمرہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بلند مرتبہ اور اونچا مقام عطا فرمائینگے۔
یہ وصف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس میں علیٰ وجہ الکمال موجود تھا، حضرت والا اپنے کو ایسا مٹائے اور فنا کئے ہوئے تھے کہ بالکل لاشئ محض سمجھتے تھے، ھیئت، وضع قطع، چال ڈھال قول و فعل اور تقریر تحریر سب سے یہ وصف نمایاں ہوتا تھا۔

چار پائی پر بیٹھنا گوارہ نہ فرماتے: آخر عمر میں اکثر چار پائی پر آرام فرما ہوتے اور اکثر

اسی پر بیٹھ کر عوام وخواص کو مستفید فرماتے لیکن جمعرات کو اساتذہ کی خصوصی اصلاحی مجلس ہوتی، اسمیں باوجود ضعف ونقاہت اور سخت علالت کے چارپائی سے نیچے فرش پر تشریف فرما ہوتے اور پھر بار بار فرماتے کہ مجھے آپ حضرات کے سامنے اوپر بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے، تمام اساتذہ کرام اوپر ہی آرام فرمانے پر اصرار شدید فرماتے مگر حضرت اس کو گوارہ نہ فرماتے حتیٰ کہ سب حضرت کے نیچے بیٹھنے سے دلگیر ہوتے، اگر حالت بہت خراب ہوتی اور نیچے آنے کی سکت نہ ہوتی تو چارپائی پر تشریف رکھتے ہوئے بار بار عذر فرماتے رہتے اور اساتذہ کے ساتھ بڑے ہی احترام سے پیش آتے اور اتوار کو جو مجلس عام ہوتی اس میں بھی حضرت چارپائی پر بیٹھنے کا عذر بار بار فرماتے کہ میں اپنی علالت اور ضعف کی وجہ سے لاچار ہوں ورنہ آپ حضرات سے بلند ہو کر بیٹھنے کو دل بالکل گوارا نہیں کرتا اور کئی بار تو یہاں تک فرماتے ہوئے سنا کہ ''میں آپ سب حضرات کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہوں اور آپ حضرات کو آنے سے نفع ہو یا نہ ہو مگر میں باطن میں ضرور نفع محسوس کرتا ہوں''۔ چنانچہ حضرت اس اجتماع کی بیحد قدر فرماتے اور کبھی ناغہ نہ ہونے دیتے، اگر بولنے کی طاقت نہ ہوتی تو خاموش لیٹے رہتے مگر مجلس ضرور ہوتی، سب لوگ کچھ دیر کے لئے حاضر ہوتے اور دعا کر کے اور مصافحہ کر کے جاتے اور حضرت والا کبھی فرمادیتے کہ نفع باطنی کے لیے بولنا ضروری نہیں، بغیر بولے بھی (یقیناً) نفع ہوتا ہے۔

چوکی پر بیٹھنے کی وضاحت: صحت کے زمانہ میں مجلس عام کے وقت ایک چوکی پر تشریف فرما ہوتے، اس کے بارے میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس ہی میں فرمایا کہ ''آپ حضرات سے اوپر ہو کر بیٹھنے کو طبیعت گوارا نہیں کرتی لیکن نیچے بیٹھنے میں دوسروں کو دیکھنے اور سننے میں تکلیف ہوگی اس لیے اس پر بیٹھ جاتا ہوں''۔

جب کوئی بزرگ شہر سے یا کراچی کے علاوہ کسی دوسرے شہر یا ملک سے تشریف لاتے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی عاجزی کے ساتھ ملتے اور دیر تک انتہائی متواضعانہ گفتگو فرماتے اور یہاں تک فرماتے ''حضرت! میں اس قابل کہاں؟ کوئی میری ملاقات

کو آئے، آپ نے مجھ پر بڑا ہی کرم فرمایا، میں خود ہی حاضر ہوتا مگر ضعف وعلالت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا''۔ اللہ! اللہ! کیا ٹھکانہ ہے تواضع کا۔

بچوں پر شفقت:

تواضع کا غلبہ اس قدر تھا کہ اتنی عظیم شخصیت ہونے کے باوجود چھوٹوں اور بچوں سے انتہائی شفقت فرماتے، اور بڑی محبت فرماتے، گھر کے بعض بچے ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے کے شوقین ہوتے تو حضرت والا آنے والے خطوط سے وہ ٹکٹ محفوظ رکھتے اوران کو عطا فرما کر انہیں خوش کرتے اوران سے بھی شفقت بھری گفتگو فرماتے۔

احقر حضرت رحمۃ اللہ کے پوتوں کے ہم عمر تھا، احقر کے ساتھ بھی بیٹوں اور پوتوں کی طرح بے انتہا شفقت فرماتے، ایک موقع پر اپنے صاحبزادگان سے یہاں تک فرمایا کہ یہ (یعنی احقر) میرے بیٹے ہی کی طرح ہے اور احقر اکثر نماز فجر کے بعد گھر جاتے ہوئے راستہ میں ملتا تو راستہ میں بڑی محبت سے مزاج پوچھتے اور اکثر یہ جملے ارشاد فرماتے ''ملا سکھر'' یا ''ملا مسکین'' کیا حال ہے؟ یہ جملے ایسی شفقت ومحبت بھرے انداز میں فرماتے کہ احقر کی روح اور رگ رگ وجد کر اٹھتی اور آج تک ان جملوں کی شیرینی قلب میں محسوس ہوتی ہے۔ آہ! اب یہ جملے سننے کے لیے کان بے قرار ہیں مگر کوئی کہنے والا نہیں!!

حضرت کی شان تواضع یہ ہے کہ ایک روز فرمانے لگے کہ بھئی آپ لفظ ''ملا'' سے دلگیر تو نہیں ہوتے؟ یہ لفظ تو بڑے بڑے علما کے لیے استعمال ہوتا تھا، احقر نے عرض کیا حضرت اس جملہ سے دلگیر ہونا کیسا؟ میں تو اس کو اپنے لیے بڑی سعادت سمجھتا ہوں، اس پر بہت خوش ہوئے، بعض مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی احقر پر اتنی شفقتیں ہوتیں کہ والدین کی شفقتیں بھول جاتا اور بے انتہا سکون اور عافیت محسوس ہوتی اللہ اللہ۔

ڈاکو کا واقعہ: ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ یہ واقعہ (جو ابھی آتا ہے) میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ حضرت گنگوہی

رحمہ اللہ سے سنا، واقعہ یہ ہے کہ ایک ڈاکو تھا ساری زندگی ڈاکہ زنی میں گذری جب بوڑھا ہو گیا جسم میں طاقت نہ رہی، اعصاب کمزور ہو گئے اور ڈاکہ ڈالنے سے عاجز ہو گیا تو فاقوں کو نوبت پہنچنے لگی اور گذر بسر کی کوئی صورت نہ رہی، آخر اس نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے، دوستوں نے مشورہ دیا کہ پیر بن جاؤ سبز رنگ کا تہبند، سبز رنگ کا چوغہ اور موٹے موٹے منکوں کی تسبیح اور ایک لمبا عصا لیکر کسی گاؤں کے باہر بیٹھ جاؤ اور یاد خدا میں مشغول رہو اور تصوف کی ایک دو کتاب مطالعہ میں رکھو اور جھاڑ پھونک شروع کرو، پھر دیکھو کیسی موج ہوتی ہے، پہننے کو کپڑے، کھانے کو طرح طرح کے کھانے، خدمت کے لیے ہمہ وقت خادم موجود ہونگے اور زندگی راحت سے گزرے گی کچھ کرنا نہ پڑے گا۔

اس نے ایسا ہی کیا اور پیر بن کر کسی بستی کے باہر درخت کے نیچے بیٹھ گیا، چند روز تک لوگوں نے کوئی توجہ نہ دی، مگر اس کے مستقل قیام اور شغلِ عبادت نے ان کے ذہنوں میں اُس کے بزرگ اور خدا رسیدہ ہونے کا خیال جما دیا، بستی میں کسی کا بچہ بیمار ہوا، دم کے لیے اسکے پاس آئے اور دم کرنے کی درخواست کی، اس نے دم کر دیا اور تعویذ لکھ دیا، بچہ تندرست ہو گیا، بچہ کا تندرست ہونا تھا کہ پوری بستی میں اُس کی بزرگی للّٰہیت کی شہرت ہوگئی اور لوگ اپنی مشکلات میں دعائیں کرانے کے لیے حاضر ہونے لگے اور نذرانے آنے لگے اور چند ہی روز میں اچھا خاصا کام چل گیا، دکان جم گئی، کھانے پہنچنے کی کمی نہ رہی، خدمت گار عقید تمند ہر وقت حاضر باش رہنے لگے اور زندگی بڑے آرام سے گزرنے لگی۔

جب اس کی بزرگی کی شہرت دور دور ہوئی تو کچھ مخلص لوگ بھی اللہ کا نام اور اس کا راستہ دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوئے اور بیعت ہو گئے اور خلوص سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے لگے اور یہ ڈاکو پیر ان کے اشکالات اور احوال کی اصلاح تصوف کی کتابوں کے ذریعہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ سب اپنے وقت کا کامل ولی ہو گئے اور مراقبہ کے ذریعہ ہر ایک کا مقام معلوم کرنے کے قابل ہو گئے، ایک روز ان سب نے سوچا اپنے حضرت کا مقام معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کس مرتبہ پر ہیں، چنانچہ سب کے سب مراقبہ میں بیٹھے اور دیر تک

اپنے شیخ کا مقام
دریافت کرتے رہے مگر سر توڑ کوشش کے باوجود ان کے مقام تک رسائی نہ ہوسکی، آخر مراقبہ سے نکلے اور سب اپنی اس حرکت پر نادم ہوئے اور کہنے لگے ہم سے سخت گستاخی ہوئی، ہم اس قابل کہاں کہ حضرت کا مقام معلوم کریں حضرت کا مقام اتنا بلند ہے کہ ہم میں اس کے معلوم کرنے کی استعداد ہی نہیں، چل کر حضرت سے معافی مانگنی چاہیے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری اس گستاخی سے یہ عطا شدہ دولت ہی چھن جائے۔

چنانچہ خلوت میں یہ سب اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گستاخی ذکر کر کے معافی چاہنے لگے، ڈاکو کی توبہ، صادق کا وقت آچکا تھا فوراً اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ٹپ ٹپ نیچے گرنے لگے اور اس نے کہا کہ تم لوگ میرا مقام کہیں اعلیٰ علیین میں تلاش کرتے ہونگے، میرا مقام تو کہیں اسفل السافلین میں ڈھونڈتے تو ملتا، میں تو ڈاکو ہوں، ساری زندگی ڈاکہ زنی میں گزری جب بوڑھا ہو گیا اور ڈاکہ ڈالنا بس میں نہ رہا تو زندگی گزارنے کے لیے یہ مصنوعی پیر بننے کا ڈھونگ رچایا اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو آپ کے خلوص کی بدولت نواز دیا ورنہ میری حقیقت اس سے زیادہ نہیں جو میں نے بیان کی اور یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور کہا میں آج صدق دل سے تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہوں، آپ حضرات بھی میرے لیے دعا کریں اللہ پاک مجھے معاف کردے اور میری توبہ قبول فرمائے، مریدین نے جب اپنے شیخ کا یہ حال سنا رنج وغم سے انکی چیخیں نکل گئیں اور وہ بھی سب رونے لگے اور دل سے اپنے شیخ کے لیے نہایت مضطربانہ دعا کرنے لگے۔ اللہ پاک نے ان کی دعاؤں کی برکت اور شیخ کی خالص توبہ سے شیخ کو اسی وقت اولیاء کاملین کی صف میں داخل فرمادیا۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا کہ ''ہمارے اکابر اپنے آپ کو اسی طرح ہیچ در ہیچ اور کسی قابل سمجھتے ہی نہ تھے حالانکہ سب کچھ تھے علم وعمل کے آفتاب وماہتاب تھے مگر اپنے کو بالکل مٹائے ہوئے تھے''۔

احقر عرض کرتا ہے کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا خود بھی یہی حال تھا، آپ سے زیادہ متواضع آج تک کسی کو نہ دیکھا، آپ پر ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہم العالی کا یہ ارشاد بالکل صادق آتا ہے کہ ''وہ تو امیر المتواضعین تھے'' چنانچہ کامل تواضع کا ثمرہ اللہ نے دنیا ہی میں ظاہر فرمایا کہ پاک وہند کی ممتاز ترین شخصیت ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ایک عالمی شخصیت بنایا تھا، اللہ پاک حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرما کر بے انتہا درجات بلند فرمائے آمین

(ص ۹۷۷ تا ۹۸۱)

(۱۷) یہ میری حقیقت ہے۔

حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

حاجی شیر محمد صاحب (خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمہ اللہ) اور یہ ناچیز تھانہ بھون گئے، حضرت مفتی صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے ایک دن حوض پر قریب قریب وضو کر رہے تھے، حضرت مفتی صاحب کو زکام تھا اور ناک کی ذرا سی آلائش بدن مبارک پر کہیں لگی ہوئی تھی، حاجی شیر محمد صاحب نے عرض کیا ''مفتی صاحب! یہ جگہ صاف فرمالیویں''۔ حضرت مفتی صاحب نے فوراً فرمایا ''یہ میری حقیت ہے''۔ (ص ۱۰۶۰)

(۱۸) ہمیں خدا کے گھر کے قرب وپڑوس میں جو راحت نصیب ہوتی ہے وہ سرکاری عمارات میں نہیں ہوتی:

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب مرحوم کا ظاہری وجسمانی ڈھانچہ ایک نحیف ونزار انسان کا سا تھا، پھر طبیعت میں اس قدر سادگی، فروتنی، عاجزی اور انکساری تھی کہ کوئی شخص پہلی منظر میں ان کو دیکھنے میں یہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ وہ عظیم شخصیت ہے کہ جس کو پاکستان میں ''مفتی اعظم'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہی اہل اللہ کا شیوہ وطریقہ ہے، ان کے سامنے دنیا کی

شان وشوکت، ظاہری ٹھاٹھ باٹھ، دنیوی سامان کی آرائش وزیبائش، ترفع وتنعم کی بودوباش اور کبر ونخوت کی نشست وبرخاست پر کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی، وہ ہمیشہ ''وبالآخرۃ خیر والبقی'' کے فارمولے کو اپنی عملی زندگی میں دہراتے رہتے ہیں اور دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری پر ہمیشہ نظر رکھتے ہیں۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز وساز رومی کبھی پیچ وتاب رازی (ص ۱۰۶۶)

سردار عبدالرب نشتر مرحوم نے اپنے دورِ اقتدار میں اسلامی قوانین کی تدوین کے لیے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ اور حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ کو دعوت دی دونوں حضرات روالپنڈی میں تشریف لائے، لیکن نشتر صاحب کے پر زور تقاضا کے باوجود کسی سرکاری بلڈنگ میں رہنا گوارا نہ کیا اور دونوں حضرات نے صاف صاف الفاظ میں کہا کہ ہمیں خدا کے گھر قرب وپڑوس میں جو راحت نصیب ہوتی ہے وہ سرکاری عمارات میں نہیں ہوتی چنانچہ سارے دن کی مصروفیات کار کے بعد اسلام کی یہ دونوں عظیم ہستیاں میرے غریب کدے پر تشریف لاتیں اور میرے پاس ہی رات کو آرام فرماتیں، فقیری میں بادشاہی کا نمونہ اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے کہ سردار عبدالرب نشتر بذات خود دونوں کو کار میں بٹھا کر میرے پاس چھوڑ جاتے تھے بندہ ہیچمدان ان دونوں حضرات کی ذرہ نوازی اور شفقت ورافت کے اس بارِ احسان سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور بتقاضائے بشریت جوان سے زلات ہوئے ان سے اپنی رحمت کاملہ سے درگذر فرمادے۔

؎ یارب وہ ہستیاں اب کس دیس بستیاں ہیں
کہ جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں (ص ۱۰۶۸)

(۱۹) ''اصول فقہ پر تمہارے دروس میں بھی شریک ہوا کروں گا''۔

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس) تحریر فرماتے ہیں:

دوسری صفت جس سے میں ہمیشہ متاثر ہوتا رہا، وہ ان کی وسعت قلبی تھی کہ چھوٹوں سے بھی کچھ سیکھنے میں کبھی خفیف ترین تذبذب نہ ہو، وہ بڑے فقیہ اور مستند مفتی تھے، ایک دن میں نے اصول فقہ پر کچھ سطحی خیالات ظاہر کرنے کے بعد (کہ یہ علم قانون میں مسلمانوں کی بہت بڑی جدّت تھی جس کا نہ یونانیوں اور رومیوں کو بھی خیال آیا اور نہ ہندیوں، چینیوں، مصریوں، بابلیوں کو) جب یہ عرض کیا کہ کاش کراچی میں کوئی دیوبند ثانی، کوئی بلند معیار کا علمی مدرسہ بن جائے تو میں بھی آں محترم کے دروس میں حاضر ہوا کروں، کیسے یقین آئے گا کہ مفتی صاحب رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ "اصول فقہ پر تمہارے دروس میں بھی شریک ہوا کروں گا" (ابھی دار العلوم بنا نہ تھا)

(ص ۱۰۸۰)

(۲۰) فروتنی است دلیل رسیدگانِ خدا:

مولانا لطافت الرحمن سواتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مرحوم کے قرب الٰہی اور خلوص وللّٰہیت اور طہارت قلب کی ایک دلیل یہ بھی تھی کہ اپنے تمام تر علمی عظمت ووقار اور ہر طرح کی عزت وافتخار اور مخدوم الکل واستاد الکل ہونے کے باوجود نہایت متواضع اور خاکسار طبیعت کے مالک تھے۔ خدام اور شاگردوں سے گفتگو یا برتاؤ میں کسی قسم کی برتری اور اپنے بڑے ہونے کا احساس دلانے کا موقع نہیں دیتے تھے۔ ایک بار مجھے مرحوم کے گھر کے قریب محلّہ والی مسجد میں ان کے ہمراہ ظہر کی نماز میں آنا جانا پڑا اور دونوں حالوں میں جب میں نے جوتے کو سعادت وبرکت جان کر اٹھایا تو انکار فرماتے رہے، غرض یہ کہ مرحوم کے افتاد طبع کی یہ فروتنی بھی عظمت ورفعت کا شاہد عدل تھی۔

فروتنی است دلیل رسیدگان خدا ، سوار چونکہ بہ منزل رسد پیادہ شود

(ص ۱۰۹۴)

(۲۱)۔حضرت مفتی صاحب کی سب سے ممتاز اور نمایاں خصوصیت:

استاد محترم حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحمہ اللہ (سابق ناظم تعلیمات جامعہ دارالعلوم کراچی) تحریر فرماتے ہیں:

ان خصوصیات میں سے ایک بہت ممتاز اور نمایاں خصوصیت جس کا ہر شخص مشاہدہ کرتا اور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، آپ کی طبعی سادگی اور بے تکلف زندگی تھی، نہ پہننے، اوڑھنے اور کھانے پینے میں کوئی تکلف تھا اور نہ رہن سہن میں کوئی کرو فر، پہلی بار آپ سے ملنے والا شخص آپ کی سادگی اور تواضع وانکساری دیکھ کر دنگ رہ جاتا کہ اس نے جو کچھ دیکھا وہ مفتی اعظم کی اس خیالی صورت اور وضع قطع کے بالکل خلاف ہے جو وہ اپنے ذہن میں بسا کر لایا تھا، نہ یہاں جبہ و دستار کا ہمہ وقت اہتمام تھا اور نہ گفتار و کردار میں کوئی تصنع و تکلف، ہر ایک کی ملاقات کے لیے دروازہ کھلا تھا، امیر وغریب کا کوئی امتیاز نہیں، سیدھی سادی گفتگو اور اخلاص وخیر خواہی میں ڈوبے ہوئے کلماتِ نصیحت۔ ہر آنے جانے والے سے خندہ پیشانی اور عاجزی سے پیش آنا، مسکرا کر بات کرنا، دوسرے کی بات کو پوری توجہ اور ہمدردی سے سننا، اگر کوئی حاجت مند ہے تو اس کی ضرورت کو پورا کرنے کی فکر کرنا، اس قدر علمی ثقافت وفقاہت اور جلالتِ شان کے باوجود ہر بات سے فروتنی وانکساری کا ظہور۔

یہ وہ اوصاف واخلاق تھے جو ہر ملنے والے کے قلب پر براہ راست اثر انداز ہوتے اور آپ کی برتری اور عظمت شان کا دل ودماغ پر گہرا نقوش چھوڑتے۔ دنیاداروں کا تو کیا گلہ آج اکثر اہل دین اور بڑے بڑے علماء کے یہاں بھی ان محاسن کا فقدان ہے۔ (ص ۱۱۰۲)

(۲۲) عاجزی وانکساری کی انتہاء:

آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی ام عطیہ عثمانی صاحبہ تحریر فرماتی ہیں:

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا تھا وہ کسی کی نظروں سے پوشیدہ نہیں، مگر اس کے باوجود آپ کا یہ حال تھا کہ عام آدمی کے مقابلے میں اپنے آپ کو نہایت

کمتر تصور فرماتے تھے۔ ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک مرتبہ جب میں ''لسبیلہ'' حاضر خدمت ہوئی (اس زمانے میں حضرت والد ماجد کا مستقل قیام لسبیلہ ہی میں تھا) تو کسی بات پر مجھ سے ناراض ہو گئے اور خفگی بڑھتی گئی، اس ناکارہ کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وجہ ناراضی کیا ہے، آپ کو راضی کرنے کی کوشش بھی کی لیکن خفگی برقرار رہی جس کی وجہ سے میں بہت غمگین تھی اور کسی کام میں جی نہ لگ رہا تھا، اچانک میرے منہ سے نکلا کہ ''مجھے تو ابتک یہی سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کی ناراضگی کی وجہ کیا ہے'' پھر شام کو میں ناظم آباد میں اپنی قیامگاہ پر واپس آ گئی آپ کی ناراضگی کا خیال دل کو بے چین کئے ہوا تھا اور کسی کل چین نہ ملتا تھا، دوسرے دن شام کے وقت پیغام ملا کہ والد مشفق رحمہ اللہ نے یاد فرمایا ہے، امید بیم کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ لسبیلہ پہنچی، دیکھتے ہی مسکراہٹ کے ساتھ سینے سے لگا لیا، اس وقت نماز مغرب قریب تھی، اس لیے فرمایا کہ نماز کے بعد بات کروں گا، پھر بعد نماز تنہائی میں لے جا کر فرمایا ''تو تو کل چلی گئی اور میں رات بھر نہ سو سکا وہ ایک جملہ جو تو آخر میں کہہ گئی تھی، اس کو سوچتا رہا اور آخر میں شرح صدر اسی پر ہوا کہ میری ناراضگی صحیح نہ تھی، اس وقت میں نے تجھے اس لیے بلوایا ہے کہ معافی مانگ لوں''۔ آپ کی بات سن کر میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور زبان سے کچھ نہ کہہ سکی تو فرمایا: ''یہ حق العباد کا معاملہ ہے، اس میں بڑے چھوٹے کی کوئی قید نہیں، اس لیے جب تک زبان سے معاف نہ کرے گی مجھے سکون نہ ملے گا'' تو میں نے کہا کہ ماں باپ کے لئے تو یہ شرط نہیں۔ (ص ۱۱۵۵)

(۲۳) حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ خود اپنی نظر میں:

آپکے بھانجے جناب محمد فخر عالم صدیقی صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

یہ کوئی اٹھارہ بیس سال پہلے کی بات ہے، حضرت رحمہ اللہ اپنے لسبیلہ کے مکان میں رہائش پذیر ہیں۔ ایک دن اچانک دل میں تکلیف شروع ہوئی جو لمحہ بہ لمحہ بڑھتی چلی گئی، ہم سب تیماردار اور خود حضرت رحمہ اللہ ہر آنے والے سانس کو غنیمت سمجھ رہے ہیں، حضرت رحمہ اللہ سمیت ہر شخص پر مایوسی کا عالم طاری ہے، ایسی کیفیت میں ہم جیسا کوئی سیہ

کار ہوتا تو نہ جانے کتنے دنیاوی بکھیڑوں میں ذہن الجھا ہوتا، اور موت کے ڈر سے خائف ولرزاں ہوتا مگر ''معارف القرآن'' جیسی عظیم الشان الہامی تفسیر کا مصنف ،سینکڑوں فقہی اور دینی کتابوں کا مؤلف نہ جانے کتنے علماء کا رہنما اور کتنے بزرگان دین کا چہیتا اور سند یافتہ یہ عالم بے بدل خود کو تہی دست سمجھ رہا ہے اور زار وقطار رو رہا ہے،اس بات پر نہیں کہ دنیا کا کوئی غم ہے، بلکہ اس بات پر کہ میں نے اپنی عمر یونہی گنوادی ،اُخروی زندگی میں نجات کے لئے کوئی کام نہیں کیا۔سب حاضرین بیک زبان دلداری کررہے ہیں کہ حضرت! آپ تو ایک آفتاب عالم تاب ہیں کہ جس کی ضیاء پاشیوں سے ایک عالم منور ہے،جس نے لاکھوں افراد کو راہ حق دکھائی ہے،آپ نے فُلاں فُلاں کتب تصنیف کی ہیں جو یقیناً قبولِ حق بھی ہیں حضرت رحمہ اللہ روتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ:'' کچھ نہیں کیا ،محض صفحے کالے کیے ہیں ،آخرت کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ،وہاں خالی ہاتھ جارہا ہوں''۔تمام موجود اولاد سے ملتجیانہ فرمارہے ہیں کہ:''میں نے حتّی المقدور تم لوگوں کی آسائش کے سامان فراہم کیے ،میرا تم پر صرف یہ حق ہے کہ ہر روز ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر مجھے بخش دیا کرو تا کہ میری اُخروی زندگی آسان ہو''۔(۱۱۵۹)

(۲۴)۔آپ حضرات کیوں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگوانا چاہتے ہیں؟

جناب اعجاز احمد خان سنگھانوی صاحب رقمطراز ہیں:

آپ کو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے بیعت واسترشاد اور اُنکی صحبت کے اثر سے اللہ تعالیٰ نے نام ونمود اور شہرت پسندی سے بے نیاز کردیا تھا۔

ایک مرتبہ مدرسہ اشرفیہ سکھر کے اربابِ حل وعقد کی طرف سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور احتشام الحق صاحب تھانوی مدظلہ کو وعظ کی دعوت دی گئی ،آپ یہ سمجھتے تھے کہ مولانا احتشام الحق صاحب کے ہوتے ہوئے ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن مدعوئین کا اصرار تھا،حضرت نے فرمایا کہ:''آپ حضرات کیوں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگوانا چاہتے ہیں؟ مولانا احتشام الحق صاحب کی تقریر کی موجودگی میں میری کیا ضرورت ہے''۔

اہل درخواست حضرات نے عرض کیا کہ:

حضرت مولانا احتشام الحق صاحب مدظلہ کو وعظ کے لیے اور آپ کو برکت کے لیے لے جانا چاہتے ہیں''۔ حضرت نے فرمایا کہ: ٹھیک ہے اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو میں حاضر ہوں''
(ص ۱۱۹۳)

(۲۵) کیا تم یہ باور کرسکتے ہو کہ یہ پاکستان کا مفتی اعظم ہے؟

شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم فرماتے ہیں:

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ رابسن روڈ کے مطب میں میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت حضرت محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ مطب کے سامنے سے اس حالت میں گزرے کہ ان کے دائیں طرف کوئی آدمی تھا اور نہ بائیں طرف، بس اکیلے جارہے تھے اور ہاتھ میں کوئی برتن اٹھایا ہوا تھا، حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت کچھ لوگ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے پوچھا یہ صاحب جو جارہے ہیں، آپ ان کو جانتے ہیں کہ یہ کون صاحب ہیں؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ کیا تم یہ باور کرسکتے ہو کہ پاکستان کا ''مفتی اعظم'' ہے؟ جو ہاتھ میں پتیلی لیے جا رہا ہے، اور اُن کے لباس و پوشاک سے، انداز و ادا سے، چال ڈھال سے کوئی پتہ بھی نہیں لگا سکتا کہ یہ اتنے بڑے علامہ ہیں (اصلاحی خطبات جلد ۵ ص ۳۷)

(۲۶)۔اس طرح کا ایک اور واقعہ۔

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حضرت مفتی عزیز الرحمان رحمہ اللہ کے حالات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ تواضع اور سادگی کا یہ وصف اللہ تعالی نے حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ جانشیں یعنی حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو بھی خوب عطا فرمایا تھا۔ آپ بھی اپنے علمی و عملی مقام بلند کے باوصف نہ صرف اپنا بلکہ محلّہ کے بے سہارا افراد اور عزیز وں رشتہ داروں کا کام خود کیا کرتے تھے اور آپ کو کسی کام سے عار نہ تھی، یہاں تک

کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ نے غایت شفقت کی بناء پر آپ سے فرمایا:

بھئی مولوی صاحب! دارالعلوم دیوبند کے مفتی ہو گئے ہیں، اس منصب کا بھی کچھ خیال کیا کریں، اب آپ کو پتیلی ہاتھ میں لیکر بازار میں نہیں پھرنا چاہیے۔

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت مدنی قدس سرہ کی اس تنبیہ پر مجھے خیال ہوا کہ میں واقعۃً اس منصب کی حق تلفی تو نہیں کر رہا" لیکن میرے اساتذہ ہی میں سے کسی نے حضرت مدنی قدس سے فرمایا کہ، پہلے مفتی صاحب (یعنی مفتی عزیز الرحمٰن صاحب) کا حال بھی تو یہی تھا"۔

اس پر حضرت مدنیؒ نے تبسم فرمایا۔ گویا فرمارہے ہوں کہ سادگی اور تواضع کی یہ ادا محبوب تو بہت ہے۔ البتہ لوگوں کے مزاج چونکہ بگڑ گئے ہیں، اس لیے قدرے احتیاط کی ضرورت ہے۔ (اکابر علماء دیوبند کیا تھے ص ۶۵)

(۲۷) "میرے ایسے نصیب کہاں تھے....؟"

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم اپنے سفر ہندوستان کی روئیداد میں تحریر فرماتے ہیں:

اور ہم (حضرت گنگوہیؒ) کی خانقاہ سے رخصت ہو کر حضرت گنگوہی قدس سرہ کے پوتے مولانا حکیم مسعود احمد صاحب مدظلہم العالی کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کا مکان خانقاہ کی پشت پر واقع ہے۔ حضرت مولانا نے انتہائی شفقت و محبت کا برتاؤ فرمایا۔

مجھے یاد ہے کہ میرے والد ماجد حضرت موالانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے پاس ان کے آخری ایام علالت میں حضرت حکیم صاحب موصوف کا ایک گرامی نامہ آیا تھا، حضرت والد صاحبؒ اس وقت خود جواب لکھنے سے معذور تھے، اس لیے احقر کو جواب لکھنے کا حکم دیا، احقر کو جواب لکھنے میں کچھ اپنی غفلت اور کچھ مصروفیت کی بنا پر ایک دن کی تاخیر ہوگئی، چنانچہ اگلے روز حضرت والد صاحبؒ نے اسکے جواب کے بارے میں

پوچھا تو احقر نے جواب دیا کہ "ابھی تک جواب نہیں لکھ سکا، انشاء اللہ آج لکھ دوں گا"۔ اس پر آپ نے سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "بندۂ خدا! اس کام کو تو سب سے مقدم سمجھ کر کرنا تھا، تمہیں معلوم نہیں کہ وہ کس کا خط ہے؟ میرے ایسے نصیب کہاں تھے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے پوتے کا خط میرے نام آتا" اور یہ کہہ کر آپ کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔

اگرچہ حضرت حکیم صاحب موصوف نے دارالعلوم میں حضرت والد صاحبؒ سے پڑھا ہے، اور وہ اپنے آپ کو حضرتؒ کا شاگرد ہی کہتے ہیں، لیکن حضرت گنگوہی کی نسبت سے حضرت والد صاحبؒ ان کے ایسا معاملہ فرماتے تھے جیسے اپنے اساتذہ اور شیوخ کے ساتھ۔ (جہانِ دیدہ ۵۲۸)

(۲۸) یہ منظر کیسا روح پرور تھا بیان نہیں ہو سکتا۔

آپ کے بھانجے محترم مولانا محمد فہیم عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحبؒ کی یہ عظمت اس وقت اپنی انتہائی بلندیوں کو چھوتی ہوئی نظر آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس قدر عظیم انسان ہونے کے باوجود آپ فروتنی اور انکساری کا پیکر تھے۔ حضرت کی فروتنی اور انکساری کا بھی ایک روح پرور منظر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

حضرت مفتی صاحبؒ لاہور تشریف لائے ہوئے تھے، آپ کا معمول تھا کہ لاہور میں جب تک قیام رہتا شام کے وقت ادارۂ اسلامیات ضرور تشریف لاتے تھے۔ مشتاقان زیارت کا بھی شام کے وقت وہیں ہجوم رہتا۔ ایک روز ایسی ہی ایک شام راقم الحروف بھی زیارت کے لیے پہنچا تو دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب کسی کا فون نمبر ملا رہے ہیں، کال ملی تو اندازہ ہوا کہ حضرت مولانا داؤد غزنوی (مشہور اہلحدیث عالم دین) سے گفتگو مقصود ہے، رابطہ قائم ہوا اور حضرت مفتی صاحب نے گفتگو شروع کی تو سننے اور دیکھنے والے حیرانی سے تک رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کے طرز تخاطب سے ایسا اندازہ ہوتا تھا جیسے کوئی بہت معمولی آدمی کسی بڑی ہستی سے مصروف گفتگو ہے۔ حضرت مفتی صاحب فرما رہے تھے: اگر آپ

اجازت مرحمت فرمائیں تو زیارت کے لیے حاضر ہونا چاہتا ہوں'' دوسری طرف سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جواب میں اسی کا اظہار ہو رہا تھا کہ'' آپ تکلیف نہ فرمائیں میں خود حاضر ہوتا ہوں'' اب مفتی صاحب کی طرف سے بار بار کہ میں خود حاضر ہو رہا ہوں۔ دوسری طرف مولانا داؤد غزنوی کو کسی طرح سے گوارا نہیں کہ حضرت تکلیف فرمائیں وہ اس پر بضد ہیں کہ آپ چند منٹ توقف فرمائیں، مجھے اپنی خدمت میں پہنچا ہی سمجھئے۔ بالآخر مولانا داؤد غزنوی نے اپنی ضد پر اصرار کرتے ہوئے مفتی صاحب کے جواب کا انتظار کئے بغیر فون بند کر دیا اور تھوڑی دیر میں ادارہ اسلامیات میں کھڑے نظر آئے۔ اب دونوں کی ملاقات کا منظر بڑا دیدنی تھا، ایک دوسرے کے آگے بچھے جا رہے تھے، معانقہ کے بعد کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھے تو دونوں ہی اسی طرح مؤدب کہ دیکھنے والا حیران۔ شاید کوئی شاگرد بھی اپنے استاد کے سامنے اس طرح بیٹھتا ہوگا۔ بات چیت شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ حضرت مفتی صاحب نے مولانا داؤد صاحب کے بارے میں کوئی خواب دیکھا وہ سنانا مقصود تھا، پورا خواب تو اب میرے ذہن سے نکل گیا، اتنا یاد ہے کہ حضرت مولانا داؤد غزنوی کے بارے میں روضہ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام پر حاضری اور سلام پیش کرنے کا ذکر تھا۔ حضرت مفتی صاحب جواب سناتے جا رہے تھے اور مولانا غزنوی کی آنکھوں سے فرطِ جذبات سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بیان کرتے کرتے مفتی صاحب کی آواز بھرا گئی۔ ان دونوں حضرات کی یہ کیفیت دیکھ کر ارد گرد بیٹھے ہوئے تقریباً ہر شخص پر رقت طاری تھا۔ یہ منظر کیسا روح پرور تھا بیان نہیں ہوسکتا۔ (بیس علماء حق ص ۲۸۴)

(۲۹) ''میں نے انہیں خشیت الٰہی سے لرزتے اور کانپتے دیکھا۔''

مولانا کوثر نیازی مرحوم آپ کے تذکرہ میں یوں رقمطراز ہیں:

علم ظاہر سے تو اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں کتنے ہی لوگوں کو سرفراز فرمایا مگر وہ ہستیاں ہر دور میں خال خال ہی نظر آتی ہیں جو علم ظاہر کے ساتھ ساتھ علم باطن سے بھی آراستہ ہوں۔

حضرت مفتی صاحب کی ذات لاریب اسی دوسرے گروہ میں شامل تھی وہ حکیم الامت حضرات مولانا اشرف علی تھانوی کے باقاعدہ خلیفہ مجاز تھے، بہت سے لوگ ان سے بیعت بھی تھے مگر معروف پیروں کا انداز انہیں چھو تک نہیں گیا تھا وہ عقیدت مندوں کی محفل میں بھی اس تواضع اور عاجزی سے بیٹھتے تھے جیسے ان میں سے ہر ایک ان کا پیر ہے، کبھی اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے اور دوسروں پر ٹھونسنے کی ادنیٰ سی جھلک بھی اپنی سینکڑوں حاضریوں میں نہیں پائی۔ تنہائی میں جب کبھی بیٹھنے کا اتفاق ہوا میں نے انہیں خشیت الٰہی سے لرزتے اور کانپتے دیکھا، غیبت اور گلے کا ان کی محفل میں کیا گزر! ہر وقت یہی دھڑ کا لگا رہتا تھا کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو جائے۔ ضرورت دینی سے تنقید بھی کرتے تو اس اخلاص اور دل سوزی کے ساتھ کہ اگلے کی تنقیص کے بجائے خیر خواہی کا رنگ پیش نظر رہتا۔'' دیوبندی ہی نہ تھی دیوبند کے شیوخ میں سے تھے لیکن دوسرے مسلک کے اکابر کا ہمیشہ احترام کرتے ،میں نے بارہا ان کی زبان سے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کے عشق رسول ﷺ کا اقرار واعتراف سنا۔

کراچی کے دو دینی دارالعلوم بہت پائے کے ہیں ایک آپ کا قائم کردہ ،دوسرا حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم کا جاری کردہ۔ فتنہ معاصرت ایسی بری چیز ہے کہ کم ہی لوگ ہر دور میں اس سے محفوظ رہے مگر محب ومحبوب کے جو تعلقات ان دونوں بزرگوں کے مابین قائم دیکھے کم ہی ان کی مثال کہیں اور دیکھنے میں آئی ہے اور یہ نتیجہ تھا صرف اور صرف ذوق تصوف اور تزکیہ باطن کا جس کے بعد دل میں بغض وحسد اور عداوت ورقابت کے روگ راہ ہی نہیں پاتے۔ (بیس علماء حق ۲۹۱)

(۳۰) ''یہ مولوی عبدالحکیم مجھ سے بڑھے ہوئے ہیں''۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:

''ہزاروں مریدین میں کوئی ایک ایسا بھی مرید ہوتا ہے جو اپنے شیخ سے بڑھ جاتا ہے ،لیکن یہ بہت قلیل ہوتا ہے، پھر (اپنے خلیفہ مجاز) مفتی عبدالحکیم صاحب سکھروی کی

طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ مولوی عبدالحکیم مجھ سے بڑھے ہوئے ہیں، جب یہ موجود ہوا کریں تو مجھ سے دعا کرانے کے بجائے ان سے دعا کے لئے کہا کرو۔''

(کاروان تھانوی ص ۲۵۸)

مجاہد ملت حضرت مولانا اطہر علی سہلٹی رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ) کے واقعات۔

(۱) ''باوجود خدام کے موجود ہونے کے حضرت بنوریؒ کے پاؤں دبائے''۔

جامعہ امدادیہ کے سابق محدث جناب مولانا قطب الدین صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ محدث العصر حضرت علامہ یوسف بنوریؒ کشور گنج تشریف لائے حضرتؒ نے موصوف کی بڑی تعظیم وتکریم کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا۔ علامہ موصوف جب رات کو آرام فرما ہوئے تو کیا دیکھتا ہوں کہ باوجودیکہ خادم خدام موجود ہیں مگر خود حضرت رحمہ اللہ انکے پیر دبانے لگے اور

موصوف بلا جھجک آرام فرماتے رہے لیکن تھوڑی دیر بعد اٹھ کر آپ نے حضرت رحمہ اللہ کے پیر دبانا شروع کر دیئے۔ تو بحیثیت مہمان ہونے کے آپ نے اس سے انکار کیا مگر انہوں نے نہیں مانا۔ اس قسم کا بے تکلفانہ اور عقیدت مندانہ واقعہ آپکی زندگی میں صرف ایک ہی نہیں بلکہ بکثرت ہیں۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اگر چہ یہ حضرات مختلف ممالک اور مختلف مقامات کے رہنے والے تھے لیکن عقیدت ومحبت اور تعلق قلبی کے اعتبار سے گویا مختلف القالب اور متحد القلب تھے، ہزاروں میل کی مسافات طے کر کے ہمیشہ ایک دوسرے سے زیارت وملاقات کرتے تھے۔ ہر اہم معاملہ میں ایک دوسرے کو بے تکلفی کے ساتھ نرم وگرم سخت وسست کلمات کہنے سے ہی گریز نہیں کرتے۔ ایک دوسرے کی غمی وخوشی مین برابر شریک ہوتے رہتے اور دعائیں دیتے۔ (حیات اطہر ص ۱۸۴ تا ۱۸۵)

(۲) ایک عبرت آموز واقعہ۔

جامعہ امدادیہ کے سابق محدث حضرت مولانا قطب الدین صاحب مدظلہ کا بیان

ہے کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ آپ ہمیشہ اساتذہ ءجامعہ کو جمع کر کے نصیحت فرمایا کرتے۔انکی غلطی پر کبھی کبھی بلاتعین عام طور پر قدرے سخت وست کلمات استعمال فرماتے۔آپکا یہ طرز اصلاح بعض اساتذہ کو ناگوار گزرتا۔لیکن آپکے سامنے لب کشائی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی۔

مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ہمت کر کے عرض کیا کہ حضرت!سب اساتذہ تو قصوروار نہیں۔لہذا بلاتعیین سب کو برا بھلا کہنے میں جو خطاء سے بری ہے اسے ناگوار گزرتا ہے۔حضرت رحمتہ اللہ کو یہ بات بہت پسند آئی اور ساتھ ساتھ اپنے اس عیب کی اصلاح کے درپے ہوگئے۔مولانا موصوف سے فرمایا کہ کس انداز پر بات کی جائے اس سلسلہ کا ایک نوٹ پیش کردیجئے تاکہ اُسے دیکھ کر باتیں کرسکوں۔آخر مولانا موصوف نے دفعات ستہ پیش کئے تو حضرت رحمتہ اللہ نے انہیں کاتب کے ذریعے تحریر کرواکر اس میز پر چپکا دیا جسکو سامنے رکھ کر آپ مجلس الاساتذہ میں خطاب فرماتے تھے تاکہ اساتذہ سے باتیں کرتے وقت اسے سامنے رکھ کر باتیں کرسکیں۔یہ تھا آپ کے اخلاص وللّٰہیت اور خداترسی کا ایک ادنیٰ نمونہ۔ (بحوالہ بالاص ۱۹۶۔۱۹۷)

(۳)''اپنے ہاتھوں سے نالے صاف کیے''۔

آپ کی حکمت عملی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ اگر کسی سے کوئی کام لینا منظور ہوتا تو آپ سب سے پہلے اس کام میں لگ جاتے۔کام کتنا مشکل کیوں نہ ہو آپ مطلقاً اس کی پرواہ نہ کرتے۔حتیٰ کہ نالے گندگی دور کرنے میں بھی سب سے پیش پیش رہتے اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ طلبا اساتذہ اور معتقدین حضرات بطیب خاطر سب کے سب اس طرح شریک کار ہوجاتے کہ آپس میں مسابقت شروع ہوجاتی۔چنانچہ ایک مرتبہ اسٹیشن روڈ کے نالے میں گندگی جمع ہوکر لوگوں کو کافی تکلیف پہنچ رہی تھی خصوصاً شہیدی مسجد کے مصلیوں کو،تو آپ نے بذات خود سب سے پہلے صفائی کا کام انجام دینا شروع کیا۔چنانچہ یہ منظر دیکھ کر طلبہ اساتذہ اور عام مصلی بیٹھے نہ رہ سکے۔سب کے سب شریک کار ہو

کرتھوڑے ہی وقت میں تمام نالہ صاف کردیا اور سب لوگوں کو تکلیف سے نجات مل گئی۔

(ص ۲۱۰۔۲۱۱)

(۴) تواضع وفنائیت کے عجیب واقعات۔

تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے کو بالکل لاشئی اور ہیچ سمجھ کر تواضع اختیار کرے۔اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے۔اس کی اصل مجاہدہ نفس ہے۔کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے ''خاکسار''،''نیازمند''،''ذرہ بے مقدار'' کہے۔بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرہ بے مقدار سمجھ کر برا بھلا کہے اور ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو۔اور نفس کو یوں سمجھا لو کہ تو واقعی ایسا ہی ہے پھر کیوں برا مانتا ہے۔اور اگر کسی کی برائی سے کچھ رنج واثر نہ ہو،تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح وذم برابر ہو جائے۔مطلب یہ کہ عقلاً برابر ہو جائے۔طبعاً تو مساوات ہو نہیں سکتی۔کیونکہ یہ غیر اختیاری امر ہے۔البتہ اختیاری امور میں تواضع اختیار کرنا چاہیے۔

اللہ کے لیے تواضع اختیار کرنے کی بڑی فضیلت حدیث شریف میں آئی ہے۔چنانچہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

من تواضع لله رفعه الله ۔ انا عند المنكسر قلوبهم

(ترجمہ) جو شخص اللہ کے واسطے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مقام ومرتبہ کو بلند کر دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔مجھے (تلاش کرو) ان لوگوں کے پاس جو متواضع اور ٹوٹے ہوئے دل والے ہیں۔

شاعر کہتا ہے۔

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال　　　　که چون سوار بمنزل رسد پیادہ شود

تفصیلات ماسبق کے پیش نظر اگر حضرت۔۔۔کی زندگی پر نظر کی جائے تو آپ سراپا متواضع نظر آتے ہیں عبرت کے لیے دو چار واقعے ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

(۱) جامعہ امدادیہ کے سابق محدث حضرت مولانا قطب الدین صاحب زید مجدہ، کا بیان

ہے کہ میں جب بھی آپکی سوانح عمری مرتب کرنے کے سلسلے میں آپ سے اجازت مانگتا تو آپ سخت ناگواری کے ساتھ انکار فرمایا کرتے۔

(۲) جامعہ کے سابق کے استاد جناب ماسٹر عبدالرشید صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت فرمایا کرتے کہ سوانح تو آدمی کی مرتب کی جاتی ہے۔ میں تو آدمی نہیں۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ مجھے کیڑے مکوڑے کھالیا کریں۔

(۳) جامعہ امدادیہ کے استاد جناب مولانا عبدالسبحان صاحب فرماتے ہیں کہ ایک رات حضرت نماز مغرب کے بعد شہیدی مسجد کے اندر اوابین پڑھ رہے تھے۔ پیچھے سے ایک شخص نے راحت رسانی کے لیے پنکھا شروع کردیا۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت نے اُسے ڈانٹا اور فرمایا کہ "خدا کا غلام ہوں، معبود کے سامنے کھڑا ہوں۔ کیا غلام کو معبود کے سامنے اتنی حیثیت ہے کہ اس کی خدمت کی جائے۔

(۴) ایک مرتبہ کے مجمع عام میں حضرتؒ نے فرمایا کہ تم مجھے اتنا بڑا خیال کرتے ہو۔ حالانکہ میں اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں۔ سبحان اللہ! گویا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے اسلاف کی تواضع اور کسر نفسی کا نقشہ اتار دیا۔ چنانچہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر میں اپنے کو کتے سے بدتر ہونے کا خیال اظہار فرمایا۔

زمن دارد سگ نصرانیاں عار   کہ ہست او بے گناہ و من گنہگار

''یعنی مجھے نصرانیوں کے کتے پر شرم محسوس ہوتی ہے کہ وہ بے گناہ ہیں اور میں گنہگار ہوں''۔ جب تک انسان اپنی خودی کو نہ مٹا سکے گا تب تک نہ مرتبہ فنائیت وکمال کو پہنچ سکتا ہے اور نہ وہ اس قسم کی تواضع اختیار کرسکتا ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے   کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے۔

اسی طرح اور ایک شاعر کہتا ہے

جب خودی اپنی مٹایا   تب خدا ہم سے ملا

تواضع کے اس مقام پر آدمی کو مدح وذم یکساں نظر آتا ہے اسی کو مرتبہ فنائیت سے تعبیر کیا جاتا

ہے چنانچہ اسی مقام پر پہنچنے کے بعد قطب العالم امام ربانی حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرو مرشد سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے گرامی نامہ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت! میں ہی کون ہوں اور میری حالت ہی کیا ہے۔ اتنا ہی سمجھتا ہوں کہ نصوص شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہیں آتا اور میرے سامنے مادح اور ذام یکساں معلوم ہوتا ہے''۔

(۵) جامعہ کے سابق محدث حضرت مولانا قطب الدین صاحب مدظلہ، فرماتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قادری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۷۴ء میں جب بنگلہ دیش سفر کو تشریف لائے تھے۔ دوران سفر سلہٹ جانا ہوا اس وقت آپ نے بھی ہاتھ بڑھا دیا

اس پر میں نے سوال کیا کہ آپ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز بیعت ہونے کے باوجود دوبارہ کیوں بیعت ہو رہے ہیں۔ حالانکہ وہ آپکے پیر بھائی ہیں فرمایا کہ ''اگر وہ پار ہو جائے اور میں رک جاؤں تو ان کے وسیلہ سے میرا بیڑا ہی پار ہو جائیگا۔ یہ واقعات بلاشبہ آپکی تواضع اور بے نفسی کی واضح دلیل ہیں۔ (ص ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰)

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) ''صغائر نوازی کی عجیب مثالیں''

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم آپکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت بنوریؒ کی وفات یوں تو پوری ملت کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے، لیکن احقر اور برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلھم کے لئے یہ ایسا ہی ذاتی نقصان ہے جیسے مولاناؒ کے قریبی اعزہ کے لئے۔ اسلئے کہ وہ ہم پر اس درجہ شفیق اور مہربان تھے کہ الفاظ کے ذریعہ ان کا بیان ممکن نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے بیس سال تک حضرت مولاناؒ کی صحبتیں عطا فرمائیں۔ صرف علمی محفلوں ہی میں ہی نہیں، نجی مجلسوں اور سفر و حضر میں بھی مولانا کی معیت نصیب ہوئی۔ مولانا کی شفقتوں کا عالم یہ تھا کہ وہ ہماری کمسنی کا لحاظ

کرتے ہوئے خود بھی بچوں میں بچے بن جاتے تھے۔
۱۹۶۵ء میں حضرت والد صاحبؒ اور مولاناؒ نے مشرقی پاکستان کا ایک ساتھ تبلیغی سفر کیا، یہ ناکارہ بھی ہمراہ تھا۔ سلہٹ میں ہمارا قیام مجد الدین صاحب مرحوم کے صاحبزادے محی السنۃ صاحب کے یہاں تھا۔ سلہٹ بڑا سرسبز اور شاداب اور خوبصورت علاقہ ہے، لیکن یہاں پہنچنے کے بعد مسلسل علمی اور تبلیغی مجلسوں کا ایسا تانتا بندھا کہ جس کمرے میں آ کر اترے تھے، وہاں سے باہر نکلنے کا موقع ہی نہ ملا، یہاں تک کہ جب اگلے دن فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت والد صاحبؒ نے اسی کمرے میں اپنے وظائف شروع کر دیئے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ ذرا مہلت ملے تو حضرت والد صاحبؒ سے اجازت لے کر کہیں ہوا خوری کے لئے باہر چلا جاؤں۔ مولاناؒ نے میرا یہ ارادہ بھانپ لیا اور خود ہی بلا کر پوچھا "کیا باہر جانا چاہتے ہو" مجھے مولاناؒ نے بے تکلف بنایا ہوا تھا، میں نے عرض کیا حضرت ارادہ تو ہے مگر آپ بھی تشریف لے چلیں تو بات بنے۔ بس یہ سننا تھا کہ مولاناؒ اپنے معمولات کو مختصر کر کے تیار ہو گئے اور خود ہی حضرت والد صاحبؒ سے فرمایا ذرا میں تقی میاں کو سیر کرالاؤں۔ چنانچہ باہر نکلے اور تقریباً گھنٹہ بھر تک مولاناؒ اس ناکارہ کیساتھ کبھی چائے کے باغات میں، کبھی شہر کے اونچے اونچے ٹیلوں پر گھومتے رہے، سلہٹ کے علاقے میں نباتات اس کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ ایک گز زمین بھی خشک تلاش کرنی مشکل ہے۔ مولاناؒ جب کوئی خاص پودا دیکھتے تو اس بارے میں معلومات کا ایک دریا بہنا شروع ہو جاتا، اس پودے کا اردو میں یہ نام ہے عربی میں یہ نام ہے فارسی اور پشتو میں فلاں نام ہے، اور اس کے یہ یہ خصائص ہیں۔ غرض یہ تفریح بھی ایک دلچسپ درس میں تبدیل ہوگئی۔ مجھے بعد میں خیال بھی ہوا کہ مولاناؒ کے گھٹنوں میں تکلیف ہے، اور میں نے خوامخواہ مولاناؒ کو زحمت دی، چنانچہ میں نے کئی بار اپنی جسارت پر معذرت کی لیکن مولاناؒ ہر بار یہ فرماتے کہ "مناظر قدرت اللہ کا بہت بڑا عطیہ ہیں اور انہیں دیکھ کر نشاط حاصل کرنے کا شوق انسان کا فطری تقاضا ہے۔ تمہاری وجہ سے میں بھی ان مناظر سے محظوظ ہو

گیا'' اور پھر جتنے دن سہلٹ میں رہے، روزانہ فجر کے بعد یہ معمول بن گیا۔ مولاناؒ کے زیر سایہ سہلٹ کی یہ سیر تفریح کی تفریح ہوتی، اور درس کا درس ہوتا، مولاناؒ کو معلوم تھا کہ احقر کو عربی سے لگاؤ ہے۔ اس لئے مولاناؒ اس دوران عربی ادب کے لطائف وظرائف بیان فرماتے۔ نادر اشعار سناتے، شعراء عرب کے درمیان محاکمہ فرماتے، اور اس تفریح میں نظروں کے ساتھ قلب وروح بھی شاداب ہو کر لوٹتے تھے۔

اسی طرح ایک مرتبہ برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم (مہتمم دارالعلوم کراچی) ڈھاکہ میں حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ تھے، مولاناؒ بھی تشریف فرما تھے، مولاناؒ نے خود بھائی صاحب سے فرمایا کہ چلو تمہیں چاٹگام کی سیر کرا لاؤں۔ چنانچہ والد صاحب سے اجازت لے کر مولاناؒ اور بھائی صاحب ڈھاکہ چاٹگام روانہ ہو گئے۔ ریل میں جگہ تنگ تھی، اور ایک ہی آدمی کے لیٹنے کی گنجائش تھی۔ مولاناؒ نے بھائی صاحب کو لیٹنے کا حکم دیا، لیکن بھائی صاحب نہ مانے، تو انہیں زبردستی لٹا دیا، اور خود ان کی ٹانگوں کو اس زور سے پکڑ کر ان کے پاؤں کی طرف لیٹ گئے کہ وہ اٹھ نہ سکیں، اپنے ایک شاگرد کے ساتھ یہ معاملہ وہی شخص کر سکتا ہے جسے اللہ نے حقیقی تواضع کے مقام بلند سے سرفراز کیا ہو۔

(نقوش رفتگاں ص ۹۵،۹۶)

(۲) ''عالی ظرفی، بے نفسی اور ایثار واخفاء کے بے نظیر واقعات''

آپ کے خادم خاص حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ویسے تو حضرت مولاناؒ کے اخلاص، علوظرف اور ایثار وغیرہ آپ کے ان مناقب عالیہ میں سے ہیں جن کا نہ صرف مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی چوبیس سالہ تاریخ کے ایک ایک واقعہ سے اظہار ہوتا ہے بلکہ اس یادگار نمبر کے تقریباً ہر مقالہ نگار کے مقالہ میں یہ درخشاں صفات آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہیں تاہم چند ایسے بے نظیر واقعات ہیں جن کے اظہار نہ کرنے کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حق تلفی کہا جا سکتا ہے۔

(۱) مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی نیوٹاؤن میں بنیاد رکھنے اور کام شروع کرنے کے بعد پہلا سال ا

نہائی بے سروسامانی، کس مپرسی، اور تہی دستی کا زمانہ تھا اس زمانے میں آپ جس قدر فکر مند رہے اور جو مشقتیں آپ نے برداشت کیں انکا حال آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں، مگر اس کے باوجود ایثار، بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ الف سے یا تک مدرسہ کے تمام چھوٹے بڑے کام خود انجام دیتے تھے مگر مدرسہ کا مہتمم بناتے ہیں حضرت حاجی محمد خلیل صاحبؒ کو صرف ان کی پاک دامنی، نیک نیتی، اور للّٰہیت کی وجہ سے اور اپنی کارکردگی کو چھپانے کی غرض سے ورنہ اندر باہر کے سب لوگ جانتے تھے کہ مہتمم درحقیقت حضرت مولاناؒ خود ہیں۔

(۲) قیام مدرسہ کے دوسرے سال جب مدرسہ میں دورۂ حدیث شریف بھی شروع ہو جاتا ہے اور اساتذہ کا اضافہ ناگریز ہو جاتا ہے تو اپنے ذی علم مخلص دوستوں میں سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافعؒ کو مدرسہ میں بلاتے ہیں تو انہی کو صدر مدرس اور شیخ الحدیث بناتے ہیں۔ اور بخاری شریف پڑھانے کو دیتے ہیں حالانکہ اس زمانہ میں بھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری شریف کی شہرت تھی اور تمام اہل علم اس کا اعتراف کرتے تھے ۔ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص وتواضع کی اعلیٰ مثال ہے۔

(۳) جب حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی للّٰہیت، خلوص، اور نیک نیتی کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مدرسہ کو ظاہری، باطنی، اور مادی ومعنوی خوبیوں کے لحاظ سے انتہائی بام عروج اور اوج ترقی پر پہنچا دیا۔ اور یہ مدرسہ نہ صرف پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام کی دنیائے علم وفضل میں بے نظیر جامعہ اور عظیم معہد علمی کی حیثیت سے منظر عام پر آ گیا تو بعض شہرت پسند اور جاہ پرست لوگوں نے چاہا کہ اس عظیم دینی ادارہ کی ترقی کو اور بامِ عروج تک پہنچانے کو اپنے کھاتہ میں کیوں نہ ڈالیں۔

لیکن حق تعالیٰ نے حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کو کس قدر عظیم حوصلہ اور عالی ظرف عطا فرمایا تھا اور شہرت ونام ونمود سے کس قدر متنفر بنایا تھا، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب آپ کے سامنے اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ہوا تو کس قدر سکون اطمینان سے فرماتے ہیں کہ" اگر کوئی اپنی طرف نسبت کرنے سے خوش ہوتا ہے تو کرنے دو ہم نے جو کچھ کیا ہے اللہ کے

لئے کیا ہے''۔

سبحان اللہ! کس قدر عظیم ہے یہ بے نفسی ،اور کس قدر عظیم ہے یہ عالی ظرفی ،اور کس قدر عظیم ہے یہ خلوص کہ شہرت ونام ونمود کے شائبہ سے بھی پاک ہے اور کس قدر عظیم ہے یہ للّٰہیت اور تعلق مع اللہ۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ اس کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے کہ آپ کو''مہتمم'' یا ''صدر مدرس'' یا ''شیخ الحدیث'' کہا یا لکھا جائے۔

فرمایا کرتے تھے کہ'' واللہ میں نے یہ مدرسہ اس لئے نہیں بنایا کہ مہتمم یا شیخ الحدیث کہلاؤں'' جلال میں آ کر فرماتے ،اس تصور پر لعنت ، پھر فرماتے کہ اگر کوئی مدرسہ کے اہتمام اور بخاری شریف پڑھانے کا کام اپنے ذمہ لے لے تو مجھے خوشی ہوگی اور میں ایک عام خام کی طرح سے مدرسہ کا ادنیٰ سے ادنیٰ کام کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کروں گا۔

(''بینات'' حضرت بنوری نمبر ص ۲۳۰، ۲۳۱)

(۳) ''حقیقی عظمت''۔

ڈاکٹر غلام محمد صاحب۔کراچی۔تحریر فرماتے ہیں۔

مولانا شہرت وعظمت کے جس بلند رتبہ پر پہنچ چکے تھے،اس نقطۂ عروج پر پہنچ کر ایک "غیر انسان''اپنی رائے سے ایک انچ ہٹنا گوارا نہیں کرتا۔مگر مولانا کی حقیقی عظمت یہی تھی کہ فی اعین الناس کبیراً(لوگوں کی نگاہ میں بڑے ہوکر ہمیشہ فی اعینی صغیراً (اپنی نگاہ میں چھوٹے)ہی رہے۔انہیں اپنی رائے سے رجوع کرنے اور اپنے مخالف سے،وجہ مخالفت کے ہٹ جانے پر مل لینے میں ذرہ برابر تامل نہ ہوتا۔یہ ان کی بے نفسی اور صاف دلی کی کھلی علامت تھی۔اس کا مشاہدہ راقم الحروف کو اپنی ایک سالہ ماہنامہ''بینات'' سے وابستگی کے دوران خوب ہوتا رہا۔ایک مرتبہ مسئلہ مشین کے ذریعہ جانوروں کے ذبیحہ کے جائز وناجائز ہونے کا درپیش تھا۔اس مسئلہ کو مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر برھان (دہلی) نے اٹھایا تھا۔اور اس کے جواز پر دلائل قائم کیے تھے۔پاکستان میں بعض جلیل القدر اہل افتاء کا

رجحان (فیصلہ نہیں) اس کی تائید میں موصول ہوا تھا۔ مولانا بنوری کے سامنے جب یہ سب چیزیں آئیں تو وہ بھی غیر تحریری طور پر اس کے جواز کے مؤید ہو گئے۔ مگر ایسے میں مولانا مفتی محمود صاحب نے اس کے خلاف یعنی مشین کے ذبیحہ کے عدم جواز میں ایک مدلّل تحریر مولانا کی خدمت میں بھیج دی۔ جب مولانا نے یہ دلائل پڑھ لیے تو اور فرمادیا کہ مفتی صاحب کے دلائل قوی ہیں۔ مشین کا ذبیحہ درست نہیں۔

اس سے بڑھ کر ایک اور واقعہ سنئے۔ راقم الحروف کی ادارتِ بینات کے زمانہ میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن صدر اسلامک ریسرچ انسٹیٹوٹ کی طرف سے سود کے جواز پر بعض تحریریں شائع ہوئیں۔ ''بینات'' نے ڈاکٹر صاحب کا تعاقب اس علمی قوت سے کیا کہ وہ مضطرب ہو کر مولانا بنوری سے تنہائی میں ملاقات کے طالب ہوئے۔ ملاقات کا وقت متعین ہو گیا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے کہلوایا کہ ان کے ساتھ صرف ان کے ماہنامہ ''فکر ونظر'' کے مدیر فاطمی صاحب ہوں گے۔ مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ پھر آپ بھی بحیثیت مدیر ''بینات'' گفتگو میں شامل رہیں۔ چنانچہ مولانا کی قیام گاہ پر ہم چاروں کے درمیان گفتگو ہوئی۔ مولانا نے نہایت مومنانہ صفائی اور قوت سے اپنا اختلاف پیش کیا۔ ڈاکٹر نے بڑی چابکدستی سے پہلے تو تاویلات کیں کہ اصل مضامین انگریزی میں تھے۔ مترجم نے بات کچھ سے کچھ کر دی۔ مگر جب احقر نے انگریزی الفاظ پر بھی گرفت کی اور مولانا پر ڈاکٹر صاحب کی فریب دہی واضح ہوئی تو پھر مولانا نے موعظت اور سختی دونوں پہلوؤں سے ڈاکٹر صاحب کا تعاقب کیا اور وہ یہ وعدہ کرنے پر مجبور ہو گئے کہ اپنے ان خیالات سے رجوع کریں گے۔ اس وعدہ پر مولانا کا دل صاف تھا اور مولانا نے فرمایا کہ اگر آپ نے یہ کیا تو ہمارا بے مزد مخلصانہ علمی تعاون آپ کے ادارے کے ساتھ رہے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہم دونوں کو اپنے ادارہ میں آنے کی دعوت دی۔ مولانا پوری صاف دلی اور بشاشت سے تشریف لے گئے اور ارکان ادارہ کو سارا واقعہ سنایا اور ڈاکٹر صاحب کے رجوع کر لینے پر کامل تعاون کا اعلان فرمایا۔ اسوقت مولانا ایسے مسرور تھے کہ ایک نادان دینی بھائی، جو ان سے بچھڑ گیا تھا، پھر آملا ہے۔ مگر

افسوس! کہ اس پروردۂ مشیگن یونیورسٹی نے مولانا کے اخلاص کیے کی کوئی قدر نہ کی اور آخر وقت تک رجوع شائع نہ کرسکا۔ یہ اس کا کردار تھا۔ مگر ہمارے ممدوح کی رفعت انسانی اس واقعہ میں کس قدر عیاں تھی۔ (ایضاً ص ۴۳۱)

(۴) ''جو کچھ کرو اللہ کے لئے کرو شہرت کے لیے نہ کرو''۔

ڈاکٹر تنزیل الرحمان صاحب رقمطراز ہیں:

مولانا شہرت طلبی کو سخت برا سمجھتے تھے۔ انہوں نے ایسے تمام راستوں کو بند کر دیا تھا جو شہرت کا سبب یا ذریعہ بن سکیں۔ حتّٰی کہ مدرسہ میں بھی کبھی کوئی جلسہ تقسیم اسناد یا دستار بندی منعقد نہ کیا۔ ختم نبوت کے قادیانی مسئلے میں مولانا مرحوم نے پورے ایک سو دن شب و روز کام کیا، اس میں بھی ان کا یہی طرز فکر تھا کہ جو کچھ کرو اللہ کے لئے کرو، شہرت کے لیے نہ کرو۔ اس زمانے میں بعض فرضی نام نہاد انجمنوں کے نام سے آپ کے خلاف مختلف اخبارات میں بڑے بڑے اشتہارات شائع کرائے گئے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ ان اشتہارات کے بل کہاں سے اور کس مد سے ادا کئے گئے لیکن مولانا نے ان اشتہارات کا سرے سے کوئی نوٹس ہی نہ لیا اور کوئی جواب شائع کرانے کا انھیں خیال تک نہ آیا۔ وہ دین کے کام میں ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، ان کے نزدیک ذاتی عزت و ذلّت کی دین کے کام کے سامنے کوئی اہمیت نہ تھی۔ وہ دین کے راستے میں ہر سختی اور دشواری کو اپنے لیے رحمت اور سامان سفر سمجھتے تھے۔

(ایضاً ص ۴۵۱)

(۵) اولئك آبائي فجئني بمثلهم

مولانا محمد بدیع الزمان صاحب تحریر فرماتے ہیں:

علمی و عملی کمالات کے باوجود حضرت شیخ میں بے حد تواضع وانکساری تھی۔ اپنے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے اپنے تلامذہ کے ساتھ اس انداز سے پیش آتے کہ دیکھنے والوں کو احساس ہوتا کہ یہ تلامذہ نہیں بلکہ رفقاء ہیں۔ عفو و تسامح اور صبر و تحمل کی صفات میں دوسروں

کے لئے نمونہ تھے۔ جلال ایسا کہ آنکھ سے آنکھ ملانا مشکل کما قیل:

یدع الجواب فلا یراجع ھیبۃ: والسائلون نوالحس الا ذقان اور جمال وجاذبیت ایسی کہ مجلس سے اٹھنا گراں گذرتا، انہی خوبیوں کی وجہ سے عوام وخواص کے قلوب غیر شعوری طور پر ان کی طرف مائل ہوتے۔ چند دن گذرے کہ مسٹر جسٹس افضل چیمہ صدر اسلامی نظریاتی کونسل حضرت شیخ کی تعزیت کے سلسلہ میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن میں تشریف لائے۔ انہوں نے تقریر میں بتایا کہ میں مولانا بنوری کے تجرِ علمی کے ساتھ ساتھ ان کے وسیع اخلاق سے بے حد متاءثر ہوا۔ اس پر چیمہ صاحب نے سنایا کہ کونسل کا اجلاس جب اسلام آباد میں منعقد ہوا تو ایک دن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حضرت مولانا بنوری میرے کمرے میں داخل ہوئے اور دروازے میں کھڑے ہوکر فرمایا کہ بیٹھنے سے قبل دو باتیں کہنا چاہتا ہوں۔

۱۔ کراچی جب آپ تشریف لائے تھے تو آخری مرتبہ دعوت کے بعد آپ سے ملاقات نہ کرسکا اسکی معذرت چاہتا ہوں۔

۲۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ اپنے مدرسہ میں آپ کو لے جاؤں گا۔ علالت کیوجہ سے آپ کو مدرسہ نہ دکھا سکا، اس کی معذرت چاہتا ہوں۔

سبحان اللہ کیا تواضع اور کیسے اخلاق عالیہ کا مظہر تھے، جود وکرم اور مروّت میں اپنی نظیر آپ ہی تھے۔

راقم الحروف نے ایک دفعہ درخواست کی کہ حضرت والا رمضان میں ختم قرآن کے موقعہ پر ہماری مسجد میں کچھ بیان فرمائیں۔ بلا تکلف درخواست قبول فرمالی۔ حسب وعدہ تشریف لاکر نہایت موثر وعظ فرمایا۔ واپسی کے لئے بندہ گاڑی کی تلاش میں مسجد سے باہر نکلا۔ ادھر سے حضرت شیخ پیدل روانہ ہوکر نیوٹاؤن پہنچ گئے۔ بندہ کو اس پر بے حد ندامت وشرمندگی ہوئی۔ معذرت کے لئے حاضر ہوا ہو تو خندہ پیشانی سے فرمایا کوئی حرج نہیں پیدل آنے میں زیادہ ثواب ملے گا۔

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم

(ایضاً ص ۵۱۸)

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب بہلوی رحمہ اللہ کے واقعات

''تواضع وعبدیت سے متعلق حضرت کے ملفوظات طیبات''۔

فرمایا: فقراء اور اہل اللہ کی خاکروبی دولتمندی کی صدر نشینی سے افضل ہے، یہ بات آپکو آج سمجھ میں نہ آئیگی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تمہیں اس کی سمجھ عطا فرماوے ورنہ کل کو قبر میں سمجھ آجائے گی، لیکن اس وقت سوائے حسرت کے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

(ملفوظات طیبات ص ۹۶)

فرمایا: جو شخص یہ سمجھے کہ میں کچھ ہو گیا ہوں وہ کچھ بھی نہیں ہوا، اس راستہ میں انسان اپنی خودی اور دوئی مٹا کر آئے تب کام بنے گا۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک دن حضرت مولانا مرتضیٰ حسن و کچھ دیگر احباب بھی موجود تھے اور بندہ فقیر بھی حاضر تھا۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن رحمہ اللہ نے عرض کی کہ حضرت! جو شخص ''خانقاہ امدادیہ'' میں آئے اور یوں سمجھے کہ میں کچھ ہو گیا ہوں وہ کچھ نہیں ہوا۔ آپ قدرے سرہ کچھ لکھ رہے تھے سر مبارک اونچا کیا اور فرمایا ''ہاں'' (ایضاً ص ۹۶)

فرمایا: اللہ اللہ کرنے سے اس قدر ہستی اور ''میں'' مٹ جاتی ہے کہ بعض اللہ والے مسجد میں اکیلے نہیں آسکتے۔ ان کو اپنے عیوب کی وجہ سے اتنا خوف خدا ہوتا ہے کہ کہاں میں گنہگار اور کہاں یہ مسجد، شاہی دربار۔ لہذا کسی آدمی کے ساتھ لگے لپٹے آتے ہیں کہ کہیں میرے غلط اعمال کی وجہ سے آسمان سے پتھر نہ برسنے لگ جائیں ؎

نہ تھی جبکہ اپنے گناہوں کی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر

پڑی اپنے عیبوں پہ جب سے نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا۔

کئی اللہ والے پہلی صف میں بھی کھڑے نہیں ہو سکتے کہ پہلی صف تو مقربین کی ہوتی ہے اور میں گنہگار پہلی صف میں کیسے۔ پھر ان حضرات کو منعم کی پہچان، نعمت کی پہچان اور منعم الیہ کی پہچان آ جاتی ہے جس کی وجہ سے ان میں شکر پیدا ہوتا ہے مثلاً ان حضرات کے پاس پانی آئے تو کہتے ہیں "سائیں! تیری مہربانی"، دال روٹی آئے تو "سائیں مہربانی"، دودھ آ گیا تو حیران کہ اعمال تو میرے اس لائق نہ تھے، سائیں کیسی کیسی نعمتیں آئیں، کس ذریعہ سے آئیں، مجھ جیسے کو عنایت ہوئیں، پھر اگر دودھ میں کھانڈ (چینی) بھی ہو تو سچ مچ ندامت اور شرمساری کے ساتھ روتا رہے گا بلکہ بزبان حال عرض کرے گا ؎

صدقے میں اپنے خدا سے جاؤں خیال آتا ہے مجھ کو اتنا

ادھر سے دمدم گناہ پیہم، ادھر سے دمدم پیار اتنا (ایضاً ص ۹۷)

فرمایا: حضرت شاہ ولی اللہ نور اللہ مرقدہ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہ نے ایک کتے کے بچے کو کیچڑ میں پڑا ہوا دیکھا، سردی کا موسم تھا اس کو نکالا، صاف کیا، کپڑا لپیٹا، صبح کے وقت دھوپ میں چھوڑ دیا اس کے بعد حضرت شاہ صاحب کو الہام ہوا کہ آپ نے ایک کتے کے بچے پر احسان کیا تھا اس کے بدلے ہم نے آپ کا ایک عقدہ حل کر دیا ہے۔

ایک مدت کے بعد آپ کہیں تشریف لیجا رہے تھے اور اتفاق سے راستہ کے دونوں طرف پانی تھا، سامنے ایک کتا آ گیا جو کہ پانی سے گیلا تھا، شاہ صاحب نے ہٹانا چاہا تاکہ گیلے کتے کے چھینٹوں سے کپڑے پلید نہ ہوں، ان صاحب کشف حضرات کو جانوروں کی بولی بھی سمجھ آتی ہے، کتے نے عرض کی شاہ صاحب! اگر آپ کے کپڑے یا جسم میری ظاہری ناپاکی سے ملوث ہو بھی گئے تو یہ پانی کے لوٹے سے بھی پاک ہو سکتے ہیں، لیکن اگر آپ کے دل میں یہ خیال آ گیا کہ میں کتے سے بہتر ہوں تو یہ تکبر کی نجاست سات سمندروں سے بھی پاک نہیں ہو سکے گی۔ آپ نے فوراً پانی میں پاؤں رکھا اور کتے کو راستہ دیا۔ (ایضاً ص ۹۷)

فرمایا: یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھ کہ تجھے انسان تو بنا دیا، پھر اندھا، گونگا، لنگڑا نہیں بنایا، کنجریوں کا پانڈی، بھنگی، شرابی وغیرہ بنا دیتا تو کوئی اس کا کیا کر سکتا، شکر کر مسلمان، نمازی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا، کافر، یہودی، مشرک، بدعتی نہیں بنایا، حیوان اور درندہ وغیرہ نہیں بنایا۔

ایک بزرگ ایک گلی میں سے گذرنے لگے، قریب ہی ایک کتا آ گیا۔ بزرگ نے ایک طرف ہٹ کر سمٹ کر گذرنا چاہا۔ کتے نے بزبان حال کہا کہ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کو رشوت دی تھی کہ تجھے انسان بنا دیا اور میں نے رشوت میں کمی کی تھی کہ مجھے کتا بنا دیا۔

سیر زاھد ہر مہے یک سالہ راہ　　　　سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

(ایضاً ص ۹۸)

فرمایا: حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو کوڑے مارتے اور اپنے آپ کو تنہائی میں سمجھاتے۔ فرماتے: ''یا نفس اخلصی تخلصی''، یعنی اے معروف کرخی! اخلاص پیدا کر بچ جائے گا۔ (ص ۹۹)

فرمایا: حضرت مولانا احمد علی لاہوری نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں کسی نے شکایت کی کہ حضور! فلاں شخص آپ کو نام لے کر گالیاں دیتا ہے۔ فرمایا: ''بھائی احمد علی دنیا میں بہت ہیں کسی اور کو کہا ہوگا۔'' (ایضاً ص ۹۹)

فرمایا: حضرت شاہ احمد سعید دھلوی نوراللہ مرقدہ دھلی کی جامع مسجد میں بیٹھے تھے۔ ایک استاد نے کسی بچے کو گدھا کہہ دیا۔ اس پر ٹھنڈا سانس نکل گیا اور فرمانے لگے ''احمد سعید! انسانوں میں تو گدھا خصلت ایک تو ہی تھا، شاید کوئی اور بھی ہوگا''۔ (ص ۱۰۰)

فرمایا: حضرت جنید بغدادی کسی گلی میں گذرے۔ کسی نے نادانستہ طور پر گھر کی راکھ دیوار سے باہر پھینکی تو آپ کے سر مبارک اور ڈاڑھی مبارک پر آ پڑی۔ سر اور ڈاڑھی مبارک کو صاف بھی کر رہے تھے اور اپنے آپ کو کوس بھی رہے تھے کہ ''جنید! تو آگ کے لائق تھا، شکر کر کہ راکھ ڈالی گئی''

واقعات

(۱) ''جہاں ''میں'' ہو وہاں اللہ تعالیٰ کیسے؟''۔

ایک دفعہ قبلہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ مہمان خانہ کے صحن میں بیٹھے تھے، ایک ناواقف مہمان آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ عرض معروض کے بعد عرض کی کہ حضرت آپ کا مقام کیا ہے؟ یعنی آپ غوث ہیں یا قطب ہیں کیا مقام ہے؟۔ فرمایا بھائی! اللہ والا ایسی بات نہیں بتا سکتا۔ اصرار پر فرمایا کہ کیسے بتائے کہ میں فلاں ہوں، جس کے دل میں پھر زبان پر ''میں غوث''، ''میں قطب'' آ سکتا ہے اس کے دل میں تو ابھی تک ''میں'' ہے اور فلاں ہے۔ جہاں ''میں'' ہو وہاں اللہ تعالیٰ کیسے؟ یار خانہ خالی خواہد (ملفوظات طیبات ص۹۶)

(۲) ''کمال انکساری''۔

ایک موقع پر تونسہ شریف سے واپس آتے ہوئے شیر شاہ اسٹیشن پر گاڑی کے منتظر تھے۔ عصر کی نماز کا وقت آیا، ایک مسجد میں گئے، ایک اور آدمی بھی نماز میں شریک ہوا، نماز کے بعد اس شخص نے بندہ (مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مرتب کتاب ھذا) سے پوچھا کہ کیا تو ان کا بیٹا ہے؟ میں نے عرض کی کہ نہیں، میں تو ان کا نوکر ہوں۔ قبلہ حضرت جی مصلیٰ پر بیٹھے تھے۔ رو پڑے اور فرمایا ''نہیں بھائی! یہ میرا رفیق ہے''۔ (ایضاً ص۹۸)

(۳) ''میں تو بہت گنہگار ہوں کسی سے میری غلط تعریف سن کر بھول رہے ہو''۔

بیعت ہونے کے لئے لوگ درخواست کرتے تو جواباً فرماتے کہ ''میاں! کسی نیک آدمی کی بیعت ہو جاتے تو اچھا تھا، میں تو بہت گنہگار ہوں، کسی سے میری غلط تعریف سن کر بھول رہے ہو'' اصرار پر فرماتے اچھا میاں تیری مرضی، پھر بیعت فرماتے۔

(ص۹۸)

(۴) ''جہاں گندگی ہوتی ہے مکھی آیا ہی کرتی ہے''۔

قبلہ حضرت جی نور اللہ مرقدہ آخری ایام علالت میں چارپائی پر آرام فرماتے تھے۔

کچھ مہمان بھی حاضر خدمت تھے۔ حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحب ساتھ ہی چٹائی پر بیٹھے ہوئے آپ قدس سرہ کے جسم مبارک خاص کر چہرہ انور سے مکھی وغیرہ ہٹانے کے لیے کپڑا ہلا رہے تھے۔ مکھی کی عادت ہے کہ جہاں سے ایک دفعہ ہٹاؤ بار بار وہیں آ کر بیٹھتی ہے، مکھی کے بار بار اصرار اور حضرت شاہ صاحب کے ہٹانے پر آپ نے فرمایا کہ کیا ہے مکھی ہے؟ حضرت شاہ صاحب نے عرض کی جی حضور مکھی ہے۔ فرمایا کہ ''ہاں جہاں گندگی ہوتی ہے مکھی آیا ہی کرتی ہے''۔ (ص ۹۸)

(۵) ''بھائی! مجھ میں کوئی ایسا نقص ہوگا دعا کرو پہلے میری اصلاح تو ہو جائے''۔

شہر ''شاہ جمال''، ضلع مظفر گڑھ آپ بغرض تبلیغ تشریف لے گئے۔ محمد صادق قصاب جو کہ بزازی کرتا تھا۔ قبلہ حضرت جی قدس سرہ سے بیعت تھا، اتنی مدت تعلق آمد و رفت کے باوجود نماز نہیں پڑھتا تھا یا بہت کم پڑھتا تھا، رات کو بندہ غلام مصطفیٰ نے قبلہ حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت! ہمارا پیر بھائی محمد صادق کافی مدت سے بیعت ہے، خدمت میں آتا جاتا بھی ہے، نہ تو اس نے ڈاڑھی رکھی ہے اور نہ نماز پڑھتا ہے۔

قبلہ حضرت جی قدس سرہ نے محمد صادق کی طرف دیکھ کر ٹھنڈا سانس لیکر فرمایا:

''بھائی! مجھ میں کوئی ایسا نقص ہوگا دعا کرو پہلے میری اصلاح تو ہو جائے''۔ (ص ۹۸)

(۶) ''اپنی تعریف اور کسی کی تنقیص سن کر رقت طاری ہو جانا''۔

حضرت مہمان خانہ میں چند مریدوں میں تشریف فرما تھے۔ حضرت مولانا جاوید حسین شاہ صاحب کھڑے پنکھا ہلا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد فرمایا بس کرو، بیٹھ جاؤ لیکن بوجہ گرمی حضرت شاہ صاحب مسلسل مصروف خدمت رہے۔ فرمایا بیٹھ جاؤ پھر نہ آؤ گے؟ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضرت! میں تو اس در کا غلام ہوں، بس یہ لفظ سنتے ہی قبلہ حضرت صاحب نور اللہ مرقدہ زار و قطار رونے لگے، کیونکہ حضرت کی عادت

مبارک تھی کہ اپنی تعریف اور کسی کو تنقیص کے کلمے نہ سن سکتے تھے، سنتے ہی رقت طاری ہو جاتی تھی۔ (ص ۹۹)

(۷) ''میں تو ناکارہ ہوں مگر حضرت تھانوی قدس سرہ کی توہین ناقابل برداشت ہے''

ایک مرتبہ مولانا محمد لقمان صاحب علی پوری رحمہ اللہ نے عرض کی کہ حضرت ! فلاں شخص آپ کو برا بھلا کہتا ہے اور حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی ایسے ایسے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ ساری تفصیل سن کر فرمایا: ''بھائی ! میں کانا ہوں میرے بارے میں تو جس نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا، البتہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی توہین ناقابل برداشت ہے'' پھر حضرت جی قدس سرہ نے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے واقعات وکمالات سنائے، خود بھی روتے رہے اور باقی مجمع بھی روتا رہا۔ (ص ۹۹)

(۸) ''دورۂ تفسیر کے اختتام پر طلبہ سے معافی مانگنے کا اہتمام''۔

ہر سال الوداعی تقریب میں حضرت اقدس رحمہ اللہ دورۂ تفسیر قرآن حکیم کے آخر میں طلبہ سے دو ماہ کی خدمت میں کوتاہی کی معافی ایسے منکسرانہ اور عاجزانہ انداز میں مانگتے تھے کہ بڑے سرکش اور شریر طلبہ کی دھاڑیں نکل جاتی تھیں۔

حضرت اقدس خود بہت گریہ فرماتے، جب تک طلبہ زور زور سے "معاف ہے" نہ کہتے آپ ہاتھ باندھ کر روتے رہتے۔ (انوار بہلویہ ص ۲۳)

(۹) ''بے نفسی وفنائیت کے عجیب واقعات''۔

آپ کے خادم اور مسترشد خاص ماسٹر محمد عمر صاحب آپکے مفصل تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت اقدس بہلوی قدس سرہ العزیز کی فنائیت و بے نفسی کے متعلق میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ کبھی آپ نے ایک کلمہ بھی ایسا نہیں فرمایا جس میں اپنی تعریف کی بو آتی ہو، حب جاہ کا یہاں سر کٹا ہوا تھا۔

آپ کی خدمت میں ہر سال دورہ تفسیر میں سینکڑوں علماء فضلاء رمضان المبارک

میں دورہ تفسیر پڑھتے تھے لیکن وہاں بھی کسر نفسی، عاجزی اور مسکینی کا اس طور پر اظہار فرماتے جس سے علماء دم بخود رہ جاتے۔ایک دفعہ درس قرآن کے بعد سب علماء کے سامنے فرمایا:''بھائی !میری کم عقلی اتنی بڑھتی جارہی ہے کہ ایک دن شیخ سعدی رحمہ اللہ کی" کریما" کے ایک شعر کا معنیٰ بھی نہیں آتا تھا''

ابدالی مسجد میں جمعہ کے خطبہ سے قبل مولوی غلام علی مرحوم خطیب ابدالی مسجد نے آپ کا تعارف کرایا اور''مخدوم العماء، شیخ طریقت اور شمس العارفین'' کے القاب دیئے۔

آپ نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:''بھائی !میں تو ایک دیہاتی بوڑھا اور آپ کا قریبی ہمسایہ ہوں، یہ لمبی لفاظی اور لیکچراری کا قائل نہیں، آپ لوگوں کی دعا حاصل کرنے اور تم نیک لوگوں زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں''۔

رمضان المبارک کے جمعۃ الوادع میں عوام کا غفیر تھا، لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے، مصافحہ کے لئے جگہ ملنا محال تھا، آپ ہر ملنے والے کو فرماتے:''بھائی !میرے حسن خاتمہ کی دعا کرنا میرا حال تو پتلا ہے''۔

حضرت اقدس میں کسی تصنع یا وقتی مصلحت بینی کا دخل نہیں تھا، آپ وجدانی طور پر اپنے کو ہر کمال سے عاری سمجھتے تھے، کوئی شخص عرض کرتا حضرت !مجھے بیعت کریں، فرماتے''دنیا میں بیعت کے لائق میں ہوں''

ایک دفعہ آپکے دانت میں سخت درد پڑ گیا، خانگڑھ سے چند احباب بھی حاضر تھے، حضرت نے سب کو نیازمندی سے فرمایا''میرے دانت میں درد ہے کوئی پھونکا مارتے جائیں شاید تم نیک لوگوں کی پھونک سے آرام آجائے''۔

ایک دفعہ بہل شریف شدید گرمیوں میں آپ کتب تفسیر کا مطالعہ فرمارہے تھے۔ ایک طالب علم حضرت اقدس کے سامنے سے گذرا، آپ نے طالب علم سے پوچھا کوئی جو ار باجرا کی ایک روٹی پڑی ہے؟ طالب علم نے اثبات میں جواب دیا، طالب علم کو فرمایا''اپنا تبرک مجھے کھلاؤ''، وہ ایک روٹی (غالباً باجرہ کی) لے آیا، آپ اسے کھاتے رہے، پھر تین

چار لقمے بچ گئے تو بندہ ناکارہ اور حاجی محمد حیات خان کو عنایت فرمائے کہ یہ طالب علموں کا تبرک ہے اس کو کھالیں، شاید انہیں ٹکڑوں کے کھانے سے بخشے جائیں۔

(انوار بہلویہ ص ۲۵ تا ۲۷)

(۱۰) علماء کا احترام۔

حضرت اقدس علماء کرام کے ساتھ بہت اکرام کے ساتھ پیش آتے، گھر سے خصوصی کھانے کا انتظام فرماتے، رخصت کے وقت علیٰ قدر مراتب مصافحہ ومعانقہ کے بعد مشایعت رخصت کرنے کے لئے بیرون خانقاہ تک الوادع فرماتے۔ آپ فرماتے:

''جس طرح تم کمشنر کپتان سے ڈرتے ہو میں اسی طرح ان اللہ والوں اور علماء سے ڈرتا ہوں۔''

مدرسہ احیاء العلوم عیدگاہ مظفر گڑھ کے مہتمم حضرت مولانا محمد عمر صاحب تشریف لائے، نماز عصر کے وقت بندہ نے جائے نماز پر بیٹھنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا ''ان علماء کے سامنے مجھے ممتاز بٹھاتے ہو، ادب کرو''

نماز کے وقت حضرت مولانا محمد عمر صاحب نے عرض کیا حضرت! نماز پڑھائیں، حضرت اقدس نے فرمایا آپ پڑھائیں، عرض کیا حضرت! میں مسافر ہوں نماز قصر پڑھونگا، حضرت اقدس نے عرض کیا مولانا! آپ ہی نماز پڑھائیں ہم مقیم نماز مکمل کرلیں گے۔ پھر فرمایا: ''بھائی تم عالموں کو نماز پڑھاتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے'' (ص ۲۹)

حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب (ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور) کے واقعات:

(۱) بھنگی سے معافی مانگنے کا واقعہ۔

آپکے تلمیذ رشید اور خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت کا معمول تھا کہ بعد نماز عصر مکان تشریف لیجا کر گھر کی ضروریات

دریافت کرتے اور اس کا انتظام فرماتے۔ایک مرتبہ حسب معمول دارلطلبہ سے مکان تشریف لیجارہے تھے،احقر اور دو رفیق ساتھ تھے،مکان کی طرف جانے والی گلی میں ایک موڑ ہے،جب اس جگہ پہونچے تو ایک بھنگی نے پاخانہ کا ٹوکرا پھینکا جس سے کچھ چھینٹیں ایک ساتھی کے کپڑے پر پڑ گئیں،چند قدم کے بعد ہی فرمایا کہ میں نے اس بھنگی کو سخت بات کہدی اس کو تکلیف ہوئی ہوگی،اس سے معافی مانگنی چاہیے،بہت تلاش کیا گیا مگر وہ نہ ملا ،اس کے بعد حضرت کو جو بے چینی ہوئی اس کا نقشہ ابتک آنکھ کے سامنے ہے۔عجیب اختلاجی کیفیت تھی،حضرت والا مکان نہ جاسکے،بمشکل اقامت گاہ پر پہونچے،بار بار یہی فرماتے رہے "مجھ سے غلطی ہوگئی" سب نے تسلی دی کہ حضرت قصور اس بھنگی کا ہے،آپ نے کوئی سخت بات نہیں فرمائی،،بہت دیر کے بعد بے چینی تو کم ہوئی لیکن ختم نہیں ہوئی،دوسرے دن کئی بار فرمایا کہ مجھے یاد دلانا بعد عصر اس جگہ چلنا ہے،چنانچہ بعد نماز عصر وہاں تشریف لے گئے،وہ بھنگی وہاں مل گیا،حضرت کے الفاظ مجھے یاد ہیں فرمایا: "بھائی !میں نے تم کو کل سخت بات کہدی تھی تم کو تکلیف ہوئی ہوگی،معاف کردو"۔وہ ندامت سے پسینہ پسینہ ہوگیا اور عاجزی کرنے لگا اور کہا سرکار!ہم آپ کے غلام ہیں،مجھ سے غلطی ہوگئی،مجھے اسطرح ٹوکرا نہ پھینکنا چاہیے تھا۔مگر حضرت بار بار یہی فرماتے رہے کہ معاف کردو۔آخر اس نے کہا سرکار میں نے معاف کردیا۔اس کے بعد حضرت نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس کو کچھ رقم دی جس کی تعداد معلوم نہیں۔

(تذکرہ الصدیق جلد دوم ص ۲۹۵)

(۲) "ارے بھائی!تم غلط جگہ آگئے ہو"۔۔۔۔۔۔۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بار بار دیکھا گیا کہ ایک آدمی حضرت ناظم صاحب کی خدمت میں آکر بیعت کی درخواست کررہا ہے اور حضرت اس سے فرمارہے ہیں اور بار بار وباصرار،اور دوسروں سے بھی اس کو کہلارہے ہیں اور سمجھانے کو کہہ رہے ہیں:

'' ارے بھائی! تم غلط جگہ آ گئے ہو، تم میرے پاس نہیں شیخ کے پاس آئے ہو، وہی بزرگ اور بڑے ہیں، ان کے پاس جاؤ اور ان کو بتاؤ اور شیخ کے پاس لے جاؤ وغیرہ''

(بحوالہ بالاص ۳۰۰)

(۳) اپنے شاگرد اور مرید کے بارے میں فرمانا کہ ''میرے اوپر حق ہے کہ میں ان کے پاؤں دباؤں''۔

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی صاحب رحمہ اللہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

جامعہ عربیہ ہتورا کے ایک قدیم طالب علم اور حضرت کے محب ومخلص مولانا اظہار الحق صاحب (صدر المدرسین اشرف العلوم کنھواں، سیتا مڑھی بہار) کا بیان ہے کہ میں جب ''مظاہر علوم'' کا طالب علم تھا، ایک سال رمضان میں حضرت تشریف لائے اور حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ) سے ملاقات کے بعد حضرت ناظم صاحب کے پاس پہونچے، ہم بھی ساتھ تھے۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب اس وقت آرام فرما رہے تھے، ہم سب (بشمول حضرت) پاؤں دبانے لگے تو حضرت ناظم صاحب نے قاری گورا صاحب سے دریافت فرمایا:

حافظ صدیق صاحب کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا پاؤں دبا رہے ہیں، فرمایا: ''پاؤں دبا رہے ہیں؟ میرے اوپر حق ہے کہ میں ان کے پاؤں دباؤں''۔ ناظم صاحب نے تو یہ فرمایا اور ہمارے حضرت تواضع سے جھکے جا رہے تھے اور بار بار فرما رہے تھے ''حضرت ایسا نہیں''، ''حضرت ایسا نہیں''۔ (حوالا بالاص ۳۴۴)

قائدِ ملتِ اسلامیہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) ''لوگ ناموں میں لگ گئے ہیں اور کاموں سے کوسوں دور چلے گئے ہیں''۔

مولانا سید اکبر شاہ فیصل مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

عجز وانکسار کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ قاسم العلوم ملتان میں دورہ حدیث کے طلبہ نے ایک بزم بنائی، تاکہ اس بزم کے تحت تقاریر کے مقابلے کیے جائیں۔ طلبہ کے اجلاس میں طے ہوا کہ اس بزم کا نام حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے نام پر ''بزم محمود'' ہوگا، اور اس بزم کی سرپرستی کے لیے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے کہا جائے گا، چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تشریف آوری پر جب طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے طلبہ سے تنظیم کے مقاصد دریافت فرمائے، مقاصد سے مطمئن ہوکر فرمایا کہ میں اس تنظیم یا بزم کی سرپرستی اس صورت میں قبول کرتا ہوں کہ اسے میرے نام منسوب نہ کرو طلبہ نے کہا حضرت ہم محمود سے مراد آپ کی ذات مراد نہیں لیتے بلکہ محمود سبکتگین یا شیخ الہند مولانا محمود حسن ہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ نام رکھتے وقت تمہارے ذہن میں محمود سے مراد میری ذات تھی، لہذا میں اس ریاکاری کو پسند نہیں کرتا، اگر تم اس بزم کا نام ''بزم شیخ الہند'' رکھو گے تو میں اس کی سرپرستی قبول کرتا ہوں ورنہ نہیں، چنانچہ طلبہ نے نام تبدیل کیا، آپ نے رضا مندی کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا مقصد دین کا کام کرنا ہے، نام ظاہر کرنے سے ریاء کا شائبہ آجاتا ہے۔

اسی بزم کے ایک اجلاس میں آپ کو تشریف آوری کی دعوت دی گئی، تلاوت کے بعد نعت پڑھنے کے لیے طالب علم وزیر احمد رحمانی کا اعلان کیا گیا۔ نعت کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے تعجب سے فرمایا کہ "رحمانی" کا کیا مقصد ہے؟، یہ دم کیا لگی ہوئی ہے؟، ہمارے بزرگوں نے کب اپنا کیا ہے؟ میرے شیخ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ ہمیشہ اپنے نام ودستخط صرف اتنے فرمایا کرتے" محمود" اسی لیے میں بھی اپنے شیخ کی طرح اپنے دستخط محمود کرتا ہوں۔ میرے شیخ حضرت مدنی رحمہ اللہ اپنے دستخط صرف ''حسین احمد'' کیا کرتے تھے جتنے زیادہ القاب کی دم بڑھائیں گے اتنا ہی زیادہ کبر پیدا ہوتا ہے اور اپنے بزرگوں اور اسلاف سے بُعد ہوتا چلا جاتا ہے۔ لوگ ناموں میں لگ گئے ہیں اور

کاموں سے کوسوں دور چلے گئے ہیں۔ (بیس مردان حق جلد۲ص ۴۲۸)

(۲)''افسر شاہی کا خاتمہ''۔

مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب مرحوم ایک جگہ رقم طراز ہیں کہ مفتی صاحبؒ وزیر اعلیٰ ہوتے ہوئے سب سے زیادہ جس بات کا خیال رکھتے تھے وہ یہ کہ ان کے ساتھ دورے میں جانے والے چھوٹے ملازمین ہوا کرتے تھے، میں نے ڈرائیور اور چھوٹے ملازمین اور پولیس کے ملازمین کے سپاہیوں کو وزیر اعلیٰ کے ساتھ ان کے ہمراہ ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھاتے دیکھا ہے۔ وہ خصوصیت سے اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ میرے ہمراہ آنے والے ملازمین کہیں آداب شاہی کے چکر میں بھوکے تو نہیں رہ رہے۔ میں اکثر دوروں میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ہمراہ ہوتا تھا، سرحد کے تمام اعلیٰ افسر مجھ سے بے تکلف ہوتے تھے اور بعض اوقات وہ مجھ سے کھل کر کہتے کہ آپ حضرت مفتی صاحب سے کہیں کہ چھوٹے افسروں کو ساتھ بٹھانے سے حکومت کا دبدبہ اور شان وشوکت برقرار نہیں رہتا، براہ کرم ان چھوٹے ملازمین کا علیحدہ انتظام کرادیا کریں۔ میں نے حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا تو فرمایا ''میرا بھی یہی مقصد ہے کہ ان افسروں میں انگریز نے جو تکبر اور غرور کا رنگ بھر دیا ہے اسے مٹایا اور افسر شاہی کا خاتمہ کیا جائے''۔

ایک مرتبہ آپ کا ڈرائیور دوران سفر آپ کو عوامی مشکلات ومسائل کی طرف توجہ دلانے لگا تو حضرت مفتی صاحب نہایت توجہ سے اس کی باتیں سنتے رہے اور ساتھ ساتھ فرماتے رہے کہ آپ کی رائے صحیح ہے میں ان مسائل کے حل کے لیے اپنی کابینہ کے وزراء کے نام ہدایات جاری کروں گا۔ آپ کے سیکرٹری نے ڈرائیور کی اس حوصلہ افزائی کا برا منایا اور وزیر اعلیٰ (حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ) کی عدم موجودگی میں اس کو سخت ڈانٹا اور کہا کہ آئندہ اس قسم کی باتیں حضرت مفتی صاحب سے مت کرنا کیونکہ یہ پروٹوکول کے خلاف ہے، واپسی پر ڈرائیور خاموش رہا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے پوچھا ''بھائی کوئی اور تجویز ہے تو بتاؤ''، مگر ڈرائیور بیچارہ سیکرٹری کے خوف سے خاموش رہا، میری نشاندھی کرنے

پر حضرت مفتی صاحب نے سیکرٹری کو اس قدر ڈانٹا کہ سخت شرمندہ ہوا، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل اعتماد اور محبوب وہ شخص ہوگا جو براہ راست عوام کے مسائل میرے سامنے رکھے گا۔ (ایضاً ص ۴۵۶)

(۳) ''وزارت علیا سادگی''۔

مولانا فیض احمد صاحب مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان فرماتے ہیں کہ مولانا مفتی محمود صاحب جب سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے تو یہ جائزہ لینے کے لئے کہ مدرسہ قاسم العلوم کے شیخ الحدیث اور سرحد کے وزیر اعلیٰ کے درمیان کتنا فاصلہ اور بُعد پیدا ہوا ہے؟ وزارت اعلیٰ کی کرسی نے آپ کے رہن سہن بود و باش، معشیت و معاشرے میں تغیر کیا ہے یا نہیں؟ پیشگی اطلاع دیے بغیر ملتان سے پشاور روانہ ہوا اور پھر اپنی قیامگاہ پر انھیں جو درمیانہ درجے کا سرکاری مکان تھا واضح رہے کہ حضرت مفتی صاحب نے حکومت کی طرف سے چار ہزار روپے کرایہ بنگلے میں رہائش سے انکار کر دیا تھا) بیرونی دروازہ پر عوام کا ہجوم تھا، مردوں کی خاصی تعداد کے علاوہ برقعہ پوش عورتیں بھی بیٹھی تھیں، چند منٹ بعد حضرت مفتی صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری جو کہ نہایت خوش اخلاق، متشرع، سفید ریش اور نہایت نیک سیرت انسان تھے، تشریف لائے۔ آتے ہی از خود سلام مسنون کہا پھر مردوں سے بعد مصافحہ درخواستیں وصول کیں، بعد ازاں مستورات سے درخواستیں وصول کیں اور کہا کہ حضرت مفتی صاحب کسی پروگرام میں تشریف لے گئے ہیں، بعد مغرب ملاقات ہوگی، درخواستوں پر مناسب کاروائی ہوگی۔ کچھ دیر بعد حضرت مفتی صاحب کے عزیز مولانا احمد صاحب مجھے مہمان خانہ میں لے گئے، جہاں حضرت مفتی صاحب کے چھوٹے بچے اسی معمولی لباس میں کھیل رہے تھے جس طرح مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں کھیلا کرتے تھے، کچھ دیر بعد حضرت مفتی صاحب تشریف لائے، بعد مصافحہ، معانقہ خیریت حسب معمول دریافت کی، نماز مغرب کا وقت ہو گیا تھا، گھاس کے میدان میں ایک دری بچھی ہوئی تھی، اذان ہوئی اور حضرت مفتی صاحب نے امامت فرمائی، تمام حاضرین مجلس نے نماز با جماعت ادا کی، بعد ازاں دو گھنٹے اسی گھاس

کے فرش پر بیٹھ کر حضرت مفتی صاحب نے بحیثیت وزیراعلیٰ تمام درخواستوں کو چیک کیا اور مناسب کاروائی کرنے کا حکم دیا، اس دوران عوام خواص درخواست گزار وزیراعلیٰ کے اردگرد اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے جس طرح مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں طلبہ یا عوام آپ کے پاس بیٹھا کرتے تھے، بعض اوقات درخواست گزار کا لہجہ تند و تیز بھی ہو جاتا تھا، لیکن آپ نہایت تحمل و بردباری سے بات سنتے رہتے، پھر جماعت سے اسی جگہ عشاء کی نماز پڑھی گئی، نماز کے بعد سادہ کھانا لایا گیا، حضرت مفتی صاحب نے بھی مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، اسی رات چوک یادگار میں ایک جلسہ بھی تھا، حضرت مفتی صاحب جلسہ کے لیے جانے لگے تو مجھے آرام کرنے کا فرمایا، میں نے جلسہ میں حاضری کو ترجیح دی، مقصد وہی وزیراعلیٰ کے متنوع حالات کا جائزہ لینا تھا، جلسہ گاہ میں گورنر ارباب سکندر، ولی خان اور دیگر قائدین بھی اسٹیج پر موجود تھے، تقریباً دو گھنٹے جلسہ کی کاروائی جاری رہی مگر آپ یہ معلوم کر کے شاید تعجب کا اظہار کرینگے کہ صوبہ کے وزیراعلیٰ اور گورنر کے عوامی جلسہ گاہ میں شدید گرمی کے باوجود ایک بھی پنکھا نہیں تھا، سب لوگ پسینہ سے شرابور تھے، ہر ایک دستی پنکھے سے گرمی کا مقابلہ کر رہا تھا، جس حالت میں عوام تھی اسی حالت میں ان کے قائد، ان کے گورنر اور ان کے وزیراعلیٰ اپنے کردار و عمل سے سب غریب عوام کو سادگی اور کفایت شعاری کا درس دے رہے تھے (ایضاً ص ۷۵۴ بشکریہ "ترجمان اسلام" "مفتی محمود نمبر)

(۴) ان کی سادگی کے سامنے پولیس والا تماشہ بنا رہا۔

یہ ۱۹۶۲ کا قصہ ہے جب مولانا مفتی محمود قومی اسمبلی کے رکن بنے، ان دنوں انہیں جمعیت علماء اسلام کے کارکنوں کے علاوہ بہت کم لوگ جانتے تھے۔

قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے انہیں ملتان سے بذریعہ ٹرین اسلام آباد پہنچنا تھا، ملتان سے ان کی نشست ریزرو ہو چکی تھی اور پروٹوکول کے مطابق انتظامیہ کے افراد کی ڈیوٹی تھی کہ وہ رکن قومی اسمبلی کو اپنی نگرانی میں سوار کرائیں۔

جس ڈبے میں مولانا مفتی محمود صاحب کی نشست مقرر تھی اس کے باہر ایک

پولیس والا موجود تھا، مسافر اس ڈبے کی طرف لپکتا، پولیس والا اسے روک لیتا اور کہتا کہ یہ ڈبہ رکن قومی اسمبلی کے لیے ریزرو ہے، یہاں آپ اندر نہیں جا سکتے لہذا مسافر آگے کی جانب بڑھ جاتے۔

پھر پولیس والے نے دیکھا ایک شخص سیاہ ڈاڑھی، کندھے پر رومال اور ایک رومال پگڑی نما سر پر لپٹا ہوا، میانہ قد اور بھاری جسم، کھلی آستین کی قمیص اور کھلے پائنچوں والی شلوار پہنے تین چار ''امام مسجد نما'' ساتھیوں سمیت آیا اور اس نے ڈبے میں سوار ہونے کی کوشش کی، سپاہی نے سمجھا کہ یہ دیہاتی قسم کے لوگ ہیں اور لاعلمی میں اس ڈبے میں سوار ہونا چاہتے ہیں، لہذا اس نے انہیں کہا کہ یہ ڈبہ قومی اسمبلی کے ممبر مولانا مفتی محمود صاحب کے لیے ریزرو ہے، لہذا آپ کہیں اور جگہ تلاش کیجئے۔ مولانا مفتی محمود اب ڈبے کے باہر کھڑے ہوگئے، کہتے ہیں کہ ساتھیوں نے مولانا مفتی محمود کا سامان کسی نہ کسی طریقہ سے ڈبے میں پہنچا دیا، لیکن سپاہی نے مفتی صاحب کو اندر نہ گھسنے دیا، جب بھی وہ ذرا آگے بڑھتے سپاہی فوراً مستعد ہو جاتا اور راستہ روک کر کہتا کہ آپ خوامخوہ پریشان ہونگے اور میری بھی سرزنش ہوگی، آپ کو اپنا سامان اٹھانا پڑے گا، بہتر ہے کہ آپ بعد میں شرمندہ ہونے کی بجائے پہلے ہی کہیں اور جگہ تلاش کر لیجئے، یہ ڈبہ مولانا مفتی محمود رکن قومی اسمبلی کے لیے ریزرو ہے۔

مولانا مفتی محمود سپاہی کی اس پھرتی اور مستعدی سے پیدا شدہ صورت حال سے محظوظ ہوتے رہے اور ساتھیوں کو بھی انہوں نے کہہ دیا کہ ابھی سپاہی کو ان کے متعلق نہ بتایا جائے، اس طرح وہ اور ان کے ساتھی دل ہی دل میں ہنستے رہے، گاڑی چلنے میں اب تھوڑی دیر رہ گئی تو آخری بار مولانا مفتی محمود آگے بڑھے، سپاہی نے جھٹ راستہ روک لیا اور چیخ کر بولا: ''مولوی صاحب! کیوں میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو، جان نہیں چھوڑ رہے، کتنی بار کہا کہ یہ ڈبہ مولانا مفتی محمود کے لیے خاص کیا گیا ہے، اس میں اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا، آپ ذرا پیچھے ہٹ جائیں، مفتی صاحب آنے والے ہونگے''۔ اب مفتی صاحب نے فرمایا

''مفتی محمود کیسے دوسرے ڈبے میں جا کر بیٹھے یہ اسی کے لیے تو ہے، میں ہی تو مفتی محمود ہوں''۔ اب سپاہی کے ہوش اڑ گئے، ایک طرف مؤدب ہو کر کھڑے ہو گیا، مفتی صاحب نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور اندر داخل ہو گئے۔ (ص ۴۹۴)

(۵) ''انہوں نے اپنے آپ کو کبھی بڑا نہ سمجھا''۔

علاّمہ یوسف قریشی کہتے ہیں کہ ایک روز میں سرحد کے بزرگ عالم دین مفتی عبدالقیوم کے ہمراہ مسجد قاسم علی خان میں بیٹھا ہوا محو گفتگو تھا، مولانا مفتی محمود صاحب تشریف لائے، ان کے ہاتھ میں ایک سفری بیگ تھا، میں نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا، ان کا بیگ اپنے ہاتھ میں لیا اور اُن سے معانقہ کیا، لیکن مفتی عبدالقیوم صاحب نے بیٹھے بیٹھے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھا دیا، ان کی سرد مہری کا شکوہ میرے دل میں آیا لیکن زبان پر نہ لا سکا کہ ایسا موقع نہ تھا۔

مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے چلے جانے کے بعد میں مفتی عبدالقیوم صاحب کے سامنے اپنا شکوہ زبان پر لے آیا تو مفتی صاحب نے فرمایا:

کہ مفتی محمود سیاست میں ہمارے بڑے ہیں لیکن علم میں نہیں، میں بوڑھا آدمی ہوں میرے لیے کسی کے استقبال کے لیے کھڑا ہونا ضروری نہیں، کسی اور موقع پر مفتی محمود سے ملاقات ہوئی تو میں نے اپنی قلبی واردات اور مفتی عبدالقیوم سے مکالمہ عرض کیا تو فرمانے لگے:

''مفتی صاحب کے تمام فتوے مصدّقہ ہیں لیکن یہ فتویٰ سب سے زیادہ مصدّقہ ہے وہ ہمارے بزرگ ہیں، اُن کا احترام ہمارے لیے واجب ہے نہ کہ ہمارا احترام اُن کے لیے''۔

(ص ۴۹۸)

(۶) دورِ وزارت میں گھر میں چینی ختم ہو گئی:۔

حضرت بنوری رحمہ اللہ علم کا پہاڑ اور مولانا مفتی محمود بھی علم کا کوہ گراں اور ان دونوں کے درمیان دوستی اور ان کے ساتھ تیسرے پشاور یونیورسٹی شعبہ عربی کے چئیر مین مولانا محمد اشرف یوں دوستی و بے تکلفی کی تکون بنی ہوئی تھی۔

واقعہ یوں ہوا کہ مولانا مفتی محمود صاحب کے دورِ وزارت میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ پشاور تشریف لے گئے ،انہیں پی ۔ ڈبلیو ۔ ڈی کے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا دیا گیا۔ حضرت بنوری مفتی صاحب کے ذاتی مہمان تھے اس لیے کھانے پینے کا انتظام بھی اپنی طرف سے ہوتا تھا،ایک روز چائے پینے بیٹھے تو پتہ چلا کہ چائے تیار ہے لیکن چینی گھر میں ختم ہوگئی ہے،فون قریب رکھا تھا،مفتی صاحب نے رسیور اٹھایا اور مولانا محمد اشرف کے گھر کا نمبر ملایا،دوسری طرف مولانا محمد اشرف بولے،مولانا مفتی محمود نے ان سے کہا آج چائے ہمارے ساتھ پیجئے ،حضرت بنوری بیٹھے ہیں ابھی آ جایئے (مذاقاً فرمایا) ہاں! مگر تھوڑی سی چینی ساتھ لیتے آیئے گا۔

چائے کی اچانک اور بے تکلفانہ دعوت تو سمجھ میں آتی تھی ،لیکن چینی ساتھ لانے کا مطلب نہ سمجھ پائے چنانچہ جب مفتی صاحب نے کہا کہ گھر میں چینی ختم ہوگئی ہے۔چینی کی بات سے انہیں قربت کا احساس ہوا،لہذا وہ چینی لائے اور تینوں حضرات نے مل بیٹھ کر چائے نوش کی۔ (ص ۴۹۸)

(۷) تکلف سے بری ہے حُسن ذاتی۔

مولانا مفتی محمود وزیراعلیٰ بنے تو انھوں نے زندگی کا انداز وہی رکھا جو وزارت سے پہلے تھا،وہی سادہ کھانا وہی لباس اور وہی رہن سہن ،جب وہ پشاور میں وزیراعلیٰ بن کر آئے تو اُن کے لئے مناسب اور موزوں رہائش کی تلاش شروع ہوئی،'ایک کوٹھی اگرچہ وسیع اور کشادہ تھی مگر فرنیچر بہت پُرانا تھا'چیف سکیرٹری نے وزیراعلیٰ کے لئے یہاں سے پرانا فرنیچر اٹھوا کر نئے فرنیچر سے اس عمارت کو آراستہ کرنا چاہا'اس نے نفتی صاحب نے مفتی صاحب سے بات کی تو مفتی صاحب نے دھیان نہ دیا اس نے تین مرتبہ بات دھرائی تو مفتی صاحب نے فرمایا فرمایا'': اللہ کے بندے! کس چکر میں پڑ گئے ہو، یہی فرنیچر ٹھیک ہے اس کے بدلنے کی ضرورت نہیں ،میرے اپنے گھر میں کوئی ٹوٹا پھوٹا صوفہ بھی نہیں ہے''۔چیف سیکرٹری حیرت سے اُن کا منہ دیکھنے لگا کہ ہر آنے والا وزیراعلیٰ دفتر کی آرائش

پر لاکھوں روپے خرچ کرنے کو اولین ترجیح دیتا تھا، لیکن یہاں تو درویشی وسادگی ہی سارا حسن لیے ہوئے ہے۔ (ص ۴۹۹)

(۸) ''کیا میں اپنا اخلاق اور شرافت چھوڑ دوں''؟

جس نے مدرسہ کی چٹائی پر بیٹھ کر قرآن وحدیث پڑھاتے ہوئے بے پناہ عزت پائی تھی اُس کو وزیراعلیٰ ہاؤس کی کرسی کیا عزت دے سکتی تھی، وہ وزیراعلیٰ ہوتے ہوئے بھی وزیراعلیٰ ہاؤس کے لان کے گھاس کے فرش پر بیٹھے لوگوں سے درخواستیں وصول کرتے ہوئے اپنی عزت وشان میں کمی محسوس نہ کرتے، ملاقاتیوں کا ایک حلقہ ان کے گرد ہوتا، جب کوئی ملاقاتی آتا شناسائی و نا آشنائی امتیاز و بالائے طاق رکھتے ہوئے اٹھتے، اس سے ہاتھ ملاتے، معانقہ کرتے اور پھر بیٹھ جاتے۔ ایک عقیدت مند قریب ہی پاس بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اس سے رہا نہ گیا اس نے کہہ ڈالا کہ ''حضرت! آپ نے پہلے ہی بھاری بھرکم جسم کا بوجھ اٹھا رکھا ہے اور بیماریوں نے بھی گھیر ڈالا ہوا ہے، پھر بھی ہر آنے والے کے لئے اٹھتے ہیں، آپ کے لئے مشکل بھی ہوتا ہے بیٹھے بیٹھے ہی ملاقاتیوں سے ہاتھ ملا لیجیے''۔

مفتی محمود صاحب نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا اور کہا:

''موٹاپے کی وجہ سے بار بار اٹھ کر لوگوں سے ہاتھ ملانے میں تھوڑی سی تکلیف تو ہوتی ہے مگر کیا اس ذرا سی تکلیف کے لیے میں اپنا اخلاق اور شرافت چھوڑ دوں''؟ (ص ۵۰۰)

(۹) ''وہ اسلام آباد جا رہے تھے اور اُن کا جوتا ٹوٹا ہوا تھا''۔

ظہور احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ اسلامی وزرائے خارجہ کانفرنس ہو رہی تھی، مفتی صاحب اسلام آباد جانے کے لیے ملتان سے لاہور ائیر پورٹ پر اترے اور آرام کی غرض سے جناب دستگیر صاحب کی رہائش گاہ پر پہنچے، میں کیا دیکھتا ہوں کہ پاؤں گھسٹ کر چل رہے ہیں، میں نے پاؤں کی طرف دیکھا کہ شاید کوئی تکلیف ہو لیکن کیا دیکھتا ہوں کہ مفتی صاحب کا پرانا جوتا کھل گیا ہے اور پاؤں پر اس کی گرفت نہیں، وہ اسے قابو رکھنے کے لیے گھسٹ رہے ہیں۔ ظہور احمد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے نیا جوتا لانے کے لیے کہا تو وہ

مسکرا کر ٹال گئے، میں نے کہا کہ آپ اسلام آباد جارہے ہیں وہاں اتنی اہم کانفرنس ہو رہی ہے ملنا ملانا ہوگا، لوگ دیکھ کر کیا کہیں گے؟۔ مفتی صاحب نے فرمایا ''میں فقیر آدمی ہوں مجھے کوئی کچھ نہیں کہے گا''۔

وہ کمرے میں داخل ہوئے اور آرام کے لیے لیٹے اور سو گئے، مجھے موقع مل گیا میں نے اُن کا پرانا جوتا اُٹھایا اور بازار لے گیا اس ماپ کا نیا جوتا لے آیا۔

دستگیر صاحب نے مجھے جوتے کی قیمت دینا چاہی تو میں آبدیدہ ہو گیا کہ وہ مجھے اس سعادت سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ مفتی صاحب رحمہ اللہ نے دستگیر صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا'' ''اس کا دل نہ توڑو'' ظہور احمد کہتے ہیں کہ آج بھی وہ جوتا میرے پاس محفوظ ہے (ص ۵۰۱)

(۱۰) ''خواب بیان کرنے سے منع کیا۔ کہ خودستائی کا پہلو نکلتا ہے''

قاری سعید الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

میں ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جسے مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں بیان کرنے سے منع کر دیا تھا لیکن اس وقت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مدینہ منورہ میں ایک صاحب نسبت بزرگ نے خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور حضور ﷺ کی جانب سے مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کو ان الفاظ میں پیغام دیا گیا:

قال له منی السلام بتقوی باالله ولا یقول الاالحق واللہ یقول الحق وهو یهدی السبیل

ترجمہ: میری طرف سے ان کو سلام کہیں اور یہ کہ ہر معاملہ میں اللہ سے قوت وطاقت کے طلب گار رہو، ہمیشہ حق کہو، اللہ تعالیٰ نے سچ اور حق کہا ہے اور وہی صحیح راستہ کی رہنمائی کرتا ہے۔

قاری سعید الرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے جب عرض کیا کہ خواب کو سفر نامہ میں

شائع کر دیا جائے۔ پہلے تو مولانا مفتی محمود صاحب نے کچھ نہ کہا اور پھر جب ریاض جانے کے لیے مدینہ منورہ ائیر پورٹ جا رہے تھے تو از خود فرمایا کہ ''اس خواب کو مت لکھو! اس سے خودستائی کا پہلو نکلے گا''۔ (ص ۵۰۲)

(۱۱) ''حکومت سعودی کے مہمان''۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے رئیس ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

ان کی تواضع کا یہ حال تھا کہ جب وہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے حج کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں سعودی گورنمنٹ کے مہمان تھے تو منیٰ میں وہاں پر حکومت کے مہمان خانے میں ان کا قیام تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ بھی اس سال وہاں موجود تھے اور ایک مکان میں انہوں نے ایک جگہ لی ہوئی تھی تو انہوں نے مجھے حکم دیا کہ جا کر مہمان خانے میں حضرت مفتی صاحب سے ملوں اور ان سے یہ کہوں کہ میں ملنے کے لیے آنا چاہتا ہوں، میں چلا گیا اور ان سے ملاقات ہوئی فرمایا مولانا کیوں آئیں میں خود جاؤں گا۔ ایک طرف تو وزیر اعلیٰ ہیں اور بلند علمی مقام پر بھی فائز ہیں وہ عالم جو جانتا ہے (انما یعرف ذو الفضل من الناس ذووہ) اب انکو یہ بتانا کہ حضرت بنوریؒ کون ہیں اور ان کا علمی مقام کیا ہے فرمایا نہیں میں جاؤں گا وہ نہیں آئیں گے۔ اور مجھے کہا کہ آپ بیٹھیے! میں تیار ہوتا ہوں، خیر میں بیٹھا رہا تیار ہو کر فرمایا چلو چلتے ہیں نہ ان کے ساتھ کوئی پولیس والا ہے نہ کوئی گارڈ ہے اپنے ایک خادم کے ساتھ چل کھڑے ہوئے اور چلتے چلتے مولانا کی خدمت میں خود پہنچ گئے وہاں علماء بیٹھے ہوئے ہیں اور دستر خوان بچھا ہے طرح طرح کے پھل اور دوسری چیزیں موجود ہیں، حضرت مفتی صاحبؒ ہنس کر فرمانے لگے ہماری مہمانی ایسے براہ نام ہی ہے اب تو یہ مولوی صاحب (خود ڈاکٹر صاحب مراد ہیں) میرے پاس آئے تھے پینے کے لیے صرف بوتل پیش کی گئی یہاں دیکھو اللہ کی تمام نعمتیں موجود ہیں بادشاہ تو یہ لوگ ہیں پھر انکی گفتگو ہوئی جو علماء کی گفتگو ہوتی ہے پھر کافی دیر کے بعد حضرت مفتی صاحب وہاں سے

تشریف لے گئے۔ (سوانح قائدملت حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ ص۱۳۲)

حضرت مولانا غلام غوث ہزاری رحمہ اللہ کی تواضع وسادگی

حضرت مولانا محمد اجمل خان آپ کے تزکرہ میں تحریر فرماتے ہیں؛

آپؒ سادہ زندگی بسر کرنے کے خوگر تھے اور انتہائی درجہ کے قناعت پسند انسان تھے ۔عقیدت مندوں کی خواہش کے باوجود بڑی بڑی کوٹھیوں پر رہنا پسند نہیں فرماتے تھے اور پر تکلف دعوتوں سے نفرت تھی ، بلکہ آپ کو سادہ غذا زیادہ مرغوب تھی۔حتی کہ آپ اپنے کپڑے بھی خود دھو لیتے تھے۔سفر میں اپنا سامان ایک کپڑے کی گٹھڑی میں باندھ کر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔کسی مخلص دوست نے ایک موقعہ پر کہا کہ مولانا صاحب آپ تو اسمبلی کے ممبر ہیں،لہذا آپ میلی کچیلی گٹھڑی اپنے ساتھ نہ رکھا کریں۔کیونکہ یہ آپ کے شایانِ شان نہیں ہے،مولانا صاحبؒ نے فوراً مسکراتے ہوئے برجستہ فرمایا!تو کیا پھر میں شلوار اور داڑھی کے ساتھ بھی نہ جایا کروں،یعنی موجودہ دور کے مطابق پینٹ۔پتلون پہنا کروں۔وہ دوست اس جملے کو سننے کے بعد لا جواب ہوگئے۔

ایک ثقہ راوی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سردی کے زمانہ میں علی الصبح جامعہ مسجد شیرانوالہ دروازہ لاہور جانے کا اتفاق ہوا،تو راستے میں ایک تنور پر چادر اوڑھے ہوئے ایک سفید پوش بزرگ کو ناشتہ کرتے دیکھا۔جب ذرا غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو مولانا غوث ہزاریؒ ہیں بعد میں تنور والے سے پوچھا کہ یہ بابا جی کون ہیں تو جواب میں کہا کہ نام تو معلوم نہیں البتہ یہ کبھی کبھار میرے تنور پر آتا ہے اور دال روٹی سے ناشتہ کرتا ہے۔مولانا موصوف نے جس طرح قناعت اور سادگی سے زندگی بسر کی وہ یقیناً قابل تحسین ہیں۔اس کا اندازہ اس چھوٹے سے واقعہ سے بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ بستر مرگ پر آپ نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا فقیر محمد صاحب (فاضل دیوبند) کو وصیت فرمائی کہ میں نے فلاں شخص کے چالیس روپے قرض دینے ہیں،اس کو ضرور ادا کریں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور حضرت مفتی محمود صاحبؒ جماعتی

دورے پر کراچی تشریف لے گئے، وہاں کام سے فراغت کے بعد جب لاہور کے لیے واپسی ہونے لگی تو مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے محض ان دنوں حضرات کے آرام کی خاطر ریل کے درجہ اول (اکلاس) کے دو ٹکٹ ان کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ ہزاروی کو پہلے تو معلوم نہ ہوا مگر جب اکلاس کے ڈبہ میں داخل ہوئے اور نرم اور آرام دہ سیٹ پر تشریف فرما ہوئے ازارہ تعجب مولانا بنوریؒ سے آپ نے فرمایا کہ آپ نے یہ کیا کیا، ہم تو ساری زندگی کفایت شعاری سے کام لیتے ہوئے تھرڈ کلاس میں سفر کرتے رہے اور آج آپ نے ہمارے لیے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے لیا ہے۔ اس طرح ہماری دیرینہ عادتوں کو کیوں خراب کرتیہیں؟ آئندہ مہربانی فرما کر جب کبھی کوئی ایسا موقعہ آئے تو تھرڈ کلاس کے علاوہ بقیہ رقم جمعیت علماء اسلام کے فنڈ میں دے دیا کریں۔ یہ تھی اس مرد قلندر کی کفایت شعاری اور جفاکشی۔

حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمہ اللہ کی عاجزی وانکساری۔

مولانا محمد ازہر صاحب مدیر ماہنامہ ''الخیر'' تحریر فرماتے ہیں:

آپ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کے منجھلے صاحبزادے تھے، نیکی، شرافت، تقوی اور کم گوئی میں والد مرحوم کی تصویر تھے۔ ۲ جمادالثانی ۱۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے والد ماجدؒ نے تاریخی نام مرغوب حلیم، ظہیر قانع، خیراً شکورا، منظور الکل تحریر فرمائے انکی زبان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ کچھ ایسے مقبول ہوئے کہ مولانا محمد شریف مرحوم کی پوری زندگی ان صفات کا نمونہ رہی، تواضع وانکسار کا آپ پیکر مجسم تھے۔ خودستائی اور نمود و نمائش کی مطلق عادت نہ تھی۔ تصنع تکلف سے کوسوں دور، جس بات کو صحیح سمجھتے بلاخوف لومتہ لائم بیان فرما دیتے، اپنے اکابر اور ہم عصر علماء ہی سے نہیں، اصاغر اور تلامذہ سے بھی ایسا نیاز مندانہ سلوک کرتے کہ آدمی پانی پانی ہو جاتا انکی یہ تواضع انکی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، خصوصا اپنے والد ماجد قدس سرہ کے احباب اور دوستوں سے خواہ وہ مرتبہ اور عمر میں آپؒ سے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں، انتہائی محبت وعقیدت اور تعظیم کا رویہ اختیار فرماتے۔

ایک دفعہ راقم کے ساتھ ملتان کے معروف حکیم اور صالح بزرگ سید حکیم انور علی شاہ صاحب کے گھر تشریف لے گئے ،کوئی خاص کام نہ تھا، جب ملاقات کے بعد واپس تشریف لائے تو راستہ میں مجھ سے فرمایا کہ:

''میں حکیم صاحب سے ملنے صرف اس لئے گیا تھا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ والد صاحب کے احباب اور دوستوں سے حسن سلوک بھی والدین کے حقوق کا حصہ ہے، حکیم صاحب حضرت اباجی رحمتہ اللہ علیہ کے ملنے والوں میں سے تھے''۔

حج کے جس سفر میں آپ نے مکہ مکرمہ میں وفات پائی اس پر روانگی سے قبل حکیم صاحب مذکور مدرسہ میں آپؒ سے ملنے آئے ،مگر سفر پر جانے سے پہلے آپؒ حکیم صاحب سے الوداعی مصافحہ وملاقات کے لیے انکے گھر تشریف لے گئے ۔انہوں نے حیرت آمیز مسرت سے عرض کیا کہ:

''حضرت! میں تو حاضری دے آیا تھا''۔

آپ نے کمال تواضع سے فرمایا:

''وہ آپکی شفقت تھی ، یہ میرا فرض ہے'' (بیس علماء حق ص ۱۷۹)

حضرت مولانا مفتی محی الدّین صاحب رحمہ اللہ کی فنائیت ۔

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم آپکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا مفتی محی الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ اسوقت بنگلہ دیش کے ان اکابر علماء میں سے تھے جن کے ذریعے وہاں علم ودین کے چراغ روشن ہیں۔ وہ حضرت والد صاحب قدس سرہ کے جان نثار شاگرد بھی تھے اور آپ کے مجاز بیعت بھی ،مدتوں سے ڈھاکہ کے مدرسہ اشرف العلوم میں حدیث کی تدریس اور فتوی کی خدمت انجام دے رہے تھے ،اوراس عرصے میں انہوں نے ہزار ہا تشنگان علم کو اپنے فیوض سے سیراب کیا۔آپ کے شاگرد بھی اس وقت اونچے درجے کے شیخ الحدیث سمجھے جاتے ہیں ،لیکن تواضع اور فنائیت کا عالم یہ تھا کہ اپنے چھوٹوں کو بھی اپنے سے افضل وبرتر سمجھتے تھے اور انداز وادا میں خوردبین لگا

کر بھی شان وشوکت کا کوئی شائبہ نظر نہیں آسکتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ عقیدت ومحبت ہی نہیں، والہانہ عشق تھا۔ والد صاحبؒ جب کبھی ڈھاکہ تشریف لے جاتے انہی کے مدرسے میں قیام فرماتے اور جب تک بنگال میں قیام رہتا مفتی صاحبؒ سائے کی طرح والد صاحبؒ کے ساتھ رہتے تھے، یہاں تک کہ ڈھاکہ میں انہیں حضرت والد صاحب قدس سرہ کا ترجمان اور نمائندہ سمجھا جاتا تھا اور وہ واقعۃً اس کے اہل بھی تھے۔ حضرت والد صاحب قدس سرہ کی وفات کا جس قدر صدمہ ہم لوگوں کو ہوا یقین ہے کہ مفتی محی الدین صاحبؒ کو اس سے کم صدمہ نہ ہوا ہوگا، ان کے اس زمانے کے خطوط جس کرب کے آئینہ دار ہیں اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد نہ ان کا پاکستان آنا ہوا اور نہ ہم نو ۹ سال تک بنگلہ دیش جا سکے، اس لیے اس طویل عرصے کے بعد ان سے پہلی ملاقات پچھلے سال دارالعلوم دیوبند کے ''اجلاس صد سالہ'' کے موقع پر ہوئی میں اپنے بعض رفقاء کے ہمراہ عصر کے بعد قبرستان قاسمی کی طرف جارہا تھا، اچانک میری نگاہ مفتی صاحب پر پڑی، میں ان کی طرف لپکا تو انہوں نے بھی آتے ہوئے دیکھ لیا، پس پھر کیا تھا؟ مفتی صاحبؒ عجیب والہانہ انداز میں لپٹ گئے، روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، اور کچھ دیر تک ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ پھر دیوبند کے قیام میں شدید ہجوم اور مصروفیات کے باوجود بارہا گھنٹوں گھنٹوں ان سے باتیں ہوئیں۔

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان کے والہانہ عشق کا عالم ناقابل بیان تھا۔ اسی زمانے میں ایک روز میں دیوبند میں اپنے ماموں مولانا انوار کریم صاحب مدظلہم کے یہاں مدعو تھا، عشاء کے بعد مفتی صاحبؒ نہ جانے کس طرح سراغ لگاتے لگاتے وہاں پہنچ گئے۔ اندر بلا کے بٹھایا تو بیٹھے بیٹھے دیر تک روتے رہے۔ احقر نے سبب معلوم کرنے کی کوشش کی۔ مگر گریہ کی شدت سے آواز نہ نکلتی تھی، بالآخر میرے اصرار پر رندھی ہوئی آواز

میں فرمانے لگے:

''میں ایک درخواست کرنے آیا ہوں خدا کے لئے اس رونہ کرنا''

میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا ارشاد میرے لیے حکم کی حیثیت رکھتا ہے ضرور ارشاد فرمائیں ،ذرا طبیعت کو سکون ہوا تو فرمانے لگے آج کے اجلاس میں مجھے دارالعلوم دیوبند کی طرف دستار فضیلت ملی ہے اسوقت سے مجھ پر حضرتؒ کی (یعنی احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ) کی یاد میں نا قابل برداشت اضطراب کی کیفیت طاری ہے، جو دستار میرے پاس استادؒ کے واسطے نہ آئے اس سے اضطراب نہ ہوتو کیا ہو ،حضرت اپنے دست مبارک سے میری دستار بندی فرماتے تو سکون ہوتا۔

یہ کہہ کر پھر رونے لگے اور آخر میں وہ بات ارشاد فرمائی جسے سن کر میں دم بخود رہ گیا فرمایا کہ:

''اگر تم مجھے اس اضطراب سے نجات دلانا چاہتے ہوتو خدا کے لیے یہ دستار اپنے ہاتھ سے میرے سر پر باندھ دو، میں اپنے دل کو تسلی دے لوں گا کہ ابنیت کے رشتے سے حضرتؒ ہی میری دستار بندی فرمارہے ہیں''۔

اس وقت احقر عجیب شش و پنج میں پڑ گیا ،بہتیرا حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا کہ آپ میرے استاد بلکہ استاد الاستاد کے درجے میں ہیں، میں یہ جسارت کیسے کروں ،حضرت مفتی صاحبؒ کی حالت اور ان کا اصرار دیکھ کر چار و ناچار ان کے حکم کی تعمیل کی تب انہیں سکون آیا۔ (نقوش رفتگان ص۱۵۴۔۱۵۶)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے ملفوظات ومکتوبات کے آئینہ میں:

آپ کے خلیفہ مجاز شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

جن حضرات کو حقیقت کبریٰ تک رسائی اور حق تعالیٰ شانہ کی معرفت نصیب ہو جاتی ہے انہیں (تمام اپنے کمالات کے باوصف) اپنا وجود ہیچ در ہیچ نظر آتا ہے،یہی عبدیت وفنائیت

کا وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر وہ اکابر یہ ارشاد فرماتے ہیں:

وجودك ذنب لایقاس به ذنب

(تیرا وجود ہی ایک ایسا گناہ ہے جس کے برابر اور کوئی گناہ نہیں)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ فرماتے تھے:

''صاحب کمال جتنی زیادہ ترقی کرتے ہیں اتنی ہی ان میں تواضع زیادہ ہوتی ہے، اخیر میں یہ ہوجاتا ہے کہ وہ یوں سمجھتے ہیں کہ مجھ سے کون برا ہوگا،،

حضرت شیخ اسی معراج کمال پر فائز اور انتہائی تواضع کے حامل تھے، ارشاد فرماتے تھے:

''میں بلا تواضع وتصنع بہت سی مرتبہ ختمات میں اس واسطے نہیں جاتا کہ میری وجہ سے اوروں کی دعائیں رد نہ ہوجائیں، لیکن اوروں کو چونکہ اہمیت اس نا کارہ کی زیادہ ہوتی ہے، اس لیے مجبوری کو جاتا ہوں''۔

اپنے عیوب ونقائص کا استحضار ہی تواضع کی اصل روح ہے، اور بعض اہل حال کی زبان فرط حیا کی وجہ سے دعا سے گنگ ہوجاتی ہے لیکن حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ پنبہ وآتش اور شیشہ وآہن کی جامعیت رکھتے تھے، اس لیے اپنی اپنی جگہ دونوں کا حق ادا فرماتے ہیں۔ ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

''پیارے! میں اور میری توجہ جیسی ہے وہ مجھے ہی معلوم ہے، میں تو سمجھتا ہوں کہ جتنی برائیاں آرہی ہیں وہ میری وجہ سے آرہی ہیں، لیکن مالک سے مانگے بغیر چارہ نہیں، فقیروں کا کام تو مانگنا ہی ہے، اس کے کرم سے بعید نہیں کہ جو امیدیں دوست لگائے بیٹھے ہیں پوری ہوجائیں۔ اللہ کے احسانات امت کے حال پر لاتعد ولاتحصیٰ ہیں، مگر امت خود معاصی میں اتنی گرفتار ہے، جتنا کرم بڑھتا رہا ہے، نافرمانیاں بڑھتی جارہی ہیں''۔

(مکتوب بنام مولانا محمد یوسف متالا صاحب ۱۱۵ کتوبر ۹ےء)

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ اپنے متعلقین کی اصلاح کے لیے ان کو کوتاہیوں پر نکیر بھی فرماتے تھے لیکن عین اس حالت میں بھی یہ استحضار رہتا تھا کہ میں سب سے زیادہ گناہ گار ہوں۔

ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''میرا حال تو تمہیں معلوم ہے کہ اپنے کو سب سے زیادہ گناہ گار سمجھتا ہوں، اس لیے دوسروں کی لغزش اور گناہوں پر غصہ بہت کم آتا ہے، البتہ جہاں کہیں انتظام میرے متعلق ہوتا ہے وہاں انتظاماً غصہ ظاہر کرنے پر مجبور ہوتا ہوں اور بمصالح مدرسہ تغیر و تبدل بھی ضروری سمجھتا ہوں''۔ (مکتوب بنام مولانا محمد یوسف متالا صاحب۔ از جولائی ۸ے،)

غلبۂ تواضع کی وجہ سے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کو اپنے عقیدت مندوں کی جانب سے تعریف و ستائش کا کوئی لفظ سننا گوارا نہیں تھا۔ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کے محبِّ صادر مولانا محمد یوسف متالا زید مجدھم کی فرمائش پر حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہ العالی نے ایک قصیدہ میں حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کے اوصاف نظم کیے۔ ''وصف شیخ'' کے نام سے یہ قصیدہ مع شرح کے شائع ہوا تو حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے مولانا متالا صاحب زید مجدھم کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

''مفتی صاحب نے کلکتہ میں جو نظمیں کہیں وہ تو برحق، لیکن تم نے اس سیاہ کار کے متعلق جو فرمائش کی وہ بالکل بے محل ہے۔ میرے پیارے! مجھے ایمان پر مرنے دو، پھر جو چاہے لکھتے رہو، انّ الحیّ لا تو من علیه الفتنة، اگر ایمان پر خاتمہ ہو جائے تو تم سب کے حسن ظن صحیح ہیں، اور اگر خدا نہ کرے، خدا نہ کرے کوئی دوسری صورت ہوئی تو تم ہی بتاؤ کہ میرے علاوہ تمہاری بھی کتنی رسوائی ہوگی، میں تو دوستوں کو بہت منع کرتا ہوں کہ میری زندگی میں میرے متعلق کچھ نہ لکھو''۔

ایک مرتبہ اپنے مخلص خادم جناب صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی کے نام تحریر فرمایا:

''میرا فیض ساری دنیا میں پہنچ رہا ہے اس کو تم جانو یا تمہارے مجددی صاحب جانیں، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا میں جہاں گندگی پھیل رہی ہے وہی میری وجہ سے ہے

۔عبدالحفیظ کے مکاشفے سر آنکھوں پر، اللہ جل شانہ محض اپنے فضل وکرم سے مجھ روسیاہ کو کسی قابل بنادے''۔

جناب مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم نے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کے حکم سے ''سوانح یوسفی'' مرتب فرمائی تھی۔اس کا ایک باب جو حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ سے متعلق تھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدت فیوضھم سے لکھوایا اور کتاب کے اہم ابواب طباعت سے قبل حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کو سنائے۔لیکن حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ سے متعلقہ حصہ اس خیال سے نہیں سنایا کہ اگر سنایا گیا تو حضرت نوراللہ مرقدہ اس کو کتاب میں شامل کرنے سے منع کردیں گے۔

طباعت کے بعد حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اس کو سن کر موئف مرحوم کے نام وہ طویل گرامی نامہ لکھوایا جو ''آپ بیتی نمبر۱'' کے نام سے شائع ہوا، اس میں تحریر فرماتے ہیں:

''نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

صلاح کار جکا و من خراب کجا　　ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

عزیز گرامی قدر ومنزلت! عافاکم اللہ وسلمکم۔بعد سلام مسنون تمہاری کتاب سے بہت ہی مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے دونوں جہاں میں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کے منافع دینی ودنیوی سے بھر پور متمتع فرمائے۔امید سے زیادہ بہتر لکھی ۔۔۔۔۔۔۔۔ایک باب کے سوا جو تم نے علی میاں سے لکھوایا، ساری کتاب میں بہت لطف آیا۔البتہ یہ باب تم نے گلاب کی حوض میں ایک بوتل پیشاب کی ڈالنا، یا مہذب الفاظ میں نہایت نفیس مخمل میں پرانے ٹاٹ کا پیوند لگا کر کتاب کو بدنما کردیا''۔

(آپ بیتی نمبر۱، ص۳)

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی شہرہ آفاق کتاب ''اوجز المسالک'' پر ایک مختصر سا مقدمہ تحریر فرمایا تھا، جس میں چند کلمات حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کے بارے میں بھی آگئے۔

حضرت شیخ ؒ اس سلسلہ میں حضرت بنوریؒ کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''مقدمہ تو شوق میں آتے ہی سنا مگر حضرت! بلا تصنع وبلا تور یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ حضرات کی تحریرات میں کتاب کے متعلق جو ہو وہ سر آنکھوں پر کہ لوگوں کے واسطے ترغیب کا سبب ہو، لیکن اپنے متعلق اس میں جو سنتا ہوں اس کو واقعی برعکس نہند نام زنگی کافور سے بڑی ندامت ہوتی ہے۔ کاش! میں اس قابل ہوتا' علی میاں سے میرا مستقل اصرار اسی پر رہتا ہے۔ عزیز محمد ثانیؒ نے عزیز یوسف مرحوم کی سوانح لکھی اور اس میں ایک باب اس سیہ کار کے متعلق بھی تبعاً آ گیا، تو علی میاں نے ثانیؒ سے کہا تھا کہ یہ باب میں لکھوں گا اور یہ باب طباعت سے پہلے تجھے نہیں دکھایا جائیگا، ہر چند میں نے انہیں کہا آپ پہلے مجھے سنا دو۔ تاریخی چیزوں میں غلطیاں ہو جاتی ہیں مگر علی میاں نے کہا کہ تو نہ معلوم کس کس چیز پر قلم پھیر دے گا، چنانچہ میرا خیال صحیح ہوا اور کچھ غلطیاں اس میں ہو گئیں۔ اسی کے رد میں میں نے علی میاں کو ایک خط لکھا، اسی سے آپ بیتی بن گئی''۔ (حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور ان کے خلفاء کرام جلد اص ۲۶۴ تا ۲۷۰)

(۲)''مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے نام دو یادگار مکتوب'':۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ آپکے مفصل تذکرہ میں ''سوز و گذار و محبت اور خود انکاری وتواضع'' کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

اس تعلق، باطنی کیفیت اور عشق روحانی کا کچھ اندازہ کرنے کے لیے یہاں ان کے چند مکتوبات کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جو انہوں نے از راہ شفقت و کرم راقم سطور کو حجاز کے دوران قیام میں (۱۹۴۷ء۔۱۹۵۰ء) دو حج کے موقعہ پر تحریر فرمائے ہیں:

ہمارا نام لے کر آہ بھی ایک کھینچو قاصد
جو وہ پوچھیں تو کہہ دینا، یہ پیغام زبانی ہے

بعد سلام مسنون کراچی سے دو گرامی نامے پہنچے اول مفصل لفافہ اور پھر مختصر کارڈ

مگر وہاں جواب کا وقت نہ تھا، آپ نے اس ناپاک کی معیت رفاقت کی آرزو لکھی، مگر یہ نجس العین اس پاک خطہ کے قابل کہاں، دومرتبہ حاضری ہوئی، مگر ایک طاہر مطہر ہستی تھی جس کے پیچھے قطمیر (اصحاب کہف کے ساتھ جو کتا لگ لیا تھا اس کا نام بعض کتابوں میں قطمیر لکھا گیا ہے) بھی لگ لیا، بلکہ حلما لگالیا گیا، اب کوئی پاک ہستی ایسا سمندر نظر نہیں آتا جس میں ہر قسم کی غلاظت مغلوب ہو جائے، فیا حسرتا آپ نہ معلوم کس مغالطہ میں ہیں، اپنی حالت یہ ہے:

کان ظنی بان الشیب یرشدنی، اذا اتی فازاغنی بہ کثرا

بلکہ (اب حقیقت یہ ہے)

وکنت ئامرامن جند ابلیس فارتقی ٰلی الدھر حتی صار ابلیس من جندی فلومات قبلی کنت احسن بعدہ ،طرائق فسق لیس یھسنھا بعدی

اس تعلق اور محبت کے واسطہ سے جو آپ کو اللہ رب العزت کی ستاری کی وجہ سے اس ناپاک سے محض مغالطہ کی وجہ سے رہا ہے، درخواست ہے کہ مبارک مہینہ میں، مبارک جگہ میں اگر دعا سے دستگیری فرمادیں تو وہ پاک ذات، وہ مقلب القلوب قادر مطلق جو عُلیج (شاید یہ حضرت عمر کا جاہلیت میں نام یا عرف تھا) کو عمر بنادے، اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ ایک ناپاک کو پاک بنادے اور بدکار کو نیک کار بنادے

چشمہ فیض سے اگر ایک اشارہ ہو جائے۔ لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے

عمر ختم ہوتی جارہی ہے، ظاہری طور پر وقت قریب ہی آتا جارہا ہے اور حالت یہ ہے۔

آئی تھی کچھ لین کو اور بھول چلی کچھ اور، کیا دیکھاؤں گی اپنے پیا (شوہر) کو

میرے خالی دونوں ہاتھ۔

دیتے ہیں موئے سفید افسوس پیغام اجل، نفس سنتا ہی نہیں ہر چند کہتا ہوں سنبھل۔

اپنی حالت کو کہاں تک روؤں اور اس منافقانہ تحریر سے آپ کے مبارک اوقات کو کہاں تک

ضائع کروں، یہ سطریں اس امید پر لکھی ہیں کہ آپ کے دل پر کچھ چوٹ لگے تو آپ اس پاک دربار میں کچھ عرض کر سکیں جس کی پاک جوتیوں کے ذرے ''لواقسم علی اللہ لابرہ'' کے مصادیق ہیں، بہت ادب سے صلوۃ وسلام کے بعد عرض کر دیں کہ اس ناپاک کا سلام اس پاک دربار کے ہرگز لائق نہیں، لیکن تم رحمتہ للعالمین ہو، اس ناپاک کے لئے تمہاری نظر رافت کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔

زمحروماں چرا فارغ نشینی ، نہ آخرت رحمتہ للعالمینی

یہ بھی عرض کر دیں کہ کچھ عرض کرنے کا منہ نہیں، اس لئے کیا عرض کروں۔۔۔۔

فقط السلام۔ زکریا۔ مظاہر علوم

۲۲ شعبان ۶۶ھ

''ایک خصوصی درخواست آپ سے یہ بھی ہے کہ ملتزم پر ایک مرتبہ یہ بھی اس ناپاک کے لیے مانگ دیجئے

من نگویم کہ طاعتم بپذیر
قلم عفو بر گناہم کش

یابعید ہے کہ گناہوں سے پاک صاف لوگوں کی زبان کسی ناپاک کی معافی کا ذریعہ بن جائے، اس میں کوئی تصنع نہیں ہے کہ اپنی ساری گندگی کے باوجود جس چیز پر بڑا فخر اور اُس کی بڑی ڈھارس ہے ہو صرف یہ ہے کہ بچپن سے اس وقت پیری تک اللہ کا بہت بڑا کرم یہ رہا کہ ہر دور کے اکابر اہل اللہ کی خصوصی شفقتیں انتہا سے زیادہ رہیں، اس پر جتنا بھی ناز ہو کم ہے، لیکن ساری خوشی ایک دم سناٹے سے بدل جاتی ہے جو قیامت کے حکم'' وامتازوا الیوم ایھا المجرمون''

کا اعلان دل میں گذر جاتا ہے، کاش! آپ سب مخلصوں، حسن ظن رکھنے والوں کے زور اس سال اس ناپاک کے اعمالنامہ سیاہ کو بھی دھو ڈالیں، تو آپ سب کا کس قدر احسان اس ناپاک پر ہو، ورنہ جب کل کو میری ناپاک حالت آپ کے سامنے ہوگی تو آپ کو اپنے اس

تعلق پر بھی افسوس ہوگا جو آپ نے اپنے اس مفصل گرامی نامہ میں تحریر فرمایا جو بمبئی سے لکھا۔۔۔

فقط والسلام

زکریا مظاہر علوم

۲۶ ذی قعدہ ۶۹ھ

(ماخودہ از سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ از مولانا علی میاںؒ ص ۲۰۸ تا ۲۰۸)

(۳) ''افسوس! کہ کتے کی دم بارہ برس نلکی میں رکھنے کے بعد نکالی تو ٹیڑھی ہی نکلی''۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کو ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''میرے اکابر نے تو میری اصلاح کی بہت کوشش فرمائی مگر افسوس! کہ کتے کی دم بارہ برس نلکی میں رکھنے کے بعد نکالی تو ٹیڑھی ہی نکلی''۔ (البلاغ مفتی اعظم نمبر ص ۲۶)

(۴) خلافت کی تشہیر کے خوف سے حضرت رائے پوری کے پاؤں پکڑے:۔

شوال ۱۳۳۳ء میں جب حضرت اقدس سہارنپوری حجاز مقدس میں طویل قیام کے ارادے سے جارہے تھے اور بکثرت لوگ بیعت ہورہے تھے تو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے ان سے بیعت ہونے کا ارادہ کرلیا اور آپ نے اپنے مربی و آقا حضرت سہارنپوریؒ سے درخواست کی کہ مجھے بیعت فرمالیں، اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہوجاؤں تو آجانا، اس کے بعد بیعت ہوگئے۔

حضرت اقدس سہارنپوری رحمہ اللہ نے بڑے اہتمام سے چاروں سلسلوں میں بیعت وارشاد کی آپ کو اجازت مرحمت فرمائی اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کے برادر کلاں حضرت مولانا سید احمد فیض آبادی کو دیا تاکہ وہ حضرت شیخ کے سر پر باندھ دیں، جب وہ عمامہ سر پر باندھا گیا تو شیخ کی شدت گریہ سے چیخیں نکل گئیں،

حضرت پیر و مرشد سہارنپوری بھی آبدیدہ ہو گئے، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری بھی اس موقع پر موجود تھے اور ان کو اس پورے واقعہ کی اطلاع بھی تھی، ہندوستان میں تشہیر ہو جانے کے خوف سے حضرت شیخ نے حضرت رائے پوری کے پاؤں پکڑے اور ان سے اس بات کا عہد لینا چاہا کہ وہ ہندوستان پہنچ کر اس اجازت و خلافت کی اطلاع نہ کریں، مگر حضرت رائے پوری اس حقیقت کے اخفا پر تیار نہ ہو سکے اور آپ کے ذریعے اس کی تشہیر ہو گئی۔ پھر بھی حضرت شیخ الحدیث عرصہ تک بیعت لینے سے پہلو تہی فرماتے رہے۔

(اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص۱۱۴)

(۵) حضرت شیخ الحدیثؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا باہمی والہانہ تعلق:۔

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم آپکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

علم و فضل کے اس مقام بلند اور ان عظیم خدمات کے باوجود شخصیت ایسی کہ علم کے غرے یا تقدس و تقویٰ کے ناز کی کوئی پرچھائیں بھی وہاں دور دور نظر آنے کا کوئی سوال نہ تھا۔

سادگی، بے تکلفی اور تواضع و فنائیت کا ایسا پیکر جمیل کہ اللہ اکبر! اپنے سارے مقاماتِ عالیہ کے باوصف چھوٹوں اور احباب کے ساتھ ایسے گھلے ملے کہ کوئی شخص پہچان بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ وہ "شیخ الحدیث" ہیں جن کی علمی خدمات کے احسان سے دنیا بھر کے اہل علم کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔۔۔۔۔۔

احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے ساتھ حضرتؒ کو بڑا خصوصی تعلق تھا۔ جب کبھی کراچی تشریف آوری ہوتی تو حضرت والد صاحب ہم بھائیوں کو لے کر ان کی خدمت میں تشریف لیجاتے، اور حضرت رحمہ اللہ کے لیے بھی معذوری کے باوجود یہ ممکن نہ تھا کہ دارالعلوم کورنگی میں کم از کم ایک مرتبہ تشریف لائے بغیر کراچی سے چلے جائیں۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک مرتبہ آپ کی کراچی تشریف آوری ایسی حالت میں ہوئی کہ حضرت والد صاحب قدس سرہ صاحب فراش تھے، دل کی تکلیف کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا بھی ممکن نہ تھا، ادھر حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کو بھی بخار چل رہا تھا، لیکن اس کے باوجود دارالعلوم تشریف لانے کے معمول کا ناغہ نہیں فرمایا۔ جب حضرت والد صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے تو حضرت والد صاحب نے استقبال کے لئے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی تو حضرت نے وہیں سے فرمایا: دیکھو مفتی صاحب! اٹھنے کی کوشش کی تو اچھا نہ ہوگا ،سیدھی بات یہ ہے کہ تم بھی بیمار، میں بھی بیمار، بیٹھے رہنے کی طاقت نہ تم میں ہے نہ مجھ میں ،میں بھی لیٹ جاؤں گا اور دونوں لیٹے لیٹے باتیں کریں گے''۔

چنانچہ حضرت رحمہ اللہ برابر کی چارپائی پر لیٹ گئے، اور دونوں بزرگوں میں دیر تک اسی شان سے گفتگو جاری رہی۔ اللہ اکبر! سادگی، بے تکلفی، بے ساختگی اور اخلاص ومحبت کے یہ دلآویز پیکر اب کہاں نظر آتے ہیں۔ (نقوش رفتگاں ص۱۷۹، ۱۸۰)

(۶) ''مجھے تو خود تمہیں خط لکھنے کو کھاج اٹھے'':

حضرت آگے تحریر فرماتے ہیں:

احقر کبھی کبھی حضرت رحمہ اللہ کو (مدینہ منورہ کے قیام کے دوران) خط لکھتا رہتا تھا، اور زیادہ خط لکھنے سے اس لئے حجاب ہوتا تھا کہ حضرت رحمہ اللہ پر جواب دینے کا بار نہ ہو، ایک مرتبہ اپنی اسی کشمکش کو خط میں لکھدیا تو جواب میں تحریر فرمایا:

''تم اس بات سے نہ گھبرایا کرو، مجھے تو خود تمہیں خط لکھنے کو کھاج اٹھے''۔

(حوالہ بالا ص۱۸۲)

(۷) مدرسہ کی پکی اینٹیں اور لکڑیاں اٹھانے کا اہتمام۔

حضرت رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

تکلف اور تصنع کی تواضع اور عرفی جھوٹا وقار سے حضرت اقدس بہت دور ہیں، نہ تو اپنے لیے پسند کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے خدام کے لئے، حقیقی تواضع جس کا اوپر ذکر آیا ہے اور حقیقی

وقار صفائی معاملات میں اعلیٰ حوصلگی وایثار سخاوغیرہ حضرت کی زندگی میں نمایاں ہیں خصوصاً تواضع اور ایسی تواضع جس کے تواضع ہونے پر حضرت کو التفات بھی نہیں ہوتا۔

حضرت کا معمول تھا کہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (جس کے حضرت شیخ الحدیث تھے) میں استنجاء کے ڈھیلوں کے لئے کچی اینٹیں اور حمام گرم کرنے کی لکڑیوں کی گاڑیاں آیا کرتی تھیں۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں نے مدرسہ کے دربان سے کہہ رکھا تھا کہ جب اینٹوں اور لکڑیوں کی گاڑی آئے تو اوپر درس گاہ میں مجھے مطلع کردے۔ جب بھی گاڑی کی اطلاع آتی میں گھنٹہ کے ختم پر ایک طالب علم حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ (صدر مدرس) کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیتا تھا کہ اینٹیں آئی ہیں میں نیچے جارہا ہوں۔ مولانا مرحوم بھی فوراً پہنچ جاتے۔ اور ہم دونوں کو جاتے دیکھ کر دونوں کے یہاں کی جماعتیں ایسی دوڑتیں کہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ جاتے، ہم دونوں کو تو ایک پھیرا بھی مشکل سے آتا تھا۔

(حضرت شیخ کا اتباع سنت اور عشق رسول ص۶۲)

(۸) بیمار خدام کی عیادت کا معمول:

بیماروں کی عیادت کا معمول حضرت اقدس کا بہت کثرت سے رہا، حتی کہ اب انتہائی معذوری میں بھی جب تک گاڑی میں بیٹھ کر جانے کی طاقت رہی حضرت عیادت کو جاتے رہے۔ اولیاء اللہ، مشائخ اور بڑے لوگوں کی عیادت کو تو سب ہی کے جانے کا رواج ہے، لیکن اپنے ادنیٰ خادم کے ہاں جانا یہ حضرت کی کمال علوشان ظاہر کرتا ہے۔

ایک دفعہ احقر مدینہ طیبہ میں بیمار تھا اور احقر کا مکان کچے راستوں میں سے ہو کر ایک بے آباد باغ کے اندر تھا۔ حضرت اپنے خادم خاص الحاج ابوالحسن صدیقی صاحب کے ساتھ اس جگہ تشریف لے آئے اور پڑھ کر بندہ پر دم کیا جس سے مجھے افاقہ ہو گیا اور مجھے تکلیف کی جگہ دیکھ کر کوئی سہولت کی جگہ ملنے کی دعا بھی فرمائی، جس کے بعد مجھے بلا کسی کوشش کے حرم شریف کے قریب راحت کا مکان بھی مل گیا۔ (حوالہ بالا ص۶۳)

(۹) مردوں کو غسل دینے کا اہتمام:

مدرسہ مظاہر علوم کے طلبہ اکثر تو دارالاقامہ میں رہتے ہیں، لیکن بعض امامت کی مد میں شہر کے مختلف محلوں کی مساجد میں بھی رہتے ہیں۔ حضرت اقدس کو جب بھی کسی غریب الوطن طالب علم کی وفات کی اطلاع ملتی تو فوراً وہاں پہنچ کر اس کو غسل دیتے چاہے رات کا وقت ہوا اور جگہ بھی دور ہو، اور بعض اوقات فوت ہونے والا چیچک وغیرہ ایسے مرض کا شکار ہوتا جس سے گھن اور تعفن بھی ہوتا اور ظاہری نجاست سے آلودگی بھی ہوتی، مگر حضرت بایں نفاست طبع اپنے دست مبارک سے اس کو غسل دیتے۔

حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب (ناظم مظاہر علوم) کی وفات کے وقت حضرت پر بڑھاپے کے آثار اور امراض کی وجہ سے کئی قسم کی معذوریاں بھی ہوگئی تھیں لیکن حضرت غسل کے لیے اس حالت میں تشریف لے گئے، احقر بھی خادمانہ ہمراہ تھا۔

حضرت نے ایک مرتبہ تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کہ میں نے تقریباً دو سو مردوں کو غسل دیا ہوگا اور مجھے اللہ کی ذات سے اس پر بڑے اجر کی امید ہے۔ (۶۴)

شیخ القرّاء حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) ''لیکن آج تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ رہا ہوں کہ خدا را اس حرکت سے باز آجاؤ!''

آپ کے تلمیذ رشید حضرت قاری محمد عظیم بخش صاحب زید مجدہ فرماتے ہیں:

ڈیرہ غازی خان کا ایک طالب علم ہمارے ساتھ پڑھتا تھا، ناظم مدرسہ نے ایک مرتبہ شکایت کی کہ یہ سینما دیکھتا ہے، اول تو حضرت قاری صاحب کو یقین نہ آیا کہ میرا شاگرد اور سینما بینی؟ مگر ناظم اسے رنگے ہاتھوں ٹکٹ سمیت پکڑ لایا تھا، ٹکٹ دیکھ کر حضرت کو بہت صدمہ ہوا۔ نگران کو حکم دیا کہ اسے اتنے ڈنڈے رسید کرو، کچھ عرصہ بعد وہ طالب علم دوبارہ اس جرم میں پکڑا گیا، پھر ڈنڈے لگوائے اور نگران کو ڈانٹا بھی کہ تمہاری پہلی مار سے اس نے کیوں نہ اثر لیا؟ شاید اخلاص نہ تھا، لیکن کچھ عرصہ گذرنے پر تیسری بار وہ پھر سینما دیکھتے پکڑا گیا، اب مار پٹائی کے بجائے آپ نے یہ کیا کہ دوپہر کو چھٹی ہوئی تو اسے بلا کر

پاس بیٹھالیااور ڈیسک پر روز سے ہاتھ مار کر سب کو خاموش کر دیااور پر درد لہجے میں فرمانے لگے کہ: ''شب وروز جو اس قدر محنت کر رہا ہوں صرف اس لئے کہ قرآن کا نور کسی طرح تمہارے سینے میں آجائے ،مگر ایسی حرکتیں دیکھ کر دل کڑھنے لگتا ہے، سینما دنیا کی بدترین جگہ ہے، وہاں کسی قرآن کے طالب کا کیا کام؟۔ پھر اس طالب علم کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: ''دیکھو! جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے آج تک کسی کے سامنے ہاتھ نہیں جوڑے لیکن آج تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ رہا ہوں کہ خدارا اس حرکت سے باز آجاؤ''۔ یہ سن کر بے اختیار اس طالب علم کی چیخیں نکل گئیں ،دوسرے طلبہ سے بھی یہ منظر دیکھا نہ گیا اور سب بے اختیار رو پڑے۔

حضرت کی وفات کے دس بارہ برس بعد اتفاق سے رائیونڈ اجتماع پر اس ساتھی سے ملاقات ہوگئی، میں نے مزاح کرتے ہوئے پوچھا بھائی سینما بینی کا شوق ابھی ہے یا ختم ہو گیا؟ کتنے دن بعد سینما دیکھتے ہو؟اس کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور بولا: ''حضرت قاری صاحب ایسے اساتذہ دنیا میں اب کہاں ملتے ہیں جو ایک ہی نشست میں طالب علم کی کا کایا پلٹ دیں؟ جس دن قاری صاحب نے اس گنہگار کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے اس دن سے کبھی تہجد فوت نہیں ہوئی ،کبھی ڈیڑھ دو پارے اور کبھی تین پارے تہجد میں پڑھتا ہوں اور تم تو سینما پوچھ رہے ہو اس دن سے کبھی ٹی وی پر بھی میں نے نظر نہیں ڈالی۔

(ماہنامہ جدیدہ الاشرف تلاوت نمبر جلد۲ ص ۳۳۶)

(۲)۔۔۔۔۔۔۔''مجھ سے غلطی ہوئی کہ آپ لوگوں سے ناراض ہوا خدارا مجھے معاف کر دینا''۔

حضرت کا مزاج تھا کہ میرا کوئی بھی شاگرد تدریس کی جگہ تبدیل نہ کرے بلکہ ایک ہی جگہ بیٹھ کر ساری عمر وہیں گذار دے تب وہ اپنی تدریس میں کامیاب ہوگا۔ چنانچہ قاری محمد رفیق صاحب کرنالوی آف جدہ اور ان کے ہمعصر ساتھی مکہ مکرمہ چلے گئے تدریس کے سلسلہ میں تو حضرت سخت ناراض ہو گئے۔

ایک موقع پر قاری رفیق صاحب سعودیہ سے ملتان تشریف لائے، گھر والوں سے ملکر واپس سعودیہ جارہے تھے، حضرت قاری صاحب سے ڈر کی وجہ سے ملاقات نہ کی، ملتان اسٹیشن پر گاڑی کی انتظار کررہے تھے کہ اچانک حضرت قاری صاحب رکشہ پر سوار ہو کر اسٹیشن پرتشریف لائے اور خلاف معمول اپنے شاگرد قاری رفیق صاحب کو علیحدگی میں ملے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے کہ ''آپ لوگ مکی ہواور مقدس سرزمین پہ رہتے ہو ہم سے اچھے ہو، مجھ سے غلطی ہوئی کہ آپ لوگوں سے ناراض ہوا خدارا! مجھے معاف کردینا''۔

حضرت کی اس کیفیت کو دیکھ کر قاری رفیق صاحب بھی خوب روئے اور معافی مانگتے رہے۔ الوداع کرنے والے بھی حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہوگیا۔

(ایضاً جلد۳ص ۳۳۸)

(۳) تواضع وتادب:۔

آپکے تلمیذ رشید اور سوانح نگار حضرت قاری محمد طاہر رحیمی صاحب دامت برکاتھم تحریر فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت قاری صاحبؒ کو رعب وجلال کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا اس کے باوصف ان کی شان مومنین وقانتین کی تھی اپنے خوردوں کے ساتھ بھی غایت تواضع سے پیش آتے تھے اور بعض اوقات ان کا متواضعانہ برتاؤ ناواقف لوگوں کے لئے حیرت واستعجاب کے موجب ہوتا تھا۔

اپنے شیخ حضرت اقدس مولانا الحاج الحافظ المقری قاری فتح محمد صاحب مدظلہم کے سامنے اس طرح متادب ہوکر بیٹھتے جیسے طالب علم درسگاہ میں استاد کے سامنے بیٹھتا ہے انہیں حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کے سامنے کبھی چارزانو بیٹھتے یا کھل کر بولتے نہیں دیکھا گیا۔ حالانکہ آپ حضرت ممدوح مدظلہ کے محبوب ترین شاگرد اور علم تجوید وقرات میں اپنے وقت کے امام ومجدد تھے ان کی یہی کیفیت دیگرا کابر کے سامنے ہوتی تھی۔

حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری سے انہیں نہ شاگردی کا تعلق تھا نہ بیعت وارادت کا

لیکن ان کا ادب واحترام اسی طرح کرتے تھے جس طرح ایک مرید اپنے شیخ کا کرتا ہے۔
(دلکش نقش ص ۵۵)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کے واقعات:

قاضی عبدالکریم صاحب کلاچی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

(۱) فناء نفس: فنائے نفس کا یہ عالم تھا کہ ہر مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے ہم عصر علماء بالخلصوص اساتذہ کرام کے حوالہ دینے سے بڑا حظ محسوس فرماتے جبکہ لیڈری اور قیادت کے شوقین حضرات ہر بات کو اپنے طرف ہی نسبت کرتے ہیں:

معاصرین کے کمالات اور اچھے کاموں کی برملا تحسین فرماتے۔

کسی اہم کام میں اصاغر سے بھی مشورہ لینے میں استنکاف نہ فرماتے جمعیت علماء اسلام اور وفاق المدرس کے امراء۔ انظاء اور اراکین تک مشورہ فرماتے، جبکہ حضرت لاہوریؒ کے علاوہ تقریباً سبھی آپ کے تلانذہ یا ان سے بھی کم درجہ کے علماء تھے۔ (نقوش حضرت افغانی نوراللہ مرقدہ ص ۱۷)

(۲) ''ایک کام جب خود کرسکتا ہوں تو آپ کو تکلیف کیوں دوں؟''

آپکے فرزند ارجمند سید محمد داؤد جان افغانی رقمطراز ہیں:

ان کی یہ عادت تھی کہ واٹر کولر کچھ فاصلے پر موجود ہے، گھر والے قریب بیٹھے ہیں۔ لیکن پانی پینے کے لیے خود اٹھنے لگے تو گھر والے عرض کرتے ہمیں فرماتے تو جواب ملتا کہ ایک کام جب خود کرسکتا ہوں، تو آپ کو تکلیف کیوں دوں؟ (حوالہ بالا ص ۲۱)

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) ''بھائی! شہید کو بھی تو مکھیاں بناتی ہیں''۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد انظر شاہ صاحب کشمیری زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

اگر کبھی کوئی ان کی تعریف کرتا تو اپنی خلقی انکسار کی بناء پر ایک لطیف ترمیم کے

ساتھ تعریفی جملے کو اس طرح واپس فرما دیتے کہ سننے والے عش عش کر رہ جاتے، گزشتہ سال سہارنپور میں تشریف فرما تھے، جسے حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع ملتی وہ دوڑتا ہوا پہنچ رہا تھا۔ نشست گاہ بھر چکی تھی اور سامنے بھی آدمی کھڑے تھے، اتنے میں یوپی کے وزیر کابینہ پشپال صاحب پہنچ گئے۔ انہوں نے سوچ سمجھ کر مجمع کی کثرت پر عرض کیا کہ "حضرت! جہاں شہد ہوتا ہے وہاں مکھیاں پہنچ ہی جاتی ہیں" برجستہ فرمایا کہ:

"بھائی! شہد کو بھی تو مکھیاں بناتی ہیں"۔ وزیر موصوف اس برجستگی اور بذلہ سنجی پر انگشت بدنداں رہ گئے۔ (چالیس بڑے مسلمان، جلد دوم ص ۲۹۸)

(۲) "تشریف آوری محسوس نہ ہوئی":۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

دیوبند میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دارالافتاء میں مدعو کیا گیا، تشریف لائے، میں اسی طرح بیٹھا رہا، تشریف آوری محسوس نہ ہوئی، حضرت مہتمم صاحب ڈیکس کے پاس تشریف لا کر دو زانو بیٹھ گئے، میں نے دفعۃً دیکھا تو کھڑا ہو گیا، مہتمم صاحب نے فرمایا آپ وہیں بیٹھیں گے، میں نے جواب دیا کہ حضرت! آپ اس وقت مستفتی نہیں بلکہ مہمان ہیں اور مہمان کا فریضہ ہے کہ جہاں اسکو میزبان بٹھائے وہاں بیٹھے، لہذا یہاں مسند پر تشریف لے آئیں اور جس وقت حضرت مستفتی کی حیثیت سے تشریف لائینگے تو وہیں بیٹھیں، مضائقہ نہیں، اس پر قاری صاحب مسند پر آ کر بیٹھ گئے۔

(حیات محمود جلد۲ ص ۳۷۷)

(۳) "یہ آپ کی محبت ہے":۔

شیخ القراء حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ کے ممتاز تلمیذ قاری سیف الدین صاحب مدظلہم استاد صولتیہ مکہ مکرمہ فرماتے ہیں:

ایک دفعہ رمضان المبارک میں حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ ہمارے ہاں مدرسہ صولتیہ میں تشریف فرما تھے، تراویح کے بعد میں حاضرِ خدمت ہوا، دوران کلام

میں حضرت کو مختلف تقاریر کے بارے میں اپنے والہانہ تاثرات سنانے لگا جسمیں خود حضرت حکیم الاسلام کی تقاریر کا بھی تذکرہ چل نکلا جس کے جواب میں حضرت قاری صاحب نہا یت عاجزی و تواضع کے ساتھ فرماتے رہے۔''یہ آپ کی محبت ہے''،''یہ آپ کی محبت ہے''۔ (ماخوذ از ماہنامہ محاسن اسلام ملتان، شمار (۶۲)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ رائے پوری رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)''میں نے سوچا کیوں نہ میں خود ہی کو قصور وار سمجھ کر مہتمم صاحب سے معذرت کر لوں؟''

آپ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ آپ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

حضرت کے کمالات کا اندازہ ہم ایسے نو آموز طلبہ کو کیا ہو سکتا تھا' ہم تو بس ان کے لطف وکرم' ان کی شفقت ومحبت اوران کے اندازِ تدریس پر فریفتہ تھے۔ لیکن ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس کی وجہ سے حضرت الاستاذ کی عظمت کا نقش میرے دِل پر قائم ہوا' اور انشاء اللہ ہمیشہ رہے گا۔ ہوا یہ کہ حضرت مولانا اور ہمارے مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا فضل محمد صاحب مرحوم کے درمیان کچھ رنجش ہو گئی جس سے باہمی تعلقات ناخوشگوار ہو گئے۔ اس ناکارہ کو تو اپنی نوعمری کی وجہ سے جس کا علم بھی نہیں تھا۔ لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ میں حضرت مہتمم صاحبؒ کے کمرہ کے سامنے سے گزر رہا تھا' موصوف نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے حاضرین سے فرمایا کہ "یہ بھی انہی (حضرت مولاناؒ) کی پارٹی کا ہے" (چونکہ اس ناکارہ کو حضرت الاستاذ سے بہت ہی اخلاص تھا اس لیئے حضرت مہتمم صاحب کا یہ سمجھنا اپنی جگہ بالکل صحیح تھا مگر اس ناکارہ کو نہ ان اکابر کی رنجش کا علم تھا' نہ حضرت الاستاذ نے اپنی مجلس میں کبھی اس کا تذکرہ فرمایا تھا) اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں مجھے حضرت مہتمم صاحب کے اس فقرہ پر بہت غصہ آیا اور میں نے اپنے کمرہ میں آ کر ان کی خدمت میں بہت ہی لمبا خط لکھا

۔اب یاد نہیں کہ اس میں کیا اناپ شناپ لکھا ہوگا، مگر خلاصہ مضمون یہ تھا کہ بڑوں کی لڑائی میں چھوٹوں کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں، اس لیے آپ کا یہ سمجھنا کہ میں حضرت الاستاذ کی پارٹی میں ہوں اور آپ کا مخالف ہوں، قطعاً غلط فہمی ہے، میرے نزدیک اپنی رنجش کے باوجود آپ دونوں بزرگ لائق احترام ہیں ۔اور میرے دل میں واقعتہً دونوں کا یکساں احترام ہے۔مگر چونکہ میں حضرت مولانا کا شاگرد ہوں اس لیے قدرتی طور پر ان سے زیادہ تعلق ہے اور ان کی خدمت میں حاضری بھی زیادہ ہوتی ہے۔

حق تعالیٰ شانہ حضرت مہتمم صاحب کے بہت ہی درجات بلند فرمائیں اور ناکارہ کی گستاخیوں کو معاف فرمائیں ۔حضرت مہتمم صاحب خط پڑھ کر بہت ہی خوش ہوئے اور یاد پڑتا ہے کہ مجھے بلا کر انعام بھی دیا۔اگلے دن اس ناکارہ نے تنہائی میں حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ سے عرض کیا کہ آپ کی اور حضرت مہتمم صاحب کی رنجش ہے اور اس سے ہم خوردوں کے لئے بڑی مشکل درپیش ہے، اگر ایک کے پاس جاتے ہیں تو دوسرے کے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ یہ ان کا ہے ہمارا نہیں ہے۔حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ میری اس بات کو سن کر خاموش رہے کچھ نہیں فرمایا لیکن اگلے ہی دن حضرت مہتمم صاحب سے صلح صفائی کر لی، یہ ناکارہ حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر تھا۔ایک صاحب نے کہا کیا مہتمم صاحب سے آپ کی صلح ہوگئی ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا:

''جب دو شخصوں کے درمیان رنجش ہوتی ہے تو ہر فریق یہ سمجھتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور دوسرا فریق قصوروار ہے میں نے سوچا کیوں نہ میں خود ہی کو قصوروار سمجھ کر مہتمم صاحب سے معذرت کرلوں''۔

ترمذی شریف کی یہ حدیث تو ہم نے بہت بعد میں پڑھی کہ ''جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اس کیلئے جنت کے وسط میں گھر بنایا جاتا ہے اور جو شخص ناحق ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اس کیلئے جنت کے اطراف میں گھر بنایا جاتا ہے (۱) لیکن اس حدیث کا عملی نمونہ پہلی بار حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ کے یہاں دیکھنے کا موقعہ ملا۔

(شخصیات وتاثرات ص ۲۶۰)

(۲) ''کمال در بے کمالی۔''

بے نفسی وتواضع میں ان پر اپنے شیخ حضرت قطب العالم شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کا رنگ غالب تھا۔ اپنے آپ کو ایسا مٹایا تھا کہ ''جزے نیست کہ ہست'' کا مضمون صادق آتا تھا۔ وہرا رائیوری سلسلہ میں بھی مجاز تھے۔ اور حضرت شیخ مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوراللہ مرقدہ سے بھی انہیں خلافت واجازت تھی، لیکن ان کے یہاں مشیخت نام کی کوئی چیز سرے سے نہیں تھی، بلکہ ان کا مزاق یہ تھا کہ:

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار　　دیوانہ باش، سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

ہم ایسے عاصی انہیں بس ایک ''مولوی'' سمجھا کیے۔ تعلق مع اللہ کی جو دولت سینہ بے کینہ میں چھپائے بیٹھے تھے کسی کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی، تمام ظاہری و باطنی کمالات کے باوجود انہیں اپنی بے کمالی کا ایسا استحضار تھا کہ اپنے آپ کو ہیچ در ہیچ سمجھتے تھے، بے کمالی کا یہی استحضار ان کا حقیقی کمال تھا'' تحفہ سعدیہ'' میں حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب لدھیانویؒ کے حالات میں لکھا ہے:

''حضرت رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ سے آپ کا رابطہ جانی اس قدر مستحکم تھا کہ اگر حضرت رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ خانقاہ شریف سے قریب کسی جگہ قیام فرماتے تو آپ ان سے ملنے کے لیے ضرور تشریف لے جایا کرتے۔ اس قسم کی ایک ملاقات کے دوران حضرت رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے خدام کو کمرہ سے باہر چلے جانے کا اشارہ فرمایا۔ چنانچہ دونوں حضرات کے درمیان خلوت میں فقر و درویشی کے بعض اسرار و رموز پر گفتگو ہوتی رہی۔ جن میں ایک یہ بات تھی کہ حضرت رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ نے آپ سے دریافت فرمایا ''مولانا! کمال کسے کہتے ہیں؟ ہمیں تو اس راہ میں تگ و دو کرتے ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا ہے مگر کمال کا کہیں پتہ نہیں چلتا''۔ آپ نے ارشاد فرمایا حضرت! بس یہی کمال ہے۔

ولی عارف زہر اندیشہ خالی است　　کمال عشق اندر بے کمالی است

اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا قول ہے:
''دریں طریق کمال در بے کمالی است وحاصل در بے حاصلی'' (تحفہ سعدیہ ص ۳۱۴)
حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ کو واقعتہً ''کمال در بے کمالی'' کا مرتبہ عطا کیا گیا تھا۔

(حوالہء بالا ص ۲۶۹)

مفتی محمد عبداللہ صاحب ملتانی رحمہ اللہ کی تواضع وفنائیت

آپ کے شاگردِ رشید شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی آپکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

ایک بار حج پر تشریف لے گئے، ملتزم پر حفظ قرآن کے لئے دعا کی، خواب یا مکاشفہ میں ان کو اشارہ ہوا کہ خیر المدارس ملتان میں حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب کی خدمت میں قرآنِ کریم یاد کرو۔ واپس آکر حضرت قاری صاحب کی شاگردی قبول کرنی۔ اور چھوٹے بچوں کے ساتھ قرآنِ کریم یاد کرنے بیٹھنے لگے۔ جب کہ اس وقت اسی خیر المدارس کے شیخ الحدیث اور مفتی اعظم بھی آپ تھے۔ جب تک قرآنِ کریم کا حفظ مکمل نہیں ہوگیا، وہاں سے نہیں ہٹے۔ ایک بار سبق یاد نہیں ہو سکا تھا حضرت قاری صاحب نے کان پکڑنے کو فرمایا، شیخ الحدیث اور مفتی اعظم فوراً کھڑے ہو گئے۔ حضرت قاری صاحب کی درس گاہ میں پہنچ کر وہ اپنے تئیں واقعتہً طفل مکتب سمجھتے تھے۔ انہیں کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آتا تھا کہ وہ جس مکتب میں معصوم بچے بنے بیٹھے ہیں وہ اس دار العلوم کا ایک شعبہ ہے جس کے وہ شیخ الحدیث، ناظم تعلیمات اور صدر مفتی ہیں۔ کیا اس بے نفسی کی کوئی مثال اس زمانے میں دیکھی یا سنی جا سکتی ہے؟ (شخصیات وتأثرات ص ۶۴۰)

حاشیہ:

حضرت لدھیانویؒ نے پہلے مذکورہ واقعہ ماہنامہ بینات میں تحریر فرمایا تھا، پھر اس کے بعد جب اُن کے مضامین کا مجموعہ ''شخصیات وتأثرات'' نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا تو اس کے حاشیہ میں آپ نے درج ذیل وضاحتی نوٹ تحریر فرمایا:

''بینات''میں میں نے جو الفاظ لکھے تھے مجھے یہی روایت پہنچی تھی۔لیکن حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ قاری محمد شفیق الحسن (سول ہسپتال گوجرہ) نے ایک مکتوب میں اس واقعہ کی صحیح نوعیت بیان فرمائی۔(ان کا یہ مکتوب بینات بابت ماہ رمضان ۱۴۰۵ھ میں شائع ہو چکا ہے) اس کا ضروری اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے:

''میں نے ۷۵،۷۴ء میں امام القراء حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے گردان قرآنِ کریم مکمل کیا۔اور غالباً ۷۶ء میں سند فراغت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا تو مسجد سراجاں میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اور صاحب بھی موجود تھے۔باتوں باتوں میں حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہوا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ (قاری صاحب) نے فرمایا۔کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حرمِ کعبہ میں بحالتِ نیند ارشاد ہوا۔کہ مجھے (قاری صاحب) قرآنِ کریم سنائیں۔چنانچہ واپسی پر حضرت مفتی صاحبرحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ وقت دینا شروع کیا۔تو فرمانے لگے کہ چونکہ میری درس گاہ کا اصول ہے کہ جس طالب علم کو نیند آئے وہ از خود کھڑا ہو جاتا ہے۔بصورت دیگر اسے کان پکڑنے پڑتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سارے دن کی تھکاوٹ سے چکنا چور ایک روز آئے۔اور دورانِ تعلیم انہیں نیند نے گھیر لیا،مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ از خود کھڑے ہو گئے۔میں نے انہیں قطعاً نہ کھڑے ہونے کو کہا۔اور نہ کان پکڑنے کو مگر طلباء میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کھڑا کر دیا''۔

(حاشیہ حوالہ ءبالاص ۲۴۲)

حضرت حاجی محمد شریف صاحب ہوشیار پوری رحمہ اللہ کے واقعات

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ آپ کے حالات میں لکھتے ہیں:

حضرت مرحوم پر محبت،فنائیت اور خود فراموشی وخود انکاری کا رنگ

بہت ہی غالب تھا، ان کی ہر ادا سے محبت وتواضع ٹپکتی تھی۔

(۱)'' خدا کی قسم! میں تو اس قابل ہوں کہ گندی نالی میں پھینک دیا جاؤں'' ......

شیخ و مرشد حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ انہیں ایسی والہانہ محبت و عقیدت تھی جس کی مثالیں بہت کمیاب ہیں، اور جب شیخ رحمۃ اللہ کی جانب سے اجازت وخلافت کی ''بشارت'' دی گئی تو حاجی صاحب نے جواب میں لکھا:

''حضرت کے ارشاد کو دیکھ کر ششدرہ گیا۔ خدا کی قسم! میں تو اس قابل ہوں کہ گندی نالی میں پھینک دیا جاؤں اور ہر شخص مجھ پر تھوک تھوک کر جائے''۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں تحریر فرمایا:

''بس میں اپنے دوستوں کے لئے اسی حالت کا انتظار کیا کرتا ہوں اور وقوع سے مسرور ہوتا ہوں، مبارک ہو''۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جو کیفیت حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھی وہ واقعتہً ان کا ملکہء راسخہ بن چکا تھا۔

(۲)''اگر مجھ میں کوئی عیب دیکھو تو مجھے اس کی اطلاع ضرور کرو''۔

ان کی فنائیت، بے نفسی اور خود شکنی کا یہ عالم تھا کہ وہ سکول ماسٹری کے زمانے میں اپنے نو عمر شاگردوں کو بلاتکلف فرما دیتے کہ ''اگر مجھ میں کوئی عیب دیکھو تو مجھے اس کی اطلاع ضرور کرو، میں ناراض نہیں ہوں گا' بلکہ خوش ہوں گا''۔ ان کی اس فرمائش پر کسی طالبعلم نے اپنے فہم کے مطابق ان کے عیب کی نشاندہی کی تو طالبعلم کو شاباش دی، اور شاگردوں کی صف میں برملا اپنے اس ''عیب'' کا اقرار کرلیا۔

(۳)''میں کیسا خوش قسمت ہوں کہ ایک طالبعلم میرے پاس آیا ہے''۔

ہمارے دینی مدارس کے ایک نو عمر مبتدی طالب علم کو ان کے والد ماجد نے نصیحت کی کہ کبھی موقع ملے تو حضرت حاجی محمد شریف صاحب کی خدمت میں حاضری دیا کرو۔ وہ طالب علم حاجی صاحب کی خدمت میں آیا تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ

"میں کیسا خوش قسمت ہوں کہ ایک طالب علم میرے پاس آیا ہے"۔

(۴) ''اس فنائیت کی مثالیں اس دور میں بہت ہی کمیاب بلکہ نایاب ہیں''۔

ان کی فنائیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ سے خلافت و اجازت کے باوجود انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ مبتدی سالک سمجھا اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے بعد ان کے خلفا سے اپنا ''اصلاحی تعلق'' رکھا، پہلے حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ سے، ان کے بعد حضرت اقدس مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ سے، ان کے بعد سیّدی ومرشدی حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کے بعد ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی مدظلہم العالی سے، اور یہ تعلق بھی محض رسمی و اسمی نہیں بلکہ کاملِ سپردگی کے ساتھ۔ جس طرح ایک مبتدی قدم قدم پر اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی مشوروں کا طالب ہوتا ہے اور اپنے تمام ارادوں کو فنا کر کے شیخ کامل کی اطاعت وانقیاد میں لذت محسوس کرتا ہے حضرت حاجی صاحب کا اسی نوعیت کا تعلق ان اکابر کے ساتھ رہا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس فنائیت کی مثالیں اس دور میں بہت ہی کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔

(۵) ''میرے پاس کسی سوال کا جواب نہیں''۔

ارشاد فرمایا کہ میں ہر روز تہجد کے وقت اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کرتا ہوں:

''یا اللہ! آپ نے قیامت کے روز جتنے مجھ سے سوال کرنے ہوں، میں ابھی سے اُن کا جواب دیئے دیتا ہوں کہ میرے پاس کسی سوال کا جواب نہیں، مجھے اس کا اقرار ہے کہ میرے پاس کسی سوال کا جواب نہیں، اس لئے محض اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دیجئو''۔

(٦) ''میں اپنے آپ کو سب میں ذلیل ترین دیکھتا ہوں''۔

حضرت رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ مسجد میں پہلی صف میں ہمیشہ بائیں طرف بیٹھتے تھے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! آپ ہمیشہ پہلی صف میں بائیں طرف بیٹھتے ہیں جب کہ دائیں طرف بیٹھنے میں حدیث شریف میں بہت فضیلت آئی ہے۔ تو

حضرت نے ارشاد فرمایا:

"مجھے بھی معلوم ہے کہ دائیں طرف بہت فضیلت ہے، لیکن میں یہ جگہ یعنی دائیں طرف نیک لوگوں کے لئے چھوڑ دیتا ہوں اور میں اپنے آپ کو سب میں ذلیل ترین دیکھتا ہوں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں بائیں طرف رہوں"۔

(۷) ''میں تو نالائقِ دربارِ اشرف ہوں'' ....

حضرت کے مسترشد قاری محمد اسحاق صاحب زید مجدہ فرماتے ہیں:

ایک دفعہ احقر نے لکھ کر دیا کہ حضرت کے جو ملفوظات ہوتے ہیں دل چاہتا ہے کہ اسی وقت نوٹ کر لیا کروں، بعد میں بعینہ وہی الفاظ نوٹ کرنا دشوار ہوتے ہیں اس لئے اجازت عطا فرمائی جائے کہ احقر مجلس ہی میں نوٹ کر لیا کرے، اس کے جواب میں حضرت کے تحریر فرمودہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

''میں تو نالائق دربار اشرف ''ہوں، اس لئے شرم دامن گیر ہوگی ایسا نہ کریں"۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا:

''کوئی شخص آ کر مجھ سے بیعت کی درخواست کرتا ہے تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ مجھے چڑا رہا ہے، زیادہ اصرار کرتا ہے تو حضرت کا حکم سمجھ کر بیعت کر لیتا ہوں''۔

(۸) ''کاش! وہ لڑکا میرے سامنے ہوتا تو میں اپنی پگڑی اس کے پاؤں پر رکھ دیتا''۔

ایک متعلق نے حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں اپنے بیٹے کی نافرمانیوں کا حال لکھا اور اپنی بہت زیادہ پریشانی کا اظہار کیا تو حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا:

"حالات پڑھ کر بہت صدمہ ہوا، کاش! وہ لڑکا میرے سامنے ہوتا تو میں اپنی پگڑی اس کے پاوں پر رکھ دیتا"۔

یہ خط جب واپس پہنچا تو لڑکے کے والد صاحب یہ خط پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے، اسی نافرمان لڑکے نے آ کر پوچھا کہ ابا کیا بات ہے آپ رو رہے ہیں؟ تو باپ نے وہ خط سامنے کر دیا، خط پڑھتے ہی لڑکے کی حالت بدل گئی اور وہ فرماں بردار بن گیا۔

(۹) ''حضرت کے تحریر فرمودہ دو خط''۔

پہلا خط: قاری محمد اسحاق صاحب ملتانی تحریر فرماتے ہیں:

حضرتؒ اپنی مسجد میں امامت کے فرائض خود انجام دیتے تھے، اور صبح کو کتاب پڑھ کر سناتے تھے، پیرانہ سالی کی وجہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے امامت اور کتاب سنانے کی خدمت میرے متعلق کر دی۔ حضرتؒ کے حکم سے کتاب میں سنانے لگا، چند احباب نے تقاضا کیا کہ میرے کتاب سنانے کے بجائے حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود چند کلمات فرما دیا کریں لیکن منظور نہیں فرمایا۔ ایک صاحب نے چند رفقاء کے ساتھ تحریری طور پر حضرت کی خدمت درخواست کی، اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

۱۰ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ

محترم ومکرم جناب خان صاحب زید مجدکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کے جزباتِ محبت اور دعاؤں سے یہ ناکارہ بہت زیادہ متاثر ہوا، ایک کیف وسرور کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ خان صاحب! بات اصل میں یہ تھی کہ نماز کے بعد امام کی جگہ فوراً بیٹھنا اور بجائے امام کے کچھ بیان کرنے میں دعویٰ اور امتیاز کی سی صورت تھی جو مجھے پسند نہ تھا، دعویٰ اور امتیاز میں بڑے مفاسد ہیں اور عبادت کا حاصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے مٹنا ہے اور دعویٰ اور امتیاز اس کی ضد ہے جو مہلک ہے۔

لیکن محبت میں ایسی کشش ہے جیسی مقناطیس میں ہوتی ہے کہ وہ لوہے کو کھینچ لیتا ہے، میں لوہے سے بدتر ہوں، لیکن آپ کی محبت نے مجھے کھینچ لیا، انکار کی گنجائش وہمت نہیں پاتا اور پھر یہ محبت وتمنا صرف آپ کی نہیں سب احباب کی ہے اس لیئے بھی مجھے خود رائی نہیں کرنا چاہیے۔ سرِ تسلیم خم ہے ان شاء اللہ کچھ کہہ دیا کروں گا۔

چونکہ مجھے ہر ایک کی آزادی محبوب ہے، میں کسی کو مقید رکھنا نہیں چاہتا اور بعض حضرات کو ضروری کام ہوتے ہیں میں ان کا حرج نہیں کرنا چاہتا، اس لیا امام کی دعا کے بعد

کچھ کہا کروں گا، تا کہ ہر ایک کی آزادی برقرار رہے، جو چاہے چلا جاوے۔

آپ حضرات کی دعاؤں کا ممنون

احقر محمد شریف عفی عنہ

۷۰۹۔نواں شہر ملتان

دوسرا خط:

ہمارے والد صاحب کبھی کبھی صبح کی نماز حضرت والا کی مسجد میں پڑھتے تھے ۔ایک دفعہ میں نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! میری فلاں بات آپ اگر والد صاحب کو کہہ دیں تو والد صاحب مان جائیں گے تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب آئیں گے تو کہہ دوں گا۔اس کے بعد میں نے جا کر والد صاحب سے عرض کیا کہ حضرت نے آپ سے کوئی بات کرنی ہے آپ صبح کی نماز میں آجائیں ،تو والد صاحب صبح کی نماز میں آ گئے ۔حضرت نے میری وہ بات والد صاحب سے کہہ دی ،والد صاحب کے چلے جانے کے بعد حضرت والا رحمتہ اللہ علیہ نے مجھ سے دریافت فرمایا ،کیا تم نے والد صاحب کو جا کر یہ تو نہیں کہا میرے ہاں کا کہ وہاں جاؤ کوئی بات کرنی ہے......

میں نے عرض کیا کہ کہا تھا ،یہ بات سنی تھی کہ حضرت بے تاب ہو گئے ،فرمایا کہ تم نے کیوں کہا؟ میں نے کہا تھا کہ وہ جب آئیں گے تو میں کہہ دوں گا۔اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ بیٹھو! میں تمہیں خط لکھ کر دیتا ہوں اس پر اُن سے لکھوا کر لاؤ کہ معاف کر دیا اور مندرجہ ذیل خط لکھ دیا:

محترم ومکرم جناب عبدالقیوم صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مجھے معلوم ہوا ہے کہ صبح آپ کو ضروری کام تھا ،آپ حرج کر کے مجھے ملنے آئے ،اور محمد اسحاق کے تقاضا پر تشریف لائے ،میں نے آپ کو نہیں بلایا تھا ،صرف یہ کہا تھا کہ جب ملنا ہو گا کہوں گا کہ اسحاق کو میں نے سمجھا دیا ہے ۔اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو مجھے خود آپ کی

خدمت مین آ نا چاہیئے تھا۔ مجھے کوئی حق حاصل نہیں کہ میں یہ کہوں کہ آپ آئیں۔ بہر حال میری وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی، میں معافی چاہتا ہوں مجھے معاف فرما دیں، یقین جانیں میں جو کچھ کہتا ہوں آپ سے ہمدردی اور آپ سے محبت کی وجہ سے کہتا ہوں، دل چاہتا ہے آپ سب آرام سے رہیں، کیونکہ یہ غلطی اسحاق نے کرائی مگر میری وجہ سے ہوئی اس لئے معافی چاہتا ہوں، کوئی بات خلافِ مزاج میں نے کہی ہو اس کی بھی معافی چاہتا ہوں۔

اس پرچہ پر دستخط کر کے مجھے بھیج دیں، یہ بھی تحریر فرما دیں کہ "معاف کر دیا"۔
میں اپنی غلطی پر نادم ہوں۔ ۲۷صفر ۱۳۹۸ھ

دعا گو

احقر محمد شریف عفی عنہ

۷۰۹ نواں شہر۔ ملتان

(ماخوذ از شخصیات وتأثرات ۲۴۸ تا ۲۵۶)

(۱۰) ''حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی شانِ عبدیت''۔

حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد استاذ محترم حضرت اقدس مفتی محمود اشرف صاحب زید مجدھم (خلیفہء مجاز حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ) کی درخواست پر حضرت حاجی صاحب کے خلیفہء مجاز حضرت اقدس مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتھم نے حضرت کے حالات وکمالات تحریر فرماتے ہوئے آپ کی ''شانِ عبدیت'' سے متعلق ایک اہم اور جامع مضمون تحریر فرمایا جو ذیل میں من وعن پیشِ خدمت ھے:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق رکھنے والے حضرات خصوصاً مجازین حضرات میں عبدیت وتواضع کوٹ کوٹ بھری کہ ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمتہ اللہ علیہ میں بھی بہت اونچے درجے

کی تواضع اور فنا کی شان تھی۔

اس تواضع اور عبدیت کی ایک مثال یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ حضرت والا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازِ بیعت تھے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے فوراً بعد حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ان الفاظ سے حضرت والا نے اپنی تعلیم کی درخواست فرمائی:

''حضرت خواجہ صاحب! یہ ناکارہ آئندہ اپنے آپ کو تعلیم کے لئے آپ کے سپرد کرتا ہے للہ منظور فرمالیں''۔

جواب حضرت خواجہ صاحب: ''اس ضابطہ کی کیا حاجت ہے۔ میں تو یوں بھی گویا مان نہ مان میں تیرا میزبان ہوں، پوچھنے پر بلکہ بے پوچھے بھی جو الٹا سیدھا سمجھ میں آتا ہے عرض کرتا ہی رہتا ہوں اور کرتا ہی رہوں گا۔

نقل ارشاداتِ مرشد مے کنم ۔ آنچہ مردم مے کند بوزینہ ہم
اصل کی برکت سے لیکن کیا عجب ۔ نقل سے بھی ہو وہی فیض اتم

(بحوالہ ''اصلاح دل'' چوتھا ایڈیشن۔ص ۱۹۸)

اور پھر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان الفاظ کے ساتھ حضرت والا نے اپنے آپ کو حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مزید ترقی کے لئے پیش فرمایا:

''حضرت اقدس تعلیم اور اصلاح کے سلسلہ میں مجھے مکاتیب کی اجازت فرما دیں، میرا مقصود اس تعلیم سے محض رضائے مولا ہے''۔

جواب حضرت مفتی صاحب: ''بسر وچشم اجازت ہے۔ حق تعالیٰ اسی تعلق کو اپنے تعلق کا ذریعہ بنائے اور طرفین کے لیے موجب قرب ورضا ہو (اصلاحِ دل چوتھا ایڈیشن۔ص ۲۰۱)

پھر حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت مولانا

خیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے اور حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمتہ اللہ علیہ سے تعلیم کا تعلق قائم فرمایا، ان دونوں کا ذکر حضرت والا کے اس مکتوب میں ہے جو حضرت والا نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں تحریر فرمایا۔:وھوھذا

''حضرت مرشد تھانوی کے بعد میں نے تجدیدِ بیعت کسی سے نہیں کی البتہ تعلیم واصلاح کیلئے اپنے آپ کو اول حضرت خواجہ صاحب، ان کے بعد حضرت مفتی محمد حسن صاحب اور ان کے بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے سپرد کر دیا۔ (کچھ الفاظ کے بعد) اب مولانا خیر محمد صاحب کے بعد میں تعلیم اور مشورہ آپ سے لینا چاہتا ہوں، آپ کی محبت سے میرا دل لبریز ہے۔ للہ! میری درخواست قبول فرمادیں۔

(اصلاحِ دل چوتھا ایڈیشن ص ۲۵)

اور حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف رحمتہ اللہ علیہ کی حیات طیبہ ہی میں حضرت والا اپنے خالقِ حقیقی سے واصل ہوئے۔ گویا آخری سانس تک باوجود کامل و مکمل ہونے کے ، باوجود کثیر مریدین کے، باوجود متعدد خلفاء کے اپنے آپ کو مرید ہی بنائے رکھا یہ فنا کا بہت اونچا مقام ہے

تم درود گم شو وصال این است وبس ۔ گم شدن گم کن کمال این است وبس

اللہ تعالی کے راستہ میں پہلا قدم بھی تواضع ہے اور آخری قدم بھی تواضع ہے تکبر نے ابلیس کو ملعون بنایا، اکثر کفار کے لیے ایمان سے مانع تکبر ہے اور اکثر اہل ایمان کو اصلاح باطن اور دینی ترقی سے مانع اور اپنے زمانہ کے مشائخ کی طرف رجوع کرنے سے مانع یہی تکبر ہے۔ اس تکبر کو حضرت والا نے اپنے قول اور عمل سے پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

جب تک ڈاکٹروں نے منع نہیں کیا حضرت والا ملتان شہر میں ہمیشہ سائیکل پر آتے جاتے اور کمال تواضع کی وجہ سے سائیکل سے اتر کر اپنا سائیکل خود پکڑ کر جہاں کھڑا کرنا ہوتا تھا ، کھڑا کرتے تھے کسی دوسرے کا پکڑنا پسند نہ کرتے تھے۔

خیر المدارس کے جلسوں میں اور فجر کے بعد درسوں میں بہت کثرت سے شرکت فرماتے تھے لیکن ہمیشہ عام آدمیوں کے ساتھ مل جل کر جلسہ سنتے تھے۔ علما کے پاس سٹیج پر احقر نے کبھی بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا۔ حتی کے وصال سے تقریبا ایک سال پہلے جبکہ ''صیانۃ المسلمین'' کے اجلاس میں سب سے اہم مہمان حضرت والا ہی تھے، ختم بخاری کے موقع پر عام سامعین کے ساتھ گھل مل کر تشریف فرما ہو گئے، برادرم مولانا عبدالرحمٰن صاحب نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ نے کوشش کر کے آگے بٹھایا۔

ایک دفعہ ملتان میں حضرت کے دولت کدہ کی چھت پر حضرت نے بھی سونا تھا اور حضرت والا نے بھی وہیں سونا تھا تو ایک چارپائی بڑی تھی دوسری چھوٹی تھی احقر نے بہت کوشش کی کہ وہ چھوٹی پر سوئے مگر کمالِ عبدیت کی وجہ سے فرمایا کہ چھوٹی چارپائی پر سونے کی اجازت نہیں ہے۔

یا اللہ! اپنے اس عبد کامل کو درجاتِ عالیہ سے نوازا۔ آپ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔

من تواضع اللہ رفعہ اللہ (فیوض الاکابر ص ۴۳۔۴۵)

حضرت مولانا عبدلعزیز صاحب رائپوری رحمتہ اللہ علیہ (خلیفہِ مجاز حضرت عبدلقادر رائپوریؒ) کی تواضع وافنائیت:

''حضرات! مجھ سے تقریر کا تقاضا کیا گیا ہے لیکن مجھے تقریر کرنی نہیں آتی''۔

ایسے ہی ایک دینی جلسہ میں آپ رحمتہ اللہ علیہ تشریف لے گئے تھے منتظمین جلسہ نے بطور اعزاز واکرام آپ سے سٹیج پر بیٹھنے کی درخواست کی پہلے تو آپ نے سٹیج پر بیٹھنے سے انکار کیا لیکن شدید تقاضا پر بیٹھنا قبول فرمالیا جب آپ سٹیج پر تشریف فرما ہوئے تو اسٹیج سیکٹری نے آپ سے پیش کی۔ اجازت کے بغیر اعلان کر دیا کہ حضرت جی کچھ ارشاد بھی فرمائیں گے اور ساتھ ہی آپ سے تقریر کرنے کا تقاضا کیا حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی میں تقریر نہیں کیا کرتا نہ ہی مجھے تقریر آتی ہے مگر نا سمجھ اسٹیج سیکٹری مصر رہا اور بالآخر اس نے کہا کہ پھر آپ مائیک پر تشریف لا کر صرف اتنا کہہ دیں کہ مجھے تقریر نہیں آتی اس پر حضرت

اپنی جگہ سے اٹھ کر میک پر تشریف لائے اور بڑی سادگی اور متانت کے ساتھ فرمایا کہ حضرات مجھ سے تقریر کرنے کا تقاضا کیا گیا ہے لیکن مجھے تقریر نہیں آتی یہ جملہ ارشاد فرمایا اور پھر اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے اس پر سب سامعین جلسہ حیران اور ششدر رہ گئے اگر چہ آپ کسی جلسہ میں وعظ وتقریر نہیں کیا کرتے تھے لیکن عام مجالس میں بالخصوص خانقاہ شریف میں گھنٹوں علمی مباحث اور دینی مسائل پر نہایت عمدہ گفتگو فرمایا کرتے اور معلوم ہوتا کہ جیسے علم کا کوئی سمندر امنڈ آیا ہے۔ (تذکرہ الصالحین ۲۴۲)

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے واقعات

کیوں جھوٹ بولتے ہو، شرم نہیں آتی؟

آپ کے خلیفہ مجاز مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:
حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی ہمیں برا بھلا کہتا ہے تو اس سے ہمارے نفس کی اصلاح ہوتی ہے، اور جو لوگ بڑی عقیدت سے لمبے چھوڑے القاب لکھ بھیجتے ہیں، ان سے نفس پھولتا ہے، برا بھلا کہنے والوں سے اس کا کفارہ ہو جاتا ہے، حضرت کے صبر وضبط کی ایک چھوٹی سی مثال بیان کر دینا کافی ہوگا۔ آپ کے یہاں کسی صاحب نے مزدوری کا کوئی کام کیا تھا، اس کو اس کی مزدوری دی جا چکی تھی۔ خدا جانے کیا صورت پیش آئی کہ صبح ہی صبح جب کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ اپنے مطب میں جا کر بیٹھے ہی تھے، وہ صاحب آئے اور اپنی مزدوری مانگنے لگے، حضرت نے فرمایا کہ بھئی! تمہاری اجرت تو ہم تمہیں دے چکے ہیں، بس اتنا کہنا تھا کہ ان
صاحب نے بغیر کسی تمہید کے بدکلامی شروع کر دی کیوں جھوٹ بولتے ہو، شرم نہیں آتی، داڑھی رکھی ہوئی ہے بزرگ بنے بیٹھے ہو، مزدور کی مزدوری مارتے ہیں! وغیرہ وغیرہ جو منہ میں آیا کہتا چلا گیا، ایک خادم نے ان صاحب کو کمرے سے باہر لے جانا چاہا، تو حضرت نے نہایت خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ بھئی! ان کو کچھ نہ کہو، ان صاحب نے آج ہمیں خود ناشتہ کرایا ہے، پھر اسے پانچ روپے مرحمت فرمائے تو وہ خوش ہو

کر دعائیں دینے لگا۔ حضرت اپنی مجلس میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے تو اس کے الفاظ:
کیوں جھوٹ بولتے ہو، شرم نہیں آتی نقل فرما کر خوب محظوظ ہوتے تھے۔ بے نفسی اور فنائیت کا یہ مقام خاص مقبولانِ الٰہی کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ حضرت کا حال واقعہ شیخ سعدی کے اس قول کا مصداق تھا

شنیدم کہ مردان راہ خدا　　　دل دشمنان ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام　　　کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

راقم الحروف کو سالہا سال تک حضرت کی خدمت میں حاضری کی توفیق وسعادت میسر آئی۔ لیکن اس طویل عرصے میں حضرت کو کسی ناگوار بات پر بگڑتے ہوئے یا کسی کو ڈانٹتے جھڑکتے کبھی نہیں دیکھا۔۔۔ البتہ اپنے بیان میں جب دورِ حاضر کی بے حیائی، بے پردگی، مردوزن کے اختلاط، ریڈیو، ٹی وی، اور دیگر فواحش ومنکرات پر نکیر فرماتے تو بے ساختہ حضرت کا لہجہ تیز تر ہو جاتا، چہرہ پر نفرت وبیزاری کے آثار ظاہر ہو جاتے اور لب ولہجہ سے غیظ وغضب ٹپکتا، جس طرح حضرت کی مسکراہٹ کی عادت بہت پیاری معلوم ہوتی تھی اور اس وقت حضرت کا منہ چوم لینے کو جی چاہتا تھا، اسی طرح حضرت کا یہ غضب ناک لہجہ بھی بہت ہی بھلا لگتا تھا۔　　　(شخصیات وتاثرات ۲۹۸)

(۲) ''تو انجام کار مٹی میں مل جانے والا ہے''۔

آپ ہی کے خلیفہ مجاز حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم فرماتے ہیں:
ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے گھر میں کبھی کبھی ننگے پیر بھی چلتا ہوں، اس لیئے کہ کسی روایت میں پڑھ لیا تھا کہ حضور اقدس ﷺ کسی موقع پر ننگے پاؤں بھی چلے تھے میں بھی اس لیئے چل رہا ہوں تاکہ حضور ﷺ کی اس سنت پر عمل ہو جائے۔ اور فرمایا کرتے کہ میں ننگے پاؤں چلتے وقت اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ دیکھ، تیری اصل حقیقت تو یہ ہے کہ نہ پاؤں میں جوتا نہ سر پر ٹوپی اور نہ جسم پر لباس اور تو انجام کار مٹی میں مل جانے والا ہے۔ (اصلاحی خطبات، جلد ۷ ۳)

(۳)''نشست کے انداز میں بھی سادگی''۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

نشست کے انداز میں بھی سادگی کا یہ عالم تھا کہ عمر بھر کبھی مجلس میں تکیہ لگا کرنہیں بیٹھے، آخر عمر میں جب ضعف بہت زیادہ ہوگیا تھا، ہم خدام نے بار بار باصرار کہا کہ تکیہ لگالیں، لیکن حضرت رحمتہ اللہ علیہ نہ مانے، شروع میں مجلس میں اندر کسی ممتاز اونچی جگہ پر بیٹھنا پسند نہیں فرماتے تھے، بعد میں جب لوگ زیادہ ہوگئے، اور ارشادات سے استفادے میں انہیں دقت ہونے لگی تو جمعہ کی مجلس میں ایک چوکی پر بیٹھنے کو منظور فرمالیا، مگر دوشنبہ کی مجلس میں نیچے ہی بیٹھتے، اور اپنے لیے کوئی امتیاز قائم نہ فرماتے (البلاغ حضرت عارفی نمبر ۲۵۶)

(۴)''چھوٹوں کے ساتھ شفقت ومحبت اور آپ کی تواضع وانکساری فقیہ العصر عارف باللہ حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں'':

حضرت ڈاکٹر صاحب اپنے چھوٹوں کے ساتھ بڑی شفقت اور محبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے، اور آپ کی تواضع اور انکساری بھی انتہا درجہ کی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے، میں نے اٹھ کر مصافحہ کیا فرمایا:

صرف مصافحہ نہیں، بلکہ معانقہ کریں گے۔ کہاں میں، اور کہاں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا مقام اور پھر اس بے تکلفی اور محبت سے پیش آنا، انتہائی درجہ کی تواضع ہے۔

ایک بار یہاں تشریف لائے، معانقہ فرماتے ہوئے کہنے لگے کچھ اپنے دل سے ہمارے دل میں داخل کردیجئے، میں نے عرض کیا: حضرت! جس طرف نشیب ہوگا، اس طرف خود ہی آجائے گا۔ تو اس طرح اپنے چھوٹوں سے کہنا کہ'' کچھ دیدیجئے''۔ اعلیٰ درجہ کی انکساری ہے ایک بار حضرت ڈاکٹر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے کی شادی پر دعوت ولیمہ میں مجھے بلایا، میں جیسے ہی حاضر ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے اور بہت ہی مسرت کا اظہار فرمایا کہ جو آپ یہاں تشریف لائے ہیں، یہ مجھ پر احسان کیا ہے۔ اور یہ احسان میں مدت عمر تک نہیں

بھولوں گا۔ ایسے الفاظ سے چھوٹوں کی دلجوئی کرنا اور محبت وشفقت کا معاملہ کرنا ایسی تواضع اور انکساری کی مثالیں نہیں ملتی۔ آخر پھر وہی شعر۔

انہی کے نقش قدم پر ہو یا خدا جینا ۔۔۔ وَیَرْحَمُ اللہُ عَبْدًا یَقُولُ آمینا

(البلاغ حضرت عارفی نمبر ۳۳۴)

(۵) ''تواضع وشفقت''۔

آپ کے خلیفہ مجاز حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں:

جب بھی حاضری ہوتی، اس قسم کے ارشادات فرماتے:

بھئی آپ کے آ جانے سے ہمارا جی بہت خوش ہوتا ہے۔'' آپ حضرات کو بہت دور سے آنا پڑتا ہے یہ بھی بڑا مجاہدہ ہے'' بھئی آپ حضرات کا ہمیں انتظار رہتا ہے، جب موقع ملا کرے آ جایا کریں۔'' ماشاء اللہ آپ حضرات میں طلب ہے، طلب بڑی چیز ہے، اس سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے''۔

تواضع وشفقت کا اندازہ فرمایئے کہ یہ جملہ بھی اکثر وبیشتر فرمایا کرتے تھے کہ:

بھئی آپ حضرات کے آ جانے سے ہمیں بڑی تقویت ہوتی ہے۔ حضرات یہ ارشاد فرماتے، اور ہم اندر ہی اندر شرم سے پانی پانی ہو جاتے، (حوالہ بالا ۱۲۷)

(۶) ''خادم کا منصب''۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

آپ نے کئی بار فرمایا کہ:

ایک عظیم منصب آپ کو ایسا بتاتا ہوں کہ اس سے آپ کو کوئی معزول نہیں کر سکتا، کوئی اس راہ میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا، وہ منصب خدمت ہے، خادم بن جاؤ ہر کام میں دوسروں کی خدمت کی نیت کر لو، ساری خرابیاں ''مخدوم'' بننے سے پیدا ہوتی ہیں خادم بننے میں کوئی خرابی ہے نہ جھگڑا، یہ منصب سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ ہمارے اللہ میاں کو بندے کی عبدیت سب سے زیادہ محبوب ہے۔ سید القوم خادمھم، یہ منصب سب سے اعلیٰ بھی ہے اور سب سے

محفوظ بھی۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ والا کے مزاج میں خادمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی مخدومیت کا نام و نشان نہ تھا۔ایک دومرتبہ خود فرمایا کہ:

''بحمداللہ میں نے عمر بھر اپنی اہلیہ سے بھی اپنے کسی ادنی کام کو نہیں کہا، مثلاً پانی پلا دو یا فلاں چیز اٹھا دو، یہ بھی کبھی نہیں کہا، یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی خوشی سے میرے بہت سے کام کر دیتے ہیں، اور کبھی سخت سے سخت ناگواری کے موقع پر بھی میں نے ان سے لہجہ بدل کر بات نہیں کی۔

بالکل یہی بات حضرت کی اہلیہ صاحبہ مدظلہا نے بھی ہمارے گھر والوں سے بیان فرمائی احقر عرض کرتا ہے کہ لوگ بزرگوں کی کرامتیں تلاش کرتے ہیں مگر اس استقامت کے سامنے کرامت کی کیا حیثیت۔عارفین باللہ کا ارشاد ہے کہ''الاستقامتہ فوق الف کرامتہ ''یعنی استقامت ہزار کرامتوں پر بھاری ہے.جس کی بے نفسی کا یہ عالم ہو کہ بیوی سے بھی عمر بھر کام کو نہ کہے، وہ کسی اور سے کیا خدمت لے گا۔لیکن حضرت والا رحمتہ اللہ علیہ کی بے نفسی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ کسی کی ادنی ودلشکنی سے بھی بچتے تھے، چنانچہ خاص اہل محبت اگر کرنا چاہتے تھے تو انکو روکتے بھی نہ تھے۔سر میں تیل کی مالش اور پاؤں دبانے کی اجازت دے دیتے تھے، ایسے ہی ایک دوموقع پر اپنا یہ واقعہ سنایا کہ:

ایک بار حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا ،موقع دیکھ کر میں نے ان کے پاؤں دبانے کی اجازت چاہی تو اجازت دے دی، جب میں پاؤں دبا رہا تھا تو آپ نے مزاحاً فرمایا کہ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مخدوم بننا چاہتے ہو'' اشارہ اس طرف تھا کہ جو شخص اپنے بڑوں کی عزت وخدمت کرتا ہے، اس کے چھوٹے اس کی عزت وخدمت کرتے ہیں۔ (۱۹۳)

(۷)''آندھیاں اور خاکساری''۔

فرمایا کہ ایک مرتبہ ھندوستان میں میں اپنے وطن سے کسی کام کے سلسلے میں ایک

دیہات میں گیا، راستہ کچا تھا، اور وہاں آنے جانے کے لیے تانگے چلا کرتے تھے، اپنے کام سے فارغ ہو کر تانگے میں واپس آ رہا تھا، راستے میں ایک طویل وعریض صحرا پڑا ہوا تھا، تانگے والے نے چلتے چلتے اچانک ایک جگہ تانگہ روک دیا، اور ہم سے کہا کہ تانگے سے اتر جائیں، ہم نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ اس علاقے میں بڑی خوفناک آندھی چلا کرتی ہے جس سے بڑی تباہی مچتی ہے بڑی بڑی وزنی چیزوں کو اڑا لیجاتی ہے اور آثار سے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ آھندی آنیوالی ہے۔

آندھی کی ابتدا ہوئی تو ہم نے ایک قریبی درخت کی آڑ میں پناہ لینی چاہی تو تانگے والے نے چیخ کر کہا کہ درخت کی آڑ میں ہرگز نہ رہیئے، ہم نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ اس آندھی میں بڑے بڑے درخت گر جاتے ہیں اس لیئے ایسے میں درخت کی پناہ لینا بہت خطرناک ہے، ہم نے پوچھا کہ ''پھر کیا کرنا چاہیے''۔ تو تانگے والے نے جواب دیا کہ بس اس آندھی سے بچاؤ کی ایک ہی شکل ہے۔ اور وہ یہ کہ زمین پر اوندھے ہو کر لیٹ جاؤ ہم نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور نیچے لیٹ گئے، آندھی آئی اور بہت زور سے آئی، جھاڑیوں اور ٹیلوں تک کو اڑا لے گئی۔ لیکن یہ سارا طوفان ہمارے اوپر سے گزر گیا، اور بحمداللہ ہمارا بال بھی بیکا نہیں ہوا، تھوڑی دیر میں آندھی ختم ہو گئی تو دیکھا کہ سطح زمین پر سکون ہی سکون ہے، ہم نے زمین سے اٹھ کر اپنی راہ لی۔

یہ واقعہ تو ہونے کو ہو گیا، لیکن ہم نے اس سے بڑا سبق لیا، ہمیں اس واقعے سے یہ سبق ملا کہ وقت کی آندھیوں کا علاج اونچے اونچے سہارے ڈھونڈنے میں نہیں بلکہ خاکساری اور بندگی کے فرش پر جبین نیاز ٹیک دینے میں ہے، ہمارے اردگرد اب بھی نہ جانے کتنی خوفناک آندھیاں چل رہی ہیں، جو ہمارے دین ودانش کی ساری متاع اڑا لیجانیکی فکر میں ہیں۔ ان آندھیوں سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے، اور وہ یہ کہ انسان عاجزی، فروتنی، خاکساری اور بیچارگی لیکر اللہ تعالی کے حضور سربسجود ہو جائے، الٰہی سے کہے کہ یا اللہ میں ان آندھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکوں گا اپنے فضل و کرم سے آپ ہی مدد

فرمایئے ،اوران کے شر سے مجھے بچالیں۔اگر یہ کرلیا تو انشائاللہ ساری آندھیاں اوپر سے گزرجائیں گی ،اورتمہارا کچھ بھی نہ بگاڑسکیں گی اگرتم آندھیوں پرغالب ہوگئے ،آندھیاں تم پرغالب نہ آسکیں گی

تصورعرش پر ہے،وقف جبیں میری مراپھر پوچھنا کیا؟ آسماں میرا،زمین میری

(ص ۴۸۱)

عارف باللہ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کے واقعات

مولوی قاری محمد دین صاحب لکھتے ہیں:

ہمارے حضرت جی میں تواضع کی صفت بدرجہ اتم ہے آپ نے اپنی تعریف کبھی اپنی زبان سے نہیں کی ،اگرکسی نے آپ کے سامنے تعریف کی تو آپ کی عادت یہ ہے کہ خاموش ہوجاتے ہیں یانہیں نہیں فرمادیتے ہیں۔حضوراکرم ﷺ کا فرمان ہے مَنْ تَوَاضَعَ للہ رفعہ اللہ (جس نے اللہ کیلئے تواضع وانکساری کی اللہ تعالی اسکو بلند فرمادیتے ہیں) آپ اس حدیث کے صحیح مصداق ہیں کہ جتنی آپ تواضع فرماتے ہیں اتنی ہی عزت ورفعت اللہ کی طرف سے آپ کوملتی ہے،اس وقت جو بے پناہ مقبولیت بزرگانِ دین میں ہمارے حضرت والا کو حاصل ہے۔وہ باید وشاید۔آپ اس دعا کے بھی صحیح مصداق ہیں۔اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِی عَیْنِیْ صَغِیْراً وَّفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْراً (اے اللہ! مجھے میری نظر میں چھوٹا اورلوگوں کی نگاہ میں بڑا بنادے)۔آپ کی تواضع کے چند واقعات وارشادات بطورِنمونہ یہاں درج کیے جاتے ہیں:

واقعہ(۱)

احقر نے بذریعہ خط حضرت والا سے استدعا کی کہ آپ اس خادم کو بیعت فرما لیں۔حضرت والا نے عزر فرمادیا۔بہت اصرار کے بعد آپ نے تحریرفرمایا:اس شرط پراس کو بیعت کرتا ہوں کہ اگرآپ کی اصلاح میں کمی رہ جائے تو قیامت کے دن آپ مجھ سے بالکل

مواخذہ نہ کریں۔ اس کے جواب میں بندہ نے تحریر کیا: حضرت جی انشا اللہ کہ قطعی ایسی حرکت نہیں کروں گا، اگر میری اصلاح میں کمی رہ گی تو وہ میری اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہو گی۔ تب اس یقین پر آپ نے بندہ کو بیعت فرمایا۔ (سوانح فتحیہ ۲۵۴)

واقعہ (۲)

حضرت والا نے اپنا وصیت نامہ ص ۹ پر تحریر فرمایا: اپنی اہلیہ محترمہ سے گزارش ہے کہ آپ نے وفاداری، محبت اور خلوص کے ساتھ خوب خدمت کی اللہ تعالی آپ کو دونوں جہانوں میں اپنی شایان شان بہت جزاء خیر عطا فرمائے۔ بندہ آپ سے بہت ہی خوش ہے اللہ تعالی آپ کو دونوں جہانوں میں خوشیاں نصیب کرے، بندہ سے خاص کر معذور، مفلوج ہونے کے زمانہ میں آپ کی ضرور حق تلفی ہوئی اس کی معافی چاہتا ہوں، خدا کے لیے معاف کر دیں۔ انشااللہ

اللہ پاک آپ کو دونوں جہانوں میں جزاء خیر عطا کریں گے اور بندہ کی جدائی پر صبر و تحمل کو نہ جانے دیں، محض اللہ پر بھروسہ رکھیں وہی سب کا متولی، مددگار ہے اس تحریر کے لفظ سے تواضع اور انکساری کا سبق ملتا ہے کہ آپ نے اپنی خودی کو کس طرح مٹایا۔ اور یہ طلب معافی محض اس لیے ہے کہ آخرت میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو کیونکہ حدیث مبارک میں آتا ہے کہ اگر بیوی نے خاوند کی حق تلفی کی اور دنیا میں معافی نہ مانگی تو آخرت میں باز پرس ہوگی اور اگر خاوند نے بیوی پر ظلم کیا اور اس کی حق تلفی کر کے معافی نہ مانگی تو آخرت میں بیوی خاوند پر دعویدار ہوگی۔ (ایضاً ۲۵۴)

واقعہ (۳)

وصیت نامہ ص ۷ پر تحریر فرماتے ہیں: تعلیم قرآن و قرآءت کے زمانے میں طلبہ کو بغرضِ اصلاح، زجر و توبیخ اور بعض مرتبہ جسمانی سزا کی بھی نوبت آئی ممکن ہے کہ ان مواقع میں ضرورت سے زیادہ شدت یا نفس کی آمیزش ہوگئی ہو اس لیئے میں ان سب حضرات سے نہایت عاجزی اور لجاجت سے درخواست کرتا ہوں کہ للہ مجھے دل سے معاف فرما دیں۔ یہ

معاف کرنا انشاء اللہ ان کے لیے بھی مفید اور بڑے اجر وثوب کا باعث ہوگا۔
اس ارشاد کے ایک ایک لفظ لفظ سے تواضع وانکساری ٹپک رہی ہے (ایضاً ۲۵۴)

واقعہ (۴)

حضرت دین محمد ناقل کو حضرت والا نے جواب میں ارشاد فرمایا (جو سوانح عمری حضرت والا کی اجازت میں تھا)

عزیزم! بندہ تو اب سوائے دعا کے اور کسی کام کا نہیں رہا، بس پڑا احباب واعزہ کے لیے دعا گو رہتا ہوں اللہ پاک قبول فرمائے۔ بندہ بذاتِ خود اس قابل نہیں کہ میری سوانح لکھی جائے ''من آنم کہ من دانم ''بس محض احباب واعزہ کی دلجوئی ودلاسا کے طور (حضرت مولانا قاری) محمد طاہر (صاحب مدظلہ) نے ارادہ فرمایا ہے۔ اللہ پاک ان کی جملہ مساعی کو قبول فرمائے قدم قدم پر ان کے معین اور مددگار رہیں توفیق مزید سے نوازیں۔

عزیزم! واللہ بندہ کچھ بھی نہیں جو کچھ بھی اعزہ واحباب کو نظر آتا ہے وہ محض اللہ پاک کا کرم ہے اور قرآن کریم ہی کی برکات کا ثمرہ ہے، بس اس کے سہارے زندہ ہوں اور اسی سے ایک آس لگائے پڑا ہوں، خدا کرے خوشی خوشی وقت پر یہاں کا حسن خاتمہ اور بقیع کا مدفن نصیب ہو آمین''

اس مکتوب گرامی کے لفظ لفظ سے تواضع کا سبق ملتا ہے، اتنی بڑی ہستی اپنے آپ کو کوئی چیز نہیں سمجھتی جس کی جوتیوں مس بیٹھنا بڑے بڑے علما وقراء اپنے لیے باعث فخر وعزّت سمجھتے ہیں (ایضاً ص ۲۵۷)

واقعہ (۵)

یہ حقیر ناچیز خادم حضرت والا (دین محمد) جس وقت پہلے حج پر گیا، ساڑھے چار ماہ حرمین میں قیام رہا اس دوران حضرت والا کی خوب صحبت اٹھائی۔ حضرت اقدس بندہ کے قیام مکہ میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ آخر میں بندہ بھی مدینہ منورہ گیا۔ حضرت والا پھر عمرہ کے لئے مکۃ المکرّمہ تشریف لے آئے یہ ناچیز پھر عمرہ کے ارادہ سے مکہ آیا حضرت

والا سے ملاقات ہوئی، عصر کی نماز کے بعد حاضر ہوا تو فرمانے لگے کس جگہ سے جدّہ کے لیے سوار ہونا ہے؟ میں نے عرض کیا فلاں جگہ سے۔ چنانچہ بندہ آب زمزم پینے کے لیے گیا پھر وہاں سے سامان لے کر اڈے پر پہنچا تو حضرت والا کسی ساتھی کو لے کر اڈے پر پہنچے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا حضرت جی! میں نے ملاقات کر لی تھی اجازت بھی چاہ لی تھی آپ نے اتنی تکلیف کیوں فرمائی؟ فرمانے لگے دل چاہا تھا کہ آپ کو گاڑی پر پہنچا کر آؤں پھر میں نے عرض کیا! حضرت جی دعا فرمائیں اللہ پاک مجھکو خیر و عافیت کے ساتھ پہنچائے کیونکہ حرمین کے قیام میں بندہ بیمار رہا کہیں ایسا نہ ہو کہ سفر کی وجہ سے پھر بیمار ہو جاؤں حضرت والا نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں گے، پھر حضرت اقدس نے بہت ہی رقت آمیز دعا فرمائی، حاضرین بھی اردگرد جمع ہو گئے حضرت والا کی دعا سے تمام سفر میں بالکل بیمار نہ ہوا اور نہ ہی یہاں آ کر بیماری لاحق ہوئی۔ الحمدللہ بہت ہی اچھی صحت رہی۔

اس واقعہ سے بھی حضرت والا کی تواضع روز روشن کیطرح واضح معلوم ہو رہی ہے کہ یہ خادم، حضرت والا کے محض ادنیٰ خدّام میں سے تھا، لیکن پھر بھی غایت تواضع سے کام لیتے ہوئے کتنی حوصلہ افزائی فرمائی (اقتباس از ''مقابلہ دینیہ'' تہذیب و اصلاح)

(ایضاً ۲۵۷)

واقعہ(۶)

جناب حاجی نثار احمد خان صاحب رقمطراز ہیں:

علوم قرآنی کے اتنے بڑے اور مستند عالم ہونے اور سینکڑوں حفاظ اور قرآء کے استاذ ہونے کے باوجود حضرت کی کسر نفسی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ اپنے چھوٹوں کو بھی خطوط میں ''میرے پیارے بزرگ'' کے القاب سے مخاطب فرماتے۔

حضرت صاحب کی للّٰہیت اور بے نفسی کا صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔

سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ سے بندے کی خط و کتابت ہے، بہت معمر بزرگ ہیں اور بڑے صاحب نسبت ایک مرتبہ میں نے انکو لکھا کہ بندہ جناب کی بابرکت صحبت میں چند دن

گزارنا چاہتا ہے اجازت فرمائیں تو حاضر ہو جاؤں''

انہوں نے جواب میں لکھا:

پہلے اپنے شیخ محترم سے اجازت لیں ،اوران کے ہوتے ہوئے آپ کوکسی دوسرے شیخ کی ضرورت بھی نہیں ،الحمد للہ ! یہ بزرگ بھی ہمارے اکابر کے مسلک پر ہیں اوران کی بھی للّٰہیت اور بے نفسی ان کے جواب سے ظاہر ہے تاہم میں نے اپنے شیخ کوان بزرگ کا خط بھیجااور ساتھ میں استدعا کی کہ ایک سفارشی خط ان بزرگ کے نام لکھدیں تاکہ گاہ بہ گاہ ان کی صُحبت سے مستفید ہوتا رہوں ۔حضرت صاحب نے اس کے جواب میں جو خط ان بزرگ کولکھا ہے وہ حضرت کی کسر نفسی اورفنائیت کا ایک شاہکار ہے،اس خط کا اقتباس پیش کرتا ہوں

میرے پیارے بزرگ:

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ،

شکر الحمد للہ بندہ بایں معذوری بخیر ہے۔ خدا کرے آپ بھی مع احباب ومتعلقین بعافیت ہوں۔اللہ پاک سب کو دونوں جہاں کی خوشیوں بھری نعمتوں سے مالا مال فرمائیں۔اور بوقت موعودخوشی خوشی بحسن خاتمہ نصیب ہو۔مدینہ منورہ میں حسن خاتمہ کی تمنار کھنے والوں کی بھی خدا کرے وقت پرحقیقی محبت وخوشیوں بھری یہ آرزو پوری ہو،آمین یارب العالمین بجاہ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

المرام آنکہ عزیزم نثار احمد خان صاحب سلمہ ،میرے ظاہری وباطنی عیوب سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنی حسن خوش عقیدگی سے بندہ گندہ کے ذریعہ داخل سلسلہ ہوئے تھےاور ماشاءاللہ معمولات پر برابر مستقل اورمستقیم رہےمگر بایں استقلال واستقامت بزعم خوداب تک واصل نہ ہوسکے۔ جب سے بندہ مفلوج اوراحباب سے دور ہوااورخدمت سے قاصر ہواہرایک کودوسرے بزرگوں کیطرف رُجوع کرنے کامشورہ دیتارہا،عزیز موصوف کے خط سے معلوم ہوا کہ انہیں آپ سے بہت عقیدت ہے بڑی خوشی ہوئی۔ بندہ بطیب خاطر عزیز

موصوف کو آپ سے اصلاحی تعلق رکھنے کی اجازت دیتا ہے اور آپ کی خدمت میں بھی گزارش وسفارش کرتا ہے کہ براہ شفقت وعنایت انہیں قبول فرمائیں اور خصوصی توجہات وعنایات اور دعاؤں سے انہیں نوازیں۔ بندہ بھی دعاؤں کا محتاج ہے اس لئے یہاں پڑا ہوں

نکل جائے دم ان کے قدموں کے نیچے　　　یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے۔

والسلام

قارئین! اس خط کو غور سے پڑھیں اور بار بار پڑھیں، اس خط کے ایک ایک لفظ سے فنائے نفس کا ظہور ہوتا ہے اور ہر جملہ حضرت کی للّٰہیت و بے نفسی اور صفائے قلب کی دلیل ہے۔ اس خط کی تحریر نے میرے سمند ارادت پر تازیانے کا کام کیا اور حضرت والا کی عظمت و بزرگی عالی ظرفی اور غنائے دل جیسی عالی صفات کا بھرپور اندازہ ہوا۔ میری مراد صرف اتنی تھی کہ اگر ان بزرگ کی خدمت میں حاضری دوں تو مجھے حضرت والا کے توسط سے خصوصی توجہ اور التفات سے نوازیں اور حضرت والا نے ان کو یہ لکھدیا کہ آپ انھیں قبول فرمالیں مجھے یہ خط پڑھکر بہت شرمندگی ہوئی اور یہ خط میں نے ان بزرگ کو نہیں بھیجا بلکہ اپنی معروضات اور عقیدت مندی کے اظہار کے ساتھ حضرت والا کو واپس بھیج دیا اور نہایت ادب کے ساتھ دست بستہ عرض کیا

نثار خستہ و مسکین ضعیفے، ندارد جز درت دیگر پناہے
ہمیشہ سر نہادہ بر درتست، بکن لطفے بحالش گاہے گاہے۔

الحمد للہ! حضرت والا نے اس ناکارہ پر اپنی عنایتوں اور نوازشوں اور شفقتوں کی ایسی بارش فرمائی کہ میرے قلب کی شوریدہ اور بنجر زمین، اتباع سنت اور محبت الٰہی کے سبزے سے ہری ہوگئی ذلك فضل الله يوتيه من يشآء ؎

دست پیر از غائبان کوتاہ نیست　　　دست او جز قبضہ اللہ نیست

{اقتباس از مقالہ نثار میرے شیخ طریقت} (ایضاً ص ۲۵۸ تا ۲۶۰)

مجاہد ملّت حضرت مولانا نوراحمد صاحب رحمہ اللہ (ناظم اول جامعہ دارالعلوم کراچی) کی تواضع وفنائیت:۔

آپکے فرزندارجمند استاذ محترم حضرت مولانا رشید اشرف سیفی صاحب آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

تواضع اور فنائیت بھی آپ میں نمایاں تھی، یہ وصف آپ کو اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے ورثہ میں ملاتھا، بڑے بڑے نمایاں کام کرنے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھتے، اپنے کارناموں کو عموماً دوسروں کے نام منسوب کردیتے۔ اگر کسی کام کی نسبت خود آپ کی طرف ہو بھی جاتی اور آپ کی موجودگی میں اس کی تعریف کی جاتی تو حیا آمیز شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ نظریں پست فرمالیتے اور روئے سخن بدل دیتے۔

تواضع کند ہوشمند گزیں

نہد شاخ پرمیوہ سر برزمیں

پھر آپ کو کبھی اپنے مرتبہ اور حیثیت کا ادنیٰ زعم بلکہ احساس تک نہ ہوتا، چھوٹے سے چھوٹے آدمی سے ملاقات ہوتی تو اس سے بڑے بے تکلفانہ اور دوستانہ ماحول میں دلچسپی سے باتیں کرتے، جس سے وہ یوں محسوس کرنے لگتا کہ میری بھی بڑی حیثیت اور بڑا مقام ہے (متاع نورص ۲۹۳)

حضرت مولانا فضل محمد صاحب زیدمجدھم اپنے مضمون مین تحریر فرماتے ہیں:

''اُن کے اخلاص، لگن اور قربانی کا اندازہ کرنے کے لیے ایک یہی مثال کافی ہے کہ جب نانکواڑہ کی عمارت مدرسے کے لئے ملی جسے سکھ خالی کرکے چلے گئے تھے اس وقت یہ عمارت انتہائی خستہ حالت میں ویران در ودیوار والی تھی، اس کے بیت الخلاء غلاظتوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے مولانا نور احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا کہ کچرے کے ایک عظیم ڈھیر میں منہ پر کپڑا باندھے ہوئے جھاڑو دے رہے ہیں نہ کوئی نوکر ساتھ ہے نہ طالب علم اس طرح میں نے دیکھا کہ وہ بیت الخلاؤں کو جو تقریباً دس ۱۰ تھے اور

غلاظتوں سے بھرے ہوئے تھے پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر صاف کر رہے تھے۔
خدا کی قسم! میری حیرت کی انتہا ہوگئی کہ یا اللہ! اکیلا یہ شخص اپنے ہاتھ سے یہ قربانی کا کام کر رہا ہے اور بیت الخلاؤں کے دروازے بند کر کے یہ محنت کر رہا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے ان کو کوئی نہیں دیکھ رہا ہے"۔ (بحوالہ بالا ص ۳۰۷)

حافظ جی حضور مولانا محمد اللہ صاحب رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حکیم الامت رحمہ اللہ) کی تواضع وفنائیت:

ہر نماز باجماعت کے بعد اپنے لیے مرض کبر کے ازالہ کی دعا کی درخواست کرنا۔
"جب تھانہ بھون حاضری ہوئی اس وقت تقریباً پانچ ماہ مسلسل قیام کا شرف حاصل ہوا، اس میں کچھ معمولات مخصوصہ کے ساتھ امراض قلب کا علاج ہوتا رہا خصوصاً کبر اور خود رائی کا علاج ایک طویل مدت تک جاری رہا، علاج یہ کہ ہر نماز باجماعت کے بعد اپنے مرض کے اعلان کے بعد سب حضرات سے اس امراض کے ازالہ کی دعا درخواست کرتا تھا، میری درخواست کے بعد کبھی کبھی حضرت قدس سرہ یہ دعا احقر کے لئے مسموع ہوتا یعنی اللھم کل خیرلہ (آمین ثم آمین یارب العالمین)

ایک دن خود ہی حضرت نے سب کے سامنے بشارت دی کہ الحمد للہ کبر کا مرض جاتا رہا، غایت سرور سے احقر پر گریہ طاری ہوگیا، درحقیقت حضرت کے خدام میں اس رو سیاہ سے بڑھ کر حقیر ذلیل اور کمتر کوئی نہ تھا اور نہ اب ہے"۔

(بزم اشرف کے چراغ ص ۳۲۲)

حضرات خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمہ اللہ کی عاجزی وانکساری:

مخدوم العلماء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتھم فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت ماسٹر نجم صاحب حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کی محفل میں خانیوال تشریف فرما تھے کہ اسوقت حضرت کے ایک مرید آئے۔ اس مرید کا تعلق ایسے علاقے سے تھا جہاں حضرت صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک اور پیر بھائی رہتے

تھے انکو بھی اجازت وخلافت تھی اور وہ بھی بڑے شیخ تھے۔ حضرت بھی اپنے علاقے کے شیخ اور عالم تھے اور وہ بھی اپنے علاقے کے بڑے شیخ اور عالم تھے۔ میں اسوقت انکا نام بتانا مناسب نہیں سمجھتا۔ جب محفل میں وہ مرید حاضر ہوئے تو حضرت صدیقی رحمتہ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا بھئی! آپ آتے ہوئے فلاں شیخ سے مل کے آئے ہیں؟ اس نے بتایا کہاں حضرت مل کے آیا ہوں یہ وہ دور تھا جب حضرت صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا تھا دنیا کی ریل پیل تھی دنیا قدموں میں بچھی جاتی تھی۔ حضرت نے پوچھا کہ اچھا جب آپ مل کے آئے تو انہوں نے کیا فرمایا؟ اس نے جھجکتے جھجکتے کہا کہ سلام بھی بھیجا ہے، مگر حضرت نے پہچان لیا کہ یہ کوئی بات چھپا رہا ہے۔

پیر آخر پیر ہوتے ہیں۔ ہمارے حضرت، حضرت مرشد عالم رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ کراچی میں تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب آئے تو کسی نے کہا کہ حضرت! یہ فلاں آدمی اس اس کام کے لیے آیا ہے۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے غصے سے فرمایا۔ میں لعنت کرتا ہوں اس پیر پر کہ جسکے کو کے پاس مرید آئے اور اسے پتہ نہ چلے کہ یہ کس مقصد سے آیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو نور فراست عطا فرما دیتے ہیں۔

جب حضرت صدیقی رحمتہ اللہ علیہ پہچان گئے کہ کوئی بات چھپا رہا ہے تو فرمایا کہ بتاؤ! اب وہ خاموش رہا۔ حضرت نے سختی فرمائی کہ بتاؤ اور من عن اسی طرح بتاؤ کہ جس طرح بات پیش آئی۔ جب حکم دیا تو وہ صاحب بھی سیدھے ہو گئے۔ اور کہنے لگے، حضرت! جب میں ان سے ملا تو بتایا کہ میں حضرت صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں جا رہا ہوں تو انہوں نے مجھے کہا "انکو میرا سلام پہنچا دینا اور یہ کہنا کہ دنیا اور آخرت دو بہنیں ہیں جو ایک نکاح کے اندر جمع نہیں ہو سکتیں، "ان تجمعوا ابن لاختین" یہ بتا کر کہنے لگا، حضرت! مجھے تو بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی اس لئے میں نے کہا مناسب نہ سمجھا حضرت نے جب یہ بات سنی تو رونا شروع کر دیا۔ کوئی ہم جیسا ہوتا تو ہم کہتے کہ بڑے زاہد بنے پھرتے ہیں، کیا ہمارے اندر دنیا کی محبت ہے۔ ہم بھی اللہ کی محبت میں دین کا کام کر رہے ہیں۔ ہم اسکے سو جواب دے دیتے۔ مگر

وہاں تو عاجزی تھی۔

حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کافی دیر تک سر جھکا کر روتے رہے۔ بالآخر سر اٹھایا اور ایک ٹھنڈی سانس لیکر فرمایا: ''الحمد اللہ ابھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ہماری اصلاح فرماتے رہتے ہیں''۔ سبحان اللہ ہماری یہ حالت ہے کہ اگر کوئی ہمیں اصلاح کی بات کردے تو تو بہ گولی کیطرح لگتی ہے۔ اور ہم ہر ممکن مخالفت پر اتر تے ہیں۔

(خطبات فقیر جلد۳ ص۱۴۴)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) مدارس کی تاریخ کا واحد واقعہ:

آپ کے تلمیذ خاص حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب کلاچی رقمطراز ہیں:

احقر نے بعض بڑے اور بہت سے چھوٹے مدارس کو دیکھا ہے، سنا ہے، حالات پڑھے ہیں۔ عام طور پر ارباب اہتمام (الا ماشاء اللہ) طلبہ اور دیگر اساتذہ کی نظروں میں ایک ایسا گروپ متصور کیا جاتا ہے کہ جو گویا ان کے حقوق چھین رہا ہے، ان پر ظلم کر رہا ہے اور ان کی تحقیر واہانت میں کوئی کمی نہیں کر رہا، اس کے ساتھ ارباب اہتمام بھی (الا ماشاء اللہ) اور ہو نہ ہو اپنی بات کی بچ کو برقرار رکھنا زندگی کا ایک اہم مقصود اور لُبّ لباب سمجھتے ہیں۔

اس افراط وتفریط نے مدارس کا وقار مجروح کیا، دنیا میں بے عزت کیا اور مستقبل کے لیے افراد کا بنانا کر بند دیا۔

دارالعلوم حقانیہ بھی بہت بڑا ادارہ ہے، اس میں عام روش کے مطابق بہت سے فتنوں نے موقعہ بموقعہ سر اٹھایا لیکن حضرت رحمہ اللہ کی ایمانی فراست، تدبر، حوصلہ اور عالی ظرفی نے بڑے بڑے فتنے کو ایسا دبا دیا کہ جیسے کچھ ہوا بھی نہیں۔

ایسے ہی ایک موقع پر جس کی تفصیل کی نہ ضرورت ہے، نہ خاص یاد ہے، طلبہ نے اپنی حماقت

سے مطبخ سے کھانا لینے کا بائیکاٹ کر دیا۔ (الحمد للہ احقر اور احقر کے بعض رفقاء اس گناہ میں شریک نہیں تھے) کھانا تیار تھا لیکن طلبہ لینے سے انکار کر رہے تھے اور سینکڑوں کی تعداد میں طلبہ بازار میں پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے پرتول رہے تھے۔ طلبہ ابھی اس سوچ میں تھے کہ حضرت رحمہ اللہ دارالحدیث ہال میں تشریف لے آئے اور گھنٹی بج گئی، دارالحدیث ہال بھر گیا۔ حضرت نے نہایت ناصحانہ، مشفقانہ، عالمانہ اور عارفانہ انداز میں پیش شدہ مسئلہ پر روشنی ڈالی، جس سے تمام طلبہ مطمئن ہو گئے اور آخر میں فرمایا کہ:

''اصل مسئلہ سے قطع نظر سینکڑوں کی تعداد میں طلبہ کا بازار میں کھانے کی ضرورت کو پورا کرنا یہ دارالعلوم کی بہت بڑی توہین ہوگی'' اور اس موقع پر حضرت شیخ نے اپنی ٹوپی مبارک اپنے سر سے اتار کر طلبہ کے سامنے ڈال دی اور فرمایا کہ ''میں اپنی ٹوپی آپ کے قدموں میں ڈال رہا ہوں''۔ بس پھر کیا تھا، اکثر طلبہ کے آنسو نکل آئے، اپنی حماقت پر نادم ہوئے اور انا للہ وانا الیہ راجعون کی آوازیں آنے لگیں۔

کیا برصغیر کے دینی مدارس کی پوری تاریخ میں کوئی ایک بھی مثال پیش کر سکتا ہے کہ ہزاروں علماء وفضلاء کا شیخ، بین الاقوامی سطح کا مشہور ومعروف محدث اور بہت بڑے دینی ادارے کا واحد مختار کل، علاقہ کی زبردست قومی وسیاسی شخصیت ادارہ، علم، طلبہ اور علماء کے وقار کو بحال کرنے کے لیے اپنی ٹوپی اپنے ادنیٰ طالب علموں کے قدموں میں رکھ دے۔

(ماہنامہ الحق خصوصی نمبر ص ۱۹۵، ۱۹۶)

(۲) ایک اور عجیب واقعہ:

مولانا عبدالحلیم صاحب ہی لکھتے ہیں:

جب سے علم کی اصلی روح ماند پڑ گئی، اخلاص، تقویٰ، دیانت وامانت نے بستر بوریے لپیٹ لیئے، کام اور علم، خدمت اور استاذی کو ایک دوسرے کی ضد سمجھا جانے لگا، استاذ صاحب کے قریب پانی کا گھڑا رکھا ہوا ہوتا ہے، گلاس ساتھ ہوتا ہے لیکن یہ اپنے لئے پانی انڈیلنے کا عمل تقویٰ، علم اور استادی کے منافی سمجھتا ہے، اگر قریب کوئی نہیں ہے تو دور نظر آنے والے

طالبعلم کو بلاتا ہے اگر دور بھی کوئی نظر نہیں آتا تو اس انتظار میں ہوتا ہے کہ کوئی آئے اور پانی گھڑے سے نکال دے، لیکن اس ماحول میں بھی ان گنہگار آنکھوں نے ہزاروں شاگردوں کے استاذ، اولاد واحفاد اور خدام کے جھرمٹ میں امیر المومنین فی الحدیث شیخی واستاذی مولانا عبدالحق صاحب کو اپنے مویشی کو اس نقطۂ نگاہ سے چارہ ڈالتے ہوئے دیکھا کہ یہ خدا کی مخلوق ہے، اس کی خدمت ہمارے ذمہ فرض ہے

آفاقھا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزدیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

(۳) سراپا انکسار:۔

مولانا ذاکرحسن نعمانی، اکوڑہ خٹک لکھتے ہیں:

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی تواضع حاتم طائی کی سخاوت سے زیادہ مشہور ہے۔ عاجزی اور انکساری ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، یہ کوئی تصنع یا بناوٹ نہیں بلکہ طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ تواضع اور بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنے علم کا اظہار نہیں کیا۔ کوئی دعا کے لیے کہتا تو حاضرین سے فرماتے کہ ان کے لئے اور مجھ عاجز کے لیے دعا مانگیں، کوئی سائل فتویٰ پوچھتا تو مفتی صاحب کی طرف راہنمائی فرماتے۔

بعض اوقات حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی معصومیت اور تواضع وانکسار سے بعض ناواقف لوگ یہ سمجھ لیتے کہ شیخ الحدیث تو کچھ جانتے ہی نہیں انہیں تو ایک مسئلہ بھی معلوم نہیں لیکن جب مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب ''حقائق السنن'' پر دن کا کیا ہوا کام عصر کی نماز کے بعد سناتے اور حضرت تصحیح وترمیم فرماتے تو یقین آجاتا تھا کہ واقعی حضرت علم کا سمندر ہیں۔ دور دراز سے آئے ہوئے اکابر علماء اور مدرسین جب یہ منظر دیکھتے تو ششدر رہ جاتے اور حضرت کی علمی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا۔ (ایضاً ص ۲۱۱، ۲۱۲)

(۴) بے نفسی اور علم پروری کا ایک حیرت انگیز واقعہ:

مولانا مقصود گل فاضل دارالعلوم حقانیہ رقمطراز ہیں:

اپنے زمانہ، طالبعلمی کا ایک دلچسپ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی تواضع وانکساری اور طلباءِ علوم دینیہ سے کمال شفقت وانتہائے محبت کا حیرت انگیز واقعہ کبھی بھولنے کا نہیں۔ اپنی ان گنہگار آنکھوں سے علماء صلحاء اور دسیوں رہنما دیکھے مگر حضرتؒ کی شان ہی نرالی تھی۔ سیاسی عظمت، علمی وجاہت اور تقدس و بزرگی کے چرچوں اور وزیروں امیروں سے تعلق اور ہجوم کے وقت بھی طلباءِ علوم دینیہ پر وہی شفقت رہی جو درسگاہ اور دارالعلوم میں ہوا کرتی تھی یہی تو یہ انسانیت کی تکمیل اور قرآنی ہدایات کی تعمیل ہے۔ عبداللہ ابن ام مکتومؓ کے واقعہ میں بھی تو قرآن نے حضور اکرم ﷺ کو اور آپ کی وساطت سے آپکے ورثاء کو یہی سبق پڑھایا ہے۔

غالباً میرا دورہ، حدیث کا سال تھا اور دارالحدیث کے مغربی جانب کمرہ نمبر ۱۶ میں میرا قیام تھا، میں اپنے کمرے میں مصروف مطالعہ تھا کہ ایک صاحب نے دروازہ کھٹکھٹایا، احقر باہر نکلا ایک صاحب نے اپنا تعارف کرایا، معلوم ہوا کہ موصوف وفاقی حکومت کے مرکزی وزیر ہیں، کہنے لگے حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ سے ملاقات کرنی ہے۔ احقر ان کے ساتھ ہو لیا۔ موصوف سرکاری گاڑی اور پروٹوکول کے ساتھ آئے تھے احقر کو ساتھ بٹھایا، حضرتؒ کے گھر احقر انہیں لے گیا اور بیٹھک میں انہیں بیٹھنے کے لیے کہا وزیر موصوف بیٹھک کو دیکھ کر ششدرہ گئے کہ اتنے بڑے آدمی، اتنا مقام اور نام اور یہ معمولی اور سادہ کمرہ بیٹھک کا۔

بہر حال بتانا یہ ہے کہ جب حضرت شیخ الحدیثؒ گھر سے تشریف لائے وزیر موصوف سے ملاقات ہوئی اور ضیافت کے لیے چائے اور بسکٹ اور اس سے قبل فروٹ رکھا گیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے وزیر موصوف، ان کے رفقاء کو اور احقر کو بھی دسترخوان پر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ ہم لوگ بھی بے تکلفی سے حضرتؒ کی ضیافت میں شریک ہوگئے۔ مولانا عبدالقیوم حقانی جو ان دنوں غالباً درجہ موقوف علیہ کے طالب علم تھے اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہاں انکے بھائی کے بالاخانہ میں رہا کرتے تھے۔ حضرتؒ کی خدمت اور مسجد شیخ الحدیث میں امامت کیا کرتے تھے۔ اس وقت بھی مہمانوں کے لئے ضیافت کا سامان حضرت شیخ

الحدیثؒ کے اشارہ پر مولانا حقانی صاحب ہی لائے ،حقانی صاحب کی حیثیت اس وقت ایک ادنیٰ طالب علم اور خادم کی تھی لہذا دستر خوان سجا کر موصوف ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئے ۔حضرت شیخ الحدیثؒ وزیر موصوف کے ساتھ معروف گفتگو تھے کہ اچانک آ پکی حقانی صاحب پرنظر پڑ گئی تو وزیر سے گفتگو کاٹ کر حقانی صاحب سے فرمانے لگے" آ جایئے اور آپ بھی کھانے میں شریک ہو جایئے"موصوف آمادہ نہ ہوئے تو حضرتؒ نے باصرار انکو دستر خوان پر بلا لیا۔

اس وقت حضرتؒ کا اصرار اور ایک ادنیٰ خادم اور طالب علم پر توجہ ،وزیر کی موجودگی میں اس سے گفتگو کاٹ کر اپنے ایک ہمہ وقتی رفیق اور کارکن بلکہ خادم کی اس قدر رعایت کرنا یہ علم پروری ،اصاغر نوازی اور بے نفسی نہیں تو کیا ہے؟ صرف بلانا اور دستر خوان پر بٹھانا مقصود نہ تھا بلکہ جس توجہ ،احترام ،شفقت اور اصرار کا اندازہ مجھے یاد ہے وہ اتنا پیارا اور حیرت انگیز تھا کہ پوری محفل پر ایک طالب علم کی عظمت چھا گئی ۔مجھے تحریر کا سلیقہ نہیں ورنہ وہ کیفیت جو میں نے دیکھی تھی اگر کوئی صاحب قلم دیکھتے اور اسکی واقعی تصویر کشی کرتے تو آج دنیا عش عش کر اٹھتی۔

کیا عشق نے سمجھا ہے کیا حسن نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

(ایضاً ص ۲۳۳)

(۵) باوجود رفعت وبلندی کے وہ اپنے آپ کو مٹا ہوا خیال کرتے تھے:

مولانا رشید احمد حقانی تحریر فرماتے ہیں:

انکی کسر نفسی کا ایک عجیب وغریب واقعہ یاد آیا حضرت شیخ الحدیث کی یہ عادت تھی کہ ہر کہ ومہ سے دعا کی درخواست کرتے تھے ۔مہمان جو دور دراز سے زیارت کے لئے آتے تھے ان سے بھی الٹا اپنے لیئے دعا کراتے تھے۔

ایک دن ہمارے کمرے کے ایک ساتھی (مولانا عبد الرؤف) عصر کے وقت ان سے ملنے انکی مسجد میں گئے۔ حضرت شیخ الحدیث نے اپنی عادت کے مطابق ان سے دعا کے لئے کہا واپسی پر اس ساتھی نے کمرے کے دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ اب میری بزرگی میں کوئی شک نہیں رہا کیونکہ حضرت شیخ الحدیث جیسی شخصیت نے آج مجھے دعا کے لیے کہا ہے۔

شاعر کی بات یا تو اس لیے مبالغہ اور فضول لگتی ہے کہ وہ ایک خیالی، وہمی اور تصوراتی دنیا کا نقشہ پیش کرتا ہے اور یا دریا کو کوزے میں بند کر کے دوسروں کو اس طرح بننے کی دعوت دیتا ہے جو کہ ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہوتا ہے مثلاً علامہ اقبالؒ کہتا ہے:

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار بنتا ہے

اب اپنی ہستی کو مٹانے کے لئے ایک صدی کی محنت چاہیے دانے کی طرح کون تین چار مہینے تک ذلت اور کسمپرسی کی حالت میں مٹی میں دبنا چاہتا ہے۔

رفعت دنیاوی اور اخروی کے لئے شاعر نے عجیب اکسیر بتلائی ہے مگر کون اس طوفان سے گزرے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو دیکھ کر ذہن ایک عجیب حیرانگی اور کشمکش سے دوچار ہونا پڑتا ہے، انہوں نے نہ صرف ایک مرتبہ کسی خاص وقت کے لئے اپنی ہستی کو مٹایا تھا بلکہ یہ انکا ایک مسلسل عمل تھا اور باوجود رفعت و بلندی کے وہ اپنے آپ کو مٹا ہوا خیال کرتے تھے۔ (ایضاً ص ۲۷۵)

(۶)۔ ''حضرت! آپ نے بڑی شفقت فرمائی''۔

حضرت اقدس مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدھم آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

علم و فضل کے دریا جذب کر لینے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنے کی البیلی ادا ہمارے بزرگوں کا طرہ امتیاز رہی ہے، اور یہ وصف حضرت مولاناؒ میں اس درجہ زیادہ تھا کہ بعض

اوقات حیرت ہو جاتی تھی، اور مخاطب شرم سے پانی پانی ہو جاتا تھا۔

غالباً ۱۹۷۲ء کی بات ہے، بھٹو صاحب مرحوم کا دور حکومت تھا، اور اسمبلی میں ۱۹۷۳ء والے دستور کا مسودہ زیر بحث تھا حضرت مولاناؒ قومی اسمبلی کے رکن تھے، میرے پاس برادر محترم مولانا

سمیع الحق صاحب کا خط آیا کہ حضرت مولاناؒ شرعی نقطۂ نظر سے موسودہ دستور کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ تا کہ اس میں ترمیمات پیش کر سکیں حضرتؒ کا خیال ہے کہ اگر اس موقع پر تم بھی آ جاؤ تو یہ کام مل جل کر کر لیا جائے احقر کو یہ غلط فہمی نہیں تھی کہ حضرتؒ کو واقعتہ اس کام کے لئے میری ضرورت ہے، بلکہ زیادہ خیال یہ تھا کہ یہ مولانا سمیع الحق صاحب نے ''تقریب بہر ملاقات'' پیدا کرنے کا ایک لطیف حیلہ ایجاد کیا ہے لیکن حضرتؒ کی شفقت سے بہرہ ور ہونے اور ان کے کسی کار خیر میں برائے نام ہی سہی حصہ لگانے کو سعادت سمجھ کر احقر چلا گیا۔

میں جب اسلام آباد پہنچا تو اسمبلی کا اجلاس جاری تھا، برادر محترم مولانا سمیع الحق کے ہمراہ میں اسمبلی کی گیلری میں چلا گیا جہاں سے اسمبلی کی کاروائی دیکھی جاتی ہے۔ حضرتؒ نے کچھ دیر بعد نیچے سے گیلری کی طرف نگاہ اٹھائی اور مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ احقر کو بیٹھے دیکھا تو تھوڑی دیر کے لئے باہر نکل آئے، اور ہمیں بھی باہر آنے کا اشارہ فرمایا۔ ہم باہر پہنچے تو حضرتؒ نے گلے سے لگالیا اور احقر کو، جو ان کی اولاد اور شاگردوں کے برابر آنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتا تھا، خطاب کرتے ہوئے بے ساختہ جو جملہ ارشاد فرمایا، وہ یہ تھا کہ ''حضرت آپ نے بڑی شفقت فرمائی''۔

میں حضرتؒ کے چہرے کو دیکھتا ہی رہ گیا کہ وہ کیا الفاظ کس سے کہہ رہے ہیں؟ لیکن وہاں کسی تصنع یا تکلف کا نام ہی نہ تھا، وہ ایسے انداز سے بات کر رہے تھے جیسے میں نے ان کے خدمت میں حاضری دیکر ان کی کوئی ضرورت پوری کی ہے۔ اللہ اکبر تواضع کا یہ مقام خال خال ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

(نقوش رفتگاں ص ۳۰۴)

مرشد عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب صاحب نقشبندی رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) احترام سادات:

حضرتؒ بزرگوں کی اولاد اور سید گھرانے کے حسب نسب کا بہت لحاظ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا میاں محمد انوریؒ کے صاحبزادے ملاقات کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔ جتنی دیر وہ بیٹھے رہے آپ دوزانو ہی بیٹھے رہے۔ (حیات حبیب ص ۵۷۷)

(۲) ''مفتی صاحب! اب آپ لیٹ جائیں'':

ایک مرتبہ آپ کو حضرت مرشد عالمؒ کے ہمراہ رحیم یار خان سے لاہور بذریعہ ٹرین آنے کا موقع ملا حضرت مرشد عالمؒ راستے میں لیٹ گئے۔ تقریباً نصف سفر کرنے کے بعد حضرت مرشد عالمؒ اٹھ بیٹھے اور فرمایا مفتی صاحب اب آپ لیٹ جائیں۔ فرمایا کہ ایسا نہیں ہوگا۔

چنانچہ بقیہ آدھا سفر آپ لیٹے رہیں۔ اور حضرتؒ بیٹھے رہے۔ آپ حضرتؒ کی اس شفقت سے بہت متاثر ہوئے۔ (ایضاً ص ۵۹۰)

(۳) جو اہل وصف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کر رہتے ہیں۔

حضرت مرشد عالمؒ ایک دفعہ لاہور تشریف لائے تو پتہ چلا کہ حضرت مولانا غلام ربانی (سرحدی) نقشبندی دامت برکاتھم کسی قریبی جگہ تشریف لائے ہیں۔ حضرت مرشد عالمؒ، حضرت مولانا بشیر احمد صاحب، حضرت مولانا نعیم اللہ صاحب اور آپ حضرت مولانا غلام ربانی دامت برکاتھم کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت مرشد عالمؒ نے ہم سب کو منع فرمادیا کہ میرا تعارف نہ کروائیں۔ جب رہائش گاہ پر پہنچ کر دستک دی تو معلوم ہوا کہ حضرت صاحب فراش ہیں۔ صاحب خانہ نے ہمیں برآمدے میں کرسیاں بچھادیں کہ تھوڑی دیر تشریف رکھیں۔ مگر حضرت مرشد عالمؒ نہایت متواضع بن کر کھڑے رہے۔ دس پندرہ منٹ کھڑے رہنے کے بعد شرف باریابی نصیب ہوا مگر حضرت مرشد عالمؒ مصافحہ کرنے

کے بعد ایک جگہ مودب بیٹھ گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کوئی مرید اپنے شیخ کی خدمت میں بیٹھا ہے۔ حضرت مرشد عالمؒ خاموشی سے بیٹھے حضرت صاحب کا چہرہ دیکھتے رہے۔ چائے پی کر واپسی ہوئی حضرت مرشد عالمؒ کی تواضع نے بہت متاثر کیا۔

جو اہل وصف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے رہتے ہیں صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

(ایضاً ص ۵۹۱)

(۴) ''بڑوں کی بات کو نقل کرنے کے لیے بھی ادب چاہیے'':۔

ایک دفعہ حضرت سید زوار حسین شاہؒ کی خدمت میں آپ نے اپنے ماموں صاحب کے ہمراہ حاضری دی۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس وقت علیل تھے۔ واپسی کے وقت حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ سے فرمایا قاری صاحب اپنے حضرت کو میرا سلام عرض کرنا اور دعاؤں کی درخواست کرنا۔ جب آپ نے مرشد عالمؒ کے سامنے ہو بہو وہی الفاظ دہرائے تو حضرتؒ خفا ہوئے اور فرمایا کہ شاہ صاحب بڑے ہیں بڑوں کی بات نقل کرنے کے لیے بھی ادب چاہیے۔ (ایضاً ص ۶۱۶)

(۵) ''میں زمینداروں کے گھر چل سکتا ہوں تو غریبوں کے گھر بھی چل سکتا ہوں'':

ایک مرتبہ حضرتؒ کرڈھی تشریف لائے تو حقیقت احوال دریافت کرنے پرانے دوستوں اور عزیز و اقارب کے گھر گئے۔ ایک دھوبی کا گھر پہاڑ کے اوپر تھا۔ آپ نے عرض کیا کہ حضرتؒ اسے یہاں بلا لیا جائے۔ حضرت نے فرمایا ''میں زمینداروں کے گھر چل سکتا ہوں تو غریبوں کے گھر بھی چل سکتا ہوں''۔ (ایضاً ص ۶۲۱)

(۶) ''میں کوئی حجر اسود ہوں جیسے بوسہ دیتے ہو''؟

ایک سالک ہالک نے ملاقات کے وقت فرط محبت سے حضرت مرشد عالمؒ کے مبارک ہاتھوں کو بوسہ دیا تو حضرت مرشد عالمؒ نے فرمایا ''میں کوئی حجر اسود ہوں جیسے بوسہ دیتے ہو''۔ گو کہ شیخ کے ہاتھوں کو بوسہ دینا شرعاً جائز ہے مگر کسی نفسی کی وجہ سے حضرت مرشد عالمؒ نے کتنے اچھے انداز میں بات کہی۔ (ایضاً ۶۲۸ ص)

حضرت مولانا سید محمد عبداللہ شاہ بونیری رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ مدنی) **کی تواضع وسادگی:۔**

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے اندر تواضع وسادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بزرگی کا اعلیٰ مقام عنایت فرمایا تھا لیکن کبھی قول وفعل، کنایہ واشارہ سے اس کا اظہار نہ فرماتے تھے۔ سبزی، ترکاری وگوشت وغیرہ خریدنے کے لیے بنفس نفیس بازار تشریف لیجاتے اور سامان خود اٹھا کر لاتے تھے۔

ایک مرتبہ صادق آباد سے کراچی واپس تشریف لارہے تھے۔ ہمراہ ایک من سے زیادہ وزن کا کوئٹہ کا پتھر تھا جو کہ ایک بڑی چادر میں بندھا ہوا تھا۔ مخدوم الملک جناب میران شاہ صاحب، نے یہ پتھر حضرت شاہ صاحب کے مکان شریف کی تعمیر کے سلسلہ میں ہدیہ فرمایا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کی گاڑی خلاف معمول ائیر پورٹ اسٹیشن پر رک گئی جو کہ آپ کے دولت خانہ سے نزدیک تھا۔ حضرت شاہ صاحب، رحمہ اللہ وزنی پتھر لیکر اسٹیشن پر اتر پڑے۔ یہاں پر کوئی مزدور نہ تھا جو کہ وزن اٹھا کر گھر لیجاتا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مذکورہ وزنی پتھر اپنے سر پر رکھوایا اور مزدور کی طرح اس سامان کو گھر پہنچا دیا۔

جماعت کے ساتھ جب مسکین پور شریف سالانہ اجتماع میں تشریف لیجاتے تو جماعت کے ساتھ ہی تیسرے درجے میں سفر کرتے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت کی وجہ سے اہل جماعت کے چہروں پر بہار رہتی تھی۔ پروانوں کی طرح مریدین شاہ صاحب رحمہ اللہ کو گھیرے میں لیے رہتے تھے۔

مسکین پور شریف میں مشائخ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے۔ جب وہ بزرگ واپس ہوتے تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ ان کی جوتیاں درست کرنے کے لیے دوڑتے۔ (سوانح حیات حضرت سید محمد عبداللہ شاہ بونیری رحمہ اللہ ص ۲۸)

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد شریف کشمیری صاحب رحمہ اللہ کی تواضع وانکساری:۔

آپکے لائق فخر تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ آپکے

تذکرہ میں رقمطراز ہیں:
انہیں اپنے استاد محترم حضرت مولانا شمش الحق افغانی رحمہ اللہ سے بڑی عقیدت تھی۔ یہ منظر بہت سے حضرات نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اپنے شاگردوں کے سامنے حضرت افغانی کے پاؤں دبا رہے ہیں اور خدام کی طرح دوسری خدمات بجالا رہے ہیں۔
اس ناکارہ نے دو بزرگوں کو اپنے اساتذہ کے سامنے اس طرح متادب بیٹھتے دیکھا ہے جس طرح وہ اپنے طالب علمی کے زمانے میں ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہوں گے۔ ایک رئیس القرا، حضرت اقدس مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی کو اپنے شیخ حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتی کے سامنے، دوسرے حضرت کشمیریؒ کو حضرت افغانیؒ کے سامنے۔ (شخصیات وتاثرات ص۳۵۶)

بقیۃ السلف حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پشاوری رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ) کی فنائیت:۔

(۱) ''سب سے زیادہ نفرت کی چیز میرے ذہن میں تکبر ہے''
بہ سلسلہ کلام فیضی التسام فرمایا کہ سب سے زیادہ نفرت کی چیز میرے ذہن میں تکبر ہے اتنی نفرت مجھے کسی گناہ سے نہیں اور اس گناہ سے جتنی نفرت ہے کسی سے نہیں۔ یوں اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں جیسے زنا شراب قمار وغیرہ لیکن نفرت طبعی جتنی تکبر سے ہے کسی سے نہیں اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ تکبر شعبہ شرک کا ہے اپنے قمار لیے وہ صفت ثابت کرتا ہے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔
ایک اور سلسلہ میں فرمایا کہ ابوجہل کا تکبر فرعون سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ کیونکہ فرعون تو مرتے وقت کچھ ڈھیلا بھی ہو گیا تھا گو اس کا ایمان قبول نہ ہوا لیکن ابوجہل نے مرتے وقت بھی یہ حسرت کی کاش میرا قاتل کاشتکار نہ ہوتا کیونکہ انصار کے ایک جوان لڑکے نے اس کو قتل کیا تھا۔ ان حضرات میں زیادہ کاشتکار ہوتے تھے۔ نیز میں نے اپنے استاذ سے سنا تھا کہ جب

ایک صحابیؓ اس کی گردن کاٹنے لگے تو اس نے یہ خواہش کی کہ میری گردن ذرا نیچے سے کاٹی جاوے تا کہ جب مقتولین کے سر رکھے جاویں تو میرا سر سب سے اونچا نظر آوے۔ کیا ٹھکانا ہے اس تکبر

حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں جس وقت اس کا سر کاٹ کر حاضر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مات فرعون ھٰذہ الامۃ'' پھر حضرت اقدس (مجدد الملت حکیم الامت) نے فرمایا کہ آج بھی فرعون کا دماغ رکھنے والے موجود ہیں۔

(فیض حسن اشرف ص ۱۵۱)

(۲) ''اپنی چیز کو تبرکاً دینا تکبر ہے'':

ایک رئیس زادہ کا ایک اونی کرتہ دیا ہوا ان کی رضامندی سے بعد استعمال واپس فرمایا تو اس خیال سے کہ ان صاحب کی دل شکنی نہ ہو۔ یہ تحریر فرمایا کہ اس کو بطور یادگار محبت کے اپنے پاس رکھئے پھر فرمایا کہ میں نے یہ الفاظ ان کی خاطر سے لکھ دیئے تا کہ انکو واپس لینے میں عار نہ ہو اس پر عرض کیا گیا کہ وہ اس کو تبرک سمجھیں گے فرمایا کہ وہ جو کچھ چاہیں سمجھیں باقی میں نے اسی لئے یادگار محبت کا لفظ لکھدیا ہے کہ اپنی چیز کو تکبر کاً دینا حرام ہے یہ میں نے فتویٰ کی شکل میں حضرت مولانا یعقوب ہی سے سنا ہے جس کی وجہ سے یہ فرماتے تھے کہ اس کے معنیٰ تو یہ ہوئے کہ اس نے اپنے کو بزرگ سمجھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فلا تزکوآ انفسکم'' اپنی چیز کو تبرکاً دینا کبر ہے اور دعویٰ ہے بزرگی کا جو حرام ہے۔

(ص ۱۵۴، ۱۵۵)

(۳) ''خانقاہ والوں کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھا کرو اور ان کے وضو کے لیے لوٹے بھرا کرو؟''

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو شخص نصیحت کرنے کا اہل نہیں اسکے بھی شرائط ہیں بدون شرائط کے نصیحت کرنا ایسا ہے جیسے بدون وضو کر کے نماز پڑھنا:۔

ایک شخص یہاں پر مقیم تھے۔ انہوں نے دوسرے شخص کو نصیحت کی اور یہاں کے قواعد میں

مصالح ترتیب کی بناء پر یہ بھی داخل ہے کہ ایک دوسرے کو کچھ نہ کہے میں خود ہی ہر بات کا انتظام رکھتا ہوں کیونکہ ایک طالب کے دوسرے طالب کو کچھ کہنے میں عوارض کی وجہ سے بڑی خرابیاں اور بڑے مفسدے ہیں میں نے ان سے مواخذہ کیا کہ تم نے ان کو نصیحت کیوں کی۔ شاید یہ جواب دیا کہ دین سمجھ کر، میں نے کہا کہ نماز دین ہے مگر اس کی بھی شرطیں ہیں ایسے ہی تبلیغ اور نصیحت کی شرطیں ہیں کیا وہ تم کو معلوم ہیں؟ کہنے لگے کہ نہیں میں نے کہا کہ جب شرطیں معلوم نہیں تو تم نے جو نصیحت کی یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ دین ہے اس پر کوئی جواب نہیں دیا میں نے کہا کہ لو میں وہ شرطیں بتلاتا ہوں۔ نصیحت کی پہلی اور ادنیٰ شرط یہ ہے کہ جس کو نصیحت کرے عین نصیحت کے وقت یہ سمجھے کہ میں اس سے کم درجے کا ہوں اور وہ مجھ سے افضل ہے تو جس وقت تم نے نصیحت کی تھی قسم کھا کر بتلاؤ کہ یہ خیال تمہارے دل میں تھا کہ میں ارذل ہوں یا اس کا عکس تھا؟ کہنے لگے کہ عکس ہی تھا تو میں نے کہا کہ یہ تو تکبر ہوا جو معصیت ہے اور تم کہتے ہو کہ دین سمجھ کر کیا۔ کیا جو چیز تکبر سے ناشی ہو وہ دین ہو سکتا ہے؟ اب یہ دیکھو کہ یہ تکبر تم میں کاہے سے ہوا؟ ذکر و شغل سے پیدا ہوا۔ اس کے سبب اپنے کو بزرگ سمجھنے لگے اس لئے آج سے ذکر و شغل چھوڑ دو لیکن مطلب اس کا یہ ہے بہیت معتادہ ایک جگہ بیٹھ کر مت پڑھو چلتے پھرتے پڑھا کرو جس کی کسی کو خبر بھی نہ ہو دوسرے خانقاہ والوں کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھا کرو اور ان کے وضو کے لیئے لوٹے بھرا کرو کچھ روز تک انہوں نے ایسا کیا تب ان کا نفس ڈھیلا ہوا اور نفس اسی طرح ڈھیلا ہوتا ہے لوگوں سے کہتے تھے کہ مجھ کو دس برس میں بھی وہ نفع نہ ہوتا جو ان دس دنوں میں ہوا۔

(فیضِ حسن واشرف ص ۱۳۵، ۱۳۶)

فخر اہلسنت حضرت مولانا قاری عبد الرّشید صاحب رحمہ اللہ (سابق استاذ حدیث وتفسیر جامعہ مدینہ لاہور) **کے واقعات:۔**

(۱) نام ونمود سے نفرت:۔

آپ کے تلمیذ رشید اور سوانح نگار حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب زید مجدھم تحریر

فرماتے ہیں:

نام ونمود، شہرت و جاہ پسندی کو بہت بُرا جانتے تھے۔آپ نے علماء وعوام میں اپنی شناخت کروانے اور اپنی نام وری کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی، اخبارات واشتہارات میں اپنا نام آنا پسند نہیں فرماتے تھے۔

ایک دفعہ کچھ احباب نے آپ سے درس کے لیے وقت لیا اور منع کرنے کے باوجود اخبار میں خبر لگوادی، احتجاجاً آپ نے خود درس دینے سے انکار کردیا اور راقم کو اپنی جگہ بھیجا۔ اور آپ اپنی تصانیف پر نام نہیں لکھتے تھے۔

ایک مرتبہ راقم نے عرض کیا کہ میں اپنے خواب لکھ لیا کرتا ہوں تاکہ یاد رہیں، آپ نے فرمایا میں تو نہیں لکھتا اور تم بھی نہ لکھا کرو بلکہ جو لکھے ہوں وہ بھی تلف کردو۔ میں نے عرض کیا کہ بہت سے بزرگوں کا تو معمول تھا کہ وہ خواب لکھ لیا کرتے تھے، فرمایا: بات یہ ہے کہ ان میں اخلاص تھا اور ہم میں اخلاص ہے نہیں، بلکہ ہمیں تو شیطان یہ سبق پڑھائے گا کہ ضرور لکھا کرو تاکہ تمہارے مرنے کے بعد جب لوگ دیکھیں تو خوب تعریف کریں اور خوب واہ واہ ہو، احقر نے یہ سن کر وہ لکھے ہوئے سب خواب تلف کردیئے۔

ایک مرتبہ فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کوئی دین کا کام لے لیں تو شیخی نہیں بگھارنی چاہیے۔ اس لیے کہ دین کا کام تو خداوند عالم فاسق وفاجر سے بھی لے لیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے ان اللّٰہ لیوء ید الدین بالرجل الفاسق

آپ اپنے احباب کو بتاکید فرماتے تھے کہ یہ دعا بھی کیا کرو کہ خدا ہمیں فاسق وفاجر نہ بنائے۔ (رجال رشید، ص۱۳۳)

(۲) سادگی اور تواضع کے چند دلچسپ اور سبق آموز واقعات:۔

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب زید مجدھم آگے آپکے مفصل حالات زندگی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

شریعت مقدسہ میں سادگی اور تواضع اختیار کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

باوجود سرورِ کائنات اور فخرِ موجودات ہونے کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کیا کرتے تھے۔

"اللھم احینی مسکیناً وامتنی مسکیناً و احشرنی فی زمرۃ المساکین"

(اے اللہ مجھے تواضع زندہ رکھ، متواضع موت دے اور متواضع لوگوں میں میرا حشر فرما)

اس مبارک دعا کی روشنی میں جب ہم حضرت قاری صاحب مرحوم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آپ باوجود جامعۃ العلوم والفنون، بہترین مدرس، مصنف، متکلم، مناظر اور فقیہ ہونے کے انتہائی سادگی اور تواضع کے ساتھ زندگی گزارتے تھے، لباس وپوشاک، وضع وقطع، چال ڈھال، ہر چیز میں سادگی اور تواضع جھلکتی تھی، بڑائی کا وہاں نام ونشان بھی نہ تھا۔ بغیر استری کئے ہوئے کپڑے پہن لینا، معمولی جوتی وچپل میں گزارا کر لینا آپ کے لیے معمولی بات تھی۔

حکیم انیس احمد صاحب صدیقی (فاضل دیوبند) کے صاحبزادے حافظ انور محمود راوی ہیں کہ:

"میری اور میرے بڑے بھائی حامد صاحب کی شادی میں حضرت مولانا قاری عبد الرشید رحمہ اللہ مدعو تھے، آپ کی طرف ہر ایک کی نگاہ تھی اور آپ ہی مہمان خصوصی تھے، لیکن سادگی کا یہ عالم تھا کہ بغیر استری کئے ہوئے کپڑے اور پاؤں میں پلاسٹک کی چپلیں پہن رکھی تھیں"۔

آپ کا معمول تھا کہ دوپہر کو مسجد میں قیلولہ کے لیے لیٹتے تھے تو بغیر تکیے کے اور بغیر پنکھا چلائے سوتے تھے۔

اپنے شاگرد اور متعلقین کا تعارف کرانا ہوتا تو فرماتے کہ یہ ہمارے دوست اور ساتھی ہیں، کبھی یہ نہ فرماتے کہ یہ میرے شاگرد یا مرید ہیں۔

رقم الحروف کو بخوبی یاد ہے کہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے جب بھی میرا تعارف کرایا، یہ کہہ کر کروایا کہ: "یہ ہمارے ساتھی ہیں، مدرسہ کے استاذ ہیں، مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے داماد ہیں"۔ آپ کے اس طرح تعارف کروانے سے اکثر راقم

شرم کے مارے سر جھکا لیتا تھا، کئی دفعہ ناچیز نے عرض کیا کہ جناب کے اس طرح تعارف کروانے سے بڑی شرمندگی ہوتی ہے، لیکن آپ نے معمول نہیں بدلا اور اسی طرح تعارف کرواتے ہے۔

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولانا سید مسعود میاں صاحب نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ ہم حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ لاہور سے مولانا ظہور الحق صاحب دامت برکاتھم کے گھر حضرو ضلع اٹک گئے تو سفری تھکان کی وجہ سے قاری صاحب لیٹ گئے، ایک شاگرد نے قاری صاحب کے پاؤں دبانے شروع کر دیئے، میرے دل میں خیال آیا کہ مجھے بھی خدمت کرنی چاہیے، یہ سوچ کر پاؤں دبانے کے لیے ہاتھ رکھا ہی تھا کہ آپ نے فوراً منع فرمادیا کہ تم مت دباؤ، میں نے عرض کیا کہ وہ بھی تو دبا رہا ہے فرمایا کہ اس کو دبانے دو تم مت دباؤ۔

مولانا مسعود میاں صاحب کہتے ہیں کہ میں تو یہی سمجھا کہ چونکہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ ابو کے شاگرد ہیں، اس لیے استاذ زادے سے پاؤں دبوانے کو مناسب نہیں سمجھا۔

آج کل اپنی بات پر اڑے رہنا خواہ وہ بات غلط ہی کیوں نہ ہو اور اپنے قصور کی معافی مانگنے سے ہچکچانا بلکہ اسے محال سمجھنا ایک عام مزاج بن گیا ہے لیکن قاری صاحب مرحوم کی عادت بالکل مختلف تھی، اگر ان پر اپنی غلطی واضح ہو جاتی تو اس سے رجوع بھی فرماتے اور اگر کسی کی دل شکنی ہوتی تو معافی مانگنے سے گریز نہ کرتے اور اس میں بڑے چھوٹے کی تخصیص نہ تھی سب کے ساتھ یکساں معاملہ تھا۔

جناب اقبال احمد انصاری صاحب اپنا اسی نوع کا ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں:

''جب ہم نے شروع میں آپ کے پاس جانا شروع کیا تو ایک مرتبہ مجھے اپنی کم علمی کی وجہ سے کسی بات کی سمجھ نہ آئی اور میں حضرت کے پاس کچھ دن نہ گیا۔ ایک دن میں گیا تو آپ نے فرمایا کہ:

''بھائی اقبال! تم آتے نہیں ہو آج کل کیا بات ہے؟ ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے

کیا؟''میں نے صاف صاف بات بتلادی (وہ بات اب مجھے یاد نہیں) حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے فوراً فرمایا کہ ''بھائی اگر میری اس بات سے آپ کو تکلیف ہوئی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں، آپ مجھے معاف فرمادیں'' یہ صورت حال دیکھ کر میں تو زاروقطار رونے لگا، آپ نے اپنی بات کی کوئی توجیہ بیان نہ فرمائی، بلکہ وہیں روتے روتے میرا ذہن بالکل صاف ہوگیا اور تمام اعتراض آنسوؤں میں ڈھل گئے''۔

ایک زمانہ تھا کہ قاری صاحب مرحوم کے پاس کہیں آنے جانے کے لیے سواری کے طور پر سائیکل ہوتی تھی، اگر کہیں آنا جانا ہوتا تو اسی پر آتے جاتے تھے، ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ آپ ایک طویل عرصہ تک مدرسہ میں سائیکل ہی پر تشریف لاتے رہے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ کے ساتھ سائیکل پر کوئی اور بھی رفیق سفر ہوتا تھا، سائیکل کی سواری میں رفاقت کا معمول جناب اقبال صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''جب کہیں سائیکل پر جاتے تھے تو میں پہلے جاتے ہوئے سائیکل چلاتا تھا اور آپ بیٹھتے تھے واپسی پر بھی میری کوشش یہی ہوتی کہ سائیکل میں ہی چلاؤں، تو زبردستی سائیکل خود ہی چلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہر کام میں مساوات ہونی چاہیے''۔

موجودہ دور میں حالات کچھ اس طرح کے بن گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص معمولی سا لکھ پڑھ لیتا ہے تو وہ گھریلو کام کاج کرنا اپنے لیے حقارت کا باعث سمجھتا ہے، لیکن اس کے برعکس قاری صاحب رحمہ اللہ سب ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے، اور گھر کا معمولی سے معمولی کام کرنے میں حقارت تو کیا محسوس کرتے ہچکچاتے بھی نہیں تھے، سبز منڈی سے سبزی لانی ہو، یا مین بازار مزنگ سے دھنیا مرچ اور دال چاول لانے ہوں اکثر آپ خود لایا کرتے تھے، گھر کی چارپائی بننے کے لیے بان لے آنا اور پھر خود ہی چارپائی بُن لینا آپ کے لیے معمولی بات تھی مسجد و مکان کی تعمیر میں آپ اینٹیں اٹھاتے، ملبہ چنتے اور مزدور کی طرح ہر کام کرتے ہم نے خود دیکھا ہے۔

الغرض! قاری صاحب مرحوم سادگی اور تواضع خود بھی اپناتے تھے اور تلامذہ و متعلقین کو بھی

اس کی تاکید کرتے تھے، اس سلسلہ میں اکثر اکابر علماء دیوبند بالخصوص حضرت نانوتوی، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے واقعات سنایا کرتے تھے، جن کو سن کر اکابر سے عقیدت کے ساتھ ساتھ ایک جوش اور ولولہ پیدا ہوتا تھا کہ ہمیں بھی یہ چیزیں اپنانی چاہیں۔

(ص ۱۳۹ تا ۱۴۳)

مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) ''کوئی ایسا بھی تو ہو جس سے میں اپنے آپ سنبھالتا رہوں، اور میری اصلاح ہوتی رہے'':

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم آپکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

تواضع، سادی اور فنائیت کا یہ عالم تھا کہ اپنے آپ کو دنیا بھر کا خدمت گزار سمجھا ہوا تھا۔ مدرسہ کے طلبہ کی بیماری کی خبر سنتے تو ان کی نہ صرف بیمار پرسی، بلکہ اپنے ہاتھوں سے ان کی خدمت کرتے، ایک نومسلم طالبعلم کی تمام ضروریات کی کفالت آپ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی وہ صاحب کچھ عجیب طبیعت کے واقع ہوئے تھے۔ جب ان کے جی میں آتا، عین مجلس میں آکر ایسی باتیں حضرت والاؒ سے کہہ دیتے جو سننے والوں کو گستاخانہ معلوم ہوتیں۔ دکان داروں سے قرض کر لیتے، اور پھر آکر تقاضا کرتے کہ مجھے پیسے چاہئیں ایک مرتبہ مجلس میں آئے اور کہنے لگے کہ ''ہمارے جوتے ٹوٹ گئے ہیں اور بنوا دیجیئے'' حضرتؒ نے فرمایا کہ ''ابھی تو خرید کر دیے تھے، تھوڑے سے ٹوٹے ہوگے، مرمت کروا دی جائے گی'' انہوں نے کہا ''ہمیں معلوم نہیں۔ آپ دیکھ لیجئے'' آپ نے فرمایا ''لاؤ، دیکھ لوں'' اس پر انہوں نے کہا کہ ''وہ ہیں کمرے کے باہر آپ دیکھ لیجیئے'' ان کے اس جواب پر حضرت والاؒ مجلس سے اٹھ کر دھوپ میں باہر تشریف لائے، جہاں بہت سے جوتے رکھے تھے۔ چونکہ آپ کو ان کے جوتے کی پہچان نہیں تھی اس لیے مختلف جوتے اٹھا اٹھا کر فرماتے رہے کہ ''یہ

تمہارے جوتے ہیں؟" اور وہ صاحب اندر ہی اندر سے انکار کرتے رہے۔ بالآخر جب دیر گزر گئی تو حاضرین میں سے کسی صاحب نے ان سے کہا کہ "تم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ آگے بڑھ کر دکھلا دو" اس پر انہوں نے اپنے جوتے دکھلائے، اور حضرتؒ نے مرمت کے لیے پیسے دیئے۔ کسی نے ان صاحب کے بارے میں حضرتؒ سے عرض کیا کہ یہ صاحب ایسی بے تکی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی حضرت تو سب لوگ کہتے ہیں، کوئی ایسا بھی تو ہو جس سے میں اپنے آپ سنبھالتا رہوں، اور میری اصلاح ہوتی رہے"

(نقوش رفتگاں ص ۳۶۵)

(۲) "لیکن اس وقت کوئی نہیں ہے، اب دبوا لیجئے، آپ کو آرام آ جائے گا"۔

ایک مرتبہ حضرتؒ مدرسہ تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک بڑے میاں اپنے مکان کے دروازے کے باہر چارپائی پر لیٹے ہوئے کراہ رہے تھے۔ حضرت والدؒ نے ان سے سلام کے بعد حال دریافت کیا، انہوں نے کمر میں درد کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا "لائیے، میں آپ کی کمر دبا دوں" انہوں نے سختی سے انکار کیا، آپ اس وقت تو مدرسہ تشریف لے گئے، لیکن رات کو عشاء کے بعد پھر ان کے پاس پہنچ گئے، اور ان کی کمر دبانی شروع کر دی، اور ان کی انکار پر فرمایا کہ صبح تو دوسرے حضرات بھی موجود تھے۔ آپ ان سے شرماتے ہوں گے، لیکن اسوقت کوئی نہیں ہے، اب دبوا لیجئے، آپ کو آرام آ جائے گا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے اصلاحی تعلق قائم ہونے کے بعد آپ پر مخلوق خدا پر شفقت کا ایک خاص حال اس درجہ طاری ہوا کہ انسان تو انسان کسی جانور اور کیڑوں مکوڑوں کو بھی اپنی ذات سے کوئی ادنیٰ تکلیف پہنچنا بے حد شاق گزرتا تھا۔ یہاں تک کہ موذی حشرات الارض کو بھی اپنے ہاتھ سے مارنے پر قدرت نہ ہوتی تھی، جس شخص کا جانوروں کے ساتھ یہ معاملہ ہو وہ انسانوں کی تکلیف کا کس درجہ خیال رکھے گا؟ اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ (ایضاً ص ۳۶۶)

(۳) حضرت کی ایک اہم ہدایت: ''محبت میں غلونہیں ہونا چاہیئے''۔

آپکے سوانح نگار مفتی رشید احمد میواتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والا دامت برکاتہم نے ابتداء ہی میں (سوانح حیات کی) اجازت تحریر فرماتے ہوئے جواب میں یہ تحریر فرمادیا تھا کہ ''امید ہے کہ غلو سے خلو ہوگا''۔ نیز سوانح کی ترتیب کے زمانے میں اکثر بیشتر حضرت والا اس کی تاکید فرماتے رہے کہ غلونہیں ہونا چاہیئے اور اشاعت کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے بھی تاکید فرمائی کہ غلو نہ ہو، اکثر محبت میں غلو ہو جاتا ہے۔

چنانچہ مورخہ ۲۲ شعبان ۱۴۱۲ھ جمعرات کے دن دس بجے کے قریب بندہ حاضر خدمت ہوا تو دریافت فرمایا کہ آپ کیا کررہے ہیں؟ بندہ نے عرض کیا حضرت والا کے جو حالات دریافت کیئے تھے انہیں کو ترتیب کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے کہ آپ محبت میں لکھ رہے ہیں مگر غلو سے تو خالی ہوگا نہیں اور غلو ہونا نہیں چاہیئے! دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لاتغلو فی دینکم (''اپنے دین میں حد سے مت نکلو''۔ سورۃ النساء آیت ۱۷۱) جب دین میں غلو کو منع کیا گیا ہے تو کسی کے حالات کے بیان میں غلو کیسا ؟ یہ بھی تو دین ہی کا حصہ ہے اور ارشاد فرمایا کہ خطوط میں بعض لوگ کچھ کچھ لکھ دیتے ہیں، کوئی ''قطب'' لکھ دیتا ہے، کوئی ''غوث'' لکھ دیتا ہے، کوئی ''شیخ الحدیث'' لکھ دیتا ہے کوئی ''حافظ'' لکھ دیتا ہے، میں سب کو کاٹ دیتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ اس سے میری طبیعت مجوب ہوتی ہے ہاں! کوئی حاجی لکھ دیتا ہے تو نہیں کاٹتا کیونکہ الحمدللہ حج تو کیا ہے۔

اور فرمایا کہ ''مسیح الامت'' کا لقب میرے استاذ حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صاحب معلم الحجاج) کا دیا ہوا ہے، کسی شاگرد کا دیا ہوا لقب ہوتا تو میں اس کو بھی کاٹ دیتا

(حیات مسیح الامت ص ۴۰)

(۴) ایک دیہاتی قالین پر آکر بیٹھ گیا:۔

حضرت والا میں تواضع، عجز وانکسار، فنائیت وعبدیت کا یہ حال ہے کہ بایں

کمالات رفیعہ واوصاف حمیدہ اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتے ہر شخص سے اپنے آپ کوادنیٰ خیال فرماتے ہیں اور نہایت تاکید کے ساتھ اس کی تعلیم فرماتے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ:
''دوسرا شخص دینی یا دنیوی حیثیت سے خواہ کتنے ہی کم درجے کا ہو کبھی بھی اس پر حقارت کی نظر نہ ہو اور اللہ تعالیٰ خواہ کتنے ہی دینی یا دنیوی اعتبار سے کمالات سے نواز دیں کبھی اپنے پر نظر نہ ہو، سب اس کا فضل وانعام ہے''

مورخہ ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ بروز پیر آج چونکہ مجلس نہیں تھی، جس دن مجلس نہ ہو ہو تھوڑی دیر کے لیے حاضری کی اجازت ہے، چنانچہ بندہ حاضر ہوا، یہ واقعہ دیکھا کہ ایک بالکل غریب، دیہاتی، ان پڑھ آدمی، میلے کپڑے والا حضرت والا کے قالین پر دو چھوٹے والے تکیوں سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا ہوا ہے، حضرت والا اپنی جگہ اطمینان سے ڈاک تحریر فرما رہے ہیں، اس دیہاتی سے کچھ نہیں فرمایا کہ آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں، جہاں اور لوگ بیٹھے ہیں وہاں کیوں نہیں بیٹھے، نہ کسی قسم کی ناگواری کا اظہار فرمایا، حاضرین کو ناگوار گزر رہا تھا مگر حضرت والا کے سامنے کسی کو کچھ کہنے کی جرئات نہیں تھی، حضرت والا اطمینان سے کچھ دیر تک ڈاک تحریر فرماتے رہے، وہ دیہاتی شخص برابر قالین پر بیٹھا رہا۔ ایک خط کو پورا کرنے کے بعد حسب عادت دریافت فرمایا کیسے آنا ہوا؟ اس نے اپنی بات عرض کی حضرت والا نے کرنے کے بعد حسب عادت دریافت فرمایا کیسے آنا ہوا؟ اس نے اپنی بات عرض کی حضرت نے والا نے حسب عادت شریفہ اس کی پوری بات سنی، دعائیں دیں اور مصافحہ کے بعد اس کو رخصت فرمایا۔

اس واقعہ سے حضرت والا کی تواضع اور کسر نفس وغایت عبدیت کی شان ظاہر ہے یہ حضرات اہل اللہ اپنے آپ کو بالکل مٹائے ہوئے ہیں۔ (ص ۴۰)

(۵) دوران مجلس بھنگی سے بات کرنے کا واقعہ:۔

حضرت والا دامت برکاتہم کی ایک مرتبہ برآمدے میں مجلس ہو رہی تھی، دوران مجلس ایک بھنگی آیا اور اس نے کہا کہ مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنی ہے، حضرت

والا نے دوران مجلس ہی اس کی یہ بات سن کر اٹھنا چاہا تو بھائی جان مدظلہ (حضرت رحمہ اللہ کے اکلوتے فرزندار جمند حضرت مولانا محمد صفی اللہ صاحب زید مجدھم مراد ہیں) نے جو مجلس میں موجود تھے، فرمایا کہ بھنگی ہے، یہیں رہتا ہے، مجلس کے بعد بات کرلیگا۔ اس پر حضرت والا نے ارشاد فرمایا: ''اچھا بھائی! تھوڑی دیر میں بات پوری کر کے آپ کی بات سن لوں گا''۔ حضرت والا کا یہ جواب سن کر شاید وہ بھنگی صدر دروازے تک گیا ہوگا اور چند منٹ میں واپس آکر دوران مجلس ہی پھر کہا کہ حضرت! مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنی ہے۔ حضرت والا یہ سن کر اٹھے اور نیچے اتر کر غالبًا جوتے بھی نہیں پہنے اور جا کر اس کی بات سنی۔

اس کی تنہائی کی بات یہ تھی کہ میں قصبہ کی میونسپل کمیٹی میں ملازمت چاہتا ہوں، حضرت والا سفارشی خط لکھدیں، اس پر حضرت والا نے جواب دیا: بھائی! سفارش کی میری عادت بھی نہیں ہے اور ان سے میرا تعلق بھی نہیں ہے، بس میں دعا کرتا ہوں، خدا کرے تمہارا کام ہو جائے''۔

اس واقعہ سے حضرت والا دامت برکاتھم کی غایت درجہ تواضع ظاہر ہے کہ دوران مجلس آپ نے اس کی بات سنی اور یہ فرمانے کے باوجود کی تھوڑی دیر بعد بات ختم کر کے تیری بات سنوں گا، وہ پھر آیا، اس پر بھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا کہ اتنی جلدی کیوں آیا اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ اس میں تنہائی کی کیا بات تھی، سفارش کے لیے کہنا تھا تو سب کے سامنے بھی کہہ سکتا تھا۔

اس میں سبق ہے کہ ایسے موقع پر خلاف طبع بات برداشت کی جائے اور خدا کی مخلوق کی طرف سے کیسی بھی مطلب پرستی اور ایذا رسانی کی بات پیش آجائے مگر اپنی جانب سے ان کی راحت رسانی اور مطلب براری کی جائے۔ (ص ۱۴۲)

(۶) ''میں تم سے معافی مانگنے کے لئے آیا ہوں''۔

ایک مرتبہ کسی نے حضرت والا سے یہ کہدیا کہ بھائی جان نے رشید احمد طالب علم

(مرتب کتاب ہذا) سے کچھ کہہ دیا ہے، اس سے لڑائی کی ہے، دو پہر کے وقت گرمی کے موسم میں ہم اندر لیٹے ہوئے تھے، کسی نے کنڈی بجائی، ہم نے دروازہ کھولا تو دیکھا حضرت والا تشریف فرما ہیں جبکہ یہ مسجد حضرت والا کے مکان سے کافی فاصلے پر ہے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ: ''مجھے معلوم ہوا کہ بھائی جان نے تم سے جھگڑا کیا ہے، میں اس کی تم سے معافی مانگنے کے لئے آیا ہوں''۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت! ہماری تو ایسی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ اس پر بھی حضرت والا نے بار بار معاف کرنے کے لیے فرمایا۔

اس واقعہ سے جہاں تواضع ظاہر ہے وہیں یہ بھی سبق ملا کہ اپنے متعلقین میں سے بھی اگر کسی کی زیادتی معلوم ہو تو فوراً بڑے کو اس کی جانب سے معافی مانگ لینی چاہیے۔

(ص ۱۴۳)

(۷) سراپا عجز انکسار:۔

تواضع کی وجہ سے درس یا مجلس میں کبھی تخت یا چوکی وغیرہ پر نشست نہیں فرماتے بلکہ بالعموم گدی وغیرہ پر بیٹھتے ہیں۔ جب مجلس خانے میں بعد نماز جمعہ تشریف لاتے ہیں تو گویا زمین سے پیر ملے ہوئے ہوتے ہیں، کبھی کوئی نمایاں لباس زیب تن نہیں فرماتے سادہ زندگی اور سادہ طریق ہر معاملے میں رکھتے ہیں، کیسا بھی کوئی شخص خلاف شرع صورت لیے ہوئے ہو کبھی اس کو تحقیر کی نظر سے نہیں دیکھتے، شفقت اور اصلاح کی نظر فرماتے ہیں، کبھی اپنی تعریف وتوصیف کی مجلسیں قائم نہیں ہونے دیتے۔

ایک مرتبہ بندہ نے مجلس شریفہ کا مقدمہ لکھا تو سن کر فرمایا کہ ''یہ سب آپ کی محبت کی وجہ سے ہے، جس کو کسی سے محبت ہوا کرتی ہے وہ ایسا ہی سمجھا کرتا ہے۔

حضرت والا کی یہ بھی عادت شریفہ ہے کہ آپ اپنے کام کے لیے کبھی کسی پاس رہنے والے کو بھی یوں حکم نہیں فرماتے کہ فلاں کام کردو، مثلاً پانی لاؤ بلکہ یوں فرماتے ہیں کہ ''مجھے پیاس لگ رہی ہے'' اسی طرح زلزلہ کے چلے جانے کے بعد بجلی چلی گئی تو ڈاکٹر نعیم احمد صاحب سے فرمایا کہ ''مشین چلنی چاہیے''، یہ نہیں فرمایا کہ جرنیٹر (بجلی کے لیے) چلا

دیں۔اسی طرح اگر حضرت والا کے پاس کچھ حضرات بیٹھے اور پیشاب کا تقاضا ہوتو بجائے یہ فرماتے کے کہ پیشاب کے لے جاتا ہوں ، یہ فرماتے ہیں کہ ''اجازت ہوتو پیشاب کر آؤں''۔ (ص ۱۴۴)

حضرت مولانا محمد یحیٰ بہاولنگری (خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبد القادر رائپوری رحمہ اللہ) کی تواضع وانکساری:۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے اندر باوجود علم وعمل زہد وتقویٰ کے حد درجہ تواضع تھی۔اپنے سے بڑوں کے ساتھ بڑوں جیسا معاملہ کرتے اور چھوٹوں کے ساتھ برابر والوں کا سا سلوک فرماتے اہل علم کے علم کا اعتراف کرتے اور ان کی قدر کرتے بڑی عزت واکرام کا معاملہ فرماتے خصوصاً اُن لوگوں سے جن کا حضرت رائپوری رحمہ اللہ سے کسی بھی درجہ کا تعلق رہا ہو۔

حضرت رحمہ اللہ کو باوجود اپنے علم وفضل کے کسی عالم سے استفادہ میں حجاب نہیں تھا۔بار بار ایسا ہوتا کہ حاضرین مجلس میں سے کسی نے کوئی مسئلہ دریافت کیا،اگر مجلس میں کوئی عالم موجود ہوتے تو ان کو مخاطب کر کے فرماتے کہ مولانا صاحب! یہ مسئلہ کیسے ہے؟ان کو بتلاؤ ،جب تصوف کی کوئی بات یا نکتہ بیان فرماتے تو عموماً ٹھنڈا سانس بھر کر فرماتے میں تو کچھ بھی نہیں ہوں ، یہ سب میرے حضرت رائپوری رحمہ اللہ کے جوتوں کا صدقہ ہےاور اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔

میں نے بار ہا سنا کہ بیعت کرتے ہوئے آخر میں فرماتے:''کہو میں نے بیعت کی حضرت رائے پوری رحمتہ اللہ کے سلسلہ میں محمد یحیٰ کے ہاتھ پر''

حضرت رحمتہ اللہ میں تواضع کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ،ہزاروں آدمی آپ سے بیعت تھے ،مگر آپ کا انداز معروف پیروں جیسا نہیں تھا،ہدایت ورہنمائی کے لئے آپ کے پاس مختلف قسم کے لوگ آتے رہتے ،آپ ان سب کو حسب حال ہدایت ورہنمائی فرماتے تھے،آپ ہر خورد وکلاں ،عالم وجہل اور امیر وغریب سب سے نہایت خندہ پیشانی اور

عجز وانکساری سے پیش آتے اور نہایت توجہ سے مزاج پرسی فرماتے، کبھی اپنے کشف وحالات کا تذکرہ نہ فرماتے۔

آپ اتباع شریعت کا کامل نمونہ اور طریقت کے اسرار وحکم کے بے مثال خزینہ تھے، آپ میں اخفائے حال اور سادگی بدرجہ اتم تھیں۔

خانقاہ رحیمہ رائے پوری شریف کی اہم خصوصیات میں سے ایک نمایاں خصوصیت جو حضرت رحمہ اللہ میں بدرجہ اتم وکمال موجود تھی وہ تواضع وانکساری تھی۔

(سوانح حیات حضرت مولانا محمد یحیٰی بہاولنگری رحمہ اللہ ص ۱۹۸)

فقیہ العصر مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ کے واقعات:۔

(۱) حضرت مفتی صاحب تواضع اور خودداری کا نمونہ تھے:۔

حضرت اقدس مفتی محمود اشرف صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب بہت متواضع غریب المزاج ہونے کیساتھ انتہائی درجہ کے خوددار تھے، ہمیشہ غربا فقراء کی طرح زندگی گذاری لیکن خودداری اور استغناء کا عالم یہ تھا کہ اگر کسی شخص کی طرف سے ذراسی لاپرواہی اور بے اعتنائی دیکھتے تو اس کے ساتھ دگنی استغنا کا معاملہ کرتے اسی تواضع اور خودادری بلکہ ان دونوں باتوں سے بھی بڑھ کر فنائیت کاملہ اور ثواب عنداللہ کے گہرے جذبات کے تحت انہوں نے اس بات کی بھی کوشش نہیں کی کہ ان کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ریکارڈ قائم کیا جائے اور محفوظ ہوتے چلے جائیں اسے مفتی صاحب کی تواضع کہیں یا ارباب مدرسہ کا استغنا کہ جامعہ اشرفیہ میں حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کا مطلقاً کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا اور اب جو لوگ مفتی صاحب کے فتاویٰ کو جمع کرنے کی خواہش رکھتے ہیں ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ مختلف ذرائع سے ان فتاویٰ کو متفرق اشخاص اور مختلف رسائل سے حاصل کریں۔ البتہ حضرت مفتی صاحب نے کچھ عرصہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور میں افتاء کی خدمت انجام دی تو اس زمانہ کے فتاویٰ ایک رجسٹر میں محفوظ ہیں۔

(بیس علماء حق ص ۵۳۰)

(۲) فتوی میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ پر اعتماد:۔

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بہت احترام فرماتے کئی بار احقر سے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب فتوی کے ہائیکورٹ تھے ادھر ادھر سے جو مسئلہ لکھا جاتا آخری فیصلہ حضرت مفتی صاحب کے یہاں ہوتا تھا۔

مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنے ذاتی مسائل اور ذاتی معاملات میں بھی اپنے آپ سے فتوی لینے کے بجائے اس قسم کے معاملات میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو خط لکھتے اور جو جواب آتا اس پر عمل فرماتے (یہ حضرت مفتی صاحب کی بے نفسی، دین میں احتیاط اور اپنے اکابر پر اعتماد کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔)

جب حضرت مفتی شفیع صاحب رحمتہ اللہ کا انتقال ہوا تو پورے ملک بلکہ پورے عالم اسلام میں اس سانحہ کو محسوس کیا گیا لیکن حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس حادثہ کی خاص تکلیف محسوس کی۔ ان دنوں میں احقر کی موجودگی میں ایک صاحب نے حضرت مفتی جمیل احمد صاحب کے سامنے اپنے تاثرات کا ذکر کیا کہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال سے بڑا نقصان ہو گیا ہے۔ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کچھ دیر تو سنتے رہے پھر ایک خاص کیفیت میں فرمایا: ''تمہارا کیا نقصان ہوا؟ تمہیں کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو ہم سے معلوم کر لینا۔ نقصان تو ہمارا ہوا ہے۔ ہمیں اب مسئلہ معلوم کرنا ہوگا تو کس سے معلوم کریں گے؟'' (ص ۵۳۲)

(۳) مسکنت اور بے نفسی:۔

حضرت مفتی محمود اشرف صاحب زید مجدھم ہی تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے احقر کو محض اپنے فضل و کرم خاص سے اولیاء اللہ اور اپنے زمانہ کے اکابر علماء کی خدمت میں تو بہت حاضری اور صحبت سے بلا استحقاق نوزا اور حضرت

مفتی صاحب رحمتہ اللہ کی خدمت میں حاضری اور صحبت سے بلا استحقاق نوازا اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں تو بہت حاضری رہی بلکہ حاضر باش رہا۔ احقر نے حضرت مفتی جمیل احمد صاحب (اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمتہ اللہ) کے یہاں بے نفسی مسکنت اور دنیا سے دل سرد ہو جانے کی خاص کیفیت عجیب وغریب محسوس کی حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے والد کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔ والدہ بہنوں اور چھوٹے بھائی مولانا احمد تھانوی رحمتہ اللہ علیہ (مہتمم و دبانی جامعہ اشرفیہ سکھر) کی کفالت انہیں کے سر تھی پھر غربت وافلاس کا دوردورہ رہا۔ اس لئے مفتی صاحب نے بڑی مشقت کی زندگی برداشت کی اور بہت تکلیفیں اٹھا کر علم دین کا پرچم تھامے رکھا۔

شادی کے بعد بھی بعض اقربا، ومتعلقین کیطرف سے تکوینی طور پر دل ٹوٹنے کے ایسے واقعات پیش آئے جن سے حضرت مفتی صاحب کی طبیعت پر غیر معمولی اثرات پڑے، پھر جن اداروں سے ان کا تعلق رہا وہاں بھی ان کی ہمت افزائی کم ہوئی بلکہ عدم تعاون کا عمل زیادہ جاری رہا اس طرح انہوں نے تقریباً پوری زندگی تنہا گذاری اس تنہائی میں ان کی غمگسار و مونس وہ ذات باری تعالیٰ تھی جس کی پناہ ہر مسکین وغریب کے لئے سرور قلب ونظر ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا مظہر تھے۔ ''اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین''

اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھئے'' مسکنت کی موت عطا کیجئے اور مساکین کے گروہ میں مجھے اٹھایئے'' حضرت مفتی صاحب آخر شب میں تین چار بجے اٹھ بیٹھتے تھے۔ پھر وہ ہوتے اور ان کا پروردگار، بعد میں دن بھر وہ ہوتے اور مسلسل دینی کام مفتی صاحب روزانہ پیدل یا بس کے ذریعے پہلے گولڈنگ روڈ نزد گنگارام کے گھر سے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد تشریف لاتے ، پھر جب ماڈل ٹاؤن تشریف لے گئے تو وہاں سے مسلم ٹاؤن جامعہ اشرفیہ بس کے ذریعہ

تشریف لاتے اوربس کے ذریعہ ہی واپس جاتے۔ایک پرانے کپڑے کے بٹوہ میں چند سکے ان کے پاس ہوتے جنکے ذریعہ وہ بس کا کرایہ ادا کرتے۔شدید گرمی کے زمانہ میں وہ ساری دوپہر دارالافتاء میں گذارتے۔ایسی گرمی میں چند پیسوں کا برف منگوا کرایک پرانے تھرماس میں وہ برف رکھتے اس تھرماس میں تھوڑا سا پانی ڈال کرنکالتے ایک اجلے کٹورہ میں پانی نکال کراس ٹھنڈے یخ بستہ پانی کوگھونٹ گھونٹ پی کرختم کرتے یہ غالباًان کی سب سے بڑی ''عیاشی''تھی جس کے وہ عادی تھے۔ورنہ چائے یا اور دوسری چیزوں کی انہیں کوئی خاص رغبت نہ تھی۔عصر کے بعد بس کے ذریعہ ہی واپس گھر روانہ ہوتے کبھی کبھار کوئی صاحب اسکوٹر پرحضرت کو ماڈل ٹاؤن لے جاتے تو مشقت کچھ کم ہو جاتی۔آخر حیات میں ضعف زیادہ ہو گیا تو جامعہ اشرفیہ کے منتظمین نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کولانے اور لے جانے کے لئے مدرسہ کی کار کا بندوبست کر دیا جوحضرت رحمتہ اللہ علیہ کولاتی اور لے جاتی جسکے بعدحضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی یہ مشقت ختم ہوئی۔

ابتدائی زندگی میں حضرت کے ذرائع آمدنی نہ ہونے کے برابر تھے۔بچے بھی زیرتعلیم تھے اس لئے مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ہاتھ تنگ رہا۔البتہ بعد میں صاحبزادگان ماشاءاللہ اپنے پاؤں پرکھڑے ہوگئے تو وسعت ہوگئی۔

آخرحیات میں فرماتے کہ''مجھے زندگی بھر یہ خواہش رہی کہ میں شامی کا ایک نسخہ ذاتی طور پر اپنے لئے خریدوں اس کی اس طرح جلد بندی کراؤں کہ ہرصفحہ کے بعدایک صفحہ سفید کاغذ کا لگا ہو۔پھر ہر مسئلہ سے متعلق شامی کے علاوہ دوسری کتابوں میں جو کچھ ہو وہ شامی کے سامنے کے سامنےنقل کردوں تا کہ اس مسئلہ سے متعلق تمام پہلوایک جگہ جمع ہو جائیں۔مگر افسوس کہ زندگی بھرا تنے پیسے نہ ہوئے کہ اپنی شامی خرید سکوں پھر فرمایا کہ اب بحمداللہ وسعت ہوگئی ہے مگرصحت ہی ختم ہوگئی ہے۔ (ص ۵۳۸)

مفتی اعظم حضرت مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمہ اللہ کی فنائیت:

مولانا ڈاکٹرمحمد حبیب اللہ مختارشہید رحمہ اللہ آپ کے تذکرہ میں تحریرفرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب شروع ہی سے نہایت سادہ مزاج اور صوفی منش تھے، دیکھنے والا ان کی وضع قطع کو دیکھ کر یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ اتنے بڑے عالم، ایسے عظیم فقہ، اتنے جلیل القدر محدث اور ایسے بلند پایہ صاحب نسبت ہیں۔ اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے۔ جو جتنا بڑا اور اونچا مرتبہ رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو اسی قدر بچھاتا ہے اور سادہ رکھتا ہے پتھر جتنا وزنی اور بھاری ہوگا۔ اتنا ہی نیچے کی طرف جائے گا اور غبارہ جتنا ہلکا اور پھولا ہوا ہوگا اتنا اوپر کی طرف جاتا ہے یہی حال مفتی صاحب مرحوم کا بھی تھا۔ تواضع میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ ہمارے شیخ مربی اور استاذ جلیل حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی رحمتہ اللہ علیہ ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔

تواضع کا طریقہ سیکھ لو گو صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

یہی حال حضرت مفتی صاحب کا بھی تھا کہ ایک طرف تو فقہ و حدیث کے پہاڑ، ادب عربی اور دیگر علوم کے بحر ذخار، لیکن ظاہر دیکھو تو ایک سیدھے بھولے بھالے انسان، علمی ابحاث میں حضرت مولانا بنوری رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے بڑے عجیب نکات بیان کرتے دیکھا۔

(مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ ص ۸)

حافظ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) ''تم لوگ مجھ سے بدرجہا بہتر ہو، میں تو بدی کا پتلا ہوں''

آپ کے فرزندار جمند حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو راستے میں ایک بڑھیا روک کر اپنے مسائل سناتی رہتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی تواضع وانکساری سے اس بڑھیا کی باتیں غور سے سنتے رہتے چہرے پر کبھی ملال نہ آیا، اسی طرح حضرت درخواستی رحمتہ الہ علیہ بھی انتہائی

منکسر المزاج تھے۔ اپنی تعریف تو بالکل پسند نہ فرماتے، دوران تقریر اگر کوئی حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے نام کا نعرہ لگاتا تو ناراض ہو جاتے۔ دو پہر کے وقت عید گاہ میں بغیر تکیے کے ہی خالی چٹائی پر قیلولہ فرماتے حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے خود کو کبھی بھی دوسروں سے بڑا نہیں سمجھا، عام مخاطبین سے فرماتے تم لوگ مجھ سے بدرجہا بہتر ہو، میں تو بدی کا پتلا ہوں۔ باوجود اس کے کہ ۳۲ سال کے طویل عرصہ تک جمعیت علماء اسلام پاکستان کے امیر رہے مگر ہمیشہ خود کو آگے لانے کی بجائے اپنے ماتحت علماء کو اہمیت دیتے۔ حتیٰ کہ اس عرصہ میں جن جن حضرات نے بھی حضرت درخواستی رحمتہ اللہ علیہ کے ماتحت ناظم عمومی کے عہدے پر کام کیا۔ اپنے اپنے درور میں پوری دنیا میں شہرت انکا مقدر بنی۔ انہیں صفات وخصوصیات کو دیکھ کر حضرت درخواستی کے پرانے رفیق سفر سید امین گیلانی فرطِ جذبات میں پکار اٹھے۔

ہونٹوں پہ حق کی بات ہے دل محوِ فکرِ حق
ان کی نظر نظر میں ہے پیغامِ ذکرِ حق
انسان کی شکل میں عمل وراستی کو دیکھ
کھول آنکھ دل کی حضرتِ درخواستی کو دیکھ
فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر
ادائیں ہیں لاکھوں اور دل بے تاب ایک

(ماہنامہ انوارالقرآن ''حافظ الحدیث نمبر'' ص ۳۵۳)

(۲) ''زندگی میں ہم نے کیا ہی کیا ہے جو آپ ہمارے حالات لکھتے ہیں''؟

آپ کے نواسے مفتی عبدالقیوم دین پوری صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:
تواضع وانکساری کا یہ عالم تھا کہ مولانا قاری فیوض الرحمٰن صاحب مدظلہ جو کہ حضرت کے اجل تلامذہ میں سے ہیں اپنی کتاب مشاہیر علماء میں لکھتے ہیں کہ:
''میں نے آپ کا سوانحی تذکرہ لکھنے کی بہت کوشش کی مگر آپ نے یہ فرمایا کہ

زندگی میں ہم نے کیا ہی کیا ہے جو آپ ہمارے حالات لکھتے ہیں، انکار فرمایا دیا۔
(ایضاً ص۴۵۴)

(۳) ''ذرا پی کر بہک جانا یہ کم ظرفوں کا شیوہ ہے''۔

مولانا عرفان الحق حقانی (دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک) تحریر فرماتے ہیں
عجز وانکساری آپ رحمۃ اللہ علیہ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی تواضع ان کی فطرت تھی۔ جاہ ومرتبہ اور منصب ومقام پا کر یا بڑے رتبہ اور مقام پر پہنچ کر مدارس عربیہ کی سرپرستی، جمعیت علماء اسلام کی امارت، تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفیٰ، تحریک نفاذ شریعت اور دیگر بیسیوں تحاریک کی قیادت، علم تفسیر وحدیث میں جلیل القدر امامت، پورے عالم میں بے مثال محبوبیت کی بلند ترین منزل پر پہنچنے کے باوجود وہ اپنی زندگی میں آخر دم تک بے تکلف اور سادہ تھے۔ ایسے مقامات پر پہنچ کر اچھے اچھے بہک جاتے ہیں۔

ذرا پی کر بہک جانا یہ کم ظرفوں کا شیوہ ہے۔

حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بلند مقامات پر پہنچے لیکن نہ تو ان کی بات چیت میں فرق آیا نہ وضع اور لباس میں اور نہ کسی اور چیز میں سوائے اس کے کہ تواضع بڑھتی گئی، انابت اور تذلل الی اللہ کی کیفیت روز افزوں تھیں، حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک نظر دیکھ کر اذا رؤ ذکر اللہ کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ (ایضاً ص۵۰۹)

حضرت مولانا محمد رضا اجمیری رحمہ اللہ (شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر گجرات) کی للّٰہیت وتواضع:

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی (خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد وصی اللہ صاحب الہ آبادی رحمہ اللہ) آپ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:
مولانا نے زندگی کے اکثر دور میں امامت فرمائی ہے مگر کبھی امامت کی تنخواہ نہیں لی اور مسجد میں امامت کے علاوہ اس کی صفائی، ستھرائی کا خود ہی اہتمام فرماتے۔ بلکہ حوض اور نالیاں خود صاف کر دیتے، تنخواہ کا شدت سے انکار فرماتے اور فرماتے کہ اس میں تو میرا

فائدہ ہے کہ مسجد میں رہنے سے نماز خوب پابندی سے ادا ہو سکتی ہے۔

مولانا نام و نمود، بڑائی اور اظہار سے کوسوں دور تھے، دوسروں کی ادنیٰ تکلیف کا خیال فرماتے، معاملات و معاشرت میں دوسروں کی راحت و سہولت کا حد درجہ اہتمام فرماتے۔ ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنے میں غایت شفقت سے کام لیتے اور جلد سے جلد پورا فرما دیتے، آنے والے کی تواضع اور اکرام خود فرماتے، چائے شربت خود بنا کر پیش کرتے۔

مولانا اپنے قول و عمل میں کسی کو تکلیف دینا از حد ناپسند فرماتے، اسی وجہ سے اپنا کام خود انجام دیتے اور خدام وغیرہ نہ رکھتے تھے۔ طلبہ اپنی سعادت و خوش نصیبی سمجھتے۔ اگر مولانا کوئی خدمت انہیں سپرد فرماتے، لیکن سفر و حضر میں خادموں سے کام ہرگز نہ لیتے اور فرماتے ان بیچاروں کو کیوں تکلیف دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے طاقت و قوت دی ہے پھر کیوں دوسروں کا آدمی ہر وقت محتاج رہے۔

دوسروں کو بھی نصیحت فرماتے کہ اپنا کام خود کیا کرو، بازار سے سودا سلف خود مہیا فرماتے، راستہ میں کوئی بوجھ لینا چاہتا تو ہرگز گوارا نہ فرماتے۔ کمرہ میں جھاڑو دینا، درس گاہ میں صفائی کرنا، مکان کے سامنے خود جھاڑو لگا لینا آپ کے معمولات میں داخل تھا۔

تواضع و بے نفسی کا یہ حال تھا کہ درسگاہوں کے سامنے طلبہ کے بے ترتیب جوتے پڑے ہوتے تو اپنی چھڑی سے سب کو بالترتیب رکھ دیتے۔ اور فرماتے کہ جوتے راستہ کے بیچ میں مت اتارا کرو۔ انہیں ترتیب سے رکھا کرو، کسی کی ٹھوکر لگ جائے تو کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔

مولانا نے تدریس کے زمانہ میں بھی کسی طالب علم سے خدمت لینے کو پسند نہیں کیا، شادی سے قبل کھانا خود اپنے اپنے ہاتھ سے پکا کر کھاتے۔ ہفتہ میں ایک روز پکا لیتے اور سات دن تک اسی کو گرم کر کے کھاتے رہتے۔ سلیقہ اور حفاظت سے بچا ہوا کھانا رکھتے تا کہ خراب نہ ہو۔ (اقوالِ سلف حصہ ششم ص ۱۸۶)

دعوت وتبلیغ کے حضرت جی ثالث حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) فنائیت پر مبنی عجیب ارشاد:

دعوت وتبلیغ کی عالم گیر محنت کے عالمی امیر منتخب ہونے کے موقع پر خود حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی اپنی نگاہ میں کیا حیثیت ووقعت تھی وہ فنائیت وتواضع کے کس بلند مقام پر فائز تھے اور اس کام کے لئے وہ اپنی ذات کو کتنا مفید سمجھتے تھے؟ اس کا اندازہ بھائی خالد صاحب صدیقی (علیگ) کے بیان کردہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے لکھتے ہیں کہ:

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے سفر پاکستان میں انتقال سے چند دن قبل رائے ونڈ کے اجتماع کے درمیانی دن مولانا محمد یوسف صاحب تو اہل میوات کے حلقہ میں گئے ہوئے تھے ہم لوگ بھی حضرت مولانا جمیل احمد صاحب حیدرآبادی، حضرت مولانا محمد عمر صاحب اور بندہ حضرت جی، مولانا محمد انعام الحسن صاحب کے پاس قیام گاہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں مولانا محمد عمر صاحب خالی اوقات میں خصوصاً سفروں میں حضرت مولانا سے حیاۃ الصحابہ عربی سبقا سبقا پڑھتے رہتے تھے۔ چنانچہ وہ حیاۃ الصحابہ کھولے ہوئے بیٹھے تھے۔ کہ مولانا جمیل احمد صاحب حیدرآبادی نے عرض کیا کہ حضرت! کام الحمد للہ بڑھ رہا ہے۔ ہر جگہ کام کی سطح میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس وقت اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ کہ ملک کے اہم شہروں کے مراکز جیسے بمبئی، حیدرآباد وغیرہ میں پرانوں کی ایک جماعت کا دورہ بنگلہ والی مسجد کے کچھ حضرات کے ساتھ ہو اور وہاں کام کا جائزہ لیا جائے۔ اس عالمی دعوت کے نہج اور اصول کا مذاکرہ کام کرنے والوں کے درمیان کیا جائے کام کرنے والوں میں جو صفات ہونی چاہئیں۔ ان کا خوب مذاکرہ ہوتا کہ کام کرنے والوں کے سامنے اصل منزل رہے۔ خود حضرت مولانا یوسف صاحب تو اپنی بے پناہ مشغولیتوں کی وجہ سے یہ دورہ کر نہیں سکتے البتہ اگر جناب کے ساتھ ایک جماعت کا دورہ ہو جائے اور ہم

بھی جناب کے ہمراہ ہوں تو بڑے نفع کی امید ہے۔ یہ بات سن کر ارشاد فرمایا کہ ''بھائی جمیل! تم نے تو بہت آ گے کی بات کہدی۔ میں تو اپنے بارے میں یہ سوچتا رہتا ہوں کہ بنگلہ والی مسجد میں مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ سفروں میں میرا مصرف کیا ہے۔ کبھی کبھی طبیعت پر شدت سے یہ تقاضا ہوتا ہے کہ خاموشی سے کہیں روپوش ہو جاؤں کہ کسی کو میرا پتہ نہ چل سکے لیکن پھر مولوی صاحب (مولانا محمد یوسف) کا خیال آتا ہے کہ کہیں گے کہ برسوں کی رفاقت تھی میرا ساتھ چھوڑ دیا، بس یہ سوچ کر رک جاتا ہوں''۔ حضرت مولانا نے یہ بات ایسی کامل فنائیت، عاجزی اور تواضع کے جذبے کے ساتھ فرمائی کہ ہم سب پر گریہ طاری ہو گیا اور مولانا محمد عمر صاحب پر تو ایسی رقت طاری ہوئی کہ ان کا پورا بدن ہلنے لگا۔ اور پھر اس کامل فنائیت کا نتیجہ دنیا نے دیکھ لیا کہ صرف گیارہ روز گزرنے کے بعد ہی حضرت امارت کے منصب پر فائز ہو گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سچ ہے۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ۔

(حضرت جی ثالث، مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ، جلد ا ص ۲۸۰)

''فرمایا کہ یہ دعا کر دو کہ دعوت میری سمجھ میں آجائے۔ اس پر بندہ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور حضرت جی نے اس پر آمین کہی'' پھر بندہ نے کہا کہ حضرت! میرے لئے بھی ایک دعا کر دیجئے، فرمایا کہ کیا دعا۔

(۲) ''ہمیں بولنا بھی نہیں آیا''

حضرت مولانا محمد انعام الحسن منصب امارت پر فائز ہونے تک وعظ و تقریر اور خطاب بیان کی دنیا سے بہت دور تھے۔ مزاج میں خاموشی اور کم گوئی اپنی انتہائی کو پہنچی ہوئی تھی۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے دور امارت میں شاید ہی کبھی تقریر فرمائی ہو معمول یہ تھا کہ

حضرت مولانا کی تقریر کے وقت اسٹیج پر ان کے پیچھے مراقب اور متوجہ الی اللہ ہو کر بیٹھے رہتے

۔اس کے بالمقابل حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے بیانات بڑے طویل ہوتے تھے جس میں دعوت کو خوب کھول کھول کر سمجھایا جاتا تھا اُن کے یہاں آٹھ دس گھنٹے یومیہ تقریر کر لینا بہت معمولی بات تھی ایک بار طویل تقریر سے فارغ ہوکر راہ تواضع فرمایا کہ ہمیں تو بس بولنا ہی آیا ہے۔مولانا انعام الحق صاحب نے اس پر ایک سرد آہ بھر کر فرمایا کہ ہمیں بولنا بھی نہیں آیا۔(حوالہ بالا ۲۹۸ص)

(۳) اپنے پاس کوئی پونجی نہیں ہے۔

عالی جناب الحاج قاضی عبدالقادر صاحب (جھاوریاں) کے نام آپ کے مکتوب کی یہ چند سطور بھی اسی تواضع وخودانکاری کی مظہر ہیں۔تحریر فرماتے ہیں!''بندہ کے لیے بزرگوں کی دعائیں ہی تسلی کا باعث اور سہارا ہیں ادعیہ سے حسب سابق یاد فرماتے رہیں اور مدد فرماتے رہیں اپنے پاس کوئی پونجی نہیں ہے۔حق تعالی شانہ کی ستاری ہے کہ پردہ ڈال رکھا ہے بندہ اکثر سوچا کرتا ہے کہ ہمیں مقتدا تصور کیا جارہا ہے جب ہمارا یہ حال ہے تو اللہ ہی مالک ہے۔اللہ جل شانہ اپنی قدرت کا مظاہرہ فرمارہے ہیں،،۔

(جلد سوم ۴۳۰)

(۴) عجز وانکسار کے حسین پیکر۔

آپ کے خادم بھائی نادر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ میں حاضر ہوا تنہا بیٹھے ہوئے تھے اور چہرے پر رنج کے آثار تھے۔بندہ نے خیریت پوچھی تو فرمایا کہ میرے لیے ایک دعا کردو میں نے پوچھا کہ کونسی دعا ہے فرمایا کہ یہ دعا کردو دعوت میری سمجھ میں آجائے۔اس پر بندہ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور حضرت جی نے اس پر آمین کہی۔پھر بندہ نے کہا کہ حضرت میرے لئے بھی ایک دعا کر دیجیے فرمایا کہ کیا دعا میں نے کہا میرے لیے یہ دعا کردیں کہ مجھے بھی دعوت آجائے اس پر حضرت جی نے دعا فرمائی اور میں نے آمین کہی اور پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت دعوت تو ایسا بحر ذخار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر تک ربی زدنی علما کی دعا فرماتے رہے۔اس پر

حضرت جی مسکرائے۔

مدرسہ کاشف العلوم دہلی میں داخل ایک طالبعام نے جلی ہوئی روٹی لینے سے انکار کر کے وہ روٹی پھینک دی۔ منتظم مطبخ نے حضرت سے شکایت کر دی۔ حضرت جی نے اس لڑکے کو طلب کر کے ایک چپت رسید فرمایا لڑکا واپس ہوا تو دوبارہ اس کو بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا'' لڑکے معاف کر دے'' یہ منظر دیکھ کر حضار مجلس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

جمعرات کو طلبہ کی نشست میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ خطاب فرما رہے تھے اچانک حضرت تشریف لے آئے (جو کبھی آیا کرتے تھے) حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے بیان روک کر مولانا محمد عبید اللہ صاحب کو فرمایا مولوی انعام آتے ہیں انکو سامنے بلالاؤ۔ مولانا محمد عبید اللہ صاحب نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ آپ سامنے تشریف لے آئیں۔ اس پر تواضعاً فرمایا کہ کیا ضرورت ہے مولانا عبید اللہ صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد یوسف صاحب فرمارہے ہیں تو فرمایا ادھر میں کہہ رہا ہوں کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ آخر تک وہیں بیٹھے رہے جو طلبہ کا آخری حصہ تھا۔

مولانا محمد عمر صاحب کی آنکھ میں ایک مرتبہ موتیا اتر آیا صاف نظر نہیں آتا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر انہوں نے حضرت جی کے جوتے اپنے سمجھ کر پہن لیے تو حضرت جی نے نیچے جھک کر مولانا کے جوتے سیدھے کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی عمر تمہارے جوتے یہ ہیں۔

ایک مرتبہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کچھ خواص آپ سے ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے بندہ بھی اس موقعہ پر اس مجلس میں موجود تھا۔ حضرت جی نے ان خواص سے کچھ دیر گفتگو فرمائی مجلس ختم ہونے پر جب میں اٹھنے لگا تو فرمایا بھائی نادر بیٹھ جاؤ بندہ بیٹھ گیا تو بہت ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا'' بھائی نادر میرا کیا ہوگا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت گنگوہی نے اپنے بعض خواص کو لکھا تھا کہ اصل تو دردِ نایافت ہے۔ یہ سن کر رونے لگے یہاں تک کہ آنسوں رخسار پر آ گئے پھر فرمایا کہ پیارے یہاں تو اپنا سرمایہ ہی لٹ گیا۔ میں نے عرض کیا

کہ اپنے شیخ سے رجوع کیا ہے؟ اس پر فرمایا کہ دس سے گیارہ بجے تک مولانا محمد عمر کے کمرے میں بیٹھتا ہوں اس سے سکون ملتا ہے۔ (ص ۴۳۱، ۴۳۳)

(۵) ''ارے بھائی! میں کیا جانوں؟''

افغانستان کے ایک ممتاز عالم دین حضرت مولانا سے ملاقات کے لئے مرکز نظام الدین آئے آپ اس وقت جماعتیں روانہ فرمارہے تھے اس سے فراغت کے بعد مولانا عبیداللہ صاحب نے ان عالم دین کی ملاقات آپ سے کرائی معزز مہمان فارسی میں بات کررہے تھے۔ حضرت مولانا بھی فارسی بولنا چاہتے تھےلیکن بے ساختہ طور پر عربی الفاظ زبان پر جاری ہوجاتے تھے میں قریب ہی کھڑا ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا حضرت جی نے مولانا عبیداللہ صاحب سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ بھائی فارسی بولنا چاہتا ہوں مگر زبان سے عربی ہی نکلتی ہے بہر حال اس ابتدائی گفتگو اور مزاج پرسی وغیرہ کے بعد مولانا عبیداللہ صاحب نے عرض کیا کہ یہ فلاں حدیث شریف کی اجازت لینے کے لئے افغانستان سے آپ کے پاس آئے ہیں آپ انکو اجازت دیدیں یہ سن کر حضرت جی کے اوپر سکتہ کا عالم طاری ہوگیا اور انتہائی بھرائی ہوئی آواز میں عاجزانہ صورت بنا کر فرمایا "ارے بھائی! میں کیا جانوں" یہ جملہ ایسے انداز سے فرمایا کہ میں اور مولانا عبیداللہ صاحب دونوں روپڑے کتنے عاجزی سے اپنی نفی فرمارہے ہیں مولانا عبیداللہ صاحب کھڑے ہی کھڑے کافی دیر تک سفارش کرتے رہے جس پر حضرت نے ان کو کچھ کلمات فرما کر اجازت مرحمت فرمائی۔ (ص ۴۳۴)

(۶) ''مجھے تو بات کرنی نہیں آتی''

پانی پت میں ایک مرتبہ اجتماع تھا مسلمان اور غیر مسلم سب حضرت والا کی زیارت کے مشتاق تھے افسران اعلیٰ بھی غائبانہ طور پر معتقد تھے اور بار بار پوچھتے تھے کہ حضرت کب تشریف لارہے ہیں۔ ہم ان کا استقبال کریں گے۔ مگر حضرت بغیر کسی جدید اطلاع کے وقت سے پہلے ہی تشریف لے آئے اور ملاقات کے بعد مشورہ کے لئے بیٹھ

گئے سب اہل مشورہ کی رائے تھی کہ حضرت جی بعد نماز ظہر چاہے تو تھوڑی دیر کے لئے ہو ہر اجتماع گاہ میں تشریف لاویں سب کی تسلی ہو جائیگی۔ حضرت مولانا نے منظور فرمالیا اب مشورہ ہوا کہ بعد مغرب کون بات کرے سب کی رائے حضرت جی کے بارے میں تھی حضرت نے میری طرف دیکھا کہ تیری کیا رائے ہے؟ میں بھی عرض کیا کہ حضرت اس وقت تمام حکام وافسران بھی موجود ہوں گے بہتر ہے کہ آنجناب ہی کی بات ہو جائے تو انتہائی عاجزی سے فرمایا ارے بھائی مجھے تو بات کرنی نہیں آتی یہ (مولوی محمد عمر صاحب) تو خوب کہہ لیتے ہیں۔ اگر میں بات کروں گا تو پھر ان کی بات رہ جائے گی۔ لیکن جب سب نے ہی اصرار کیا تو منظور فرمایا۔ مگر چند جملے ارشاد فرما کر بات ختم کردی۔ (ص ۴۳۵)

(۷) ''اعلان کی وجہ سے پیشاب روک کر کھڑے رہے''۔

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ حضرت شیخ دامت برکاتہم نے مدینہ پاک میں گذارا حضرت اپنی شدت علالت کی وجہ سے تراویح اپنی جائے قیام مدرسہ علوم شرعیہ میں ادا فرماتے تھے چار پانچ خادم ساتھ تھے مدرسہ کی جگہ فی الجملہ عمومی ہونے کی وجہ سے رمضان میں وضو واستنجا کرنے والوں کا رش ہو جاتا جس سے مدرسہ کے اصل مقیمین کو تکلیف ہوتی تھی اس لئے اس میں کچھ کمی کرنے کے لئے استنجاء خانوں کے باہر یہ اعلان لکھ کر آویزاں کردیا گیا کہ مقیمین کے علاوہ دیگر لوگ بلا اجازت یہ غسل خانے و بیت الخلاء استعمال نہ کریں حضرت جی مدظلہ ان ایام میں مدینہ منورہ تشریف لائے ہوئے تھے قیام مسجد نور میں تھا لیکن ان کا حضرت شیخ کا خصوصی مہمان ہونا اوران کی ذاتی اہمیت ظاہر ہے کہ مدرسہ کے دیگر تمام مقیمین ان کے لئے بمنزلہ خدام تھے تراویح کے وقت مدرسہ کا دروازہ بند رہتا تھا لیکن اس کی ایک تالی چابی حضرت جی کو پیش کردی گئی تھی تاکہ جب بھی تشریف لائیں دروازہ کھلوانا نہ پڑھے۔

ایک روز تراویح کے دوران حضرت جی کو پیشاب کی حاجت ہوئی تو فراغت کے لئے حرم

نبوی شریف سے مدرسہ آئے تو بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اس اعلان پر نظر پڑی تو وہیں کھڑے ہوگئے اندر نہیں گئے ادھر حضرت شیخ کے یہاں تراویح شروع ہوچکی تھی۔ سلام پھیرنے پر جب ایک خادم کمرے میں نکلا تو حضرت جی نے اس سے کہا کہ پیشاب کی حاجت ہے رو کے کھڑا ہوں کیونکہ یہ اعلان لگا ہوا ہے خادم نے شرمندہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت آپ کے لئے نہیں ہے اجنبی لوگوں کا رش ہو جاتا ہے اُن کے لئے ہے۔ یہ سن کر حضرت بیت الخلا تشریف لے گئے۔ (ص ۴۳۶)

(۸) "اجی! میری کیا برکت ہے؟ یہ کام مجھ پر موقوف نہیں ہے۔"

تامل ناڈو میں اجتماع تھا جنوبی ہند کے تمام کارکن و رفقاء مشورہ کی مجلس میں موجود تھے جن میں اہل علم بھی بڑی تعداد میں تھے۔ ایک ذی مرتبت قدیمی کارکن نے کام کا جائزہ پیش کرتے ہوئے یہ جملہ بھی کہہ دیا کہ "حضرت یہ سب آپ کی برکت ہے اس پر بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا اجی میری کیا برکت ہے یہ کام مجھ پر موقوف نہیں ہے تو تم لوگ کوشش کرتے ہو قربانیاں دیتے ہو اس پر اللہ یہ ثمرہ عطا فرمادیتے ہیں۔ تمام کارکنان کے بیچ میں اپنی ذات کے نفی ایسے درد بھرے لہجہ میں فرمائی کہ سننے والوں کی آنکھوں میں آنسوں آگئے۔ (ص ۴۳۷)

(۹) ''کمالِ بے نفسی''۔

مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین کے طلبہ کا معمول یہ ہے کہ ہفتہ میں بدھ کے دن عصر کی نماز کے بعد کسی ایک جگہ جمع ہو کر اصولوں کا مذاکرہ کرتے اور مہینہ میں ایک مرتبہ حضرت جی کو اپنے یہاں آمد کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت جی یا تو خود تشریف لے آتے یا اپنی طرف سے کسی کو تجویز فرمادیتے۔ ایک مرتبہ ۴ جمادی الثانی ۱۳۹۱ھ (۲۸ جولائی ۱۹۷۱ھ) بدھ کے دن طلبہ کا اجتماع چل رہا تھا حضرت جی نے طویل بیان فرمایا بیان سے فراغت پر مولانا محمد الیاس صاحب بارہ بنکوی نے عرض کیا کہ حضرت دعا فرد یجیے اس پر جواباً فرمایا کہ آپ حضرات یہ سمجھ رہے ہیں کہ حضرت تشریف لے آئے اور طلبہ میں شور ہو گیا

کہ حضرت تشریف لاتے ہیں اور حضرت نے بیان فرمادیا لیکن ان سب باتوں سے حضرت کا نفس پھول کر ایسا ہو جائیگا جیسے مرے ہوئے گدھے کا پیٹ ہوتا ہے۔ پھر مجمع میں موجود مولوی چراغ الدین صاحب راجستھانی سے فرمایا۔ مولوی چراغ الدین دعا کرو ہم آمین کہیں گے یہ الفاظ سن کر مجمع پر عجیب طرح کی خاموشی چھا گئی حضرت جی بھی خاموش بیٹھے رہے کچھ وقت گذرنے کے بعد مولانا الیاس صاحب حافظ نورالدین صاحب مولوی چراغ الدین کے درخواست کرنے پر آپ نے مختصر دعا کرائی۔ (ص ۴۳۷)

(۱۰) "شاید انہی کے نیک گمان کی وجہ سے اللہ ہماری بخشش کردے"

اسی طرح ۸ صفر ۱۳۹۳ھ ۱۴ مارچ ۱۹۷۲ھ بدھ میں طلبہ کے اجتماع میں مولانا محمد الیاس صاحب بارہ بنکوی بیان فرمارہے تھے حضرت جی کی آمد پر آپ خاموش ہو گئے۔ تو فرمایا کیا فرمارہے تھے فرماؤ ہم کو کیا آتا ہے۔ ہم تو تبرک کے طور پر کچھ فرمادیں گے۔

گجرات کے ایک اجتماع کے اختتام پر بذریعہ کار واپس ہو رہے تھے کہ ریلوے کراسنگ کا گیٹ عین وقت پر بند ہو گیا اور گاڑی رک گئی ایک دو مقامی حضرات بھی اس گاڑی میں موجود تھے کچھ دیر بعد یکے بعد دیگرے لوگ گاڑی کی طرف آنے لگے اور حضرت جی سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا جو صاحب گاڑی چلا رہے تھے انہوں نے کھڑکی کا شیشہ اوپر کرنا چاہا تو حضرت جی نے ان کو روکتے ہوئے فرمایا کہ بھائی رہنے دو۔ شاید انہی کے نیک گمان کی وجہ سے اللہ ہماری بخشش کردے اور پھر پرخلوص انداز سے آپ نے سبھوں سے مصافحہ کیا۔ (ص ۴۳۸)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:۔

(۱) سادگی اور بے تکلفی سے انس:۔

آپکے فرزند ارجمند مولانا محمد عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مزاج کی یہ سادگی اور بے تکلفی، بلکہ تکلفات سے وحشت ودوری عمر بھر ان کا خاصہ رہی۔ ۷۵ء کی بات یاد آرہی ہے راقم الحروف کی صحت کی خرابی انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی

۔انگلینڈ میں اقامت پذیر ضلع بھڑوچ (گجرات) کے مولانا یعقوب قاسمی نے الفرقان میں بار بار اس کا تذکرہ دیکھ کر تبدیلی آب وہوا کے لیے اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔ ان کا مرسلہ ٹکٹ بمبئی سے سفر کا تھا۔ والد ماجد نے ضرورت سمجھی کہ بمبئی تک وہ خود میرے ساتھ سفر کریں۔ بمبئی ان مقامات سے ہے۔ جہاں کے لوگ انہیں بہت ابتدائی دنوں سے جانتے اور مانتے آئے ہیں بعض اہل تعلق کو انہوں نے اطلاع دیدی تھی۔ اچھی خاصی تعداد میں لوگ اسٹیشن پر آئے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے باہمی مشورے سے قیام کے لئے جگہ تجویز کر رکھی ہوگی۔ چنانچہ ہم لوگ اسٹیشن سے وہاں لے جا کر اتارے گئے۔ یہ ایک شاندار قسم کا وسیع وعریض امیرانہ مکان تھا۔ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں کوٹھی تھی ایک ٹرانسپورٹ کمپنی کا اشتہار ان دنوں ''الفرقان'' میں نکلا کرتا تھا یہ انہیں مہربان کی کوٹھی تھی یعنی کوئی غیر لوگ نہ تھے تعلق رکھنے والوں میں تھے الفرقان منگاتے بھی تھے اس میں اشتہار دیکر اسکی مالی مدد بھی کرتے تھے مگر یہ اتفاق یقیناً پہلا تھا کہ والد ماجد کو ان کے یہاں اتارا گیا مجھے وثوق سے یاد نہیں کہ اسی دن شام کو یا دوسرے دن ہم لوگ ایک چھوٹی سی مسجد میں منتقل ہوگئے۔ جوکھو کھا بازار کی مسجد کہلاتی تھی اور تبلیغی جماعت کا مرکز تھی اور پھر جہاز پر سیٹ کی بکنگ اور بعض دوسرے مراحل سفر طے ہونے کے انتظار میں ایک ہفتہ یا عشرہ یہ قیام رہا، بات کیا تھی؟ صرف یہ کہ امیرانہ طرز رہائش کے ساتھ ساز کرنا والد ماجد کے بس کی بات نہ تھی (الا یہ کہ کسی امیر کے بہ باطن درویش وفقیر ہونے کو وہ جانتے ہوں یا پھر مجبوری کی بات ہو) مسجد کے اوپر ایک سادہ سا کمرہ تھا اگر یاداشت غلطی نہیں کر رہی ہے تو اس کے فرش پر سونا اور لیٹنا ہوتا تھا اور یہ تو اچھی طرح یاد ہے کہ نہایت سادہ سا کھانا نیچے کسی عام سے ہوٹل سے آجاتا تھا۔ یہ وہ ماحول تھا اور معیار زندگی تھا جس میں ان کی روح خوش رہ سکتی تھی۔ تکلفات کا سایہ ہوتو گرانبار ہو جاتی تھی۔

تکلفات سے طبیعت کی دوری ہی کا نتیجہ تھا کہ اپنے گھر کے کام انہیں خود کرنے میں کوئی عار نہ تھی۔ اپنے گھر کے ہر طرح کے کام کے لئے وہ بازار جا سکتے تھے۔ گوشت لانا ہونا سبزی

ترکاری لانا ہو۔ کپڑا خریدنا ہو۔ غرض جو بھی گھر کی ضرورت ہو وہ بے تکلف اسے انجام دیتے تھے الا یہ کہ کوئی اور اسے انجام دینے کے لئے موجود ہو۔ اور اللہ کا فضل تھا کہ اس نے دین کی فہم کے ساتھ امور دنیا کی سمجھ بھی بھرپور عطا فرمائی تھی۔ گھر کی ضرورت ہی کی طرح اپنے ذریعہ معاش، کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات کی تیاری کے سلسلہ میں جس کام کی بھی خود انجام دہی کا تقاضا پیدا ہو جائے اسے بے تکلف خود انجام دے سکتے تھے۔ کتابت کی تصحیح تو اکثر خود کرتے ہی تھے ضرورت ہو تو پریس جا سکتے تھے۔ کاغذ کی خریداری کر سکتے تھے اور کاغذ دیکھتے تو بہر حال تھے کہ مناسب ہے یا نہیں۔ (ماہنامہ الفرقان خصوصی نمبر ص ۷۵ ۲)

(۲) خادم نہ کہ مخدوم:۔

اس مزاج نے انہیں عمر کے اس آخری دور کے سوا جس میں معذورانہ مجبوری کی صورت پیدا ہو گئی تھی خدام سے ہمیشہ بے نیاز رکھا۔ سفر آئے دن تیار رہتا تھا۔ مگر تن تنہائی کرتے تھے محض خدمت یا معاونت کے نام سے کسی کو ساتھ لینے کا سوال نہ تھا بلکہ کوئی تعلق والا کسی اور عنوان سے از خود کسی سفر میں ساتھ ہو گیا اور دل میں یہ بھی سوچ لیا کہ راستہ میں خدمت کا بھی موقع ملے گا تو اسے محض مایوسی کا موقع ملا۔

چودھری عبدالمنان نام کے ایک صاحب (اللہ غریق رحمت کرے مرحوم ہو چکے ہیں) بہت محبت رکھتے تھے گھر در کے بکھیڑوں سے بھی آزاد تھے غالباً دیوبند سہارنپور کے ایک سفر میں اسی طرح سے ساتھ ہو گئے۔ واپس آ کر بتانے لگے کہ بھئی کان پکڑے، خدمت کو سوچ کر گئے تھے الٹے مخدوم بن کر آئے ہیں۔ (ص ایضاً ۲۷۶)

(۳) شیخ بے مشیخت:۔

انہیں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ جیسے شیخ وقت سے خلافت حاصل تھی اور پھر ان کا درجہ حضرت شاہ صاحب کی نظر میں وہ تھا جس کے راوی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ہیں اگر اللہ نے قیامت کے دن پوچھا کہ میرے لیے کیا لائے ہو تو حضرت نے دو آمیوں کا نام لیکر جن میں ایک نام مولانا منظور صاحب کا تھا فرمایا کہ ان دو

کو بارگاہ الٰہی میں پیش کروں گا۔ اس کے باوجود ہم نہیں دیکھتے کہ انہوں نے دینی خدمت کا وہ ذوق وولولہ رکھتے ہوئے جو زندگی بھر گویا ان کی پہچان بنا رہا بیعت اور پیری مریدی کے ذریعے انجام دی جانے والی دینی خدمت کی راہ کو بھی اس ذوق ولولے والے انداز سے اپنایا ہو۔ حالانکہ انہیں تو خود اس راہ سے بہت کچھ نفع پانے کا تجربہ ہو چکا تھا، بیعت وہ کر لیتے تھے مگر اس قدر کم اور اتنی خاموشی سے کہ بیعت ہونے والوں کے علاوہ کم ہی لوگ انکی زندگی کے اس پہلو کو جانتے ہونگے حد یہ ہے کہ راقم نے بھی کبھی کسی کو بیعت ہوتے نہیں دیکھا اس کا راز بھی میری نظر میں اصلا یہی ہے کہ ایسا کرنے میں خواہی نہ خواہی ایک مشیخت کا ھالہ ان کی شخصیت گرد بن جاتا۔ ان کے آگے پیچھے لوگ ہوا کرتے اور یہ بات انہیں بالکل گوارہ نہ تھی۔ (ص ۲۷۶)

(۴) زیادہ سے زیادہ "مدظلہ":۔

کیا کیا باتیں اس مشیخت ناآشنائی کی ذکر میں لائی جائیں۔ ۱۹۹۰ء کی بات ہے آفتاب عمر لب بام آرہا ہے سارے بزرگ جا چکے ہیں اور اپنی عمر کے اب بس وہ آپ ہی باقی ہیں یہ راقم آثم ان کے ارشاد پر اپنے پرانے مضمون پر نظر ثانی کر کے اسے "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" نامی کتاب کی شکل میں لاتا ہے یہ کام محض ان کے ارشاد کی تعمیل میں ہوا تھا اس لیے اس کو انہی کے نام سے منسوب کرتے ہوئے انتساب کی عبارت میں جب نام لکھا تو اس کے ساتھ دامت برکاتہم کے احترامی الفاظ شامل کر دیئے۔ مسودے ہی کی حالت میں اس کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ تو بہت زیادہ ہے زیادہ سے زیادہ "مدظلہ" لکھدو یعنی زیادہ سے زیادہ وہ لکھ دو جس سے کم درجہ کا کوئی لفظ ایک باپ کے لئے دستیاب نہیں ہے اور جو بلا تفریق ہر باپ کے حق میں موزوں ہوتا ہے نہ کہ "دامت برکاتہم" جیسا کوئی لفظ جس سے ایک دینی وروحانی بزرگی کا اظہار ہوتا ہے۔ (ص ۲۷۸)

(۵) "خود کو کمتر سمجھنے کی طلب":۔

اللہ نے ان کو دعا کا بہت خاص ذوق بخشا تھا اور پھر قدرتی طور پر ان دعاؤں سے

بہت خاص مناسبت تھی جو آنحضرت ﷺ سے ماثور اور منقول ہیں اس چیز کو انہوں نے اللہ کی ایک بڑی نعمت کے طور پر اپنی کتاب ''تحدیث نعمت'' میں لکھوایا ہے اور ان سینکڑوں ماثور دعاؤں میں سے ایک دعا کا بطور خاص بھی ذکر کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔جو یہ ہے۔

اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا

وفی اعین الناس کبیرا

اے اللہ مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا اور دوسروں کی نگاہ میں بڑا بنا دے۔

وفات سے تین چار سال پہلے ایک طویل بیماری پیش آئی معمولی نزلہ زکام اور حرارت سے آغاز ہوا۔ جو ان کو ایک عام شکایت تھی ذرا سی بھی سردی لگ جانے سے پیدا ہو جاتی تھی۔ مگر اس نے وہ طول کھینچا اور وہ شدت اختیار کی کہ پورے پچاس دن نرسنگ ہوم میں رہنا پڑا اور پھر بھی کسی دوا علاج سے فرق نہ پڑا حتیٰ کہ سحر کا شبہ ہونے پر اس رخ سے علاج ہوا تب خدا خدا کر کے یہ سحر ٹوٹا۔ قدرتی طور پر اہل تعلق کے علم میں ہر طرف بات آ گئی اور عیادت کے لئے ہر طبقے کے اہل تعلق آنے لگے انہی میں کانپور کے مفتی منظور صاحب مظاہری ایک دن تشریف لائے یاد نہیں کہ مفتی صاحب نے کوئی بات اظہار تعلق کی کہی تھی اس پر یا بس ان کے تشریف لانے ہی پر ایک شکر گذارانہ گریہ کی کیفیت کے ساتھ فرما رہے تھے کہ مفتی صاحب اللہ نے اپنے کرم سے لوگوں کی نگاہ میں تو بڑا بنا دیا ہے، کاش اپنی نگاہ میں چھوٹا بننا بھی موت سے پہلے نصیب ہو جائے۔ یاد کر لیجئے کہ اوپر جو بات ''دامت برکاتھم'' کے سلسلے میں جو گذری ہے وہ ۹۰ء کی تھی۔ یعنی اپنی نگاہ میں چھوٹا بننے کی ان کی خواہش ان کے ان تمام احوال کے باوجود تسکین پانے کو تیار نہ تھی جن کی روشنی میں ایک دوسرا آدمی یہ کہنے میں حق بجانب ہوگا کہ وہ خود ہیچ سمجھنے کی ایک مثال اس زمانے میں قائم کر گئے جب اس وصف کا چلن زمانے سے اٹھ چکا تھا۔ (ص ۲۷۹)

(۶) انکسار و تواضع:۔

تواضع کا وہ پیکر تھے ہمارے آبائی وطن سنبھل کے قریب کے کسی دیہات سے

ایک صاحب کسی سرکاری کام کے سلسلے میں لکھنو آئے عمر تقریباً ۶۰ سال سے اوپر ہوگی۔ انکی وضع قطع، حیثیت اور بات چیت سے تو اندازہ نہیں لگتا تھا کہ وہ حضرت نانا جانؒ کو یا کسی عالم کو جانتے بھی ہونگے بس ہوسکتا ہے کسی نے آتے وقت ذکر کر دیا ہو۔ نانا جانؒ اس وقت کچھ لکھنے میں مشغول تھے لہذا کہلا دیا کہ اس وقت مہمانوں کے کمرے میں آرام فرمائیں شام کو ملاقات ہوگی، وہ صاحب ناراض ہو گئے اور واپسی کے لئے سامان اٹھا لیا میں نے آ کر پوری بات عرض کی فوراً خود اٹھے (اگر چہ اس وقت بھی چلنا خوب مشکل تھا اور چھڑی کے سہارے ہی ممکن ہوتا) اور ان صاحب کو اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لیکر آئے ان کی پوری بات سنی اپنے ساتھ دوپہر کا کھانا کھلایا، بذات خود بڑی سادگی سے معذرت خواہی کی اور ان کے اس کام کے سلسلے میں ضروری مدد بھی کی جس کے لئے وہ آئے تھے۔

بعض ریسرچ اسکالرس نے اپنے تحقیقی مقالوں کے لئے درخواست کہ وہ رہنمائی فرمائیں اور اپنی شخصیت اور کاموں کے متعلق ضروری معلومات لکھوادیں ایسا متعدد بار ہوا، مگر آپ نے ہمیشہ ازراہ تواضع اور انکسار اور اپنی اخفاء کی افتاد کی بنا پر اس طرح کے تعاون سے معذرت کرلی، بلکہ ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ اس سے مجھے اپنی نیت کے لیے خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ برادر محترم جناب عبید الرّحمان سنبھلی بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں وہ لکھنو میں مقیم تھے اور خطوط کے جواب کی ذمہ داری ان پر ہی تھی جب بھی ایسے خطوط آئے آپ نے یہی جواب دلوایا کہ آپ کے حسن ظن پر اللہ آپ کو جزائے خیر دے میری ذات اس قابل نہیں ہے کہ اسکو باقاعدہ تحقیق و ریسرچ کا موضوع بنایا جائے راقم سطور سے بھی اس طرح کے چند جوابات لکھوائے گئے۔

ایک مرتبہ ایک تبلیغی اجتماع میں بیان کے لیے بہرائچ جانا ہوا، سفر میں رات کو دیر ہوگئی اجتماع گاہ پہنچے جہاں سارے ہی لوگ سو چکے تھے، چپلوں کی جگہ پر خالی جگہ ملی کسی کو جگانا مناسب نہ سمجھا وہیں بستر بچھایا اور چپلوں کے اوپر سو گئے۔ آخر شب میں جب کچھ لوگ اجتماع گاہ سے باہر نکلے تو وہاں کسی نامناسب جگہ سوتے ہوئے دیکھ کر بڑا سخت سست کہا مگر انکی پشیمانی

کی کوئی انتہا نہیں رہی جب انہوں نے دیکھا کہ سونے والا کون ہے؟

نانا جانؒ کے نزدیک کپڑوں وغیرہ مظاہر کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میری والدہ محترمہ کبھی عرض کرتیں کہ نئے کپڑے بنالیں تو فرماتے کہ بیٹی اب کپڑے کیا بنائیں اب کفن ہی بن جائیگا اسی کی تیاری کررہا ہوں۔ ایک کرتا میں کافی عرصہ سے دیکھتا تھا۔ گھر میں پوچھا کہ معلوم ہوا کہ یہ کرتا ۳۰ سال سے زیادہ پرانا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے برکت بھی اس میں عجب ہے کہ اب تک پھٹا نہیں گذشتہ ۱۵۔ ۱۶ سال میں ان کے لئے اندر پہننے کی بنیان نما کرتیاں تو کافی سلوائی گئیں مگر کرتے شاید ہی چار پانچ سے زائد سلے ہوں ایک مرتبہ مغرب کے بعد لیٹے ہوئے تھے۔ آنکھیں بند تھیں اچانک آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے پھر آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا میں وہیں بیٹھا ہوا تھا اور فرمایا کہ اللہ کی خاطر ذلیل ہونا بھی بڑا اعزاز ہے اور یہ اللہ اپنے خاص محبوب بندوں کو ہی عطا کرتا ہے۔ اس کے بعد بعض بزرگوں کے اس سلسلہ کے واقعات سنائے۔ (ص ۳۶۷)

مولانا محمد عمر پالن پوری صاحب رحمہ اللہ کی تواضع اور سادگی :۔

مفتی محمد پالن پوری صاحب زیدمجدھم تحریر فرماتے ہیں:

آپ کی ذات میں سادگی اور تواضع کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جس زمانے میں آپ مرکز دہلی میں بغیر اہل وعیال کے تنہا قیام پذیر تھے تو ایسے حجرے میں جہاں دو تین حضرات آپ کے ساتھ رہتے تھے آپ بغیر چارپائی کے نیچے فرش پر بستر لگا کر آرام کرتے عام طالب علموں

کی مانند بے تکلف رہتے ملک اور بیرون ملک کی بڑی بڑی شخصیتیں آتیں آپ اسی حجرے میں فرش زمین پر بیٹھ کر بے تکلف باتیں کرتے' فضل وکمال کے ہوتے ہوئے اس قدر سادگی اور تواضع واردین کو متاثر کیے بغیر نہ رہتی دینوی چیزوں سے بے رغبتی کی وجہ سے بے خبری کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ راقم الحروف بھی اسی مجلس میں تھا آپ نے اہل مجلس سے فرمایا کہ میرا کرتا الٹا ہے یا سیدھا ہے کسی نے جواب دیا کہ کرتا سیدھا ہے اس سوال کی وجہ

دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا سال گزشتہ میرا افریقہ کا سفر ہوا تھا جب میں امریکہ کے ہوائی اڈہ پر اترا تو وہاں کے احباب نے بتایا کہ مولانا آپ کا کرتا الٹا ہے تو میں نے ہوائی اڈے پر ہی کرتا سیدھا کیا تھا آج بھی میرا سفر افریقہ کا ہے اس لئے معلوم کررہا ہوں کہ سال گذشتہ کی طرح نہ ہو، چونکہ آج کل کپڑوں میں الٹا سیدھا واضح نہیں ہوتا ہے۔

باوجود کمالات کے آپ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے، کبھی اپنے آپ کو کسی دوسرے پر ترجیح نہ دیتے تھے، ہر ایک کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے، کبھی اپنے لئے خصوصی امتیاز کے روادار نہ ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے من ''تواضع للہ رفعہ اللہ'' جس نے اللہ کے لیے عاجزی کی اللہ تعالیٰ اس کو سربلند کرتا ہے آپ اس حدیث کے صحیح مصداق تھے آپ کی سادگی اور تواضع کے طفیل باری تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں آپ کی عزت وعظمت کے انمٹ نقوش قائم فرمائے اور بے مثال محبوبیت عنایت فرمائی۔ خدائے پاک اس پیکر خلوص کے نقش قدم پر ہمیں بھی چلنے کی توفیق بخشے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شدہ بعشق ثبت ست برجریدہ عالم دوام مار

ہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی

(سوانح مولانا محمد عمر پالن پوری ص ۱۲۱)

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کے واقعات

اپنے کو بڑا جاننا دوسروں کو حقیر سمجھنا جس کو تکبر کہتے ہیں۔ نہایت قبیح اور مفر موم خصلت ہے۔ اس کو صوفیا کرام نے اُم الامراض کہا ہے۔ کہ اس سے بے انتہا برائیاں پیدا ہوتی ہیں گویا کبر ایک تناور درخت ہے اور بے شمار برائیاں اس کی شاخیں اور پھول پتیاں ہیں اس کے بالمقابل تواضع وعبدیت ایک بہترین اور پسندیدہ خصلت ہے۔ جس کو اُم الحسنات کہنا چاہیے کہ اس کے ذریعے سے بے شمار خوبیاں پیدا ہوتی ہیں گویا تواضع ایک تناور درخت ہے اور بے شمار حسنات اور بے شمار عمدہ صفات اور خوبیاں اس کی شاخیں اور پھول

پیتاں ہیں ۔تواضع تمام اکابر اہل اللہ اولیاء مشائخ کا شعار رہا ہے یا یوں کہا جائے کہ ولی کامل اسی وقت ہوتا ہے۔ جب کبر سے پاک اور تواضع سے متصف ہو جائے ۔مگر زبان سے تواضع کا اظہار اور اپنے کو حقیر فقیر لکھنا کہنا آسان ہے اور قلب میں اس کی حقیقت کا جا گزیں ہو کر اس کی طبیعت اور حال بن جانا مشکل ہے۔اس لئے رسمی اور حقیقی تواضع میں بڑا فرق ہے۔حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا قدس سرہ کو جہاں بے شمار کمالات سے نوازا بلکہ جامع الکمالات بنایا اس کے ساتھ ساتھ کمال تواضع اور کمال عبدیت سے بھی تکلف اعلیٰ وجہ الکمال متصف فرمایا جس کی وجہ سے تواضع وعبدیت آپ کی طبیعت و حال بن کر آپ کے قلب و دماغ اور جسم کے ہر ہر رگ و ریشہ میں سرایت کیے ہوئے تھا۔کہ بلا کسی رسم تقلف کے آپ کی ہر حالت سے اس کا ظہور ہوتا تھا۔ جامع الکمالات ہونے کے باوجود بھی آپ کو کسی کمال کا وہم وخیال بھی نہی گزرتا تھا۔ ہر کسی کو اپنے سے افضل سمجھتے ۔مخلوق میں سب سے زیادہ کم ترین و ذلیل ترین اپنے نفس کو ہی سمجھتے ۔ایک دفعہ ارشاد فرمایا آنے والوں کے قدموں کی خاک کو باعث نجات جانتا ہوں یہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کا مقولہ ہے۔کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ نے ایک موقع پر یہی جملہ ارشاد فرمایا تھا۔

(حیات محمود)

یہ سب کچھ میری نحوست سے ہو رہا ہے۔

دارالعلوم میں ہنگامہ آرائی ہوئی تو غیر ملکی سفر پر تشریف لے گئے ۔اسی طرح مظاہر علوم کے ہنگامہ کے موقع پر بھی دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا۔میں نے سمجھا کہ یہ سب کچھ میری نحوست سے ہو رہا ہے۔

اس لئے میں باہر سفر میں چلا گیا۔تا کہ یہ ہنگامہ ختم ہو جائے۔

(۲)''امتیاز پسندی''۔

اپنے لئے کوئی امتیازی جگہ ،امتیازی حیثیت ہر گز پسند نہ تھی معذوری سے قبل بھی کسی تکیہ وغیرہ کا ہونا نشست گاہ پر پسند نہیں تھا،مسجد میں مجلس ہوتی آپ کے لئے کچھ کپڑا

بچھانا چاہتے ،تکیہ رکھنا چاہتے تو انکار فرما دیتے اور سخت ناپسند فرماتے حتٰی کہ حضرت والا کو اپنے معتکف پر پردہ وغیرہ لٹکانا بھی پسند نہیں تھا، احباب نے زیادہ اصرار کیا تو بمجبوری اس کو برداشت فرماتے تھے۔

اس طرح حضرت والا کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ حضرت والا کے نیچے معتکف میں گدا وغیرہ بھی بچھایا جائے۔

ایک دفعہ اعتکاف کے موقع پر حضرت والا نے ایک خادم سے کہا کہ یہ چٹائی اعتکاف کی جگہ میں بچھا دو اس پر یہ چادر بچھا دو اور تکیہ رکھدو، ایک دوسرے خادم نے گدا بھی بچھا دیا ،حضرت نے جب اس کو دیکھا تو ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کس نے بچھایا بتایا گیا فلاں نے ،حضرت والا نے وجہ دریافت فرمائی کہ گدا کیوں بچھایا؟ اس نے عرض کیا حضرت زمین پر صرف چٹائی پر سونے سے تکلیف ہوگی اس لئے گدا بچھا دیا تا کہ کچھ آرام مل جائے ،فرمایا کیا سب معتکفین کے پاس گدے ہیں؟ کہا گیا نہیں ،فرمایا پھر میں کس طرح گدے پر لیٹوں؟ یہ تو میرے بس میں نہیں کہ سب کے لئے گدوں کا انتظام کیا جائے البتہ یہ آسان ہے کہ میں خود بھی اپنا گدا اُٹھا دوں۔ (بحوالہ بالا)

(۳) "فقیر آدمی کو اپنی رکابی میں کھانا کھلانا"۔

ایک دفع افطار کے وقت ایک غریب فقیر آدمی خستہ حال پھٹے پُرانے کپڑوں میں آ گیا ،جس سے سخت گھن اور بو آ رہی تھی ،کوئی اس کو اپنے پاس بٹھانے پر تیار نہ ہوا حضرت والا نے یہ دیکھ کر فوراً اس کو بلایا اور اپنے پاس بٹھا کر اپنی رکابی میں اس کو شریک کیا ،جس سے سب کو حیرت ہوئی اپنے او پر سخت ندامت۔

(۴) "کھانے کے موقع پر عادت مبارکہ"۔

کھانے کے موقع پر اور کسی مجلس میں جگہ کی تنگی ہوتی تو حضرت والا فوراً ایک پاؤں کھڑا کر کے ایک پاؤں پر بیٹھ جاتے دستر خوان پر ریزے گر جاتے تھے تو حضرت والا بے تکلف ان کو اُٹھا کر کھا لیتے ۔اور ارشاد فرماتے ان کے کھانے والے کی اولاد صالح پیدا

ہوتی ہے۔ کسی نے رکابی صاف نہیں کی اس میں سالن لگا ہوا رہ گیا حضرت والا اس کو اُٹھا کر بے تکلف صاف کر لیتے۔ کسی نے خوب کہا ہے

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال   کہ چوں سوار بہ منزل رسد پیادہ شود

(یعنی عاجزی باکمال ہونے کی نشانی ہے اس لئے کہ سوار منزل پر پہنچ کر (سواری سے اُتر کر) پیادہ ہو جاتا ہے)

(۵)۔ ''میں محروم جہاں تھا وہیں رہا''۔

ایک خادم کو اعتکاف کے ختم ہونے پر خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

''جناب والا یہاں سے تشریف لئے گئے گویا مجلس سونی ہوگئی تاہم بندگان خدا کی الحاح وزاری سے حق تعالیٰ کا فضل ہوا، عافیت کے ساتھ ایام اعتکاف پورے ہو گئے ماشاء اللہ حباب نے بہت کچھ حاصل کر لیا...... یہ محروم جہاں تھا وہیں رہا، احباب کی کامیابی کی بنا پر اپنے لئے بھی فلاح کی توقع کافی ہے''۔ (۲۳۰ بحوالہ مکتوبات فقیہ الامت)

6۔ شعر کا عجیب مطلب۔

ایک خادم مسترشد نے لکھا:

''اس دور افتادہ غلام بارگاہ کو بھی اپنی خصوصی توجہات اور دعاؤں سے نوازیں کہ اللہ تعالیٰ بیڑہ پار لگائیں بندہ کا حال یہ ہے کہ

چہل سال عمر عزیزت گزشت   مزاج تو از حال طفلی نگشت

(تیری پیاری عمر کے چالیس سال گزر گئے   مگر تیرے مزاج سے بچپن ختم نہیں ہوا)

حضرت والا نے جواباً تحریر فرمایا:

''آپ نے کریما کا شعر نقل کیا ہے اور مصداق قرار دیا ہے ابھی ابھی آپ کی برکت سے ایک مفہوم ذہن میں آیا ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں معصومانہ مزاج طفل عطا کر رکھا ہے۔ مبارک ہو! یہاں تو اس عمر تک پہونچتے پہونچتے گناہوں کا انبار اکٹھا ہو گیا تھا، پھر اس پر اضافہ ہے، چہل سال کے دوچند ہونے پر انبار کئی چند ہو چکا، حق تعالیٰ

مغفرت فرمائے''۔ (ص ۲۳۱ بحوالہ مکتوبات فقیہ الامت جلد (۱) ص ۲۶۸)

(۷) ''صاحب نسبت بزرگ'' لکھنے پر تنبیہ:۔

ایک صاحب نے حضرت والا کو خط میں ''صاحب نسبت بزرگ'' لکھا اس کے جواب میں حضرت والا نے تحریر فرمایا:

''بندہ اس قابل نہیں کہ اس کے لئے ''صاحب نسبت بزرگ'' جیسے الفاظ استعمال کئے جائیں، یہ ان الفاظ کا بے محل استعمال ہے، ان کی ناقدری ہے۔ اللہ تعالیٰ ناقدری کی بجائے قدر دانی کی توفیق دے۔ ہاں مشورہ سے اس ناکارہ کو انکار نہیں ہے''۔ (ص ۲۳۱)

(۸) ''یہ کمینہ سیہ کار لائق احترام نہیں'':

ایک صاحب کو تحریر فرمایا:

''اور اصل بات یہ ہے کہ یہ کمینہ سیہ کار لائق احترام ہے ہی نہیں، اس کا حال تو یہ ہے یک اشیمے، بذربانے، بدنگاہے، بدعمل۔ ہم امید عفو دار در طفیل دیگراں'' (ص ۲۳۱)

(۹) ''عیوب پر پردہ ڈال رکھا ہے'':۔

ایک صاحب کو تحریر فرمایا:

''اس ناکارہ کے عیوب پر حق تعالیٰ نے پردہ ڈال رکھا ہے، اگر اصل حالت کھل جائے تو سب طرف سے نفرت ہی نفرت ہو کسی کی طرف سے کبھی رجوع نہ ہو''۔

(ص ۲۳۲ بحوالہ مکتوبات فقیہ الامت ص ۲۹۰)

(۱۰) حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا قائم مقام لکھنے پر تنبیہ:۔

ایک صاحب نے اپنے خط میں حضرت والا قدس سرہ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ کا قائم مقام لکھدیا۔ ان کو جواب تحریر فرمایا۔

''یہ ناکارہ آوارہ ہرگز ان کا قائم مقام نہیں ان کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں، ہاں خدمت میں بہت دیر تک رہا مگر محرومی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا''۔ (ص ۲۳۲)

(۱۱) ''یہ ناکارہ جوتیاں سیدھی کرنے کا قابل بھی نہیں'':۔

ایک صاحب نے (جو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے بیعت تھے) حضرت والا قدس سرہ سے رجوع کرنے کی درخواست کی اور ساتھ ساتھ یہ جملہ بھی لکھدیا: ''حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کے بعد اکتساب فیض کا صرف ایک ہی در باقی ہے''۔

اس کے جواب میں حضرت والا نے تحریر فرمایا:

''حق تعالیٰ شانہ نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ پر جس لطف وکرم کی بارش برسائی آپ اس کا دائرہ اتنا محدود نہ کریں کہ صرف شخص واحد پر ہی انحصار کر دیں ان کے فیض یافتہ حضرات میں ایسے حضرات موجود ہیں کہ یہ ناکارہ انکی جوتیاں سیدھی کرنے کے قابل بھی نہیں جن کی تعداد ایک سو دس ۱۱۰ ہے

جلوہ حسن ساز کا قلب پہ کیا اثر نہیں　　　ان کا تو حسن حسن ہے تیری نظر نظر نہیں

(بحوالہ مکتوبات فقیہ الامت رحمہ اللہ ص ۲۸۲)

(۱۲) ''اتنی عمر ہو چکی حالات درست نہیں ہوئے''۔

ایک صاحب کو جواب میں تحریر فرمایا:

''اس ناکارہ آوارہ کا دنیا میں کیا کام ہے بجز اس کے کہ کھاد بن جائے مگر اپنے اختیار میں کچھ نہیں آپ حضرات کی یاد اور ملاقات فی الجملہ باعث تسکین ہے، اتنی عمر آ چکی ہے حالات درست نہیں ہوئے ہیں، رذائل ایک ایک سب موجود ہیں جن کے ظہور کا موقع نہ ملنے پر شبہ اور گاہے عجب ہوتا ہے کہ وہ دور ہو گئے ہیں حالانکہ ان کا حال ایسا ہے جیسے تیز سردی میں سانپ کا حال ہوتا ہے کہ اس میں حملہ کرنے کی طاقت نہیں ہوتی مگر جہاں سورج کی گرمی آئی اس کی پوری کیفیات عود کر آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے اور اپنے محبوبین کی برکت سے اصلاح فرمائے'' (ص ۲۳۴)

(۱۳) ''یہاں تو میری نحوست ہی نحوست ہے'':

ایک خادم مسترشد جو خدمت والا میں راہ سلوک طے کر رہے تھے ان کے کسی عزیز

کے خطوط کے جواب میں تحریر فرمایا:

''ماشاءاللہ خوب محنت کر رہے ہیں، کاش! کسی اچھی جگہ پر ہوتے اور محنت کرتے تو زیادہ فائدہ ہوتا، یہاں تو میری نحوست ہی نحوست ہے، خدائے پاک ان کی حفاظت فرمائے اور ان کی خیر سے میری نحوست بھی دور کرے۔ ان کے والدین کو مبارکباد اور سلام وسنون''۔ (ص ۲۳۴)

(۱۴) ''آپ سے زیادہ امراض باطنہ وامراض ظاہرہ میں یہ ناکارہ مبتلا ہے''۔

ایک صاحب نے لکھا کہ میں بہت زیادہ باطنی امراض میں مبتلا ہوں بعض دفعہ بڑی مایوسی ہوتی ہے کہ قیامت میں کیا ہوگا۔ دعاء کی درخواست ہے۔ فقط۔

ان کے جواب میں تحریر فرمایا:

آپ سے زیادہ امراضِ باطنہ وظاہرہ میں یہ ناکارہ مبتلا وگرفتار ہے، قیامت کو جو بخشش ہوگی وہ اللہ کے فضل سے ہوگی جو کچھ ہوسکے ٹوٹے پھوٹے اعمال بھی کرتا رہے اپنے آپ کو درست کرنے کی کوشش بھی کرتا رہے۔ کوتاہیوں کی معافی مانگتا رہے اللہ تعالیٰ ناکارہ لوگوں کو بھی قبول فرمالیتے ہیں نیکوں کے طفیل میں۔

شنیدم کہ در روز امید وبیم   بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

(۲۳۵)

(۱۵) ''حضرت مولانا حکیم محمد اختر احب زید مجدھم کا مکتوب اور حضرت والا کی طرف سے اس کا جواب''۔

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب زید مجدھم خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نے اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا:

مولوی ابراھیم خادم خاص کی خدمت میں بعد سلام مسنون یہ اپنا تازہ شعر عرض کرتا ہوں۔ دعا کی درخواست اس شعر میں پوشیدہ ہے۔

بہار وصل کی لذت کو لوٹنے والو!
کسی فراق زدہ کو بھی یاد کر لینا۔

احقر محمد اختر عفا اللہ عنہ۔

حضرت والا نے جواب میں تحریر فرمایا:
مکرم ومحترم حضرت حکیم صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ شرف صدور لایا قلب کو بڑی مسرت ہوئی، یہاں تو یہ حال ہے
دل میں ذوق وصل و یاد یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر کو لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا۔
تاہم جو حال بھی ہے موجب صد شکر ہے بقول شخصے
کچھ سکون ہوتا ہے تو آواز آتی ہے
ان کا تو حسن ہے تیری نظر نظر نہیں
اٹھ کے بگولے دم بدم کہتے ہیں کیا خبر نہیں
بیٹھو نہ مل کے وحشیو! دشت جنوں ہے یہ گھر نہیں

(۱۶) رجوع کرنے کی درخواست پر تنبیہ:۔

ایک صاحب نے (جو انگلیڈ میں مقیم ہیں) حضرت والا قدس سرہ کی طرف رجوع کرنے کی درخواست پیش کی۔ حضرت قدس سرہ نے جواب عنایت فرمایا:
گرامی نامہ موجب منت ومسرت ہوا، منت ومسرت سے زیادہ تعجب خیز ہوا کہ ایک صاف شفاف عمدہ پانی کی نہروں کے کنارے ہوکر ایک چھوٹے سے گڈھے کی طرف توجہ کی جائے جسے ایرغیرا نتھو خیرا سب ہی استعمال کرتے ہیں۔ آخر حضرت الحاج مولانا محمد یوسف متالا وہاں موجود ہیں جن سے بڑی دنیا فیضیات ہو رہی ہے نیز مولانا ہاشم صاحب اور مولانا بلال صاحب بھی وہاں ہیں ان حضرت کے ذریعہ سے علوم واخلاق نبوت پھیل رہے ہین ان کو

چھوڑ کر جناب والا نے سات سمندر پار ہندوستان کی طرف کیوں توجہ فرمائی؟ شاید اس وجہ سے کہ گھر کی مرغی دال برابر میری درخواست ہے کہ جناب والا استخارہ مسنونہ فرمالیں، قریب رہ کر بار بار حاضری اور فیض صحبت اور حالات بتا کر ہدایات حاصل کرنے میں جو سہولت ہے اس سے سب ہی واقف ہیں

خدائے پاک ان محترم کو صحیح راہنما عطا فرمائے جو مشفق اور مہربان بھی ہو، جسمانی صحت بھی دے اور روحانی ترقیات سے بھی نوازے، یہ ناکارہ تو چراغ سحری ہے نہ معلوم کب پیام اجل آجائے''۔ (ص ۲۳۶)

(۱۷) ناظم صاحب سے اعتکاف کی اجازت:۔

حضرت والا کا قیام رمضان المبارک جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں تجویز ہو گیا۔ اور وہاں کے احباب کے اصرار پر حضرت والا نے منظور فرما لیا مگر اس کے باوجود وہاں اعتکاف کے جو منتظم تھے مولانا محمد اسماعیل صاحب زید مجدھم سے اجازت طلب کی اور تحریر فرمایا،

''امسال یہ ناکارہ آوارہ جناب والا کی خدمت میں ماہ مبارک گزارنے کا خواہشمند ہے اس لئے اجازت درکار ہے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ بھی منتظم سے اجازت لیا کرتے تھے، احقر کے ساتھ کم سے کم ایک آدمی تو ضروری ہے اس کی بھی اجازت مرحمت فرمادیں کوئی اور آئے گا تو خود اجازت لے لیگا۔ (ص ۲۳۸)

(۱۸) ''میری حالت انقص ہے'':

ایک صاحب نے لکھا کہ: ''ناقص ہوں اور ناقص کے حالات ناگفتہ بہ ہیں، اللہ جل شانہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ ناقص کی کیسی ویران حالت ہے، خدا کے لئے ناقص کے حق میں دعا کریں کہ ناقص کی حالت اچھی ہو جائے''۔

جواب میں تحریر فرمایا:

''آپ کی حالت ناقص ہے جو کہ آپ کو معلوم ہے، میری حالت انقص ہے جو مجھے معلوم

ہے میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں آپ میرے لئے دعا کریں اللہ تعالیٰ دونوں کی حالت صحیح کردے، اتباع سنت کی پوری توفیق دے، نافرمانیوں سے پوری حفاظت فرمائے۔

(ص ۲۳۸)

(۱۹) مجلس شوریٰ کی رکنیت سے معذرت:۔

کسی مدرسہ کی مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لئے حضرت قدس سرہ کا نام گرامی تجویز کیا جاتا اور حضرت والا قدس سرہ سے منظوری کی درخواست کی جاتی حضرت اقدس سرہ معذرت فرمادیتے اور کبھی منظور نہ فرماتے، بعض مدارس کو چھوڑ کر اکثر انکار ہی فرماتے اور اصرار کے باوجود منظور نہ فرماتے۔ مدرسہ دارالعلوم حسینیہ تاؤلی مظفر نگر کی مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لئے حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب زید مجدھم نے حضرت قدس سرہ کا نام منتخب فرمایا۔ مولانا رشید الدین صاحب مہتمم دارالعلوم حسینہ تاؤلی نے بذریعہ خط حضرت والا قدس سرہ سے منظوری کی درخواست کی۔ حضرت قدس سرہ نے معذرت فرمادی اور تحریر فرمایا کہ ''یہ ناکارہ شوریٰ کا اہل نہیں''۔

ذیل میں حضرت مولانا رشید الدین صاحب مہتمم دارالعلوم حسینیہ تاؤلی اور حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کا مکتوب گرامی ملاخطہ ہو:

مکتوب مولانا رشید الدین صاحب:۔

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب دامت برکاتھم سر پرست مدرسہ ہذا نے آنجناب کا مدرسہ دارالعلوم حسینیہ ماڈل مظفر نگر کے لیے رکنِ شعوریٰ کی حیثیت سے انتخاب فرمایا ہے آنجناب سے عرض ہے کہ مدرسہ کی رکنیت منظور فرما کر ممنون فرمادیں اور جواب سے نوازیں۔ فقط والسلام

محمد رشید الدین غفرلہ

مکتوب فقیہ الامت رحمہ اللہ

گرامی نامہ باعث عزوافتخار ہوا یہ ناکارہ شوریٰ کا اہل نہیں، مدرسہ شاہی مرادآباد کی مجلس نے نام تجویز کردیا تھا شاید ۱۰ برس ہوگئے ابھی تک وہاں جانے اور جلسہ شوریٰ میں

شرکت کرنے کی نوبت نہیں آئی اس لئے بندہ معذرت خواہ ہے کہ کسی اور کو تجویز فرمالیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ کام کا آدمی میسر فرمائے اور مدرسہ کو مادی ومعنوی ترقیات سے نوازے۔

فقط والسلام

(ص ۲۳۹)

(۲۰) ''آپ سے ناراض ہوکر مورد غضب بننے کی تاب کہاں!'':

ایک صاحب نے لکھا:

عریضہ ارسال خدمت کیا مگر جواب نہیں آیا جس سے خیال ہوا کہ شاید حضرت والا ناراض تو نہیں ہوگئے۔

انکو جواباً تحریر فرمایا:

آپ کے گذشتہ خط کا جواب پہلے دے چکا ہوں، خدا جانے آپ تک کیوں نہیں پہونچا، آپ سے ناراض ہوکر مورد غضب بننے کی تاب کہاں۔۔۔

اعوذ باللہ من غضبہ وغضب رسولہ وغضب اولیاء

فقط والسلام

(ص ۲۴۰)

(۲۱) ''شاید کسی کی خدمت کا موقع مل جائے'':

ایک صاحب کو خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

''مولانا عاقل اور مولانا سلمان صاحبان ۱۰ ستمبر دوشنبہ فرنیٹر میل سے دہلی سے سوار ہوکر حجاز مقدس جارہے ہیں، اہل وعیال بھی اکتع ابتع البصع سب ساتھ ہیں۔ احقر بھی انکے ہمراہ بمبئی جارہا ہے شاید کسی کی خدمت کا موقع مل جائے''۔

(اپنے چھوٹوں کی خدمت کی تمنا رکھنا کس شان تواضع کو ظاہر کرتا ہے)

(ص ۲۴۰)

(۲۲) ''یہ ناکارہ تو ہر طرف سے خالی ہے'':

ایک صاحب نے لکھا

احقر مولانا عبدالرحیم صاحب زید مجدھم کی معیت میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوا اور وہاں حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کی زیارت اور مجالس کی برکتیں میسر آئیں یہ سب حضرت والا کی دعاؤں کا طفیل ہے۔

ان کو حضرت والا نے تحریر فرمایا:

''ماشاءاللہ خوش نصیب ہیں کہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دامت برکاتھم کی خدمت میں حاضر ہوکر حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً وتکریماً کے قیام اور خدمت شیخ اعلی اللہ درجاتہ، کی برکات سے مشرف ہوگئے، مبارک باشد۔ یہ ناکارہ تو ہر طرف سے خالی ہے جواب خط میں تاخیر کی وجہ سے کیا لکھوں۔

اے ترا خارے بپا نہ شکستہ کے دانی کہ چیست

حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند۔

(یعنی اے وہ شخص کہ جس کے پاؤں میں کبھی کانٹا بھی نہیں لگا ہو آپ کو اس شیر کا حال کیا معلوم ہوسکتا ہے جو سر پر مصیبتوں کی تلوار کے حملے کھاتا ہے)

(۲۳) ''حافظہ تو میرا کمزور ہے'':

ایک صاحب نے لکھا، حضرت حافظہ بہت کمزور ہوگیا ہے قوت کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ انکو تحریر فرمایا:

حافظہ تو میرا کمزور ہے اس میں آپ مجھ سے مقابلہ نہیں کرسکتے، میں تو اپنا نام بھی بھول گیا تھا۔ تاہم دعا سے کیا دریغ ہے ما یعبئو بکم ربی لولا دعائوکم (میرا رب تمہاری ذرا بھی پروانہ کریگا اگر تم دعائیں نہ مانگو) (ص ۲۴۲)

(۲۴) ''رذائل وخرافات سے دل پر ہے'':

ایک صاحب نے اپنے اعتکاف کی حالت ذکر کرکے دعا کی درخواست کی انکو جواباً تحریر فرمایا:

''میرا حال تو یہ ہے کہ کمرہ کے بجائے مسجد میں بیٹھ گیا رذائل اور خرافات سے کمرہ میں بھی دل پڑتا، مسجد میں بھی پڑ رہے نہ وہاں نجات تھی نہ یہاں، البتہ اللہ کے فضل سے مایوسی نہیں ہے، اور آپ احباب کی دعاؤں کا بڑا سہارا ہے''۔ فقط والسلام

(ص ۲۴۲)

(۲۵) ''عصر سے مغرب تک ایک دربار میں، مغرب سے عشاء تک ایک دربار میں'':

حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کی تشریف بری جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات کے لئے وہاں کے احباب کی دعوت پر تجویز ہوئی محترم مولانا مفتی احمد خانپوری مفتی مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل نے تشریف بری کے موقع پر تحریراً اپنے مکان پر بھی تشریف بری کی دعوت دی اور مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب زید مجدھم مفتی مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل کی خواہش کا بھی ذکر فرمایا کہ وہ بھی اپنے مکان پر تشریف آوری چاہتے ہیں ۔حضرت والا قدس سرہ نے جواباً تحریر فرمایا:

''آپ کا اور مفتی اسماعیل صاحب کا کاشانہ عشرت تو قریب قریب ہی ہوگا پھر کیا خوب ہو کہ عصر سے مغرب تک ایک دربار میں اور مغرب سے عشاء تک ایک دربار میں حاضری کا شرف نصیب ہو جائے''۔ فقط والسلام۔ (اپنے شاگردوں کے ساتھ یہ انداز تخاطب کس تواضع وعبدیت کو ظاہر کرتا ہے) (ص ۲۴۳)

(۲۶) ''میں بیکار ہوں'':

ایک صاحب کو جواباً تحریر فرمایا:

''اپنی صحت سے زیادہ ضروری آپ حضرات کی صحت کو سمجھتا ہوں کیونکہ آپ کام کرنے والے ہیں اور میں بیکار ہوں، خدا تعالیٰ آپکو اور حضرت مہتمم صاحب کو جلد پوری صحت وقوت عطا فرمائے'' فقط والسلام (ص ۲۴۳)

(۲۷) ''میرے لئے وفد کی ضرورت نہیں''۔

مدرسہ تعلیم الدین جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات میں حضرت والا قدس سرہ کے ماہ مبارک میں اعتکاف فرمانے کی کوشش کی جارہی تھی اور وہاں کے احباب نے مشورہ طے کیا کہ ذمہ داران کا ایک وفد حضرت والا قدس سرہ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوکر درخواست کرے۔

مولانا مفتی احمد خانپوری زید مجدھم کا مکتوب مع جواب حضرت والا قدس سرہ ملاحظہ ہو:

''یہاں مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل میں ماہ مبارک میں جناب والا کے اعتکاف کے سلسلہ میں حضرت مہتمم صاحب نے تجویز کیا ہے کہ ایک وفد دیوبند حاضر ہواور جناب والا سے درخواست کرے کہ جناب والا ماہ مبارک میں جامعہ اسلامیہ میں قیام منظور فرمالیں''۔

حضرت والا نے تحریر فرمایا:

''حضرت مہتمم صاحب نے وفد بھیجنے کا ارادہ فرمایا اس سے تو خوشی ہوئی کہ آپ حضرات سے ملاقات کی صورت نکل آئی لیکن میرے خیال میں یہ بلاضرورت اور چھوٹی بات کو اسکی حد سے بڑا بنانا ہے۔ میرے لئے وفد کی ہرگز ضرورت نہیں ہے بلکہ مناسب بھی نہیں، میرے لئے ایک فقرہ زبانی فرمادینا یا کسی خط میں ایک جملہ لکھدینا بھی کافی ہے۔ میرے دل میں زبانی گفتگو کا ایک مقام ہے جس کی وجہ سے خود بھی قلبی تقاضا ہے تقاضا گزشتہ سال بھی تھا مگر اہل افریقہ نے جکڑ رکھا تھا، چھٹکارہ نہ ہوسکا، خدا کرے اب کے سہولت سے موقعہ مل جائے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے میں نے کسی دوسری جگہ کا وعدہ نہیں کیا نہ ارادہ ہے، وفد اگر آیا بھی تو بس اس سے بھی اتنا ہی کہہ سکتا ہوں فی الحال اتنا موقعہ بھی نہیں نہ وفد مجھکو زبردستی پکڑ کر لیجا سکتا ہے"

فقط والسلام۔

(اپنے لئے وفد کی آمد کو بلاضرورت بلکہ نامناسب سمجھنا بھی کمالِ تواضع کی بناء پر ہی ہے۔ ورنہ تو اس سے خوش ہوا جاتا ہے کہ ہمارے پاس مستقل وفد آیا ہے اس نے درخواست کی ہے یا سفارش کی ہے) (ص ۲۴۴)

(۲۸) "قابلِ اشاعت نہیں بلکہ قابلِ اضاعت ہیں"۔

حضرت والا قدس سرہ کے مواعظ وملفوظات جو انمول علمی ذخیرہ ہے اور عوام و خواص کے لئے بے حد مفید و نافع ہے۔ مگر حضرت والا قدس سرہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت والا قدس سرہ کے مواعظ جمع ہوں۔ اور انکو شائع کیا جائے بلکہ سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ حضرت والا کے ارشادات ٹیپ کرر ہا ہے۔ حضرت والا سخت ناراض ہوتے اور خدام کے عرض کرنے پر ارشاد فرمایا کرتے کہ اکابر کے مواعظ وارشادات بہت کافی ہیں۔ ایک خادم کے اصرار کرنے پر فرمایا "میرے ملفوظات ہرگز قابل اشاعت نہیں بلکہ قابلِ اضاعت ہیں"

ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس گہنگار کے مواعظ، ملفوظات بیکار ہیں وہ قابل اشاعت نہیں بلکہ قابلِ اضاعت ہیں مگر اس ناکارہ کی شنوائی نہیں ہوتی اس لئے وہ چھپ جاتے ہیں۔ قلق بھی ہوتا ہے"۔

(ص ۲۴۵ بحوالہ مکتوبات فقیہ الالدمت جلد ا ص ۳۲)

(۲۹) ''فتاویٰ کی اشاعت کی ناپسندیدگی''۔

حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کے فتاویٰ جن کی بیس ضخیم جلدیں چھپ کر قبولیت عامہ حاصل کر چکی ہیں۔ علماء، طلبہ، عوام وخواص، مفتیان کرام سب ان کے محتاج ہیں اور کوئی ادارہ شاید بمشکل ہی ان سے خالی ہوگا مگر جب ان کی ترتیب واشاعت کا کام شروع کیا گیا تو حضرت قدس سرہ ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا" کیا اکابر کے فتاویٰ، فتاویٰ امدادیہ، فتاویٰ دارالعلوم وغیرہ کافی نہیں، ہر کس و ناکس کے فتاویٰ شائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ میرے فتاویٰ ہرگز شائع کرنے کے قابل نہیں"۔ خدام کے پیہم اصرار اور تقاضوں پر بمشکل اجازت مرحمت فرمائی۔

ان سب چیزوں سے حضرت والا کی کمال عبدیت وکمال تواضع کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ اور اسی سے حضرت والا کے علومرتبت ورفعتِ مقام کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے۔

کیونکہ تواضع وعبدیت بلندی مقام کی دلیل ہے۔ بقول شاعر

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال   کہ چوں سوار بمنزل رسد پیادہ شود

(ص ۲۴۶)

(۳۰) "اندازِ خطاب"۔

اپنے چھوٹوں کو ہمیشہ آپ اور جناب سے خطاب فرماتے تھے "مولانا فلاں" اور "مفتی فلاں" کہہ کر نام لیتے تھے۔ خطوط میں عموماً "محترمی! زید احترامہ" کے عنوان سے آغاز فرماتے تھے جس کا اندازہ "مکتوبات فقیہ الامت" میں شائع شدہ مکتوبات سے بآسانی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ مکتوبات عموماً حضرت والا کے تلامذہ اور منتسبین کے نام ہی لکھے گئے ہیں۔

اپنے چھوٹوں کے ساتھ بھی وہ معاملہ فرماتے جو اپنے بڑوں کے ساتھ بھی بمشکل کیا جاتا ہے۔ چھوٹوں کو چھوٹا نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت والا قدسرہ کے کسی انداز سے کبھی ادنیٰ درجہ کی بڑائی کا شائبہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ کہ حضرت والا کسی درجہ میں بھی اپنے آپ کو صاحبِ کمال سمجھتے تھے۔ بلکہ حضرت والا قدس سرہ کو اپنے کسی کمال کا وہم بھی نہیں ہوتا تھا۔

مدت العمر زبان مبارک سے کبھی کوئی جملہ نہیں سنا گیا جس سے ادنیٰ درجہ کی بڑائی یا اپنے کسی ادنیٰ کمال کا کسی درجہ میں بھی اظہار ہوتا ہو یا اس کے اظہار کا شائبہ بھی ہوتا ہو۔

(ص ۲۴۷)

(۳۱) "عہدہ قبول کرنے سے احتراز"۔

خاکی ونوری نہاد بندۂ مولیٰ صفات   ہر دو جہاں سے غنی اس کا دلِ بے نیاز

(۱) اللہ پاک نے حضرت والا کو اس للّٰہیت اور کمال اخلاص وکمال تواضع وعبدیت کی صفت سے نوازا تھا کہ جو بھی کام تھا جو بھی خدمت تھی وہ للہ فی اللہ تھی اس میں نفسانیت کا شائبہ بھی نہ تھا، مظاہر علوم سہارنپور میں عرصہ دراز تک فتاویٰ نویسی کی خدمت انجام دی مگر ہمیشہ اپنے کو معین مفتی ہی لکھتے رہے۔ ارباب مدرسہ کے فرمانے اور تجویز کے باوجود نائب

مفتی لکھنا بھی گوارا نہ کیا اور اس میں خوش تھے، نائب مفتی اور مفتی لقب بھی ناگوار خاطر تھا گو دنیا آپ کو آپ کے تبحر عملی کی وجہ سے مفتی ہی جانتی اور سمجھتی تھی اور اہل علم آپ کے تجربہ علمی کے اس وقت سے معترف ومداح تھے مگر آپ کی طبیعت کا رنگ ہی کچھ ایسا تھا کہ

کچھ ہونا تو میرا ذلت وخواری کا سبب ہے   یہ ہے میرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

مگر اس کا نتیجہ وہ ہوا جو ہونا تھا اور جو اللہ تعالیٰ کے ایسے مخصوص بندوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ حضرت نے اپنے کو ہر لاکھ چھپانا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے منارۂ شہرت پر لا کھڑا کیا اور جو اپنے کو نائب مفتی لکھنا بھی گوارہ نہ کرتا ہو اس کو نہ صرف یہ کہ عالم اسلام کی دو عظیم درگاہوں دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم صدر مفتی و مفتی اعظم اور سینکڑوں اصحاب افتاء حضرات کا سرپرست بنایا گیا بلکہ "مفتی اعظم ہنداور "فقیہ والامت" کے لقب سے نوازگیا، مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ۔ (جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرماتا ہے)۔

مجلس شوریٰ اور اکابر دارالعلوم دیوبند نے حضرت والا نور اللہ مرقدہ کو دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا ناظم اور صدر مفتی تجویز کیا مگر حضرت والا نے حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ کو صدر مفتی اور ناظم دارالافتاء کے تمام اختیارات سپرد فرمائے اور فرمایا۔ "صدر مفتی اور دارالافتاء کے ناظم آپ رہیں گے۔"

حضرت مفتی نظام الدین صاحب نور اللہ مرقدہ نے انکار فرمایا اور فرمایا بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کے سامنے کوئی دوسرا صدر مفتی وناظم بنے اور آپ کو باقاعدہ یہ عمدہ منصب (شوریٰ واکابر دارالعلوم کی طرف سے) دیا بھی گیا ہے۔

آخر جب حضرت مفتی نظام الدین صاحب کسی طرح آمادہ نہ ہوئے اور برابر انکار فرماتے رہے، تو حضرت قدس سرہ نے فرمایا "اگر آپ نے یہ عمدہ قبول نہ کیا تو یہاں نہیں رہوں گا، استعفیٰ دیکر دارالعلوم چھوڑ کر چلا جاؤنگا،،

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ کو یقین ہوگیا کہ یہ ماننے والے نہیں ہیں تو

بمجبوری یہ عہدہ قبول فرمایا اور حضرت والا قدس سرہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب نور اللہ مرقدہ کی صدارت و انتظام کے تحت برابر خدمت انجام دیتے رہے اور اپنے ہر طرز سے اپنا ماتحت ہونا ہی ظاہر فرماتے رہے، حالانکہ دارالعلوم سے باہر کی اکثر دنیا حضرت والا قدس سرہ کو ہی صدر مفتی سمجھتی اور خیال کرتی تھی۔

(۲) حضرت مولانا فخر الدین صاحب نور اللہ مرقدہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے حکم اور مسلسل اصرار اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے ارشاد پر دارالعلوم دیوبند میں تقریباً بارہ سال بخاری شریف جلد ثانی کا درس دیا اور حضرت مولانا فخر الدین صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال کے سال جلد اول بھی مکمل کرائی مگر ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے پاس تشریف لیجا کر فرمایا ''میں ابتک حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمہ اللہ کی رعایت اور ان کے حکم پر بخاری شریف پڑھاتا تھا، لیکن میں اس کا اہل نہیں اس لئے آئندہ بخاری پڑھانے سے معذور ہوں کوئی دوسرا انتظام فرمالیا جائے۔

(۳) عہدہ سے احتراز اس درجہ تھا کہ ارکان شوریٰ سے از خود ملاقات بھی ناگوار خاطر تھی۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند میں ایک خاص اجلاس شوریٰ سے واپسی پر ایک رکن شوریٰ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو خط لکھا جس میں یہ معذرت کی کہ شوریٰ کے اجلاس میں آنا ہوتا ہے، جی بہت چاہتا ہے کہ آپ سے ملاقات کروں مگر وہاں اتنی فرصت نہیں ہوتی۔

حضرت مفتی صاحب نے جواباً تحریر فرمایا:

''میں باوجود فرصت کے آپ سے ملاقات نہیں کرتا کیونکہ فضا ایسی بن گئی ہے کہ جو ماتحت ملازم کسی رکن شوریٰ سے ملتا ہے تو یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی کوئی غرض لیکر آیا ہوگا، میری ترقی کردو، میرے واسطے یہ سہولت مہیا کردو، اسلئے اگر مجھے فرصت بھی ہوتی ہے تب بھی میں آپ حضرات میں سے کسی سے نہیں ملتا، راستہ کاٹ کر چلا جاتا ہوں، کبھی آپ اس راستہ میں مل جائیں تو میں اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرلونگا۔

(۴) قیام کانپور کے زمانہ میں ۸۴ھ میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ، کی شدت علالت کے موقع پر مظاہر علوم میں کسی ناظم کے تقرر کی ضرورت پیش آئی۔ ارباب مظاہر علوم نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے اصرار کیا کہ مظاہر علوم کی نظامت کی ذمہ داری سنبھالیں،

مگر مفتی صاحب قدس سرہ نے منظور نہیں فرمایا۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اپنے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''رمضان ۸۴ھ میں مولانا اسعد اللہ صاحب کی شدید بیماری اور مایوس کن احوال پر ضرورت پیش آئی کہ کوئی ان کے بعد نظامت سنبھالے۔ مفتی محمود پر کئی سال سے اصرار سب کا ہی ہو رہا تھا لیکن حکم زکریا نے نہیں دیا وہ از خود نہیں آئے''۔

مظاہر علوم میں خلفشار رہا، حضرت والا قدس سرہ کا تاثر اپنے بارے میں یہ تھا کہ یہ اختلاف و خلفشار میری بداعمالیوں کی نحوست کی بنا پر ہے اس لیے مظاہر علوم سے بیرون ممالک کے طویل سفر پر تشریف لے گئے۔ اس کمال و تواضع اور عبدیت کی مثال بمشکل ہی مل سکے گی۔

حضرت والا کا ملفوظ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو:

ارشاد فرمایا کہ میں نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی شوریٰ (منعقدہ اوائل ۱۴۰۵ھ) میں کہا تھا کہ یہ خلفشار مظاہر علوم کا میری نحوست سے معلوم ہوتا ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ اس پر مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری (مدرس دارالعلوم دیوبند و خلیفہ حضرت شیخ رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ ایسا کہنا آپ کے لیے مناسب نہ تھا، اس پر حضرت نے فرمایا کہ آپ کہتے ہیں میرے لیے ایسا کہنا مناسب نہ تھا، حالانکہ میرے پاس اس کا مآخذ موجود ہے۔ وہ یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کفار کے مقابلے پر ایک لشکر بھیجا اس کے بارے میں آپ کو اطلاع ملی کہ صبح سے دوپہر تک مقابلہ ہوتا رہا تب فتح ہوئی، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''میرے گناہوں کی وجہ سے فتح میں

اتنی دیر لگی کہ صبح سے دو پہر تک مقابلہ کرنا پڑا اور نہ کفر میں اتنی مجال کہاں ہے کہ ایمان کے مقابلے میں اتنی دیر تک ٹھہر سکے'' چنانچہ سات آٹھ ماہ تک بیرون ملک میں رہے اور سفر سے واپسی پر بھی مظاہر علوم میں قیام فرمانے کے بجائے دارالعلوم میں قیام فرمایا۔ کیونکہ دارالعلوم میں خلفشار کے موقع پر بھی بیرون ملک کے اسفار میں سات ماہ گزارنے اور پھر واپسی پر حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے حکم پر مظاہر علوم میں قیام فرمایا تھا اور ارکان شوریٰ دارالعلوم کی طرف سے بھی حضرت والا پر دارالعلوم میں قیام فرمانے پر برابر اصرار ہو رہا تھا۔
(ص ۲۴۹ تا ۲۵۲)

(۳۲) مجلس فقہی کی رکنیت سے معذرت:۔

جمعیۃ العلماء کے تحت مجلس شرعی قائم کی گئی جس میں ایک شعبہ مجلس فقہی کا رکھا گیا اور اس کے ارکان میں معتمد ارباب فتاوی اور ارباب اہل بصیرت اہل علم کو منتخب کیا گیا۔
حضرت اقدس قدس سرہ سے بھی اس کی رکنیت قبول فرمانے کی درخواست کی گئی۔
حضرت والا نے رکنیت قبول فرمانے سے معذرت فرمائی۔
مجلس شرعی کی طرف سے جو درخواست پیش کی گئی اور حضرت والا قدس سرہ، نے جو معذرت نامہ تحریر فرمایا وہ بھی ملاحظہ ہو:

''**مکتوب مجلس شرعی**'': مجلس شرعی کے قیام کے سلسلہ میں پہلے بھی آپ کو اطلاع دی جا چکی ہے، یقیناً جناب محترم بھی مجلس شرعی کی تاسیس وقیام کی اہمیت سے متفق ہو نگے۔ یہ عریضہ اس گذارش کے ساتھ پیش خدمت ہے کہ براہ کرم کل ہند ''مجلس فقہی'' کی رکنیت قبول فرما کر مجلس شرعی کے نظام کی توسیع میں رہنمائی فرمائیں۔ امید ہے کہ اس عریضہ کو شرف قبولیت بخش کر عنایت فرمائینگے۔
مجلس شرعی، بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی۔

جواب از فقیہ الامت قدس سرہ:۔

مجلس شرعی کی تاسیس وقیام کی اہمیت اظہر من الشمس ہے اللہ پاک تبارک وتعالیٰ

نصرت فرمائے اور صحیح طریقہ پر کام کی پوری توفیق دے۔

یہ ناکارہ اپنے عوارض کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ رکن بن سکے ویسے جو خدمت اپنے بس میں ہو اس سے ہرگز دریغ نہیں، ضعف بصر، ضعف حفظ کی وجہ سے سراپا ضعف بن کر رہ گیا ہے۔ امید ہے کہ معذرت قبول فرمائیں گے۔ والعذر عند کرام الناس مقبول''

(ص ۲۵۳)

(۳۳) ہجرت نہ فرمانے کی وجہ:۔

آنکھوں کی معذوری اور دیگر امراض وعوارض پیش آنے پر بہت سے مخلص خدام کا تقاضا تھا کہ اب مستقل مدینہ پاک قیام فرمائیں، حضرت والا قدس سرہ، سے بہت سے محبین و متعلقین اور اعزہ جو مدینہ طیبہ میں مقیم ہیں سب کی خواہش تھی کہ اب بقیہ زندگی حضرت والا مدینہ طیبہ میں قیام فرمائیں، لیکن حضرت والا قدس سرہ لاکھ تمناؤں کے باوجود اس کے لئے آمادہ نہ ہوئے، اور ارشاد فرمایا کہ مدینہ پاک میں مستقل قیام کے لئے جن اوصاف عالیہ کی ضرورت ہے میں ان سے بالکل خالی ہوں۔

ایک صاحب نے حضرت والا قدس سرہ کے پاس لکھا کہ حضرت تو کچھ دن کے بعد ہجرت کرنے چلے جائیں گے اس لئے میں ایک سال کی چھٹی لیکر آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔

آپ نے جواب میں لکھا:

''ہجرت کے لئے ایمان کی پختگی، اعمال صالحہ پر مواظبت اور اخلاق فاضلہ پر استقامت بڑا سرمایہ ہے اور یہ ناکارہ ان سب چیزوں سے خالی ہے اس لئے آپ جہاں پر ہیں وہیں پر رہ کر دین کا کام کرتے رہیں۔

(۳۴) ''میں حضرت مدنی قدس سرہ، کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں'':

جو حضرات اکابر مشائخ میں سے کسی سے بیعت ہوتے اور وہ انکی وفات پر حضرت قدس سرہ سے بیعت ہونا چاہتے حضرت والا قدس سرہ کمال تواضع وعبدیت کے بناء

پر ان کو کبھی بیعت نہ فرماتے البتہ ان کی خدمت اور مشورہ دینے سے انکار نہ فرماتے بلکہ ہر نوع کی خدمت کے لئے تیار رہتے مگر بیعت سے احتراز ہی فرماتے تھے۔

ایک صاحب جو شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ سے بیعت تھے انہوں نے حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد حضرت والا قدس سرہ سے بیعت کی درخواست کی اور یہ بھی عرض کیا کہ میں حضرت مدنیؒ سے بیعت تھا اب حضرت والا سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔

حضرت والا قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

میں حضرت مدنی قدس سرہ کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں کہ میں ان کے مرید کو بیعت کروں، اس انداز سے آبدیدہ ہو کر حضرت والا نے فرمایا کہ حاضرین بھی آبدیدہ ہو گئے اور بعض پر اس درجہ اثر ہوا کہ بمشکل اپنے کو قابو میں کر سکے۔ (ص ۲۵۴)

(۳۵) فناء تام:۔

اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے متواضع ظاہر کرنا اور اپنے آپ کو حقیر، فقیر کہنا لکھنا تو آسان ہے مگر حقیقی تواضع کہ یہ چیز قال سے بڑھ کر درجہ حال میں آجائے بمشکل حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ درجہ فناء تام کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور فناء تام کا حاصل ہو جانا کوئی آسان چیز نہیں، اس کے لیے بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہے اور اس کے بعد بھی کسی خوش نصیب کو اگر مل جائے تو مالک کا بڑا کرم اور بڑا فضل ہے۔

حضرت والا قدس سرہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے۔ تیس برس تین بزرگوں کی خدمت کی، اس کے بعد تیس برس سے ریاضت و مجاہدات میں مشغول ہوں اب فناء تام حاصل ہوئی ہے، اپنے آپکو مردہ سمجھتا ہوں، لوگ آتے ہیں، میں سمجھتا ہوں میری قبر پر آرہے ہیں فاتحہ پڑھنے کے لیے، پھر کبھی سوچتا ہوں کہ شاید میں زندہ ہوں۔

حضرت والا یہ مقولہ کثرت سے سنایا کرتے تھے اور انداز ایسا ہوتا تھا کہ گویا آپ اپنا حال ہی بیان فرمارہے ہیں

خوشتر آں باشد سر کہ دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں۔ (۲۵۵)

(۳۶) پتہ نہیں ہماری بھی کوئی سفارش کرے گا یا نہیں؟

حضرت والا کمال تواضع اور کمال عبدیت کی وجہ سے اپنے آپ کو تمام مخلوق میں حقیر و کمتر تصور فرمایا کرتے اور بعض دفعہ یہ فکر سوار ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد کوئی ہماری سفارش کرے گا یا نہیں؟

حضرت والا کا ایک ارشاد گرامی ملا ہو:

فرمایا: ایک صاحب کشف جارہے تھے کسی قبر کے پاس سے گزر ہوا، کشف ہوا کہ صاحب قبر کو عذاب ہورہا ہے کچھ دن بعد ادھر گزر ہوا تو کشف کے ذریعے معلوم ہوا کہ عذاب ہٹ گیا، پوچھا تو قبر والے نے بتایا کہ ایک بزرگ دفن ہوئے ہیں ان کو اجازت دی گئی کہ دس آدمیوں کو بخشوا لو، ان کے انتخاب میں میرا بھی نام آ گیا، اس لیے نجات ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت نور اللہ مرقدہ نے آہ بھر کر فرمایا:

پتہ نہیں ہماری بھی کوئی سفارش کرے گا یا نہیں۔ (۲۵۵)

(۳۷) اپنے لیے کھڑا ہونے سے انقباض۔

حضرت والا قدس سرہ، اپنے آپ کو کبھی اس لائق نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی تعظیماً حضرت والا کے لیے کھڑا ہو بلکہ کھڑے ہونیوالوں سے انقباض ہوتا تھا گو اکثر کمال تحمل کی بناء پر اس انقباض کا اظہار بھی نہ ہونے دیتے تھے۔ مگر مزاج شناس حضرات ناگواری اور انقباض کی کیفیت کو پہچان لیتے تھے، ایک صاحب جب حضرت قدس سرہ، کی مجلس میں حاضر تھے۔ حضرت والا قدس سرہ، کے تشریف لانے پر وہ کھڑے نہیں ہوئے بعد میں ان کو خیال ہوا کہ کہیں کھڑا نہ ہونے کی وجہ سے حضرت والا کو ناگواری ہوئی ہو، اپنا یہ خیال خط میں لکھ کر معافی چاہی۔

حضرت والا قدس سرہ، نے ان کو تحریر فرمایا:

مجھے اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ کون کھڑا ہوا، کون نہیں ہوا، البتہ جو کھڑا ہوتا ہے اس سے انقباض ضرور ہوتا ہے کہ یہ شخص کتنا بھولا بھالا ہے کہ میرے لیے کھڑا ہوتا ہے ،حالانکہ میرے اوپر زمین سے آسمان تک گناہوں کا بوجھ ہے۔(۲۵۶)

(۳۸) ڈانٹنے کے لیے میرا نفس کج رفتار ہی بہت کافی ہے۔

کسی کی طرف سے کیسی ہی ناگوار اور خلاف مزاج باتیں پیش آئیں، حضرت والا اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ نہیں فرماتے تھے بلکہ عموماً عفو ودرگزر ہی سے کام لیتے تھے اور فرماتے جو کچھ پیش آتا ہے وہ قضاوقدر کے فیصلے کے مطابق ہی ہوتا ہے اس پت دل سے راضی رہتے۔

حضرت والا قدس سرہ، کا حال بالکل اس کے مطابق ہی ہوتا تھا۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

مرا پیر دانا روشن شہاب ، دو انداز فرمو بر روئے آب
یکے آنکہ ہر خویش خود بین مباش ، دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش۔

ایک صاحب کو اپنی گستاخیوں اور کوتاہیوں کی بنا پر خیال ہوا حضرت والا مجھ پر ناراض ہوں گے اس لیے معذرت کا خط لکھا۔

حضرت والا قدس سرہ، نے تحریر فرمایا:

میرے لیے ڈانٹنے کے واسطے میرا نفس کج رفتار بہت کافی ہے جب غصہ آتا ہے۔ ایسا ہے جیسے اپنے بھائی کی گردن توڑ دینا۔

ایک صاحب نے حضرت نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں ایک شخص کی تعریف کی، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَيْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ اَخِيْكَ (مشکوۃ شریف ۴۱۲) (افسوس تجھ پر تو نے اپنے بھائی کی گردن کو توڑ دیا۔) تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

اگر کسی جلسہ وغیرہ میں تشریف لے جانے کے موقع پر زندہ باد کے نعرے لگ جاتے تو سخت ناراضگی ہوتی کہ تحمل نہ فرماسکتے۔ اس لیے بعض دفعہ شدت ناراضگی اور آئندہ

اصلاح کی خاطر فوراً اسی وقت واپس تشریف لے آتے، اگر لوگ غلطی کا اعتراف کر کے آئندہ اس سے احتراز کا وعدہ کرتے اور واپس وہاں بیٹھنے پر اصرار کرتے تو پھر قیام بھی فرما لیتے۔

غرضیکہ نام و نمود، تعریف و شہرت سے سخت نفرت اور اس سے کوسوں دور بھاگتے۔ عزلت وگوشہ نشینی آپ کو طبعاً مرغوب تھی، مگر آپ دنیا سے جتنا بھاگتے تھے دنیا اتنا ہی آپ کی طرف لپکتی تھی،، دوڑتی تھی، آپ نے جتنا چھپنا اور گمنام ہونا چاہا قدرت نے اتنا ہی آفتاب ومہتاب بنا کر چمکایا۔

(۲۸۷)

(۴۱) وہ نہیں آتے تو تو ہی چل مفتی!

حضرت نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ گنگوہ پہنچا، مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ کے ناظم صاحب کسی طویل سفر سے واپس ہوئے تھے، کہلا بھیجا کہ میرے گھٹنوں میں درد ہے اس لیے حاضری سے معذور ہوں ملاقات کو جی چاہتا ہے اس پر انکی خدمت میں حاضر ہوا اور ملاقات پر شعر کہا

وہ نہیں آتے تو تو ہی چل مفتی! اس میں کیا تیری شان جاتی ہے۔

ناظم صاحب نے کہا کہ میرا مطلب یہ تھا کہ حکیم محمود صاحب کے یہاں تو آپ تشریف لائیں گے۔

ہی، میں وہی ہیں حاضر ہو جاؤں گا کہ وہ قریب ہے۔ (اس سے حضرت اقدس کی کمال تواضع وعبدیت فنائیت جیسے اوصاف ظاہر ہیں) (۳۸۸)

۴۲ ''اس کا مجھے علم نہیں''۔

آپکے تلمیذ رشید حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فقیہ حضرت استاذی مفتی محمود صاحب دامت برکاتھم جن کا ہرفن میں عبور اور حاضر جوابی ہرایک کو مسلم ہے، اکثر ان کن کو فرماتے ہوئے سنا کہ اسکا مجھے علم نہیں۔

(آداب المعلمین ۳۴)

۴۳ ''اب مجھ سے اس طرح نہیں پڑھایا جاتا کیونکہ طلبہ زیادہ فاضل ہونے لگے''۔

عرض کیا گیا کہ حضرت مولانا صدیق صاحب مدظلہ، باندوی نے جناب سے کیا کتابیں پڑھیں؟ ارشاد فرمایا نورالانوار میں مفتی یحیی صاحب مدظلہ، کے ساتھی تھے، مفتی یحیی صاحب کاپی میں سبق کے دوران کچھ لکھتے تھے معلوم ہوا کہ تقریر وغیرہ نہیں لکھتے ابلکہ صرف یہ لکھتے ہیں کہ کن کتابوں کا حوالہ بالا دیا اس وقت کتاب دیکھنے اور حوالہ دینے کا بہت شوق تھا باقی اب مجھ سے اسطرح نہیں پڑھا جاتا کیونکہ طلباء زیادہ فاضل ہونے لگے۔

اللہ اکبر کیا تواضع ہے کہ کمی طلبہ کی کہ شوق ومحنت نہ ہونے کی وجہ سے اچھی طرح کتاب کے مضامین کما حقہ سمجھنے کی استعداد ہی نہیں ہوتی مگر اس کی نسبت بھی اپنی طرف فرمائی کہ مجھ سے پڑھایا نہیں جاتا۔ ہم لوگ اپنا قصور، اپنی کمی سب طلبہ کے سر تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔

(ملفوظات فقیہ الامت، جلد ۱ حصہ سوم ۱۰۵)

(۴۴) ''اس مٹی کے ڈھیر کو اٹھا کر جہاں چاہے رکھدو''۔

ارشاد فرمایا کہ مولانا مسیح اللہ خان صاحب مجاز حضرت تھانویؒ سے میرے تعلقات طالب علمی کے زمانہ سے ہیں وہ عمر میں مجھ سے کچھ چھوٹے ہیں مگر علم وعمل میں بہت بڑے ہیں، اسوقت آپس میں ہنسی مذاق بھی ہوتی تھی، لیکن جب سے مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ ان کو حضرت تھانویؒ کی طرف سے خلافت مل گئی، میں نے ان کے ساتھ ہنسی مذاق کا معاملہ بند کردیا اور کہدیا کہ اب میں آپ سے ہنسی مذاق کا معاملہ نہ کروں گا بلکہ جس طرح عقیدت مند خادم حاضر ہوتا ہے احترام کے ساتھ حاضر ہوا کرونگا، انہوں نے فرمایا کہ نہیں آپکو اسی طرح رہنا ہوگا، میں نے عرض کیا کہ اب تو وہ ہوا گئی، چنانچہ اس کے بعد سے عقیدت مندانہ ادب واحترام کے ساتھ حاضر ہوتا ہوں وہ بھی شفقت ومحبت کے ساتھ ملتے ہیں اپنے برابر میں

بٹھاتے ہیں۔ میں کہہ دیتا ہوں کہ اس مٹی کے ڈھیر کو اٹھا کر جہاں چاہے رکھ دو۔
(ایضاً ص ۱۰۲)

(۴۵) ''میری بکواس کیا سناتے ہو؟''

رمضان شریف ۱۴۰۷ھ مسجد چھتہ دارالعلوم دیوبند میں گزارا، بعد تراویح و وتر وغیرہ مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی نے حضرت کے وہ مواعظ سنانے چاہے جو سال گذشتہ رمضان ۱۴۰۶ھ میں مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل (گجرات) میں بحالت اعتکاف بعد تراویح ہوئے تھے تو ارشاد فرمایا ''ارے! کسی بزرگ کی لکھی ہوئی کتاب پڑھو۔ میری بکواس کیا سناتے ہو''۔ اس کے بعد خود مکاتیب رشیدیہ اٹھا کر دی اور اس میں سے مولانا صدیق احمد صاحب انبیٹھوی خلیفہ حضرت گنگوہیؒ کے نام حضرت گنگوہیؒ کے خطوط پڑھنے کے لئے فرمایا جن میں حضرت گنگوہیؒ کی تواضع وانکساری کے مضامین تھے حسب ارشاد وہ سنائے گئے۔
(ص ۱۱۲)

(۴۶) ''محبّ کو محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے۔''

عرض کیا گیا کہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑی (صاحب عرفان محبت) آپ کا ذکر بہت محبت سے فرماتے ہیں، ارشاد فرمایا محب کو محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے۔ ان کو اللہ سے محبت ہے اس لئے اللہ کی سب مخلوق سے محبت ہے۔ (اہل اللہ و اہل حق کا کسی سے محبت فرمانا دلیل کمال سمجھا جاتا ہے۔ مگر حضرت والا پر کس درجہ تواضع وعبدیت کا غلبہ ہے کہ اپنے آپ کو کس طرح تمام مخلوق میں شامل فرمایا جس سے حضرت والا کی قلبی کیفیت کی ترجمانی ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو عام مخلوق کے اندر شامل سمجھتے ہیں۔ اپنے واسطے کوئی امتیاز یا اپنی طرف کسی کمال کی نسبت گوارہ نہیں) (ص ۱۱۴)

(۴۷) ''دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر''۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب سے میری تین مرتبہ ملاقات ہوئی۔ ایک مرتبہ اس وقت جب کہ وہ لکھنو بغرضِ علاج تشریف لائے ہوئے تھے میں حاضر ہوا تو

قریب کر کے میرے ہاتھ چوم لئے اور بعد میں سو روپیہ عطیہ بھجوایا، میں نے قاصد سے کہا کہ میرے قلب میں مال کی محبت محسوس فرمائی مجھے مال عطا فرمایا۔

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر۔

جن کے قلوب میں دین کی طلب ہوتی ہے ان کو دین عطا ہوتا ہے۔ دوسری مرتبہ جب کہ صحت یاب ہو کر لکھنو سے بمبئ تشریف لے جا رہے تھے میں اسٹیشن پر حاضر ہوا اس وقت بھی سو روپیہ عطیہ دیا۔ تیسری مرتبہ جبکہ میں سفر حجاز سے واپس آ رہا تھا۔ بمبئ میں ملاقات ہوئی مگر اس مرتبہ پہچانا نہیں۔ بعد میں عطیہ بھجوایا۔ میں نے لکھا کہ: ''ادب تو مجھ بے ادب کو آتا نہیں لیکن اتنا ہے کہ جب بلا استحقاق یہاں اتنی شفقت ہے تو امید ہے کہ وہاں (آخرت میں) بھی شفقت فرمائیں گے''۔ (حصہ چہارم ص ۱۰۲)

(۴۸) ''پوری دنیا میں خود سے نکما اور ناکارہ کسی کو نہیں پایا''

ارشاد فرمایا کہ لندن ایک تبلیغی اجتماع ہوا۔ جس میں ایک صاحب نے تقریر کی جو غیر عالم تھے، بہت طویل دو گھنٹہ تقریر کی اور دو سو کے قریب حدیثیں بیان کیں، عربی عبارت کے بغیر، اور میں سب حدیثوں پر غور کرتا رہا۔ سب صحیح تھیں۔

پھر ارشاد فرمایا کہ ''ساری دنیا میں چل پھر کر دیکھ لیا، بس خود سے نکما اور ناکارہ کسی کو نہیں پایا، بس کھایا، پیا اور سو گئے، یاکلون و یتمتعون کما تاکل الانعامُ''۔ (یہ فرما کر حضرت کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے) (جلد ۲، حصہ ۸، ص ۷۳)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی پوری زندگی ہی ان اوصاف سے متصف تھی۔ ان سطور کو ہی اس کا نمونہ سمجھنا چاہیے۔ باطنی محاسن و کمالات حق تعالیٰ شانہ نے یوں تو سب ہی حضرت رحمہ اللہ کی ذات میں علیٰ وجہ الکمال ودیعت فرما دیئے تھے، مگر شاید تواضع و عبدیت کا وصف سب سے بڑھ کر تھا، جس کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے آپ کاملین کی بلندیِ معراج تک پہنچا دیا۔ (حیاتِ محمود، جلد ۱، ص ۲۵۸)

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمہ اللہ کے واقعات:۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ معروف حدیث من تواضع لله رفعه الله حضرت کو دیکھ کر اس کی تصدیق ہوتی کہ ایک طرف تو ہمارے حضرت مجسم تواضع تھے، کوٹ کوٹ کر حضرت کے اندر تواضع وانکساری بھری تھی کہیں نام کو بھی اپنی کسی حیثیت کا یا اپنی کسی شخصیت کا کسی طرح کا احساس نہ تھا اور دوسری طرف حضرت کی ایک عام عزت اور حضرت سے بے انتہاء عقیدت ومحبت پائی جاتی ہے۔

اور بڑوں نے تو لکھا ہے کہ تواضع کی حقیقت یہ نہیں کہ کسی کام کو یہ سوچ کر اختیار کیا جائے کہ یہ ہمارے منصب سے تو فروتر ہے لیکن لاؤ کر لیں۔ بلکہ اس کی حقیقت یہ احساس وتاثر ہے کہ ہم اس لائق بھی نہیں ہیں۔ حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ''تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ حقیقت میں اپنے کو لاشئے سمجھے اور ہیچ سمجھ کر تواضع کرے، اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے''۔

(بصائر حکیم الامت)

باوجود یہ کہ حضرت اپنے احوال واحساسات کو چھپایا کرتے تھے لیکن حضرت کے جو حالات ہمارے علم میں ہیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت کے یہاں تواضع اسی معنیٰ میں تھی: ''میں کچھ بھی نہیں اور میں اس لائق بھی نہیں''۔ بقول مولانا محمد احمد علیہ الرحمۃ

یہ دل کی ہے آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
اس پر ہے مجھے ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔

اہل اللہ کے یہاں یہ بہت اونچا مقام ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ''اگر کسی کو ساری عمر کی محنت وکوشش کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ مجھ کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا تو اس کو سب کچھ حاصل ہو گیا''۔ (انفاس عیسیٰ)

اسی کو اہل اللہ کے یہاں ''فنائیت'' اور خود کو فنا کر دینے سے تعبیر کرتے ہیں اور سنئے! مفتی محمد

شفیع صاحب نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب قدس سرہ، کے متعلقین اوران کے مریدین کواللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے یہ چیز عطا فرمائی ہے یعنی فناء۔اس لئے ان کے اندر حب جاہ نہیں ہوتا اور جسمیں یہ چیز (حب جاہ سے دوری)نہیں تو سمجھ لو کہ اس کا اس سلسلے سے تعلق یا تو صحیح نہیں ہے یا وہ تعلق بہت کمزور ہے اور جو اس سلسلے سے صحیح طور پر وابستہ ہے اس کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ اس میں تکبر نہیں ہوگا،تعلی نہیں ہوگی،دعوی نہیں ہوگا اور اپنے کواونچا سمجھنے کا کوئی شائبہ نہیں ہوگا۔

(مجالس مفتی اعظم ص ۵۲۳)

کہاں کہاں !کس کس صورت میں اور کس کس چھوٹے و بڑے کے ساتھ حضرت کی تواضع کے واقعات پیش نہیں آئے ،وہ تو کمال تواضع میں انتہائی چھوٹوں کا ایسا اکرام کرتے اور بڑھاتے کہ اگر حق تعالیٰ کی طرف سے یاوری نہ ہوتو وہ غلط فہمی کا شکار ہو جائیں اور بقول بعض کہ ''جہنم کا سفر اگر سست روی سے کررہے ہیں تو لپک کر پہنچ جائیں''۔

حضرت کی تواضع کے بڑے قصے اور بڑی لمبی داستان ہے مگر سوانح کا حاصل تو یہی واقعات ہیں جو ہمارے لئے سامان عبرت ہیں اس لئے ان کے ذکر میں بخل کیوں کیا جائے۔

حضرت کا معاملہ یہ تھا کہ کہیں لے جاؤ،کسی سواری سے لے جاؤ،کہیں بٹھادو اور کہیں بھی بیٹھ جاتے اور لیٹ جاتے۔ہم لوگوں نے خود حضرت کے ساتھ ٹرین کے دروازے اور استنجاء خانے کے پاس بیٹھ کر سفر کیا ہے،بسا اوقات حضرت بنفس نفیس بے تکلف ہم لوگوں کے کمرے تک آجاتے اور کہیں بھی بیٹھ جاتے۔

(تذکرۃ الصدیق۔جلد(۱)ص ۴۶۹ تا ۴۷۰)

(۱)''دروازے پر بیٹھ کر چائے پی'':۔

ایک مرتبہ کافی سردی تھی،ہم لوگ ایک کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے،صبح کا وقت تھا،اتنے میں حضرت تشریف لے آئے خوب اوڑھے اور کچھ کانپتے ،ہم لوگوں نے

فوراً چائے پیش کی اور عرض کیا کہ پی لیں، بہت انبساط سے قبول فرمائی اور کمرے کے دروازے ہی پر بیٹھ گئے ہم سب کہتے اور عرض کرتے رہ گئے مگر چند منٹ میں پی کر چل دیئے۔ (ص ۴۷۱)

(۲) ''دینی مدارس وغیرہ میں بیان سے ادب اور تواضع مانع ہوتی تھی'':

ہمارے حضرت کا جو ایک یہ معمول رہا کہ ملک کے تین مرکزی ادارے دارالعلوم دیو بند، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ ان تینوں میں انتہائی اصرار اور بار بار کی گذارش کے باوجود بیان پر کبھی آمادہ نہ ہوئے (ایک مرتبہ ندوہ میں ضرور تیار ہو گئے تو بڑے اہتمام سے بیان ہوا) نیز اسی طرح وقت کے معروف ومسلّم اکابر اگر کسی اجلاس میں اسٹیج پر موجود ہوں یا بہت قریب تو حضرت کسی طرح بیان کو تیار نہ ہوتے، اس میں ایک تو یہ بات تھی کہ حضرت کو ان اداروں کے مقام اور ان حضرات کی عظمت کا لحاظ تھا اور حضرت فرمایا کرتے تھے:

''آدمی ہر جگہ کہنے کے لیے ہی نہیں جاتا اور نہ ہر جگہ کہنے کی ہوتی ہے، بعض جگہوں پر آدمی کچھ حاصل کرنے بھی جاتا ہے''۔

ایک مرتبہ مغربی یوپی سہارنپور وغیرہ کے سفر کا ایک نظام بن رہا تھا تو ذمہ داروں سے فرمایا:

''بھائی! خیال رہے وہ علاقہ ہمارے بڑوں کا ہے، مجھے اس قسم کی بات پسند نہیں ہے اس لئے زیادہ اہتمام نہ ہو''۔

مدرسہ شاہی مراد آباد کے ساتھ بھی دارالعلوم ومظاہر علوم جیسا معاملہ تھا فرماتے تھے: ''جس ادارے میں درس لیا، اس میں درس دوں یا بیان کروں، یہ سوء ادب ہے''۔

اس کے ساتھ اور اس پہلو سے بڑھ کر حضرت کی تواضع مانع ہوتی تھی کہ وہ اپنے آپ کو ان مواقع کے لئے کسی طرح بھی اہل نہیں سمجھتے تھے، اور کہاں کہاں حضرت کے پیش نظر یہ بات رہتی تھی کیا کہا جائے''۔ (ص ۴۷۱)

(۳) ''وہ حضرات بڑے تھے ہر کام میں بڑوں کی ریس نہ کرنی چاہیئے''۔

بارہا بات آئی کہ حضرت کے یہاں جو مہمانوں کی اور تعویذ والوں کی آمدورفت کی کثرت ہے، کوئی وقت نہیں، جس کی وجہ سے آپ کو بڑی زحمت ہوتی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ زحمت ہوتی تھی اور حضرت اس کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ تو عرض کیا گیا کہ ایک نظام بنالیا جائے جیسے دوسرے اکابر کے یہاں ہوتا تھا اور ہورہا ہے تو فرماتے: ''وہ حضرات بڑے تھے، ہر کام میں بڑوں کی ریس نہ کرنی چاہیئے''۔ (ص۴۷۲)

(۴)۔۔۔۔۔''ہم تو اُدھر کے کتے ہیں سب وہیں سے ملا ہے''۔

ایک مرتبہ مغربی یوپی کے اطراف کے بعض حضرات نے بیعت کی درخواست کی تو فرمایا:

''آپ لوگ تو اس علاقے کے ہیں۔ وہیں سے تعلق قائم کیجئے، یہاں ہم سب تو ادھر ہی سے سب حاصل کرتے ہیں اور ہم تو اُدھر کے کتے ہیں سب وہیں سے ملا ہے''۔

(ص۴۷۲)

(۵) ''لوگ مجھ کو پتہ نہیں کیوں بزرگوں میں شمار کرنے لگے''؟:

حضرت کے اسفار اندرون ملک تو خوب ہوتے رہے، ظاہر ہے کہ باہر بھی نہ صرف واقفین بلکہ حضرت کے مستفیدین ومسترشدین بھی تھے۔ ایک عرصہ سے اکابر کی بیرون ملک افریقہ وغیرہ آمدورفت ہے، متعلقین نے حضرت سے بھی درخواست کی اور اصرار بھی کیا۔ حضرت عذرومعذرت میں اپنے مشاغل وحالات کے ساتھ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

''ارے! میں کہاں اس لائق ہوں اور یہ اچھا نہیں ہے، لوگ کہیں گے اب یہ بھی اڑنے لگا ہے اور بزرگ بن رہا ہے۔ بہت اصرار ہونے پر بسا اوقات یہ بھی فرمایا کہ حضرت مفتی (محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ) صاحب کا سفر ہو تو ان کے ساتھ اور ان کے ہوتے ہوئے سفر کراؤ کہ حضرت رہیں گے تو میں تابع ہوں گا''۔

اگر چہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمتہ کے قیام افریقہ کے زمانے میں ایک ہی سفر ہوا جو رمضان ۱۴۱۲ھ کا تھا اور بقیہ اسفار حضرت نے تنہا فرمائے لیکن جب گئے تو بہت مجبور ہو کر اور حضرت مفتی صاحب وغیرہ کی طرف سے اجازت ملنے اور کہے جانے پر تشریف لے گئے۔

افریقہ کے پہلے سفر کے بعد ایک صاحب کی طرف سے عمرہ کی پیشکش پر فرمایا: ''لوگ مجھ کو پتہ نہیں کیوں بزرگوں میں شمار کرنے لگے''؟۔

اور یہ بھی فرمایا: ''مجھ کو ان چیزوں سے الجھن ہوتی ہے، افریقہ گیا مگر آج تک قلق ہے کہ لوگ کہیں گے بڑا بننے لگا۔ آج رات بھر نہیں سو سکا کہ کیا کروں''۔

ہوائی جہاز میں اور ٹرین میں اے سی کلاس وغیرہ سے سفر میں زیر باری کے ساتھ اس قسم کا احساس بھی شامل رہتا تھا، اس لئے انکار فرمایا کرتے تھے اور بہت مجبوری میں، با دل نخواستہ قبول فرماتے۔

کوئی موقع آ جاتا تو حضرت کو نہ تو اپنے آپ کو آخری درجہ تک جھکا دینے میں عار تھا اور نہ آخری درجہ کی کسی خدمت سے انکار تھا خواہ کسی کی ہو، ضروری نہ تھا کہ اکابر و اساتذہ کی خدمت ہو، حضرت کے لئے ہر خادم دین اس کا مستحق تھا بلکہ ہر چھوٹا و بڑا اور خاص و عام۔ (ص ۴۷۲)

(٦) ''میں اپنی ٹوپی آپ لوگوں کے سامنے یا آپ لوگوں کے پیروں پر رکھتا ہوں اس مسئلہ کو ختم کیجئے!''۔

باہمی نزاعات و اختلافات جن کو حل کرنے کے لیے حضرت بکثرت بلائے جاتے تھے اور حضرت کو خود اس کی فکر رہتی تھی، ان میں بارہا یہ ہوا کہ حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا گیا: ''میں آپ لوگوں سے ہاتھ جوڑ کر یہ کہتا اور یہ چاہتا ہوں''۔ یہی نہیں، نہ جانے کتنی مرتبہ یہ بھی ہوا کہ حضرت نے فرمایا اور کیا کہ: ''میں اپنی ٹوپی آپ لوگوں کے سامنے یا آپ لوگوں کے پیروں پر رکھتا ہوں اس مسئلہ کو ختم کیجئے''۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت

جب اس حد تک آ جاتے تو پھر مسئلہ کہاں باقی رہ سکتا تھا۔

اور بسا اوقات تو حضرت بعض طلبہ کی حرکتوں سے عاجز آ کر بھی اس قسم کے جملے ارشاد فرماتے تھے کہ "ہاتھ جوڑتا ہوں،" "پیروں پر پڑنے کو تیار ہوں اب یہاں سے چلے جاؤ"۔

(ص ۴۷۳)

(۷) اپنی ٹوپی سر سے اتار کر طالبعلم کے پاؤں پر رکھدی:۔

بلکہ یہاں تک ہوا کہ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے ایک غیر مسلم کے تیتر پکڑ لیئے، اس نے آ کر ناراضگی کا اظہار کیا، حضرت نے غیر مسلم کی رعایت میں بلا کر سامنے ہی سخت سزا دی بعد میں اس طالب علم سے کہا کہ معاف کردو تو اس نے کہا کہ ہرگز معاف نہ کروں گا اور اڑا (بضد) رہا، بالآخر حضرت نے ٹوپی سر سے اتار کر اس کے پیروں پر رکھدی اور آبدیدہ ہو کر فرمایا: "اس کی لاج رکھ لو معاف کردو" تو اس نے کہا معاف کیا تب حضرت کو سکون ہوا۔ (ص ۴۷۳)

(۸) "اکابر، اہل علم اور خدّام دین کی خدمت:"

حضرت نے اپنے بڑوں کی جو خدمت طالب علمی میں کی وہ تو کی، لیکن اس کے بعد بھی جن کو بڑا سمجھا اور کہا اور جو بڑے تھے سب کی بے تکلف خدمت کرتے رہے۔ یہ عام بات تھی کہ حضرت اکابر میں کسی کے پاس ملنے پہونچے اور ذرا ہی دیر کے بعد حضرت ہاتھ پیر دبانے میں مصروف ہو جاتے۔ ان حضرات کی معذرت کے باوجود حضرت با اصرار اس کام کو کرتے۔

اگر کوئی پیروں کے لئے راضی نہ ہو تو سر کی مالش و تیل کے لئے تیار رہتے، بہت کم ایسا ہوتا کہ ایسے حضرات حضرت کو باز رکھ سکیں بلکہ مجبوراً ان کو گوارا کرنا پڑتا خواہ تھوڑی دیر کو ہی اور ظاہر ہے کہ وہ یہی کہتے کہ: "ہم تو یہ سوچ رہے ہیں کہ ان کے ہاتھوں کی برکت ہمارے بدن کو حاصل ہو جائے"۔

حضرت کا یہ معاملہ صرف ان حضرات کے ساتھ ہی نہ تھا جو حضرت کے باقاعدہ

استاد واکابر تھے بلکہ دوسرے حضرات جن سے کسی استفادہ کا تعلق نہ تھا لیکن بڑے اہل علم میں تھے اور دین کے خادم تھے حتیٰ کہ جو معاصر طلباء میں رہے تھے مگر حضرت سے عمر میں بڑے اور آگے تھے اور حضرت نے ان سے کچھ استفادہ کیا تھا ان کے ساتھ بھی یہ معاملہ تھا۔ ہم سب نے بار بار یہ مناظر دیکھے ہیں۔

بلکہ علاقے کے غیر عالم پیروں (بوڑھوں) کی جسمانی خدمت سے بھی حضرت کو دریغ نہ ہوتا تھا، دیکھنے والوں نے ان کا پیر دباتے بھی دیکھا ہے۔ (ص ۴۷۴)

(۹) ''طلبہ کی خدمت کے عجیب واقعات'':۔

اور بڑے تو بڑے ہی تھے طلبہ کی ہر قسم کی خدمت کرتے ۔ سفر میں ایک بیمار طالب علم ساتھ تھا اس کو قے ہوگئی، کپڑے خراب ہو گئے اور بھی کئی لوگ موجود ہیں، کئی چھوٹے ہیں وہ کہہ رہے ہیں اور چاہ رہے ہیں کہ ہم بچے کے کپڑے صاف کردیں مگر با اصرار ان کو منع کردیا اور خود کیا۔

مدرسہ کے ایک طالب علم جس کے بدن کو بے انتہا زخم نے ایسا کر دیا تھا کہ اس کے کمرے کی طرف سے لوگ نہیں گذرتے تھے مگر حضرت اس کا بدن و بستر سب صاف کرتے اور بعض نابینا طلبہ کے بدن و کپڑوں سے میل نکالتے اور ان کو نہلاتے دھلاتے ۔

یہی نہیں اور سنئے!

ایک زمانے تک مدرسہ کے لئے لکڑیاں جنگل سے آتی تھیں اور دور تک جنگل میں جانا پڑتا ، ببول و کھجور کے کانٹوں سے گذرنا ہوتا، بسا اوقات بچاتے بچاتے وہ کانٹے بری طرح پیروں میں چبھ جاتے ۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم کے پیروں میں کھجورر کا کانٹا جو لمبا اور مضبوط ہوتا ہے چبھا اور ٹوٹ گیا، ساتھ میں جو طلبہ تھے وہ کوشش کرتے رہے مگر نہ نکال سکے، ہاتھ سے پکڑ کر نکالنا چاہتے تھے مگر چونکہ بہت معمولی سا حصہ باہر تھا اس لئے وہ پکڑ میں نہیں آرہا تھا، حضرت ساتھ تھے اور لکڑیاں جمع کرنے میں مشغول تھے، علم ہوا تو فرمایا لاؤ میں نکالدوں، میں تم لوگوں سے اچھا کانٹا نکال لیتا ہوں، سہولت کے لئے اس طالبعلم کو لٹا

دیا گیا تھا تا کہ پیر اوپر کر کے کانٹا نکالنے میں آسانی ہو، حضرت نے اس کا پیر پکڑا اور اپنے منہ کی طرف لے چلے کہ دانتوں سے پکڑ کر نکال لیں، ایک مناسب تدبیر یہی تھی، اس کا احساس کر کے کئی طلبہ بول اٹھے کہ حضرت آپ یہ نہ کریں، ہم کرتے ہیں مگر ان کے کہتے کہتے حضرت نے پیر میں منہ و دانت لگا کر فوراً کانٹا کھینچ لیا۔ اور طلبہ سے فرمایا:

''یہ حق مجھ کو ہی تھا کیونکہ یہاں میں ہی تمہارے لئے ماں باپ ہوں''۔

ایک طالب علم ایک مرتبہ کافی بیمار تھا، حضرت اس کو لیکر باندہ گئے اور رکنا پڑا تو حضرت ہی تنہا خادم تھے۔ رات کو حضرت نے یہ کیا کہ اس کو تو چار پائی پر لٹا دیا اور خود نیچے اپنے ہاتھ میں ایک رسی باندھ کر اس کے پاس رکھ دی کہ ضرورت پر کھینچ دینا۔

(ص ۴۷۵)

(۱۰) ''شاید کسی آنے والے کی دعا کام کر جائے''۔

ایک مرتبہ ایک سلسلہء گفتگو میں فرمایا: ''میں کسی مسلمان کو حقیر نہیں سمجھتا اور کیوں سمجھوں کہ میں خود گنہگار ہوں''۔ جیسے کہ حضرت نے آنے جانے والوں کی فکر و خدمت کی نسبت سے جو ایک مرتبہ یہ فرمایا: ''شاید کسی آنے والے کی دعا کام کر جائے'' اور رو دیئے۔ اور یہ جو فرمایا: ''لوگ مجھ کو بلاتے اور اصرار کرتے ہیں ہوسکتا ہے کہ میں ان کی جگہ ہوتا''۔ یہ بھی حضرت کی تواضع ہی ہے۔ (ص ۴۷۶)

(۱۱) ''بیت الخلاؤں کی صفائی''۔

حضرت کبھی کبھی طلبہ سے فرماتے تھے: ''تم ٹھیک سے رہو تو میں تمہارا سب کچھ کرنے کو تیار ہوں، پاخانہ اٹھانے اور دھونے کو تیار ہوں''۔

حضرت کا یہ ارشاد کوئی مجازی جملہ نہ تھا بلکہ حقیقت پر مبنی تھا اور حضرت نے عملاً بارہا اس کا ثبوت دیا۔ اور حضرت کے اس مزاج نے بہت سے طلبہ ہی نہیں بلکہ مدرسہ کے دوسرے کارکنوں کو بھی حسب موقع ایسے کاموں کی توفیق دی۔

مدرسہ میں ایک زمانے میں چند بیت الخلاء پرانے انداز کے پختہ بنا دیئے گئے تھے، عام

نظام تو جنگل کا تھا مگر آنے جانے والے پھر بعض طلبہ اور بعض اوقات کے پیش نظر یہ بیت الخلاء بنائے گئے۔

گاؤں میں ایسا کوئی نظم نہ تھا جس کے واسطے سے اس کی با قاعدہ صفائی ہوتی، حسب موقع اس کی صفائی کا کام حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ ہی انجام دیتے اور اس کے لئے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے۔ تواضع اور اس کا اخفاء دونوں ہی پیش نظر تھے۔

مولانا زکریا صاحب کا ذکر کردہ واقعہ خوب لکھا اور پڑھا وسنا گیا ہے آپ بھی پڑھیں کہ:

''ایک مرتبہ درمیان رات میں مولانا کو بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش آئی، مولانا اٹھ کر بیت الخلاء کی عمارت کی طرف گئے تو دور سے محسوس ہوا کہ کوئی بیت الخلاء کی صفائی کر رہا ہے۔ آگے بڑھے اور دلچسپی سے غور کیا کہ آخر کون اس وقت یہ کام کر رہا ہے تو دیکھا کہ حضرت رحمہ اللہ لنگی اور بنیائن زیب تن فرمائے صفائی میں مصروف ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر نہ تو مجھے آگے بڑھنے کی ہمت ہوئی اور نہ ہی حاجت کا تقاضا رہا، چپ چاپ واپس ہو کر دیکھتے رہے۔ چنانچہ حضرت نے پورے بیت الخلاء کو صاف کیا، صفائی کا سامان ایک طرف رکھ کر کنویں کے پاس گئے، نہا کر کپڑے بدلے اور تہجد میں مصروف ہو گئے''۔

یہ ایک واقعہ اور ایک دن کا قصہ نہ تھا، یہ بیت الخلاء جب تک برقرار اور مستعمل رہے تو تب تک صبح سویرے جب یہ صاف ملے تو حضرت کی تواضع کا کرشمہ تھا۔

اور فلش بیت الخلاء بن جانے کے بعد بھی یہ سلسلہ اس وقت تک چلا جب تک کہ مدرسہ میں صفائی کے لئے باقاعدہ آدمی نہ رکھ لیا گیا۔ دھیرے دھیرے مدرسہ میں فلش کی تعداد بہت ہو گئی پانی کی سہولت ہو گئی اور خاص انداز کے ٹینک بن گئے تو اب بیت الخلاء کی صفائی کا مسئلہ اہم نہ رہ گیا تھوڑی بہت ضرورت ٹنکی کے بہتے ہوئے پانی اور اس سلسلے کے ملازمین سے پوری ہو جاتی ہے۔

ورنہ ابتداءً تو صرف مہمان خانہ ومہمانوں کے لئے دو فلش بیت الخلاء بنے تھے اور ان کا ٹینک

سوختے والا تھا، پانی کا نظم بھی زیادہ نہ تھا، تو بیت الخلاء کی صفائی کی خصوصی ضرورت ہوتی تھی بالخصوص کسی اہم مہمان کی آمد کے موقع سے اور وقتاً فوقتاً ٹینک کی صفائی برابر ہوتی تھی اور مزید جب ایسے بیت الخلاء بنے تو انکی دھلائی وصفائی ہوتی رہتی تھی۔ اس سارے کام میں حضرت کی صرف دلچسپی نہیں بلکہ شرکت ہوتی تھی، بالخصوص سوختے کے ٹینک کی صفائی حضرت خود عملاً لگ کر کراتے اور بسا اوقات ٹینک میں خود اترتے اور دوسروں کو اترنے نہ دیتے۔ (ص ۴۷۶، ۴۷۷)

(۱۲) ''اپنی تعریف وتوصیف اور القابات پر اظہارِ ناپسندیدگی کے واقعات'':۔

اکابر اپنی تعریف وتوصیف بالکل پسند نہیں کرتے بالخصوص بیجا القاب وغیرہ ، ہمارے حضرت اور زیادہ اس کو ناپسند فرماتے تھے، لوگوں نے حضرت کے نام کے ساتھ ''عارف باللہ'' کا وصف استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اشتہارات میں حضرت کے نام کے ساتھ بسا اوقات یہ وصف بھی شامل ہوتا تو حضرت کے علم میں بھی آتا رہتا۔ کئی مرتبہ طلبہ کے سامنے اس کا اس انداز میں تذکرہ فرمایا جس سے اس حرکت اور ایسے اقدام کی بے وقعتی ثابت ہو اور یہ کہ حضرت اس کے اہل نہیں۔

اور ایک مرتبہ تو یہ ہوا کہ کانپور کے ایک جلسے کے اشتہار میں یہی کیا گیا، حضرت تشریف لے گئے، علم ہوا تو حضرت خطاب میں ناراض ہوئے، اسٹیج پر کانپور کے علماء بھی تھے۔ حضرت نے فرمایا:

''میرے بڑوں کے ہوتے ہوئے آپ لوگ آخر میرے ساتھ یہ معاملہ کیوں کرتے ہیں، قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آئندہ سے میں نے کسی اشتہار میں اپنے نام کے ساتھ ''عارف باللہ'' کے الفاظ دیکھے تو آکر چلا جاؤں گا۔

حضرت منہ پر تعریف کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔ بسا اوقات جلسوں میں لوگ ایسا کرتے تو حضرت منع فرما دیا کرتے تھے۔ یا فوراً کرسی پر تشریف فرما ہو جاتے اور ایسی گفتگو کا

رخ موڑ دیا کرتے۔

ہمارے حضرت علیہ الرحمتہ کو حضرت مولانا علی میاں صاحب وغیرہ نے اتر پردیش کے امیر شریعت کی حیثیت سے تجویز کیا تھا۔ حضرت نے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

''میں اس کا ہرگز اہل نہیں، جب سے یہ اعلان ہوا ہے بہت پریشان ہوں''۔

پریشانی کی وجہ حضرت کے مزاج کے علاوہ دوسرے رجحانات کا سامنے آنا تھا۔

(۱۳) ''ایک حیران کن واقعہ'':۔

ہمارے حضرات کی تواضع کے کیا کیا قصے سنئے گا۔ ماضی کے بعض بزرگوں اور بعض ممتاز اکابر علماء دیوبند کے قصے سنے ہیں، اب ہمارے حضرت کا ایک عجیب قصہ سنئے استاد محترم حضرت مولانا نفیس اکبر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''ایک بار میں نے حضرت سے سوال کیا کہ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی صاحب آپ سے ملنے آئے ہوں اور آپ کو پہچانتے بھی نہ ہوں وہ آپ کے ساتھ گاڑی سے اترے ہوں اور تعارف یہاں (مدرسہ) آ کر ہوا ہو''۔

تو حضرت نے مسکرا کر فرمایا: میں باندہ سے بس کے ذریعہ چل کر نومیل پر اترا، ایک صاحب جن کے ساتھ ان کا کافی سامان بھی تھا وہ بھی بس سے اترے۔ میں نے ان سے پوچھا آپ کہاں تشریف لیجائیں گے؟ انہوں نے کہا ہتورا، میں نے پوچھا ہتورا کس کے یہاں جانا ہے؟ تو وہ بولے ''مولانا صدیق صاحب'' کے یہاں۔ میں نے انکا سامان اٹھالیا اور ہم دونوں ہتورا کے کچے راستے پر چل پڑے، راستے میں میں نے ان سے پوچھا کہ مولانا سے آپ کا کیا کام؟ تو وہ بولے جب مولانا صاحب سے ملاقات ہوگی تو انہیں کو بتاؤں گا، میں خاموش ہو گیا اور ڈیڑھ میل کا پیدل راستہ طے کر کے جب ہتورا پہونچے اور اساتذہ وطلبہ سے ملاقات ہوئی اور ان صاحب کو معلوم ہوا کہ ''صدیق احمد'' میں ہی ہوں تو وہ بہت شرمندہ ہوئے، میں نے انکو مطمئن کیا کہ اگر میں اپنا تعارف کرادیتا تو آپ کو یہاں تک کیسے لاتا''۔

واقعی حضرت کا عجیب حال تھا اور اس واقعہ میں تو کئی سبق آموز پہلو اور تواضع درتواضع کی بات ہے۔ظاہر ہے کہ حضرت عالمانہ وضع ولباس میں تو رہتے ہی تھے مگر سادگی کے ساتھ معمولی لباس وکپڑوں میں، آنے والے کے ذہن میں شہرت کے حساب سے جو خاکہ تھا اور جو کچھ انہوں نے دوسری جگہوں میں دیکھا تھا حضرت کا نقشہ اس سے بالکل مختلف تھا، اس لئے انکو خیال بھی نہ گذرا کہ یہ صاحب ہی ہمارا مطلوب ہیں۔

پھر اس کے بعد نہ صرف یہ کہ نام نہیں بتایا، بے تکلف سامان بھی لا دلیا، ظاہر ہے کہ انہوں نے گاؤں کا ایک مزدور صفت آدمی اور ایک دیندار مسلمان سمجھا جس نے حضرت کی عقیدت ومحبت میں حضرت کے ایک مہمان کا سامان اٹھالیا۔

یہ قصہ یا اس انداز کے دو چار قصے وہ ہیں جو روایتوں وذہنوں میں محفوظ ہیں ورنہ نہ جانے کتنے اس طرح کے قصے ہونگے اور ایسی جگہوں کے جہاں حضرت کی شخصیت وحیثیت کی بات جلد کھلی ہی نہ ہوگی۔

آنے والے مہمان کے لئے جو بسا اوقات غیر عالم بھی ہوتے مگر محب علماء، اپنا رمال بچھانا، مصلی لیکر جانا اس کے لئے بچھانا اور بستر چادر وغیرہ کرنا یہ سب تو ہوتا ہی تھا۔(ص ۴۷۹)

(۱۴)''حضرت نے ایک ہی ملاقات میں مجھکو اپنا غلام بنالیا'':۔

اس سے بڑھ کر سنئے!

ہتورا کے قریب ایک دیہات میں ایک ذی حیثیت خان صاحب رہتے تھے انہوں نے اپنا قصہ سنایا کہ میں نے مولانا صدیق احمد صاحب کا غائبانہ نام سنا تھا، ان سے ملاقات نہیں تھی اور نہ ان سے خاص عقیدت ہی تھی۔ایک بار ان سے ملاقات کے لئے چلا''نومیل'' پر بس سے اترا تو مولانا صاحب مل گئے نومیل سے ہتورا تک کچی سڑک تھی، اتفاق سے بارش ہوئی تھی تو کیچڑ تھا اور اس علاقہ کی مٹی بھی عجیب سی تھی میرا بدن بھاری بھر کم تھا مولانا صاحب نے میرا سامان اٹھالیا اور میرے جوتے بھی اٹھالیئے اور اپنے ساتھ مجھے لیکر چل پڑے

۔اب میرے لئے بڑی ندامت کا موقع تھا کہ حضرت میرے جوتے لیکر چل رہے تھے میں نے بہت کہا کہ آپ میرے جوتے مجھے دیدیجئے مگر وہ نہ مانے اور فرمایا'' آپ صرف اپنے کو سنبھالئے، چلئے آیئے سامان اور جوتوں کی فکر نہ کیجئے''!۔

اللہ اکبر! حق تعالیٰ ہم متوسلین کو بھی اس تواضع کا کچھ حصہ عطا فرمادے۔

یہ صاحب کہا کرتے تھے کہ حضرت نے بس اس ایک ہی ملاقات میں مجھ کو اپنا غلام بنالیا۔
حضرت کی تواضع کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ ایک طرف بڑوں کی موجودگی میں بیان نہ فرماتے اور دوسری طرف جلسوں میں جاتے تو حسب موقع توجہ سے بیانات سنتے خواہ بیان کسی کا ہو رہا ہو۔اور اس کے لئے یہ تو فرماتے ہی کہ'' اس سے طبیعت کھلے گی، مضمون سامنے آئے گا اور یہ بھی کہ کیا میں نصیحت کا محتاج نہیں، میں تو بہت زیادہ محتاج ہوں''۔

(ص ۴۸۰)

(۱۵) تواضع کی انتہاء:۔

حضرت کے لئے بڑے سے بڑا ایثار دشوار اور امتحان نہ تھا، انکو دوسروں کی خوشی وراحت اور انکی توقیر وعزت محبوب تھی اس کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار رہتے ،سواری پر راحت کی جگہ دوسروں کو بٹھاتے اور خود مجاہدہ فرماتے مثلاً ٹرک سے سفر کرنا ہے تو جس کی رعایت مقصود ہے اس کو آگے ڈرائیور کے ساتھ بٹھا دیتے اور خود پیچھے بیٹھ جاتے جبکہ اترنے چڑھنے میں بھی زحمت ہوتی اور راستے میں بھی لیکن وہ کوئی گذارش نہ سنتے ،یہی کرتے۔

مفتی شکیل احمد صاحب سیتاپوری نے اپنے ایک سفر کا قصہ لکھا ہے، آپ بھی پڑھیئے ،اس ایک قصہ میں حضرت کا ایثار، دوسروں کی رعایت ،اپنے لئے مشقت پسندی اور تواضع سب کچھ آ گیا ہے، اور مزید دوسروں کی آپ سے انتہائی درجہ کی محبت وعزت بالخصوص برادران وطن کی، اس کا بھی نمونہ موجود ہے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ:

حضرت سمیت ہم دوساتھی باندہ میں روڈویز بس پر سوار ہوئے جو لکھنو جارہی تھی ،بس میں

صرف ایک سیٹ خالی تھی ۔بس میں جب حضرت نے قدم رکھا تو پوری بس میں ہل چل مچ گئی ،کنڈکٹر، ڈرائیوروسواریاں سب کہنے لگے ''بابا آگئے ، بابا آگئے''، بہت سے لوگ اپنی سیٹوں سے اٹھ گئے کہ بابا یہاں تشریف لائیے ،لیکن حضرت کوصرف ہم دونوں کی فکرتھی ۔چنانچہ خالی سیٹ پر ہم دونوں کو باصرار بٹھا دیا،کنڈکٹر نے ایک سواری کو اٹھا کر حضرت کے لئے سیٹ خالی کروائی ،جب حضرت سے اس سیٹ پر بیٹھنے کی درخواست کی گئی تو حضرت نے اس پر بیٹھنے سے سختی سے انکار کردیا اور فرمایا:''اس سیٹ پراس کو بیٹھنے کا حق ہے جو پہلے سے بیٹھا ہوا ہے''یہ کہتے ہوئے حضرت نے اسٹیڈنگ کی جگہ میں اپنی چادر بچھا دیا اوراس پر بیٹھ گئے ۔یہ منظر دیکھ کر ڈرائیور نے جو غیر مسلم تھا گاڑی روکدی اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا:

''بابا!مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا کہ آپ نیچے بیٹھے ہوں اور میں سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی چلاؤں ''حضرت نے فرمایا:''میں بس سے تو اتر سکتا ہوں لیکن کسی کوسیٹ سے اٹھا کراس کی سیٹ پر نہیں بیٹھ سکتا''۔

جب ڈرائیوراورکنڈکٹر ہرطرح کے اصراراورخوشامد میں ناکام ہوگئے تو انہیں مجبوراً گاڑی چلانی پڑی۔اتفاق سے کچھ دور چل کر''آرٹی او''مل گیا،وہ بس پرسوار ہواتو کنڈکٹر نے اپنی سیٹ پر بٹھایا اور حضرت کے بارہ میں بتایا کہ بس میں ہیں اس نے حضرت کو دیکھا کہ بس کے فرش پر بیٹھے ہیں تو اس نے کنڈکٹر کو ڈانٹا اور بڑی لجاجت کے ساتھ حضرت سے عرض کیا کہ بابا سیٹ پر بیٹھ جائیے ورنہ میں سیٹ پرنہیں بیٹھونگا،تو حضرت نے فرمایا:''میں یہی چاہتا ہوں کہ کسی کو اٹھا کر نہ میں بیٹھوں نہ آپ بیٹھیں''آخر اگلے اسٹیشن پر جگہ ہوئی تو حضرت سیٹ پر بیٹھے۔

اسی واقعہ میں رعایت وخیال کی بات یہ بھی سنتے چلئے کہ لکھنو پہونچنے پر شب کے گیارہ بج گئے تو حضرت نے ایک ہوٹل کے پاس رکشہ رکوایا اور رفقاء سے فرمایا:''یہاں سے روٹی خرید لیں اور جہاں ٹھہریں گے وہاں چٹنی پسوالینگے ،اس طرح کام چل جائے گا ،اگر رات کو

روٹیاں پکانی پڑیں تو گھر والوں کو بڑی زحمت ہوگی''۔

لکھنؤ جیسے شہر میں گیارہ بجے شب کا وقت ایسے انتظامات کے لئے بہت زیادہ اہم نہیں ،محلے، ہوٹل پائے جاتے ہیں اور دس گیارہ بجے تک لوگ کھانا کھایا کرتے ہیں مگر کیا رعایت؟ ''روٹی لے لو پکانا نہ پڑے، پھر آگے چٹنی پسوالینگے''۔

اللہ اکبر! کیا مزاج پایا تھا اور کس قدر دوسروں کی راحت کا خیال تھا حالانکہ وہاں بھی جہاں قیام کرنا تھا خاص و بے تکلف لوگ تھے۔

اور حضرت کے یہاں کہیں جانے اور کھانے میں اس قسم کی رعایت کا یہ ایک قصہ نہیں ، یہ تو حضرت کا مزاج تھا، روٹیاں ساتھ لیجانا یا منگانا او پیاز و ٹماٹر وغیرہ کی چٹنی بنالینا ،لوگ کہہ بھی رہے ہوں، پیشکش بھی کر رہے ہوں مگر حالات کا احساس کر کے نہ صرف انکار بلکہ اسطرح ہو جاتے کہ گویا کھانے کی ضرورت ہی نہیں۔ (ص ۵۷۹،۵۸۰)

(۱۶) کپڑے دھونے میں طلبہ کی مدد:۔

حضرت کپڑے بہت جلد اور بہت صاف دھوتے تھے، مدرسہ کے ابتدائی دور میں طلبہ کے ساتھ تالاب و نالے پر تشریف لیجاتے ،سب اپنے اپنے کپڑے دھوتے ،حضرت اپنے کپڑوں سے فارغ ہو کر طلبہ کے کپڑوں میں مدد فرماتے۔

(ص ۵۹۵)

(۱۷) تجارت کے پیچھے مشقت کی عجیب داستان:۔

فرمایا:

''بہت کم چیزیں ایسی ہوں گی جن کی میں نے تجارت نہ کی ہو ،کانپور سے کپڑے ،دری، چپل و جوتے لاد کر لایا کرتا تھا (''نومیل'' سے اتنے سامان کو کئی قسطوں میں لانا پڑتا تھا) اس وقت مجھے کوئی جانتا نہ تھا''

فرمایا: ''میں نے سبزی کی بھی تجارت کی ہے ،باندہ جب جانا ہوتا تو کافی مقدار میں سبزی لے آتا اور یہاں بہت سستی فروخت کرتا، اس میں بھی فائدہ ہوتا تھا، کم از کم اتنا تو فائدہ ہوتا

تھا کہ کھانے بھر کے لئے بچ جاتی تھی''۔

حضرت کا یہ تجارتی مشغلہ بھی سہولت کا نہیں، بسا اوقات کافی مشقت کا ہوتا تھا ایک مرتبہ خود سنایا: ''لوگوں کو معلوم نہیں کہ مجھ پر کیا حالات گذرے ہیں، ایک زمانے میں گذر بسر کی اتنی تنگی تھی کہ میں شہر ''باندہ'' سے آلو خریدتا، اسے چند گٹھڑیوں میں باندھ لیتا تا کہ اٹھانا آسان ہو، بس سے لادکر ''نومیل'' پر لاتا، وہاں سے ''ھتورا'' (دو کلومیٹر کے فاصلہ) تک اس طرح لاتا کہ ایک گٹھڑ کچھ فاصلہ پر اٹھا کر دوسرا گٹھڑ اس سے کچھ آگے لیجا کر رکھتا، اس طرح سارے گٹھڑ یکے بعد دیگرے منتقل کرتا رہتا، رفتہ رفتہ ھتورا پہنچ جاتا۔ یہ آلو ''ھتورا'' میں بیچ لیتا، اصل قیمت نکلنے کے بعد جو آلو بچتے اس سے گھر کا خرچ چلتا، کبھی کبھی آلو ہی پر گذارا کرنا پڑتا''۔

(ص ۲۶۳)

(۱۸) ''حضرت! اہلیت تو نہیں مگر آپ کے فرمانے پر ارادہ کرتے ہیں اور ان شاء اللہ اہتمام کریں گے''۔

حضرت مفتی (محمود حسن گنگوہی) صاحب مدرسہ تشریف لائے، وہ مدرسہ کے چونکہ سر پرست تھے لہذا انکی صدارت میں مدرسہ میں دورہ حدیث شریف کے آغاز کے سلسلہ میں مشورہ ہوا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے کچھ گفتگو کے بعد اس کی تائید فرمائی کہ دورہ شروع کیا جائے جیسے کہ ایک مرتبہ انہیں حضرت جب دیوبند تشریف لے گئے تو مفتی صاحب نے حضرت سے فرمایا: ''کیا آپ سے لڑنا پڑے گا آخر آپ دورہ کیوں شروع نہیں کرتے؟''

بہر حال جب حضرت مفتی صاحب نے ہاں فرمادی تو حضرت نے بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا:

''حضرت! اہلیت تو نہیں مگر آپ کے فرمانے پر ارادہ کرتے ہیں اور ان شاء اللہ اہتمام کریں گے''۔ حضرت کے اس جواب سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت اس بابت کیا سوچتے

اور چاہتے تھے۔ (جلد دوم ص ۱۲۱)

(۱۹) طلبہ کے ساتھ شفقت کا معاملہ:۔

طلبہ کے ساتھ حضرت کا شفقت کا جو معاملہ تھا جس کی وجہ سے طلبہ بسا اوقات غلط فائدے بھی اٹھاتے تھے، اس میں اس کا سوال نہ تھا کہ حضرت طلبہ کو مار پیٹ وغیرہ کی سزا دیں، بہت کم ایسا ہوتا اور جب ہوتا تو دوسرے وقت حضرت اس کی تلافی ضرور فرماتے اور بہت جلد فرماتے اور اس انداز میں فرماتے کہ طالب علم خوش ہو جائے، ابتدائی زمانہ میں ایسا بہت ہوا کہ کسی کو مارا تو بعد میں چونی دی۔

کبھی سزا کے معاملہ میں کچھ چوک بھی ہو جاتی، بہر حال انسان تھے تو اس کی تلافی اور اچھی طرح فرماتے، طالب علم سے معذرت بھی فرماتے اور اس کو پیسے بھی عنایت فرماتے، ایسے اوقات بھی ہوئے۔ بلکہ بعض معتبر حضرات نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ بعض مرتبہ طالب علم عناد پر آ گیا تو حضرت کو بڑی لجاجت واصرار سے اس سے معافی مانگنی پڑی۔

ایک مرتبہ مطبخ کے نظم میں کچھ پریشانی تھی، اس کے تحت گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

''دل کا حال تو خدا بہتر جانتا ہے کہ میں طلبہ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کرنا چاہتا، ان کو کتنا اچھا کھلانا چاہتا ہوں لیکن کیا کروں جتنا ہو سکتا ہے اتنا ہی کر پاتا ہوں، پوری کوشش کے بعد بھی اگر انتظام صحیح نہیں اور کھانا اچھا نہیں ملتا تو سمجھ لو کہ فیصلہ اوپر ہی سے اس طرح کا ہوا ہے''۔

(ص ۱۷۳)

(۲۰) ''میں تو ایک کاشتکار، جانور چرانے والے باپ کا بیٹا ہوں''۔۔۔۔۔۔۔

حق تعالیٰ کسی سے کوئی کام لیتے ہیں عالم ہو یا ولی، اس کے اثرات وثمرات جہاں دوسرے دیکھتے ہیں وہ بھی محسوس کرتا ہے اور یوں وہ اس بابت اپنی کوشش وکاوش کو نہ ذکر کرتے ہیں نہ اس کا احساس کرتے وکرواتے ہیں، مگر کبھی اظہار حقیقت اور اعتراف نعمت کے طور پر کچھ تذکرہ وتبصرہ کر دیا کرتے ہیں اور یوں تو اس علاقے (ہتورا ضلع باندہ) میں حضرت نے جس حد تک قربانی دی تھی اور اس کی نسبت سے حضرت کے جو حوصلے تھے اس

کے مطابق اثرات ونتائج حضرت نے نہیں دیکھے، اسی لئے کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے۔ ''مجھے بنجر علاقہ ملا ہے''یا ''مجھے تو ایسا علاقہ ملا ہے کیا بتاؤں'' کبھی لوگوں سے کہتے :'' ہمارے یہاں آیئے تو اپنا علاقہ دکھائیں کہ کیسا بنجر ہے''۔ بہر حال ایک مرتبہ حضرت نے جو کام ہوا اور ضرور ہوا اور الحمد اللہ بہت کچھ ہوا۔ بطور تحدیث نعمت اور پوری تواضع کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے جو بھی کام لیا ہے یہ سب ہمارے بڑوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے، میں تو ایک کاشتکار، جانور چرانے والے باپ کا بیٹا ہوں، اللہ کا کرم ہے اس نے یہ کام لیا ہے، یہ سب ہمارے بڑوں کا طفیل ہے جن کی برکت ہے''۔

(ص ۱۹۶)

(۲۱) ''ان کے ایثار وقربانی اور خلوص میں شبہ نہیں، لیکن میرا کیا ہوگا''۔

قاری صدیق صاحب لکھنوی حضرت رحمہ اللہ کے نہایت مخلص دوست تھے، حضرت ان کے بڑے احسان مند تھے اور برابر ان کا تذکرہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک سلسلہ، گفتگو میں فرمایا:

''قاری صاحب لکھنو سے میرے دعوت پر تشریف لاتے اور پورے علاقے کا بیل گاڑی پر سفر فرماتے، ایک ایک ہفتہ کا سفر ہوتا تھا، باندہ کے اطراف میں مختلف علاقوں کا سفر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ شدید بخار تھا، اسی حال میں لکھنو سے تشریف لائے اور آنے کے بعد فرمایا:

''میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ اس بیچارے (یعنی حضرت علیہ الرحمتہ) نے لوگوں سے وعدہ کر رکھا ہوگا، اس کا کیا ہوگا''۔

بڑے مخلص تھے، انکے میرے اوپر بڑے احسانات ہیں، ایک مرتبہ ''برولی'' تشریف لے گئے تو وہاں اعزاز میں بیسیوں قسم کے کھانے دستر خوان پر آئے، یہ دیکھ کر قاری صاحب آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا:

ان بیچاروں کی تو بن گئی، مجھ کو نیک سمجھ کر خرچ کرتے ہیں لیکن ہمارا کیا ہوگا''۔

حضرت علیہ الرحمتہ نے قاری صاحب کی اس بات کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

''میں بھی اپنے متعلق سوچتا ہوں کہ بلانے والے بیچارے تو بہت خرچ کرتے ہیں وہ تو مجھے نیک سمجھتے ہیں، ان کے ایثار وقربانی اور خلوص میں شبہ نہیں لیکن میرا کیا ہوگا''۔

(ص ۲۳۰)

مجاہد ملت حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حضرت لاہوری رحمہ اللہ) کے واقعات:۔

(۱) پوری زندگی للّٰہیت وبے نفسی سے عبارت تھی۔

حافظ محمد جاوید حضروی لکھتے ہیں:

مجھے جامعہ حنفیہ جہلم میں داخلہ لینے سے پہلے حضرت جہلمی کو دیکھنے اور سننے کا موقع ملا تھا لیکن جب جامعہ میں داخلہ لیا تو حضرت کی للّٰہیت اور بے نفسی کے ساتھ بہت اوصاف سے آگاہ ہوا۔

آپ نے اپنی زندگی میں جامعہ کے آخری جلسہ کے لئے شہریوں اور طالب علموں کا جو اجلاس بلوایا، اس میں آپ نے طلبہ سے فرمایا کہ:

''اے عزیز طلبہ! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مہمان ہو، ہمارا جی چاہتا ہے کہ تمہارے کمروں میں خود صفائی کریں، تمہارے برتن دھوئیں، لیکن مدرسہ کی دوسری ذمہ داریاں اور مصروفیات رکاوٹ بن جاتی ہیں'' اور شہریوں سے فرمایا کہ:'' مجھے یہاں جہلم میں نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، کوئی ایک شخص کھڑے ہو کر بتا دے کہ عبد اللطیف نے کبھی چندہ کی اپیل کی ہو، لیکن تمہیں اس لیے بلا لیتے ہیں تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمیں پوچھا نہیں جاتا اور یہ بھی سمجھ لو کہ دین تمہارا محتاج نہیں تم دین کے محتاج ہو''۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی ساری زندگی للّٰہیت وبے نفسی سے عبارت تھی۔

(ماہنامہ ''حق چاریار'' خصوصی نمبر ۱۵۹)

(۲) طلبہ سے محبت وشفقت:۔

جناب حافظ زاہد حسین رشیدی کا بیان ہے:

حضرت جہلمی طلبہ سے بہت زیادہ محبت وشفقت فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی طلبہ کے مقام سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ دفتر کے سامنے کسی چھوٹے طالب علم نے پاخانہ کر دیا، حضرت مدرسہ تشریف لائے تو پوچھا کہ یہ پاخانہ کس نے کیا ہے ؟ غالباً حضرت ناظم صاحب نے فرمایا کہ حضرت! کسی چھوٹے طالب علم نے کیا ہوگا، فرمایا کہ اٹھایا کیوں نہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! جمعدار آئے گا تو اٹھوا دیں گے۔ حضرت نے غصے ہو کر فرمایا لاؤ، میں خود اٹھاتا ہوں تمہیں کیا معلوم کہ طلبہ کا مقام کیا ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہیں کہ فرشتے برکت کے حصول کے لئے ان کے پاؤں تلے اپنے نورانی پر بچھاتے ہیں''۔

ایک دفعہ ایک مہمان آئے تو حضرت نے ایک طالب علم سے کہا کہ جاؤ کھانا لے آؤ، طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت کھانا تو ختم ہو گیا۔ فرمایا جو طالب علموں کا بچا ہوا ہے وہ لے آؤ، وہ کچھ ہچکچایا کہ مہمانوں کو بچے ہوئے ٹکڑے لا کر دوں۔ حضرت نے محسوس فرماتے ہوئے سختی سے فرمایا کہ: ''طلبہ کے ٹکڑوں کی جو عظمت ہے وہ بڑے بڑے اعلیٰ کھانوں میں کہاں''؟ چنانچہ کئی دفعہ حضرت کو طلبہ کے بچے ہوئے ٹکڑے کھاتے ہوئے دیکھا گیا۔ (بحوالا بالا ص ۶۹۲)

تاج العارفین حضرت مولانا پیر جی محمد ادریس انصاری رحمہ اللہ کی عبدیت وفنائیت:۔

آپ کے خلیفہ مجاز حضرت حافظ شوکت علی صاحب نقشبندی زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت پیر جی رحمتہ اللہ علیہ شہرت سے بڑی نفرت فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ''گمنامی کی زندگی میں عافیت ہے''۔ کبھی بھی اپنا بیان بذات خود اخبار والوں کو نہیں دیا۔ اگر کسی نے اخبار میں بیان دے دیا تو معلوم ہونے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے۔

ایک مرتبہ راقم الحروف نے خانقاہ غفوریہ کے ساتھ ''ادریسیہ'' لکھوادیا تو فرمانے لگے کہ ''حافظ جی! کیا لکھوالائے ہو، خانقاہ غفوریہ ہی رہنے دو اور آگے والے الفاظ (یعنی ادریسیہ) ختم کروادو۔

سالانہ اجتماع میں خانقاہ غفوریہ کے مین گیٹ پر راقم الحروف نے خانقاہ غفوریہ نقشبندیہ'' کا بورڈ لگوادیا تو فرمایا کہ'' حافظ جی! تشہیر اچھی نہیں ہے ہم نے تو ساری عمر چھپ کر گزاردی اب تم کس کام میں پڑ گئے ہو''۔ (حیات ادریس ص ۵۷)

شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:۔

(۱) تواضع اور خدمت کے حسین پیکر:۔

آپ کے تلمیذ رشید حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

کتابی علم تو بہت سے لوگوں کو حاصل ہو جاتا ہے، لیکن انسان کی عظمت درحقیقت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب علمی تبحر کے باوجود وہ تواضع اور خدمت کا پیکر بن جائے۔

حضرت مولاناؒ کی حیات طیبہ اس معاملے میں بھی ایک مثال کی حیثیت رکھتی تھی وہ اپنے گھرانے میں واحد عالم دین تھے، ان کے والد ماجد بھی جدید تعلیم یافتہ تھے، اور تمام بھائی بھی،

اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وفضل کا اعلیٰ مقام عطا فرمایا، لیکن اپنے والد کی خدمت کے معاملے میں انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ مٹائے رکھا یوں تو خدمت والدین انکی ادا ادا سے نمایاں تھی، لیکن اس کا بطور خاص مظاہرہ ہمیں ۱۹۶۳ء میں اس وقت ہوا جب حضرت مولاناؒ اپنے والدین کے ہمراہ حج کے سفر پر تشریف لے گئے، حسن اتفاق سے اسی سال ہم دونوں بھائی بھی حضرت والد صاحب کی معیت میں حج فرض کی ادائیگی کے لئے گئے ہوئے تھے، اسکے علاوہ ہمارے بزرگ استاذ حضرت مولانا اکبر علی صاحبؒ نے بھی اسی سال حج کیا تھا۔

حضرت مولانا اکبر علی صاحبؒ مظاہر العلوم سہارنپور کے قدیم اساتذہ میں سے تھے حضرت

مولنا سبحان محمود صاحبؒ نے ان سے باضابطہ کوئی درس تو نہیں لیا لیکن جس زمانے میں حضرت مولاناؒ مظاہر العلوم میں پڑھتے تھے، اس زمانے میں حضرت مولانا اکبر علی صاحب وہاں پڑھایا کرتے تھے، اس نسبت سے حضرت مولانا سبحان محمود صاحبؒ انکی ایسی ہی عزت فرماتے تھے جیسے اپنے حقیقی استاد کی کی جاتی ہے اور ساری عمر انکے ساتھ استاد جیسا ہی معاملہ فرماتے رہے۔

حضرت مولانا اکبر علی صاحبؒ چونکہ ضعیف تھے اور سفر حج میں بالکل تنہا، ۔اس لئے حضرت مولانا سبحان محمود صاحبؒ نے انہیں اپنے ساتھ رکھ لیا، اس طرح انکے ساتھ والدین بھی تھے ، اور حضرت مولانا اکبر علی صاحبؒ بھی ، اور یہ سب حضرات عمر رسیدہ بھی تھے ، اور مختلف عوارض کا شکار بھی ، اور نہایت نازک مزاج اور زود رنج بھی ، حضرت مولانا سبحان محمود صاحبؒ انکی خدمت کے لئے تنہا تھے ، پہلی بار حج کا سفر کیا تھا اور اس دور کے حج میں مشقیں آج سے کہیں زیادہ تھیں ، لیکن انہوں نے ان تینوں بزرگوں کی خدمت کا جو حق ادا کیا ہے اور انکے سامنے اپنے آپکو مٹا دینے کے جو مناظر ہم نے دیکھے ہیں وہ آج بھی دل پر نقش ہیں ، انہیں الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

اور ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ظاہری علم وفضل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں تواضع اور خدمت کے کس بلند مقام پر فائز فرمایا ہے۔

حضرت مولاناؒ کے والد ماجد بڑے نازک مزاج اور جلالی بزرگ تھے ، خلاف طبع باتوں پر وہ حضرت مولاناؒ کے شاگردوں کے سامنے بھی ان پر بگڑ جاتے تھے ، لیکن ایسے موقع پر حضرت مولانا کا رویہ جتنا متواضع اور نیاز مندانہ ہوتا اسکی مثالیں اب بہت کم ملیں گی والد صاحب کی اطاعت کا مظہر یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت مولاناؒ کا اصل نام جو والدین نے رکھا تھا وہ ''سبحان محمود'' تھا ، جب مولانا کا تعلق ہمارے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) سے ہوا تو حضرت والد صاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ ''سبحان'' نام مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ کیونکہ عام طور سے یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے (جیسے سبحان اللہ) حضرت

والد صاحبؒ نے مشورہ دیا کہ آپ اپنا نام بدل کر ''سحبان محمود'' کر لیجئے۔
حضرت مولانا اس تجویز سے متفق بھی تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت والد صاحبؒ کی اس ہدایت پر عمل کریں، لیکن جب انہوں نے یہ تجویز اپنے والد صاحب سے ذکر کی تو انہوں نے نام بدلنے سے منع کر دیا اب ایک طرف تو مفتی اعظم پاکستانؒ کی تجویز تھی جس سے وہ خود متفق تھے، لیکن دوسری طرف والد کا حکم تھا۔ حضرت نے اس مشکل کا حل یہ نکالا کہ اپنے نام کی تبدیلی کا اعلان تو نہیں کیا (کیونکہ اس نام کو صراحۃً ناجائز بھی نہیں کہا جا سکتا اور والد بھی تبدیلی کے حق میں نہیں تھے) لیکن اپنے دستخط اس طرح بنا لئے کہ انہیں ''سحبان'' بھی پڑھا جا سکتا تھا۔ جب تک مولاناؒ کے والد بقید حیات رہے، انہوں نے نام تبدیل نہیں کیا لیکن والد صاحب کی وفات کے بعد ابھی دو تین سال پہلے ختم بخاری کے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے مشورے کے مطابق اپنا نام تبدیل کرتا ہوں اور آج کے بعد مجھے ''سحبان محمود'' لکھا اور کہا جائے۔ اندازہ فرمایئے اس واقع میں کن کن پہلوؤں کی رعایت ہے۔ دستخط میں تو نام فوراً اس طرح تبدیل کر دیا کہ وہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے مشورے کے مطابق ہو جائے مگر اعلان اپنے والد کے احترام میں مدتوں روکے رکھا۔ اور پھر تبدیلی کا اعلان ایسے وقت میں فرمایا جب وہ ہزارہا افراد کے مقتدا تھے عمر کے اس مرحلے میں تبدیلی کا اعلان یقیناً بے نفسی کے اعلیٰ ترین مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔
(ماہنامہ البلاغ خصوصی نمبر ۲۵ تا ۲۷)

(۲) ''میں مولوی کب ہوں؟''

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلندشہری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:
۱۳۷۴ھ میں احقر دارالعلوم کراچی سے وابستہ ہوا تھا، بارہ سال وہاں کام کیا پھر رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہو گیا، الحمد للہ ایک سال بعد اہل وعیال بھی آ گئے اسوقت سے لیکر اب تک مدینہ منورہ میں قیام ہے۔ اسکنا اللّٰہ تعالی فیھا حیاً ومیتاً

حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ جب عمرہ کے لئے تشریف لاتے تو ضرور ملاقات فرماتے اور اپنی زیارت اور ھدایا سے نوازا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ پانچ سو سعودی ریال پیش فرمائے، میں نے عرض کیا، کیا مولوی بھی ھدیہ دیتے ہیں۔فرمایا میں مولوی کب ہوں۔اللہ اللہ یہ علمی مقام اور یہ تواضع کا عالم۔

حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ سے بے تکلفی بھی تھی، احقر اپنے مزاج کے مطابق کبھی کبھی اعتراض بھی کر دیتا تھا تو وہ اسے خوش اسلوبی کیساتھ برداشت فرما لیتے تھے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرات اکابر مدرسین کے صاحبزادگان جو حفظ کرتے تھے، انکے بارے میں حفظ کے اساتذہ نے یہ کہہ دیا کہ یہ آگے حفظ میں نہیں چل سکتے، ان حضرات نے درجہ حفظ سے اٹھا کر اسکولوں میں داخل کر دیا۔حضرت ناظم صاحبؒ نے بھی اپنے بڑے لڑکے کو اسکول میں داخلہ دلا دیا اور اپنی بصیرت سے بھانپ لیا کہ میں اس پر کچھ اعتراض کر سکتا ہوں، میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی فرمایا کہ مولوی ہونا کوئی فرض عین تو نہیں، فرض کفایہ ہے۔اتنا ہی فرمایا تھا کہ احقر نے عرض کیا کہ امت کو جتنے علماء کی ضرورت ہے کیا اتنی تعداد میں علماء موجود ہیں؟ مزید ہمت کرتے ہوئے احقر نے عرض کیا کہ دیکھئے، میت کا غسل کفن ودفن فرض کفایہ ہے ''کسی مسلمان کی وفات ہوگئی، ایک شخص تیار ہوا، اس نے تنہا میت کو غسل دیا پہلے یوں ڈالا پھر دوسری طرف پچھاڑا، پھر مشکل سے کفن پہنایا، پھر میت کو اٹھا کر کسی چارپائی پر ڈالا، لوگ کھڑے دیکھتے رہے، کسی نے ہاتھ نہ لگایا، پھر اسی شخص نے چارپائی میں رسی ڈالی، چارپائی پر میت پڑی ہے، وہ شخص رسی پکڑ کر کھینچتا ہوا میت کو
قبرستان لے گیا۔سب لوگ دیکھتے رہے۔نہ کوئی شروع سے ساتھ لگا نہ جنازے کو قبرستان لے جانے میں شرکت کی، جب قبرستان لے گیا تو وہاں قبر کھدی ہوئی نہ تھی، اس شخص نے اکیلے
قبر کھودی، جنازہ رکھا رہا، جب قبر کھود لی تو میت کو الٹا سیدھا کر کے قبر میں ڈال دیا۔کیا اس عمل سے فرض کفایہ ادا ہو گیا اور وہ سب بری الذمہ ہو گئے جو اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

یہی حال علماء کی قلت کا ہے، جتنے بھی علماء ہیں امت کے کروڑوں افراد کی ضرورت کے لئے کم ہیں۔ یہ سن کر حضرت والا نے خاموشی اختیار فرمائی اور کوئی جواب نہ دیا، محض مسکرا کر چھوڑ دیا۔ اگر کوئی ضدی آدمی ہوتا تو اپنے سے کم تر آدمی کی بات کی تردید کرتا اور اپنے عمل کو صحیح قرار دینے میں لفاظی سے کام لیتا اور بڑھ چڑھ کر اپنی طرف داری کرتا، درحقیقت مخلصین کے سامنے اپنا نفس ہوتا ہی نہیں ہے۔ (ص ۳۵)

(۳) ''مجھے تو حدیث کے معنیٰ کا بھی پتہ نہیں'':

آپکے رفیق خاص حضرت مولانا سید حامد علی شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

میرے رفیق حضرت مولانا سبحان محمود صاحبؒ کو دوران تعلیم رؤیائے صالحہ کا سلسلہ طویل رہا۔ کئی مرتبہ حضور ﷺ کی زیارت ہوئی جو مجھے بلا تکلف بتلا دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ فرمایا میں اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک رات عالم خواب میں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے، حضورؐ نے ہم دونوں کو دوڑ لگانے کا حکم فرمایا ہم نے دوڑ لگائی تو میں ام المومنین سے آگے نکل گیا' پوچھنے لگے اس کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے؟ میں نے عرض کیا انشاء اللہ' علم وحدیث سے وافر حصہ ملے گا۔ خاموش ہو گئے زمانہ تعلیم میں سہارنپور میں کئی منامی بشارتیں ہوئیں۔ ان کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ کیا مطلب ہو سکتا ہے' میں نے عرض کیا' یار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث بنو گے۔ فرمایا ابے جا! یہ منہ اور مسور کی دال' اللہ نے دارالعلوم دیوبند کا تو نہیں' البتہ دارالعلوم کراچی کا شیخ الحدیث بنا ہی دیا۔ مولاناؒ کو جب دارالعلوم میں حدیث کے اسباق ملے تو میں نے خط کے پتے پر نام کے ساتھ شیخ الحدیث لکھ دیا' جواباً رقم فرمایا'' بھائی مجھے تو حدیث کے معنیٰ کا پتہ نہیں اور آپ نے شیخ الحدیث کیسے لکھ دیا''(۳۹)

(۴) ''دیدارِ رسالت مآب ﷺ''۔

زمانہ طالبعلمی میں مولاناؒ کو ہر سال حضور ﷺ کی زیارت ہوتی تھی، جسکو آپ مجھے بلا تکلف از خود سنا دیتے تھے، دورۂ حدیث سے فراغت کے کافی عرصہ بعد ملاقات ہوئی میں

نے اس نعمت عظمیٰ کے متعلق سوال کیا تو مولاناؒ نے نہایت انکساری کیساتھ فرمایا، ''ارے میاں! اب ہم اس قابل کہاں رہے ہیں، اور بھی بہت سارے دھندے دماغ پر سوار رہتے ہیں''۔ میں سمجھ گیا مولاناؒ اخفا فرما رہے ہیں، اصرار میں نے بھی مناسب نہ سمجھا۔

(ص ۴۱)

(۵) ''وقت کا محدث کمسن مہمان کی دلجوئی کرر ہا ہے''۔

ایک مرتبہ ملاقات کے لئے حاضر ہوا، میرا گیارہ سالہ بچہ ہمراہ تھا۔ اس سے فرمانے لگے۔ ارے میاں! کراچی آئے ہو کہاں کہاں کی سیر کی؟ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ فرمایا ہم تم کو تو سیر کرائیں گے۔ شام کو سواری منگائی، مجھے اگلی سیٹ پر بٹھایا، خود بچے کو لیکر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے، راستے میں اہم مقامات کی نشاندہی فرماتے گئے، گول مسجد اور کچھ تفریحی مقامات کی سیر کرا کر، ہماری قیامگاہ تک پہنچا کر واپس تشریف لے گئے۔

(ص ۴۴)

(۶) ''علو مرتبہ کے باوجود انکساری''۔

ہم دونوں بعد فراغت دورۂ حدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیملپوری صاحب رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے، حضرت کے وصال کے بعد مولاناؒ کو حضرت مفتی صاحبؒ کی صحبت اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا، اور میں نے حضرت مولانا حامد میاں صاحبؒ بانی جامعہ مدینہ لاہور وخلیفہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (مولانا مرحوم بھی ہم دونوں یعنی احقر اور مولانا سحبان محمود صاحبؒ کے مدرسہ شاہی مرادآباد میں کئی کتابوں میں ہم درس رہے ہیں) سے تعلق قائم کیا۔ مولانا حامد میاں صاحبؒ کے وصال کے بعد مولانا سحبان محمود صاحبؒ سے عرض کیا، حضرت کیملپوری کے وصال کے بعد مولانا حامد میاں صاحبؒ سے تعلق رہا اب انکا بھی وصال ہو گیا، آزاد رہنا نہیں چاہتا اب میرا رجوع آپکی طرف ہے مولاناؒ نے عجیب منکسرانہ انداز میں فرمایا ارے میاں، میں اس قابل کہاں ہوں''۔

لیکن ساتھ اس جذبہ (میں آزاد رہنا نہیں چاہتا) کی تحسین فرمائی، اور تعلق قائم رکھنے کی ضرورت کے اظہار کے لئے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحبؒ باوجود علو مرتبہ فی العلم والمقام ،ذاتی، گھریلو اور دارالعلوم کے اہم معاملات کو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے مشورے سے طے فرمایا کرتے تھے۔

اسوقت میں نے بھی اپنے مطالبے پر اصرار نہ کیا۔

فیروزہ پہنچ کر میں نے مولاناؒ کو تحریر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو ایک زمانہ طویل حضرت مفتی صاحبؒ کی صحبت نصیب فرمائی، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے آپکو اجازت وخلافت سے نوازا ،اسکے باوجود میرے درخواست پر آپکا عذر (میں اس قابل کہاں ہوں) میری سمجھ سے باہر ہے، جواباً مولاناؒ نے تحریر فرمایا ''مشورے کی حد تک آپکا پابند ہوں گا''۔

(ص ۴۶)

(۷) ''حضرت کی بے نفسی''۔

حضرت اقدس مفتی محمود اشرف صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولاناؒ بہت بے نفس اور مسکین طبع بزرگ تھے، نامعلوم جوانی کے کس حصہ میں حضرت نے اپنے نفس امارہ کو اپنی زندگی سے بے دخل کیا تھا کہ بے نفسی، مسکنت اور تواضع حضرت کی طبیعت بن گئی تھی۔

اکثر صبح کو وہ تہبند پہن کر اور دو پلی ٹوپی سر سے اتار کر ٹہلتے اور مدرسے کا چکر لگاتے تو دیکھنے والے کو یہ شبہ بھی نہ ہوتا کہ یہ دارالعلوم کے شیخ الحدیث، ناظم اعلیٰ، اور سب اساتذہ کے استاذ ہیں۔ عام حالات میں بھی ان کا لباس اتنا سادہ اور عمومی ہوتا تھا کہ عوام اور طلبا اور حضرت کے درمیان شناخت ممکن نہ ہوتی۔

واقفان حال جانتے ہیں کہ حضرت کو نہ کسی جگہ بیٹھنے میں کوئی تکلیف، اور نہ کہیں جانے میں انکار واصرار کے تکلفات تھے، جہاں دل چاہتا بیٹھ جاتے اور جہاں جانے میں دین کا فائدہ نظر آتا، جانے کے لئے تیار ہو جاتے، خواہ وہ جگہ کتنی دور پسماندہ ہی کیوں نہ ہو، شہرت سے

وہ ہمیشہ گریزاں رہے۔

چنانچہ نہ وہ اخباری بیانات کے آدمی تھے اور نہ خطیبانہ جلسوں کی عادی، مگر ان کے جنازے میں ان گنت افراد نے شرکت کر کے اس بات کی گواہی دی کہ انکے دینی اثرات، بہت دور رس اور ان کی دینی خدمات بہت وسیع تھیں اور انہوں نے جس بے نفسی اور تواضع کے ساتھ لوگوں کی دینی خدمت کی، اس کے نقوش جلد مٹنے والے نہیں ہیں۔ (ص ۵۸)

(۸) ''اگر چہ یہ نا کارہ اس کا اہل نہیں ہے لیکن۔۔۔۔'':

آپ کے خلیفہ مجاز جناب نجیب الحق صاحب زید مجدھم آپکے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

۱۱ستمبر ۱۹۸۶ء۔۔۔۔۔احقر کی درخواست کے جواب میں مولانا نے تحریر فرمایا، یہ ''حق تعالیٰ کا فضل وکرم اور انعام ہے اور آپکا حسن ظن۔۔۔۔۔اگر چہ یہ نا کارہ اسکا اہل نہیں ہے، لیکن حضرت کے امتثال امر میں بگرانی خاطر اس کو انجام دے رہا ہے اور حضرت کے علوم معارف کو سامنے رکھ کر خود بھی رہنمائی حاصل کرتا ہے متوسلین کو بھی اسی طرف متوجہ کرتا ہے''۔

سبحان اللہ کیا پیارا انداز بیان ہے اور کس قدر تواضع ہے، اپنے وقت کا شیخ الحدیث جسکے ہزاروں شاگرد بکھرے پڑے ہیں کیا فرماتے ہیں ''اگر چہ یہ نا کارہ اسکا اہل نہیں ہے لیکن حضرت کے امتثال میں بگرانی خاطر اسکو انجام دے رہا ہے''۔

اپنی ذات کی نفی کر کے اپنے شیخ کی کیسی عظمت اور تکریم فرمائی اور کیا عمدہ تعلیم فرمائی کہ خواہ کچھ بھی ہو شیخ، شیخ ہی رہیگا۔اس کی عظمت، اس کی عزت اور اسکی تکریم کا ہر دم احساس ہی رہے گا، مزید تحریر فرمایا: ''اور حضرت کے علوم ومعارف کو سامنے رکھ کر خود بھی راھنمائی حاصل کرتا ہے اور متوسلین کو بھی اسی طرف متوجہ کرتا ہے''۔

حضرت نے اس چھوٹے سے جملے میں تصوف کی حقیقت بیان کر دی کہ شیخ کے علوم ومعاف سے راہنمائی حاصل کرتے رہو گے تو کامیابی کی منزل کی طرف گامزن رہو گے۔بڑوں کی باتوں کو سینے سے لگانا اور ہر وقت انکا دھیان رکھنا، حضرت والا کی کیا شان رہی ہے؟

(ص ۹۷)

(۹) ''حضرت بار بار معذرت کے الفاظ فرماتے رہے''۔

آپ کے تلمیذ رشید مولانا محمد منصور احمد صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

آپکی سیرت وکردار کا وہ عنصر جس نے آپ کے چاہنے والوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا آپکی تواضع اور بے نفسی تھی، ایک بڑے ادارے کے ناظم اعلیٰ اور شیخ الحدیث ہونے کے باوجود کوئی آپکو دیکھ کرنہیں پہچان سکتا کہ یہ کوئی بلند پایہ عالم، شیخ طریقت اور باکمال مدرس ہیں، آپکے آگے پیچھے چلنے والوں کی کوئی قطار نہیں ہوتی تھی، مسجد میں بھی متواضعانہ نشست ہوتی تھی دفتر کے علاوہ آپ کسی سے بلند آواز سے گفتگو نہ فرماتے۔ ایک جاننے والے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرت کسی کام میں مصروف تھے، تھوڑی دیر بعد تشریف لائے تو اتنی معذرت کی میں پانی پانی ہوگیا۔ حالانکہ وقت بھی زیادہ نہیں گذرا تھا۔ مگر حضرت بار بار معذرت کے الفاظ دہراتے رہے۔

(ص ۱۲۶)

(۱۰) ''جواب تو مفتی صاحب کو دینا چاہیے تھا لیکن میں نے جلدی میں دیدیا ہے'':۔

آپکے تلمیذ رشید مولانا محمد اکمل صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

بخاری شریف کی روایت اور درایت پر جب کلام کرتے تو امام بخاریؒ جیسی ہستی بھی فخر کرتی ہوگی، بندہ اکثر و بیشتر انکی گفتگو کی جاذبیت میں کھوجاتا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ شہادت عمرؓ کے واقعے کو جب بخاری شریف میں بیان کیا تو دونوں گھنٹوں میں بندہ کے آنسو نہ تھم سکے۔ خوفِ خدا اور استحضارِ آخرت اتنا تھا کہ جب بھی کوئی مثال دیتے تو پہلے اپنی طرف اشارہ فرماتے۔ ایک دن ذکر موت کے وقت کثرت ذکر موت کا حدیث میں بیان کرتے ہوئے اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''دوسروں کو چھوڑ دو اس بڈھے کو دیکھیئے کہ عمر کے باسٹھ برس گزار چکا ہے'' لیکن اب تک موت کی کوئی تیاری نہیں کر رہا۔ اور سمجھتا ہے کہ ہمیشہ اس دنیا میں رہے گا۔

ٹھیک اس کے دس سال بعد حضرت والا کی وفات ہوئی، اس سال جب نواب شاہ تشریف

لائے تو میں نے اسکا تذکرہ کیا تو مسکرانے لگے، جب میں نے عرض کیا کہ حضرت اس حساب سے آپکی عمر ۷۶ سال ہونی چاہیے، کیونکہ میں نے یہ قصہ ۸۹ء کے اوائل میں سنا تھا تو فرمایا ہاں ۷۶ سال عمر ہے۔ طلبا سے مدرسہ کی مسجد میں جب بیان فرماتے تو اکثر فرماتے تھے "اس بڈھے کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو اور اپنی اصلاح کرو"۔

انکی کسر نفسی کا یہ عالم یہ تھا کہ بسا اوقات جب کوئی سائل سوال کرتا تو جواب دیتے اور بعد میں فرماتے کہ جواب مفتی صاحب کو دینا چاہیئے تھا، لیکن میں نے جلدی میں دیدیا ہے "مفتی صاحب ! آپ فرمائیں میرا جواب صحیح تھا"؟۔

اپنے تلامذہ کے ساتھ شفقت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ دوران سبق بندہ نے ایک سوال کیا مگر اس سوال کو صحیح طریقے سے سمجھا نہ سکا۔ مجھے ایسا لگا کہ میرا سوال ہی غلط ہے، درسگاہ میں موجود طلبا زور سے ہنسنے لگے، حضرت نے مجھے خفت سے بچانے کے لئے فرمایا کہ مولوی صاحب نے سوال کیا میں اس کی تشریح کرتا ہوں۔ اور تشریح کرنے کے بعد اسکا جواب دیا زندگی میں بے شمار اساتذہ کی جوتیاں اٹھانے اور خدمت کرینکا اللہ تعالیٰ نے موقع عطا فرمایا مگر جو لطف حضرت والا کی خدمت میں آتا خدا جانے آج اس لطف کو یاد کر کے دوران تحریر بندہ کی آنکھیں آنسو بہانے پر مجبور ہیں۔ (ص ۱۳۰، ۱۳۱)

(۱۱) "ہرگز نہیں یہ سب مجھ سے افضل ہیں":

آپ کے خادم خاص مولوی رشید احمد اعظمی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

اپنے شیخ جیسے انکساری کسی میں نہیں دیکھی۔ ہر آدمی سے اسطرح تواضع اور احترام کے ساتھ ملتے تھے کہ وہ پہلی ہی ملاقات میں آپکے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو جاتا۔ اس قدر تواضع کے ساتھ پیش آتے کہ سامنے والا شرمندہ ہو جاتا، لیکن آپ اسے اپنا حق سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک نکاح کی تقریب میں تشریف لے گئے، زیادہ ہجوم کیوجہ سے اسٹیج کے قریب جانے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ احقر نے چپکے سے لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے

راستہ دینے کے لئے کہا۔ حضرت نے دیکھ لیا فوراً فرمایا کہ کیا میں لوگوں سے بہتر ہوں، ہرگز نہیں یہ سب مجھ سے افضل ہیں ۔انہیں حقیر نہ سمجھ، بالآخر جگہ ہونے کے بعد آگے تشریف لے گئے۔

ایک دن ایک صاحب حضرت کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ حضرت فلاں صاحب میرا ایک کام نہیں کر رہے، اسکی وجہ سے پریشانی ہے، وہ صاحب بھی حضرت سے کچھ تعلق رکھتے تھے۔آپ نے فرمایا کہ اگر میرے جانے سے آپکا کام بن جاتا ہے تو میں جانے کے لئے تیار ہوں، ان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ شخص بہت منہ پھٹ ہے، کہیں کوئی غلط بات نہ کہہ دے وہ آپکی عزت کا بھی خیال نہیں کرے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی! پہلے ہی کیا عزت ہے، آپ یہ بتائیں کہ میرے جانے سے آپکا کام بن جائیگا یا نہیں؟ اگر میرے جانے سے تمہارا کام بن جاتا ہے تو میں چلنے کے لئے تیار ہوں۔

سبحان اللہ کیا تواضع کا مقام تھا۔

وفات سے چار دن پہلے میں نے عرض کیا کہ ہمارے بڑے بہنوئی مولانا شفیع الرحمٰن صاحب (امام وخطیب مسجد طیبہ گلشن اقبال) کی درخواست ہے کہ ہماری مسجد میں بھی حضرت کا بیان رکھوادو، میں اب تک آپکی مصروفیات اور ضعف کیوجہ سے کچھ عرض کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ لیکن اب انکا اصرار کافی بڑھ گیا ہے، حضرت نے فرمایا کہ بھائی! میں اس قابل کہاں ۔مزید فرمایا کہ اگر تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے، آئندہ ہفتہ یاددلانا وقت مقرر کر لیں گے۔ لیکن افسوس کہ اس کے چار دن بعد ہی انتقال فرما گئے۔ کیا معلوم تھا کہ یہ روشن ستارہ اتنی جلدی رخصت ہو جائیگا۔ (ص ۱۴۵)

(۱۲) ''میری غلطیوں کو معاف فرمادیں'':۔

ختم بخاری شریف کے موقع پر شرکاءدورہ حدیث کو آخری دن قیمتی نصائح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''میں اگرچہ عمر میں آپ سے بڑا ہوں، لیکن مرتبہ میں چھوٹا ہوں۔آپ طالبعلم

ہیں، میں تو دنیا دار آدمی ہوں، بہت زیادہ احتیاط کرتا ہوں۔ لیکن پھر بھی انسان ہوں بشر ہوں، خطا ہو جاتی ہے، سب سے پہلے میں کھلے دل سے آپ سے عرض کرتا ہوں کہ میری غلطیوں کو معاف کر دینا۔ اللہ تعالیٰ بھی معاف فرمائیں گے اور آپکی جانب سے جو غلطیاں میرے حق میں ہوئی ہیں میں نے بھی انکو کھلے دل سے معاف کر دیا، اللہ تعالیٰ مجھے بھی معاف فرمائے۔

(یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے حضرت والا پر گریہ طاری ہو گیا)

سبکدوشی حاصل کرو۔ حضرات! پوری طرح سبکدوشی حاصل کرو اور اس مجلس سے اٹھنے کے بعد اپنے آپ کو پاک صاف کرلو۔ اس کی طرف خیال کرو۔ اعتدال پر قائم رہیں۔ اختلاف میں بھی اعتدال، مسلک میں بھی اعتدال''۔ (اہل علم کی زندگی ص ۲۳۰)

داعی الی اللہ حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) ''بھائی! میں گناہ گار اپنی اصلاح کے لیے کسی کی تلاش میں ہوں'':۔

مولانا محمد عیسیٰ منصوری آپکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

آپ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ ان چند افراد میں سے تھے جنہیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ نے دعوت کے کام کے لیے بطور نمونہ تیار کیا تھا۔ یعنی مولانا سعید احمد خان کی ہستی کو اس صدی کے سب سے بڑے داعی الی اللہ کا تراشا ہوا وہ ہیرا قرار دیا جا سکتا ہے جس نے تقریباً پون صدی تک دنیا میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کی جھلک باقی رکھی۔

آپ نے حضرت مولانا جیسی ہستی کے زیر نگرانی روحانی تربیت اور سلوک کی منزلیں طے کیں۔ آپ کو متعدد اکابر کی طرف سے اجازت حاصل تھی مگر ہمیشہ خود کو بیعت کے مسئلہ میں پردۂ خفا میں رکھا۔ آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی بیعت کے لیے اصرار کرتا تو فرماتے: ''بھائی! میں گناہ گار اپنی اصلاح کے لیے کسی کی تلاش میں ہوں''۔ اور اس دور کے

دوسرے مشائخ کا نام لیکر فرماتے کہ '' فلاں کے پاس جاؤ ان شاء اللہ تمہیں بہت فائدہ ہوگا ''۔ اگر آپ دوسرے مشائخ کی طرح بیعت فرماتے تو اتنے کثیر لوگ آپ سے وابستہ ہو جاتے کہ دنیا میں کسی شیخ کے اتنے مرید نہ ہوتے تھے کیونکہ آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ حرمین میں گذرا اور آپ دین کی نسبت سے دنیا کے کونے کونے میں پہنچے۔ ہر وقت آپ کے گرد عقیدت رکھنے والوں کا پروانہ وار اژدحام ہوتا مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ نے زندگی میں بمشکل چند آدمیوں کو بیعت کیا۔ مولانا سے خصوصی تعلق وعقیدت رکھنے والے کتنے ہی افراد ہیں جو مہینوں تک بیعت کے لیے اصرار کرتے رہے مگر آپ نے انہیں دوسرے اکابر کی طرف بھیج دیا۔ (مولانا سعید احمد خان، شخصیت احوال اور دینی خدمات ص ۲۸)

(۲) ''سوچتا ہوں کہ کیا مولانا کے بعد اس کی مثال مل سکے گی؟''۔

حضرت مولانا کی تواضع اور کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ چھوٹے چھوٹے آدمی کی تنقید بھی قبول فرماتے۔ اس دور میں یہ چیز بالکل نایاب ہوگئی ہے۔ چند سال پہلے کی بات ہے لندن تبلیغی مرکز کے خصوصی کمرے میں بندہ ملاقات کے لیے پہنچا۔ دیکھا کہ مولانا کی پاکستانی جماعت کے رفقاء اور انگلینڈ کے متعدد اہل شوریٰ تشریف فرما ہیں اور کوئی چیز پڑھی جارہی ہے۔ سنا تو پتہ چلا کہ کسی بیاض (کاپی) میں سے مبشرات پڑھے جارہے ہیں یعنی کسی جماعت نے حضور اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی، خواب میں حضرت مولانا کو حضور کے ہمراہ دیکھا وغیرہ وغیرہ چند منٹ بعد بندہ نے عرض کیا:

''حضرت! آپ کی مجلس میں اس طرح مبشرات سننا سنانا مناسب نہیں، آپ یہ مبشرات بعض بزرگوں کے لیے، خلفاء کے لیے چھوڑ دیں یہ بزرگ الٹے سیدھے خواب دیکھتے ہیں اور انہیں چھاپ کر یہاں ہمیں ابتلا میں ڈالتے ہیں۔ سنا ہے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ نے دعا مانگی تھی ''اے اللہ! ہمارے اس کام کو مبشرات اور کرامات پہ مت چلانا''۔

یہ سننا تھا کہ اسی وقت حضرت مولانا نے بیاض بند کردی۔ فرمایا: ''ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان

مبشرات سے دل کو تقویت پہنچتی ہے مگر یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے بلکہ زیادہ اہم ہے۔ اس سے کئی فتنے پیدا ہو سکتے ہیں اس لیے عمومی طور پر مبشرات کے سننے سنانے سے احتیاط کرنی چاہیے۔

اسی طرح ایک بار انگلینڈ کے سالانہ اجتماع کے اختتام پر ڈیوز بری میں مختلف شہروں کی مساجد والی جماعتوں (روزانہ اڑھائی گھنٹے فارغ کرنے والے) احباب جمع تھے ان میں حضرت مولانا نے بیان شروع فرمایا کچھ دیر کے بعد فرمایا: ''ہمیں اپنی قربانی کی مقدار کو بڑھانا چاہیئے روزانہ اڑھائی گھنٹے سے بڑھا کر آٹھ گھنٹے فارغ کرنے چاہئیں''۔ بندہ بیان کے درمیان بول پڑا: ''حضرت! یہ آپ رہبانیت کی دعوت دے رہے ہیں، اگر ایک شخص روزانہ آٹھ گھنٹے فارغ کرلے، اس کے ساتھ عصر سے اشراق تک جمعرات کا اجتماع، مہینے کے تین دن، سال کا چلہ، جماعتوں کی نصرت یہ، سب ملا کر نصف سے زیادہ ہو جاتا ہے اور یہ رہبانیت ہے''۔

ہم میں سے ہر شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے اگر یہ واقعہ ہمارے ساتھ بھرے مجمع میں پیش آتا تو ہمارا کیا عمل ہوتا؟ بندہ کم از کم اپنی بات کہہ سکتا ہے کہ میرا نفس تو اسے برداشت نہ کرتا، نہ جانے کیا کہہ دیتا، مگر حضرت مولانا نے مجھ جیسے معمولی طالب علم کی بات توجہ سے سنی اور قبول فرمائی۔ بعد میں مجھے اپنے اس حماقت پر سخت ندامت وافسوس ہوا کہ مجھے یہ اشکال تنہائی میں عرض کرنا چاہیے تھا مگر واہ! مولانا سعید احمد خان، کیا بے نفسی کی انتہاء ہے کہ پورے سکون و بشاشت سے اشکال سن رہے ہیں اور قبول فرما رہے ہیں۔

سوچتا ہوں کہ کیا مولانا کے بعد اس کی مثال مل گی؟

ے اس کوہ کن کی بات گئی کوہ کن کے ساتھ۔

(بحوالہ بالا ص ۳۰)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے واقعات:۔

آپکے سوانح نگار مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

فنائیت و بے نفسی اور انکار ذات حضرتؒ کی امتیازی صفت ہے۔ تمام تر کمالات اور جامعیت کے باوجود حضرتؒ کی تواضع اور کسر نفسی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، حضرتؒ نے اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ کا جو حال اس باب میں نقل کیا ہے وہ خود حضرتؒ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو دین و دنیا کے اعزازات سے خوب خوب نوازا لیکن حضرتؒ نے کبھی ان کی نسبت اپنی طرف نہیں کی۔ اس کی سب سے بڑی مثال وہ واقعہ ہے جب حضرتؒ کو خانہ کعبہ میں داخلہ کی پیشکش کی گئی تھی اور حضرتؒ نے جس جس کو کہا اسکو داخلہ کی اجازت ملی تھی لیکن حضرتؒ نے اسکو حضرت رائے پوریؒ کی طرف منسوب فرمایا اور ''سوانح رائے پوری'' میں اس سلسلہ میں اپنا کوئی ذکر تک نہیں فرمایا۔ اس واقعہ کے بارے میں حضرت کا انداز بیان ملاحظہ ہو:

''اس سال کی خصوصیت جس کو الطاف خداوندی میں شمار کیا جا سکتا ہے جو ایک مقبول و مخلص بندہ کیوجہ سے نصیب ہوئی یہ تھی کہ شیبی صاحب (کلید بردار خانہ کعبہ) نے جن سے پہلے سے کوئی تعلقات نہ تھے، اس سفر کے ایک ہمراہی کو خود خانہ کعبہ کے داخلہ کی دعوت دی اور اسکی اجازت دی کہ جن لوگوں اور ہمراہیوں کو وہ ساتھ لانا چاہیں لائیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت کی ضیافت تھی۔ اس صلائے عام سے پورا فائدہ اٹھایا گیا اور نہ صرف اس قافلہ کے ہمراہیوں نے بلکہ بہت سے دوسرے احباب اور غیر متعلق ساتھیوں نے بھی نہایت اطمینان کے ساتھ کسی ناجائز و مکروہ وسیلہ (بخشش وغیرہ) کو اختیار کیے یا کشمکش کے بغیر داخلہ کا شرف حاصل کیا اور اطمینان سے جوف کعبہ میں نوافل پڑھے، بعض ساتھی چونکہ رہ گئے تھے دوسرے دن شیبی صاحب نے ازراہ کرم دوبارہ اجازت دی اور انتظام کیا اور پھر حضرت کی معیت میں دوبارہ حاضری ہوئی۔ اور اطمینان سے نوافل و دعا کا موقع ملا اور اس

طرح سے ضعفاء اور نااہل بھی اس شرف سے سرفراز ہوئے۔

مور مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد

دست بر پائے کبوتر زد ناگاہ رسید''

بعض رفقائے سفر و خدام جو اس سے پہلے بھی مکہ معظمہ حاضر ہوئے تھے اور اس کے بعد بھی متعدد بار ان کو یہ شرف حاصل ہوا لیکن کبھی اس سہولت اور خوبی کے ساتھ داخلہ کی سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ اس کو حضرتؒ کے اس سفر کی برکت اور اللہ تعالیٰ کا انعام خصوصی سمجھتے ہیں۔

حضرتؒ کے بعض متوسلین اپنے حالات و کیفیات اور ادارک کا تذکرہ کرتے لیکن حضرتؒ صاف صاف فرما دیتے کہ ہمیں تو احساس نہیں ہوتا۔ متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ محترمی صوفی انیس صاحب انبہوٹوی مرحوم نے مجلس میں حضرتؒ ہی سے متعلق ایسی کوئی بات شروع کر دی تو حضرتؒ کو ناگوار ہوا اور حضرتؒ نے فوراً ان کو منع فرما دیا۔ معاصر مشائخ و علماء کے ساتھ اسطرح معاملہ فرماتے جیسے مشائخ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ان سے خاندانی نسبت رکھنے والوں اور چھوٹوں کے ساتھ بھی بڑا اکرام کا معاملہ فرماتے، خود اس ناکارہ نے مشاہدہ کیا کہ ایک معاصر شیخؒ کی وفات کے بعد جب ان کے صاحبزادے حضرتؒ کی زیارت و ملاقات کے لئے آئے تو حضرتؒ نے ان کو باصرار اپنی مسند پر بٹھایا اور خود ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے۔ چھوٹوں کے سامنے بھی پاؤں دراز کرنا پسند نہیں تھا، سخت تکلیف اور ضعف کے زمانہ میں بھی اس کا خیال رہتا تھا مجبوراً اگر ایسا کرنا پڑتا تو حاضرین مجلس سے معذرت فرماتے۔ ساری عمر شاید ہی کسی نے حضرتؒ کو چہار زانو بیٹھے دیکھا ہو، چالیس چالیس سال تک خدمت کرنے والے اس کے گواہ ہیں کہ حضرتؒ کو اس طرح نشست کے ساتھ کسی نے نہیں دیکھا۔

بزرگوں کی خدمت میں ہمیشہ دوزانو بیٹھتے ، کئی کئی گھنٹہ بھی نشست ہوئی تو بھی پہلو بدلتے لوگوں نے نہیں دیکھا۔ معاصر مشائخ میں سے کوئی جاتا تو بھی مجلس میں دوزانو ہی تشریف فرمارہتے۔ ضعف اور ٹانگوں کی تکلیف کے باوجود اخیر تک اس وضع میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اللہ جل شانہ کے دربار میں ہمیشہ اپنی عاجزی واحتیاج مستحضر رہتی اور بڑے درد کے ساتھ زبان مبارک سے "مولای انی الیٰ فضلك لفقير" فرماتے رہتے ، صاف محسوس ہوتا تھا کہ یہ صرف قال نہیں بلکہ حال دل ہے جو بے ساختہ زبان پر آجاتا ہے، حسن اعمال اور حسن کردار کے ساتھ ہمیشہ حسن خاتمہ کی فکر رہی ، دعاؤں میں اسکا خاص خیال رہتا، اللہ تعالیٰ نے یہ تمنا کس طرح پوری فرمائی اس کا کچھ تذکرہ وفات کے باب میں آچکا ہے، اور "وہاں" اللہ تعالیٰ نے کس کس طرح نوازا ہوگا یہ اللہ ہی کو معلوم ہے ارشاد ربانی ہے "وان ليس للانسان الا ماسعیٰ وان سعيه سوف يریٰ ثم يجزٰ الجزاء الاوفیٰ" کہ بے شک انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے کیا، اپنی کوشش (کا نتیجہ) وہ عنقریب دیکھے گا، پھر اسکو بھر پور بدلہ دیا جائے گا۔ (سوانح مفکر اسلام ص ۵۵۰ تا ۵۵۳)

(۲) لباس اور کھانے میں سادگی کا حال:۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سلیم خان اللہ صاحب زید مجدھم اپنے اصلاحی بیان میں ارشاد فرماتے ہیں:

سید صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے امتیازات سے سرفراز فرمایا، ان کے خصائص اور صفات کسی ایک فرد کے اندر جمع ہونا بہت مشکل ہے، میں ایک مرتبہ ایک مہینے تک ان کے پاس رہا ہوں اور وہاں میں نے ایک عجیب بات دیکھی جو مجھے متاثر کرتی رہی وہ یہ بات تھی کہ ان کے ہاں قطعاً نہ لباس کے بارے میں اہتمام تھا اور نہ خوارک کے بارے میں، ایک مہینے کا عرصہ اچھا خاصا ہوتا ہے، میں انکے گھر پر بھی دس دن رہا ہوں اور بیس دن انکے ساتھ ندوۃ العلماء میں رہا، ہر جگہ میں نے یہی دیکھا کہ انکے ہاں خوارک میں اور پوشاک میں کوئی اہتمام نہیں تھا۔

حضرت مولانا ایک مرتبہ مصر تشریف لے گئے، وہاں پہنچے تو انکا لباس ایک مختصر سا پاجامہ اور ایک مختصر سا کرتہ تھا اور ایک کالے رنگ کی مختصر سی رامپوری ٹوپی تھی۔ قمیص انکی بہت سادہ ہوتی تھی، مولانا فرماتے تھے کہ میرے لباس کی قیمت ایک روزے کے فدیہ سے زیادہ نہیں تھی تو مصری علماء نے مجھے اس لباس میں دیکھ کر بہت تعجب کیا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہیں اور اتنے بڑے مورخ اور ادیب ہیں اور آپ کا یہ لباس! مثل تو مشہور ہے کہ "الناس باللباس" یعنی لوگوں کی شان لباس کے ساتھ قائم ہے لیکن مولانا نے فرمایا کہ اصل سنت تو یہی ہے کہ لباس میں سادگی ہو اور اسمیں دین کی حفاظت بھی ہے" رسول اکرم ﷺ کے ہاں لباس کے سلسلے میں کوئی خصوصی اہتمام قطعاً نہیں ہوتا تھا، حد جواز میں جو چیز بھی سامنے آجائے اس کو استعمال کرلیا جاتا"۔

تو بہر حال میں کہہ رہا تھا کہ ہمارا ذوق، وہ تو بالکل ہی مختلف ہے۔ فلاں قسم کا کپڑا پہنا جائے گا اور فلاں درزی سے سلائی ہوگی، فلاں تراش اور خراش اور وضع ہوگی تب ہم اس کو استعمال کریں گے۔ اور یہی حال ہمارے دوسرے معاملات کا بھی ہے کہ ہم مباحات میں انہماک رکھتے ہیں۔ (مجالس علم، ذکر، جلد (۲) ص ۲۵)

جامع شریعت وطریقت ڈاکٹر حفیظ اللہ مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے واقعات:۔

(۱) امتیازی شان کو ناپسند کرنا:۔

عالم ربانی حضرت مفتی عبدالقادر صاحبؒ آپکے مفصل تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کسی معاملہ میں اپنا امتیاز پسند نہ فرماتے تھے، عام لوگوں میں گھلا ملا رہنے کو پسند فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ کوئی ایسا طرز اختیار نہ کیا جائے جس سے اپنا امتیاز معلوم ہو۔ اسی طرح دینی خدمت کرنے کے عادی تھے، کبھی اپنے دینی پروگرام کا اشتہار نہ دیتے تھے، کئی احباب کہتے کہ اگر ایک اشتہار شائع کردیا جائے تو لوگوں کو سہولت رہیگی مگر حضرت کی طبیعت اس پر آمادہ نہ ہوتی۔ حضرت تھانویؒ کا یہ معقولہ نقل فرماتے کہ" کام تو سب ہوں مگر نام نہ ہو"۔

حضرت اس کو بھی پسند نہ فرماتے کہ لوگوں کے ملنے کے لئے ملاقات کا وقت مقرر کیا جائے۔ کئی احباب نے عرض کیا کہ بے وقت کے مہمانوں سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے وقت مقرر فرمادیں مگر حضرت کی متواضع طبیعت نے اس کو پسند نہیں کیا، بالکل آخر میں جب امراض اور عوارض نے گھیر لیا پھر خدام نے ملاقات کے لئے وقت مقرر کر دیا۔ (اصلاحی مضامین ص ۲۲۱)

(۲) حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تواضع:۔

حضرتؒ میں تواضع کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ہر ملنے والے کو تواضع اور ہنستے چہرے کے ساتھ ملتے تھے۔ جس کے بارے میں یہ معلوم ہوتا کہ یہ عالم ہے تو ان سے بڑے ادب سے پیش آتے تھے۔ یہاں تک کہ علماء حضرات کو ''آپ یا تم'' کے لفظ سے خطاب نہیں فرماتے تھے بلکہ جناب کا لفظ فرماتے مثلاً ''جناب کی ملاقات سے بڑی خوشی ہوئی'' وغیرہ۔

بندہ تو بالکل نا کارہ اور کسی کام کا نہیں ہے، جب حضرت مجھے خط لکھتے تو لفافے پر بندہ کے نام کیساتھ القاب ذکر فرماتے اکثر ''بخدمت بزرگوارم'' مکرمی'' ''محترمی'' اور ''حضرت '' کے الفاظ لکھتے۔ بندہ جب سکھر میں بیان کرتا تو شروع شروع میں ہر بیان میں تشریف لاتے اور بندہ کا بیان اپنے قلم سے اپنی کاپی میں لکھتے اور بعد میں اس کو صاف فرمالیتے، اگر پوچھنے کی کوئی چیز ہوتی تو استفسار فرمالیتے، حالانکہ اس مجلس میں حضرت کے عقیدت منداور مرید موجود ہوتے تھے، حضرت کبھی یہ خیال نہ فرماتے تھے کہ مرید کیا سمجھیں گے، بندہ تو کچھ نہ تھا مگر حضرت باہر سے آنے والے ایک عالم کی قدر دانی سکھانا چاہتے تھے کہ جب میں ان کے مضامین کو لکھ رہا ہوں تو دوسروں کو بھی استفادہ کرنا چاہئے۔ (ایضاً ص ۲۲۳)

(۳) تواضع اور طلب:۔

جب کبھی بیان فرماتے اور کوئی عالم وعظ میں موجود ہوتے تو وعظ کے بعد یہ ضرور فرماتے کہ ''اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو بتا دیجئے'' اور کبھی یوں فرماتے میں جاہل آدمی ہوں

غلطیاں ہو جاتی ہونگی بتا دیجیے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اگر چہ اصطلاحی عالم نہ تھے مگر حقائق ومعارف مسائل وفضائل پر ان کی نظر وسیع تھی۔ حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ اور دیگر کتابوں پر بہت عبور تھا، مطالعہ کا خاص ذوق تھا ایک عالم نے کہا اور صحیح کہا کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ وقت کے حاجی امداد اللہ صاحبؒ تھے۔ حضرت تھانویؒ کے مسلک ومشرب پر نہایت تصلب سے قائم تھے اور اپنے متعلقین کو بھی اس کی تاکید فرماتے۔ نئے نئے ذوق اور طریقے ان کو پسند نہ تھے وہ اپنے اکابر کے طریقے کو پسند فرماتے اور اس پر جمے رہتے اگر چہ نئے ذوق والوں سے الجھتے نہ تھے۔ (ایضاً ص۲۶۶)

(۴) اعتراف قصور:۔

جب بیان فرماتے تو کاپی یا ارشادات والا کاغذ سامنے رکھ لیتے۔ اس پر کبھی معمولی سی نظر ڈال لیتے اور حاضرین پر بہت کم نظر ڈالتے، ویسے آپ کو ضرورت نہ تھی کہ بیان کے وقت کوئی کاپی یا تحریر شدہ نوٹ سامنے رکھیں کیونکہ آپ کو مضامین کا بہت استحضار تھا اور بہت سے مضامین بار بار بیان کئے ہوئے تھے مگر یہ حضرت کی تواضع تھی کہ آپ عالمانہ شان دکھانا پسند نہ فرماتے اور اپنے آپ کو ایک عامیانہ روپ میں ظاہر کرتے، بعض اوقات ناواقف آدمی سمجھتا کہ وعظ میں کوئی تحریر پڑھ رہے ہیں، بندہ یا دیگر محبین جب کبھی اس کا اظہار کرتے کہ آج تو آپ نے عجیب بیان فرمایا، بہت ہی لاجواب اور موثر مضمون تھا تو تواضعاً فرماتے کہ "اس میں ہمارا کچھ نہیں ہم تو صرف ناقل ہیں"، یعنی علماء صلحاء کی کتب سے نقل کئے ہوئے مضامین ہیں۔

حضرت قصداً خطیبانہ اور مقررانہ طرز سے احتراز کرتے، سادہ طریقے سے بیان فرماتے اور اسی کو زیادہ موثر سمجھتے، اگر چاہتے تو بلند آواز سے جوش خطابت کے ساتھ تقریر فرما سکتے تھے، مگر اس سے احتراز فرماتے۔ وعظ میں کوئی عالم ہوتا تو وعظ کے بعد اس سے اصرار کرتے کہ اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو بتلا دیں، اگر کوئی غلطی بتاتا تو بہت شکریہ ادا کرتے۔ غلطی کے بارے میں فرماتے کہ جب کوئی شخص غلطی بتائے تو مان لینا چاہیے اگر چہ غلطی نہ ہو، اس کا فائدہ یہ ہو

گا کہ آئندہ غلطی بتائے گا، اگر نہ مانو گے تو آئندہ نہ بتائے گا۔ (ماہنامہ محاسن اسلام ملتان خصوصی شمارہ ص ۴۰)

(۵) گھریلو کام کاج میں گھر والوں کے ساتھ شرکت:۔

آپ کی پوتی بنت ڈاکٹر کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم لکھتی ہیں:

امی جان بتاتی ہیں کہ ابا جی ہر کسی کا بہت خیال کرتے تھے۔ اگر گھر میں کوئی بیمار ہوتا تو اس کے دوا۔، علاج، آرام اور ہر طرح کا خیال کرتے، امی جان بتاتی ہیں کہ ایک دفعہ گھر میں مہمان آئے ہوئے تھے وہ چلے گئے، میں برتن دھو رہی تھی ابا جی آئے فرمانے لگے'' آپ برتن چھوڑ دیں کوئی اور کام کرلیں میں برتن دھولوں گا''۔ امی جان کہتی ہیں میں نے دو تین دفعہ ابا جی سے کہا آپ نہ دھوئیں میں دھولوں گی۔ پھر فرمانے لگے'' اچھا آپ جالی لگائیں میں دھوتا جاتا ہوں''۔ اس طرح سارے برتن دھلوائے۔

اسی طرح ایک مہمان آئے پھر وہ کھانا کھا کر چلے گئے میں باورچی خانے سے برتن سمیٹ رہی تھی، ابا جی اپنے کمرے میں لیٹ گئے تھے، تھوڑی دیر بعد اٹھ کر آئے، جو برتن میں نے سمیٹے ہوئے تھے وہ اٹھا کر باہر کھرے میں بیٹھ کر دھونے لگے، امی جان کہتی ہیں میں نے دو دفعہ کہا زیادہ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ آپ رہنے دیں، ابا جی فرمانے لگے'' کوئی بات نہیں آپ باورچی خانہ نہ صاف کریں میں دھو لیتا ہوں''، پھر سارے برتن دھوئے۔ امی جان کہتی ہیں میں نے صبح دادی جان سے کہا رات ابا جی نے برتن دھوئے تھے مجھے بہت شرم آرہی تھی، دادی جان نے یہ بات ابا جی کو بتائی، ابا جی فرمانے لگے'' میں لیٹ گیا تھا، مجھے اچانک خیال آیا کہ وہ اکیلی کام کر رہی ہوگی، اس وجہ سے مجھے نیند نہیں آرہی تھی پھر میں اٹھ کر باہر چلا گیا، ویسے بھی بہوؤں پر حق نہیں، وہ کردیں تو انکی مہربانی ہے، انکی طبیعت خراب ہے مجھے ترس آتا ہے''۔ اس طرح کے کئی واقعات امی جان بتاتی ہیں کہ جب میری طبیعت خراب ہوتی تو کپڑے دھلوانے میں بھی مدد دیتے تھے۔ (حوالہ بالا ص ۴۷)

(۶)'' بھائی! جس نے انڈے پراٹھے کھائے ہوں وہ دال روٹی پر کیا گذارہ

کرے گا؟''

آپکے مسترشد ڈاکٹر رشید الدین صاحب (نواب شاہ) رقمطراز ہیں:

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے احقر کے محسن خاص ڈاکٹر نعیم اللہ صاحب کی راہنمائی سے احقر کی بیعت واصلاح کا تعلق ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ سے ہوگیا جوانکی وفات تک قائم رہا، انکی رحلت کے بعد حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اصلاحی تعلق کی درخواست کی تو حضرت والا نے فرمایا:

''بھائی! جس نے انڈے پراٹھے کھائے ہوں وہ دال روٹی پر کیا گذارہ کرے گا''؟ (حضرت نے ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ سے تعلق کو انڈے پراٹھے اور اپنے تعلق کو بطور تواضع دال روٹی سے تعبیر کیا) اور یہ بھی فرمایا کہ ''ہم ڈھول کا پول ہیں''۔ یہ بھی حضرت والا کی تواضع تھی، لیکن احقر نے عرض کیا کہ بندہ حاضر خدمت ہوگیا ہے تو فرمانے لگے ''ہاں بھائی! ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمہ اللہ نے خادم بنا دیا ہے اس لیے میں خدمت کے لیے حاضر ہوں''۔ (ص ۱۱۰)

(۷) ''یوں کیوں نہیں کہتے کہ میری نحوست سے دوسرے خیمے جل گئے''۔

آپکے خادم حاجی مسعود احمد بھٹہ آپکی معیت میں کئے ہوئے حج کی روئیداد میں لکھتے ہیں:

جب قربانی کا وقت آیا تو تمام مرد روانہ ہوئے اور منیٰ کے کیمپ میں صرف خواتین رہ گئیں اور مردوں کے کیمپ میں صرف حضرت والا رہ گئے کیونکہ آپ ضعیف تھے اور چلنے میں دقت محسوس ہوتی تھی، ہم لوگ قربانی سے واپس آئے تو دیکھا کہ تمام احاطہ میں آگ لگی ہوئی ہے، مگر آگ ہمارے خیموں کے پاس آکر رک گئی تھی اور ہمارا سامان وغیرہ سب کچھ محفوظ تھا، ہم سب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، میں نے حضرت سے عرض کی کہ آپ کی برکت سے ہمارے خیموں کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے بچالیا، چونکہ حضرت کو اپنی تعریف پسند نہیں تھی اس لئے فوراً فرمایا:

''یوں کیوں نہیں کہتے کہ میرے نحوست سے دوسرے خیمے جل گئے''۔

مجھے احساس ہوا کہ میں نے حضرت کے منہ پر تعریف کر کے سخت غلطی کی۔ (ص ۱۲۰)

حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے واقعات:۔

(۱) ''وہ حسد اور معاصرت کی بیماری سے پاک تھے'':۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

راقم الحروف صرف ان کی ایک خوبی کا ذکر کرنا چاہتا ہے جو میرے نزدیک تمام خوبیوں پر غالب ہے وہ ہے ''حسد اور معاصرت'' کی بیماری سے پاک ہونا۔

ان کا سینہ حسد اور کینہ سے بالکل پاک تھا۔ حسد انسانوں کی وہ بیماری ہے جس میں نبی آدم مبتلا ہوئے اور اسی حسد کی بیماری کیوجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے حقیقی بھائی کو قتل کر دیا۔ مشہور مقولہ ہے المعاصرۃ قنطرۃ المنافرۃ''۔

سلف میں بڑے بڑے لوگ اس مرض کا شکار رہے ہیں، مجھے خوب یاد ہے کہ اپنے شیخ حضرت بنوریؒ سے مسلم شریف جلد اول پڑھتے ہوئے جب امام مسلم کے امام بخاری کے متعلق الفاظ بعض ''منتحل الحدیث'' آئے تو حضرت بنوری نے اس پر ایک تقریر فرمائی کہ میں بڑی مدت تک پریشان رہا اور سوچ بچار کرتا رہا کہ اتنے بڑے محدث اور بزرگ بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ مدت بعد سمجھ میں آیا کہ شیطان ان بزرگوں سے کوئی بڑا قبیح گناہ، یعنی شراب نوشی، زنا وغیرہ تو کرا نہیں سکتا، اور وہ حضرات ساری زندگی دین کی خدمت میں گزار دیتے ہیں، تو شیطان ان سے یہ (معاصرت والا) گناہ سرزد کرا دیتا ہے تا کہ قیامت کے روز واللہ تعالیٰ کے حضور اپنی دینی خدمات کی وجہ سے فخر سے سر بلند نہ کر سکیں اور معاصرت کے قصور کی وجہ سے وہ اس روز خدا تعالیٰ کے سامنے سرنگوں ہوں۔

معاصرت کی بیماری سے اگر کوئی محفوظ ہے تو میرے نزدیک اس کی سب سے بڑی ولایت یہی ہے۔ اس لحاظ سے راقم الحروف مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید کو وقت کا ولی کامل سمجھتا ہے، بندہ ناچیز بھی چونکہ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرتا ہے اور کسی حد تک حضرت شہیدؒ سے

معاصرت کی نسبت رہی ہے، لیکن مولانا موصوف جہاں بھی میرا ذکر کرتے انتہائی احترام کے ساتھ عموماً ''مخدوم ومکرم'' کے خطاب سے ذکر کرتے۔ حالانکہ بندہ ناچیز ان کا استاد تھا نہ ہی پیرومرشد، بندہ انٹرنیشنل ختم نبوت مومنٹ کا مرکزی جنرل سیکریٹری ہے، جبکہ مولانا موصوف عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر اور ترجمان تھے، دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی حریف سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود میری کتاب ''رد قادیانیت کے زریں اصول'' پر مولانا لدھیانوی شہیدؒ نے جو تقریظ لکھی تھی وہ ان کی عظمت کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے ایک ہم عصر کے لئے کس وسعت قلبی اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا ہے۔

تقریظ کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں:

''میرے مخدوم ومکرم جناب مولانا منظور احمد چنیوٹی دامت برکاتھم نے رد قادیانیت کو اپنی زندگی کا مقصد وحید بنالیا اور ''لکل فرعون موسیٰ'' کے مطابق انہوں نے رد قادنیت کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ زیر نظر کتاب مولانا زید مجدھم کے ان دروس کا مجموعہ ہے جو آپ نے دارالعلوم دیوبند میں اہل علم کو املاء کرائے تھے، بعد میں ان کو کیسٹ سے اتارلیا گیا۔ راقم الحروف نے اس کتاب کو (جو دارالعلوم نے راقم الحروف کو بھیجی تھی) حرفاً حرفاً پڑھا اور جناب مصنف کے لئے دل سے دعائیں نکلیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سعادتیں اور برکتیں نصیب فرمائے۔ آمین''

مولانا کی یہ خوبی ان کی سب خوبیوں پر غالب ہے جو اکثر لوگوں کی نظر میں نہیں ہوگی۔ بہت کم لوگ معاصرت کے مرض سے محفوظ ہوتے ہیں، یہی ان کی ولایت اور عند اللہ مقبولیت کی علامت ہے۔ (''بینات'' شہید اسلام حضرت لدھیانوی نمبر ۱۶۷)

(۲) ''ایسے نہیں، بلکہ یہ سند میرے نام پُر کرکے دیدیں''۔

آپ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاری محمد طاہر مدنی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مجھے تو بالخصوص قدم قدم پر جو خصوصی وصف حضرت اقدس کا یاد آتا ہے وہ آپ کی فنائیت،

تواضع اور منکسر المزاجی ہے۔ اس کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں، احقر نے جب سے مدینہ پاک کی ہجرت اختیار کی ہے، مدینہ منورہ میں قیام پذیر مختلف ممالک کے حفاظ وقراء روایت حفص یا دیگر روایات
وقرءات کے مطابق قرآن پاک سنا کر بالخصوص سند متصل بحضرۃ النبوۃ ﷺ کا مجھ سے مطالبہ کرتے تھے، ان حضرات کے اصرار پر ناچیز نے بروایت حفص عربی میں ایک سند مرتب کر کے طبع کرائی ہوئی ہے، ایک موقع پر احقر نے حضرت اقدس سے عرض کیا کہ میں آنجناب کے صاحبزادے کو ایک سند ساتھ دیدیتا ہوں، اس پر بلحاظ عربیت آپ بعد میں نظر فرما کر اصلاح فرماویں، ارشاد فرمایا کہ ایسے نہیں بلکہ یہ سند میرے نام پر پر کر کے دیدیں، ناچیز نے حصول ادعیہ ورضا قلبی کا ذریعہ اپنے لئے باعث اعزاز تصور کرتے ہوئے حسب ارشاد اعزازی سند پر کر کے پیش خدمت کر دی۔ (ایضاً ص ۱۷۷)

(۳) انتہاء درجہ کی کسر نفسی:۔

مولانا مرغوب احمد لاجپوری دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

جن حضرات کو حقیقت کبریٰ تک رسائی اور حق تعالیٰ شانہ کی معرفت نصیب ہو جاتی ہے انہیں (اپنے تمام کمالات کے باوصف) اپنا وجود ہیچ در ہیچ نظر آتا ہے، یہی عقیدت وفنائیت کا وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر وہ اکابر یہ ارشاد فرماتے ہیں:

''تیرا وجود ایک ایسا گناہ ہے جس کے برابر اور کوئی گناہ نہیں۔''

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے اسی معراج کمال پر فائز فرمایا تھا، آپ انتہائی تواضع کے حامل تھے۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ناکارہ آنحضرت خاتم النبین وسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ ترین اور نالائق ترین امتی ہے اور اپنی روسیاہی ونالائقی میں پوری امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) میں شاید سب سے بڑھ کر ہے''۔

اپنی تالیف ''حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور ان کے خلفاء کرام'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''(اللہ تعالیٰ نے) حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے اس روسیاہ کا تعلق استوار کردیا، ورنہ میری نالائقی وگندگی اور روسیاہی تو حضرتؒ کے منتسبین میں شمار کئے جانے سے بھی مانع تھی اور ہے۔'' (ج اص ۳۱)(ص ۲۹۵)

(۴) ''ہاں بھائی! وہ سچ کہتے ہیں، میں نہ با قاعدہ مفتی ہوں نہ بے قاعدہ''۔

دشمنان اسلام آپ کو گالیوں بھرے خطوط سے نوازتے مگر آپ نے کبھی بھی اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ فرماتے تھے کہ عقیدت مندوں کی تعریف وتوصیف سے دل میں اگر اپنے بارے میں کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی تو وہ بحمد اللہ اس سے صاف ہوگئی۔

حضرت کو ایک بار کسی نے بتلایا کہ ایک صاحب نے کسی بڑے آدمی سے آپ کے بارے میں سوال کیا کہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی با قاعدہ مفتی ہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ ''وہ نہ با قاعدہ'' مفتی ہیں نہ بے قاعدہ یہ سن کر حضرت نے فرمایا: ''ہاں بھائی وہ سچ کہتے ہیں میں نہ با قاعدہ مفتی ہوں نہ بے قاعدہ''۔ (صبر وتحمل کی روشن مثالیں ص ۱۴۸)

(۵) ''عجز وانکسار، تواضع وللٰہیت پر مبنی حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے نام ایک مکتوب''۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدی حضرت الشیخ الامام دامت فیوضہم و برکاتہم العالیہ السلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہ

اس ناکارہ نے بارہا ارادہ کیا کہ حضرت والا کی خدمت میں کچھ حالات لکھ دیں۔ مگر جب بھی اس کا قصد کیا محجوب ہوکر رہ گیا کہ کوئی حالت ہو تو لکھوں۔ قرآن کریم حدیث نبوی اور اپنے اکابر کے ارشادات میں جو کچھ پڑھا ہے جب اپنی حالت کا اس سے موازنہ کرتا ہوں تو اندیشہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی فہرست میں نام درج کرانے کے بھی لائق نہیں ہوں۔

حضرت والا نے بارہ تسبیح کا ذکر ارشاد فرمایا ہے بحمد اللہ وہ پابندی سے کرتا ہوں، مگر کبھی کبھی ناغہ بھی ہوجاتا ہے۔ اذان فجر سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھنے کا معمول ہے مگر پابندی اس کی بھی نہیں ہو پاتی استغفار، درود شریف، تسبیحات فاطمی اور دیگر اذکار مسنونہ پر حتی الوسع مداومت

کرتا ہوں۔الحمد للہ جب بھی فرصت کا لمحہ ملے زبان پر ذکر جاری ہو جاتا ہے مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زبان ہی زبان پر ہے قلب مشغول بحق نہیں۔ بلکہ افکارِ پریشاں اور خطرات ووساوس کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ حضرت والا کے ساتھ جتنا عشق اور ربط قلب ہونا چاہیے وہ بھی پورا محسوس نہیں ہوتا۔ الحمد للہ پنج وقتہ نمازوں کے بعد حضرت والا کے لئے ایصال ثواب اور دعاء ترقی درجات التزاما کرتا ہوں، کسی کی غیبت اور بدگوئی سے ایسی نفرت ہوگئی ہے کہ کسی دوسرے سے بھی ناگوار نہیں ہوتا۔

حضرت! یہ ناکارہ دورافتادہ بھی ہے اور بداستعداد بھی اور حضرت والا کی توجہات عالیہ اور مراحم خسروانہ کا بہت ہی محتاج اور نہایت لائق رحم ہے۔

حضرت والا اس ناکارہ کے مناسب حال جو ہدایت فرمائیں گے انشاءاللہ ان پر بجان ودل عمل کرونگا۔ حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت کے طفیل اس ناکارہ کو اپنی رضا ومحبت نصیب فرمائیں اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے جانا ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم وفضل سے حضرت اقدس کا سایہ تادیر قائم رکھے اور فیوض وبرکات میں اضعافاً مضاعفہ اضافہ فرمائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

۱۴۰۰/۳/۲۹ھ

۱۹۸۰/۲/۱۷ء

(ماخوذ از بینات شہید اسلام نمبر ص ۸۹۲)

امین ملت حضرت مولانا محمد امین صاحب صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کے واقعات:۔

(۱) تواضع اور انکسار کا پیکر:۔

مولانا محمد سعد صاحب (کبیر والا) آپکے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

مناظر اسلام ترجمان احناف مین ملت حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی یوں تو بہت سے کمالات وصفات سے موصوف تھے لیکن بے نفسی وفروتنی کا وصف خاص تھا۔ وہ طبعاً منکسر المزاج اور انتہائی متواضع انسان تھے وہ ایک بلند پایہ مناظر محقق نقاد کے ساتھ ساتھ بے حد سادہ اور فنائیت میں کامل تھے۔آپ کے دیکھنے والوں کی اس حقیقت پر اتفاق ہے کہ آپ عجز وانکسار کے مرقع تھے اور اپنے اس خصوصی وصف میں سلف صالحین کی یادگار تھے ہر ادا سادگی ومسکنت میں ڈوبی ہوئی اور اظہار انا سے بہت بچی ہوئی تھی رفتار وگفتار نشست وبرخاست طرز وانداز میں یہ وصف بہت نمایاں تھا۔اپنے چھوٹوں بالخصوص طلباء کے ساتھ متواضعانہ طرز عمل تھا اور جب دیگر علماء مشائخ کرام سے ملتے تو ان کے سامنے سراپا تواضع بن جاتے۔ ان کا نہایت درجہ احترام اور ادب فرماتے تھے بلکہ کبھی تو ان کے سامنے طالب علمانہ طریقے سے دوزانو ہوکر بیٹھتے تھے۔ یہ تواضع رسماً نہ تھی بلکہ واقعیت کے ساتھ اندر موجود تھی۔آپ کی طبیعت میں تعصب کا نام ونشان نہیں تھا شہرت ونا موری کا جذبہ جیسے آپ کی طبیعت میں پیدا ہی نہ ہوا ہو۔کبھی کوئی نمایاں لباس زیب تن نہیں فرماتے تھے بلکہ سادہ زندگی اور سادہ طریق ہر معاملے میں رکھتے تھے۔جو حضرات آپ سے صرف نام کی حد تک متعارف ہوتے وہ آپ کو دیکھنے سے پہلے آپ کا جو تصور ذہن میں بسا لیتے وہ آپ کو دیکھنے کے وقت آپ کو اپنی اس خیالی صورت اور وضع قطع سے بالکل مختلف پاتے کیونکہ وہ آپ کی جوہر شناس علمی شخصیت اور آپ کی مناظرانہ صلاحتیوں کی غیر معمولی شہرت سن کر آپ کی ظاہری صورت اور وضع قطع کو تصنع سے آراستہ خیال کرتے لیکن جب انہیں آپ کی اصلی صورت دیکھنے کی سعادت حاصل ہوتی تو وہ دنگ رہ جاتے اور ان کا ذہن یہ ماننے کے

لئے تیار نہ ہوتا کہ یہ وہی عظیم المنزلت شخصیت ہیں جو مسلک علماء دیوبند اہل سنت کے عظیم مناظر کے نام سے شہرت اور مقبولیت کی سند پا چکے ہیں۔ آپ کی سادگی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ عام سی سواری اور سائیکل کی سواری فرمانے میں عار نہیں سمجھتے تھے۔ کئی مرتبہ کسی مناظرے میں جانا ہوتا تو سائیکل پر پیدل چلے جاتے۔ آخر عمر تک سردی کی شدت اور گرمیوں کی تپش سے بے نیاز ہوکر دور دور کے بلاد وامصار تک بکثرت سفر فرماتے رہے ہیں۔ باطل عقائد ونظریات کی سرکوبی کے لئے ہر دم سینہ سپر رہتے۔ جلسوں اور مناظروں پر بھی کسی قسم کی شان بنانے کا معمول نہ تھا۔ نہ قافلہ بندی کی صورت میں، نہ عمدہ لباس میں، نہ رہنے سہنے میں کروفر ہوتا۔ اور نہ کتابوں کا بنڈل ساتھ لاتے بلکہ رخت سفر صرف ایک سادہ سا تھیلا ہوتا تھا جس میں چند کتابیں رہتی تھیں۔

بہت مرتبہ رفیق سفر کا بھی اہتمام نہیں کرتے تھے۔ راقم نے بچشم خود ایک سے زیادہ مرتبہ ملتان لاری اڈے پر آپ کو اکیلے ویگن پر سوار ہوتے دیکھا ہے۔ اس سے آپ کی تواضع کسر نفسی اور غایت عبدیت کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ اسی تواضع کی برکت تھی کہ حق تعالیٰ نے آپ کے اندر ایسی صلاحیتیں بھری تھیں کہ آپ ہمیشہ مناظرے کے میدان میں فریق مخالف پر غالب رہتے اور علماء حق کے گروہ میں قابل فخر شخصیت سنے اور دیکھے جاتے تھے۔ اور آپ کی شخصیت بڑے بڑے علماء کی منظور نظر تھی۔ حسب موقع وہ آپ سے اعداء سلف صالحین کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات بھی طلب فرماتے مگر آپ باوجود علمی تفوق اور وسیع المطالعہ کے تواضع سے دیگر علماء کے سامنے اپنا کوئی درجہ نہیں سمجھتے تھے کثیر التعداد واقعات و مشاہدات آپ کی سادگی اور مقام فنائیت کے مئوید ہیں۔

(ماہنامہ ''الخیر'' مناظر اسلام نمبر ص ۵۸۰)

(۲) پروقار سادگی:۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا منیر احمد صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا اوکاڑوی اتنے سادہ مزاج اور کشادہ طبیعت واقع ہوئے تھے کہ تکلفات سے

دور نام ونمود کی ظاہری شان وشوکت سے کوسوں دور حضرت نے کسی بڑے سے بڑے پروگرام پر جانا ہوتا یا کسی بڑے اجلاس میں تب بھی دھلے کپڑے بغیر استری کے پہن کر چل پڑتے، جوتی بھی کسی دوسرے نے پالش کر دی تو ٹھیک ورنہ جس حالات میں ہے ٹھیک ہے۔اور اگر طویل سفر ہوتا تو کپڑے کے تھیلے میں ایک دو جوڑے کپڑے کے ساتھ لے لیتے۔نہ خادم کی ضرورت نہ تھیلا اٹھانے والے کی ضرورت: حضرت کو پیشاب کی تکلیف کا عارضہ تھا اگر پیشاب میں دیر ہو جاتی تو بعض مرتبہ گردوں کی تکلیف شروع ہو جاتی بلڈ پریشر، گھٹنوں میں درد اور دائمی نزلہ، زکام، بھی تھا اس کے باوجود بھی آپ ہمیشہ ویگنوں اور بسوں میں سفر کرتے، آپ داعی حضرات کے سامنے نہ اپنی اس تکلیف کا اظہار کرتے نہ کار موٹر کی شرط لگاتے بلکہ کئی دفعہ فرمایا، ہمیں دعوت دینے والے غریب لوگ ہوتے ہیں، ان پر کار کا بوجھ ڈالنا طبیعت گوارہ نہیں کرتی، آپ نے یہ کبھی نہیں دیکھا تھا کہ اشتہار میں میرا نام کس انداز سے اور کن القاب سے لکھا گیا ہے نہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ لوگ میرا استقبال کرنے کے لئے آئیں اور مجھے جلوس کی شکل میں شایان شان طریقہ سے لیجائیں، نہ کوئی خاص رہائش کا مطالبہ ہوتا نہ کسی خاص کھانے کا، جیسا بھی کھانا مل گیا حسب منشاء وہی کھالیا، رہائش کا کمرہ دیکھو تو بستر بڑا سادہ برتن بقدر ضرورت، نمائش نام کی کوئی چیز نہیں بس کمرہ میں آپ ہیں کتابیں ہیں اور کاغذ ہے اور قلم ہے اور آپ ہمہ وقت مطالعہ میں اور لکھنے میں مصروف آپ نمائشی چیزوں سے خوش ہونے کے بجائے کتابوں سے خوش رہتے، ان کو مطالعہ اور لکھنے پڑھنے سے فرصت ہی کہاں تھی، جو آپ اپنی آرائش وزیبائش کی طرف توجہ دیتے بلکہ آپ اپنے طلبہ کے لئے نمود ونمائش کے تکلفات کو ناپسند کرتے، اگر کوئی ایسا کرتا تو آپ دبے لفظوں میں اور مزاح کے انداز میں اس کے سامنے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیتے، جب تک مولانا اوکاڑوی کو نہ دیکھا تھا میرے دل، دماغ پر بچپن سے مولانا محمد علی جالندھریؒ پروقار پر عظمت سادگی کے اعتبار سے چھائے ہوئے تھے لیکن جب میں نے مولانا اوکاڑویؒ کو دیکھا تو مولانا جالندھری کا عکس نظر آئے، مولانا جالندھری کی طرح آپ

میں سادگی ہے مگر پر وقار، خوش مزاجی ہے لیکن با مقصد، بے تکلفی ہے لیکن سنجیدہ، علمی اور گہری بات ہے مگر انداز بیان عام فہم اور سادہ۔ (ایضاً ص ۱۹۰)

(۳) ''وہ چھوٹوں کو بھی بڑا بنا دیتے تھے:۔

حضرت مولانا محمد ازہر صاحب مدیر ماہنامہ ''الخیر'' تحریر فرماتے ہیں:

مولانا مرحوم علمی تبحر، وسعت مطالعہ اور غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے باوجود مجسمہ انکسار تھے اس تواضع اور بے نفسی کا اندازہ ان کی سادگی، بے تکلفی، محنت بھر گفتگو اور خوش مذاقی سے بآسانی ہو جاتا تھا۔ احقر نے ایک مرتبہ ''الخیر'' کے ناظم مولوی فیاض احمد صاحب سلمہ کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ''میں حاضر خدمت ہونا چاہتا ہوں'' تھوڑی دیر کے بعد یہ دیکھ کر انتہاء نہ رہی کہ حضرت مولانا بنفس نفیس دفتر ''الخیر'' میں چلے آرہے ہیں مجھے انتہائی ندامت وشرمندگی ہوئی اور یہ احساس ہوا کہ پیغام بھیجنے سے بہتر حاضر ہو جانا ہی تھا، تاکہ حضرت مولانا کو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ احقر کی حیثیت مولانا کے شاگردوں سے بھی کم تر ہے۔ یہ ان کی محبت وشرافت، مروت واخلاق اور تواضع و بے نفسی کا کمال تھا کہ وہ چھوٹوں کو بھی بڑا بنا دیتے تھے۔ (ص ۲۶۲)

(۴) ''میرے ساتھ تو وہ چلے کہ میں اس کی جوتیاں سیدھی کروں''۔

مولانا فیاض احمد عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ایک دن سفر سے واپسی کے بعد جو میرا مولانا کی معیت میں سوا تھا فرمانے لگے آئندہ تجھے ساتھ نہیں لے چلوں گا۔ اس لیئے میرے ساتھ تو وہ چلے کہ میں اس کی جوتیاں سیدھی کروں جبکہ تو میری جوتیاں سیدھی کرتا رہا۔ (ص ۲۷۵)

(۵) سادہ اور بے تکلف زندگی:۔

مولانا نعیم الدین صاحب لاھور) تحریر فرماتے ہیں:

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''البذاذۃ من الایمان''، سادگی ایمان کا حصہ ہے'' رشاد مبارک کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم مولانا اوکاڑوی مرحوم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ

سادگی کا مرقع نظر آتی ہے۔آپ کے لباس و پوشاک میں سادگی ، سفر وحضر اور نشست و برخاست میں سادگی تقریر وتحریر میں سادگی الغرض آپ کی ہر چیز اور ہر بات سادگی کا آئینہ دار تھی۔باوجودیکہ قدرت نے آپکو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا اور ہر جگہ و ہر طبقہ میں آپ کا اثر تھا لیکن اس کے باوجود آپ میں سادگی اور مسکنت اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ آپ سے ناواقف آدمی کے لئے آپ کو عالم ومناظر سمجھنا مشکل تھا۔

ایک مرتبہ مولانا مرحوم نے راقم سے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ کراچی کے ایک بڑے مدرسہ میں گیا وہاں میرے ایک شاگرد مدرس تھے انہوں نے اس مدرسے کے ایک بڑے اور نامی گرامی عالم سے میری ملاقات کروائی تعارف کراتے وقت انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ بہت بڑے مناظر ہیں ان عالم صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ جناب کی تعلیم کیا ہے؟ کہاں کے فارغ ہیں؟ میں نے کہا حضرت میں تو کچھ بھی نہیں ،صرف ایک اسکول ماسٹر ہوں۔اس پر ان عالم صاحب نے فرمایا، پھر تو یہ قیامت کی نشانی ہے۔

مولانا مرحوم نے چونکہ اپنی فطری تواضع اور سادگی کی بنا پر اپنا معمولی تعارف کرادیا تھا اس لیے وہ عالم مولانا مرحوم کی قدر و قیمت نہ جان سکے۔

آپ بارہا ناچیز کے مکان و مکتبہ پر تشریف لائے اور عام آدمیوں کی طرح ایسے بے تکلف انداز میں رہے کہ خود ناچیز کو شرمندگی سی ہونے لگی۔آپ کی زندگی میں نہ کوئی پروٹوکول تھا نہ ہٹو بچو کا شور تھا۔خاموشی سے آتے تھے اور خاموشی سے چلے جاتے تھے۔نہ کھانے پینے میں تکلف تھا، نہ آنے جانے میں۔

سادگی کے ساتھ مولانا مرحوم میں تواضع اور عاجزی بھی انتہاء درجہ کی تھی۔باوجودیکہ آپ ایک کامیاب مناظر مقبول ترین خطیب ومقرر اور حق کے بے باک ترجمان تھے لیکن آپ کے قول وفعل سے کسی قسم کی نمود ونمائش، تعلّی اور بڑائی کا اظہار نہیں ہوتا تھا. جس مقام پر اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی سے ہمکنار کرتے آپ اسے اپنے اکابر کا طفیل قرار دیتے۔آپ کا ہر ایک سے ملنے کا اندازہ مشفقانہ تھا،جس سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ مولانا کو مجھ سے بہت زیادہ

تعلق ہے، ناچیز کا جب مولانا سے ملنے کو جی چاہتا ایک خط لکھ دیتا، آپ کسی قریبی پروگرام میں شرکت کے موقع پر تشریف لے آتے۔ (ص ۲۹۸، ۲۹۹)

(۶) سادگی کا ایک عجیب واقعہ:۔

مولانا حافظ عبد الحق خان بشیر صاحب آپ کے مفصل تذکرہ میں رقمطراز ہیں

حقیت یہ ہے کہ شخصیت وعظمت کے حوالے سے وسیع وعریض معاشرہ کے اندر ایسے سادہ مزاج شخص کی تلاش یقینا بہت دشوار ہے۔ بدن پر بسادہ دیہاتی لباس، سر پر کپڑے کی گول ٹوپی، پاؤں میں گرد سے اٹے ہوئے پرانے سے جوتے اور ہاتھ میں کتابوں سے بھرا ہوا کپڑے کا سبزی والا تھیلا اگر موسم سردی کا ہوتا تو اوڑھ کر سونے والا کھیس ان کے اوپر ہوتا ،زندگی بھر یہی ان کا طرز رہا، متعدد بار ایسا ہوا کہ مسلسل اور طویل سفر کی وجہ سے لباس غبار آلود اور پسینہ کی وجہ سے میلا ہو چکا ہوتا، میرے پاس اسی حالت میں تشریف لاتے تو میں بے تکلفی کی بنا، پر انہیں اپنا لباس پہنا کر ان کے کپڑے دھلواتا، انہیں اپنے لباس وغیرہ کی قطعا کوئی فکر نہ ہوتی کہ وہ کس حالت میں ہے؟ اکثر میں نے انہیں اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ طویل سفر کے دوران ایک دو جوڑے کپڑے ساتھ رکھ لیا کریں، لیکن ہر بار مسکرا کر یہی فرماتے کہ کپڑوں کی بجائے میں کتابوں کا بوجھ اٹھانا زیادہ پسند کرتا ہوں، میں ان کے اس ذوق وشوق سے لاچار ہو کر کہتا کہ پھر آپ کسی سے کہہ کر کپڑے دھلوا تو لیا کریں فرماتے یہ میرے مزاج کے خلاف ہے البتہ شدید ضرورت پڑ جائے تو میز بانوں سے نظر بچا کر خود دھولیا کرتا ہوں ان کی اسی سادگی کی وجہ سے تمام لوگوں کے لئے پہلی بار ان کی شناخت مشکل ہو جاتی چنانچہ:

ایک دفعہ شدید گرمی کے موسم میں میرے پاس گوجرانوالہ تشریف لائے، دوپہر کا وقت تھا، آتے ہی فرمایا کہ میں نے غسل کرنا ہے، اور ساتھ ہی کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ میں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کل مین فلاں مدرسہ میں پہلی بار تقریر کے لئے گیا۔ وھاں مجھے کوئی پہچانتا نہ تھا میں مدرسہ کے دفتر میں جا کر بیٹھ گیا۔ مجھے دیکھ کر دفتر میں موجود ایک شخص

دوسرے سے کہنے لگا، ایک تو سفیروں نے بڑا تنگ کیا ہوا ہے۔ جب دیکھو چندہ مانگنے کے لئے آجاتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ بے چارے میرے کپڑے اور تھیلا دیکھ کر مجھے کسی مدرسہ کا سفیر سمجھ رہے ہیں میں ان کی باتیں سن کر خاموش بیٹھا مسکراتا رہا، اچانک ان میں سے ایک کہنے لگا کہ آج اوکاڑہ سے مولوی امین صاحب آئیں گے۔ اور غیر مقلدین کی ایسی تیسی کریں گے میں دل ہی دل میں بیٹھا سوچتا رہا اور ہنستا رہا کہ یہ بے چارے اپنے دل میں خدا معلوم میری شخصیت کا کیا تصور لیے بیٹھے ہیں۔ پہلے تو میں نے ان کی گفتگو میں دخیل ہونا مناسب نہ سمجھا لیکن میری تقریر کا مقررہ وقت قریب تھا اس لیے مجبوراً میں نے ان سے مخاطب ہوئے کہا کہ میں نے غسل کرنا ہے، انہوں نے بڑی بیزاروی سے غسل کرنا ہے تو مسجد میں جاؤ میں نے کہا بھائی میں بہت دور سے آیا ہوں، اور یہاں ناواقف اجنبی ہوں۔ آپ غسل خانے تک میری رہنمائی فرمادیں انہوں نے طنزاً مجھ سے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا اوکاڑہ سے اوگاڑہ کا نام سن کر وہ چونکے اور پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا محمد امین، پھر تو وہ اپنی گفتگو اور طرز عمل پر بہت پشیمان ہوئے اور معذرت کرنے لگے، اب میں نے آپ سے غسل کرنے کا ذکر کیا تو مجھے وہ کل والا واقعہ یاد آ گیا۔ اس قسم کے متعدد واقعات مولانا مرحوم کو اکثر پیش آئے۔ (ص ۳۲۶)

(۷) حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا:۔

مولانا اللہ بخش ایاز صاحب ملکانوی رقمطراز ہیں:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی دیگر تعلیمات میں سے سادگی کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے اور مولانا اوکاڑوی سادگی کے اس وصف خاص میں اسوۂ حسنہ کا کامل و مکمل نمونہ ہی نہ تھے۔ بلکہ مظہر اتم تھے۔ اس وصف خاص میں جماعت اہل علم کا دوسرا کوئی بھی فرد ان کا اس میں شریک وسہیم نہ تھا۔

این سعادت بزور باز و نیست۔

مولانا اکاڑویؒ اپنے لباس پوشاک، رہن سہن، خورد نوش میں از خود طبعاً کمال درجہ کی سادگی

برتنے کے قائل ہی نہیں بلکہ عامل بھی تھے۔انجان وناواقف جسے پہلے کبھی بھی مولانا سے ملاقات، آمنا سامنا نہ ہوا ہو وہ ہرگز یہ تصور بھی نہ کرپاتا کہ اس حیثیت،مرتبہ۔فدکاٹھ کا عالم فاضل نامور محقق ومناظر اس قدر سادہ بھی ہوسکتا ہے۔مولانا ابوبکر غازی پوری دامت برکاتھم مدیرمجلّہ ''زم زم'' نے مولانا مرحوم کے اسی سراپا کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''مگرمولانا صدر امین صفدر مرحوم کی ذات بالکل نرالی تھی۔مجھے ملنے آئے تو بدن پر ایک معمولی کرتا اور ایک معمولی لنگی اور معمولی سی ٹوپی اور ایک بہت کم قیمت کا رومال تھا۔مناظر اسلام کی یہ سادگی اور تواضع دیکھ کر مجھے اپنے اکابر یاد آ گئے (زم زم جلد۳ شمارہ۶)

زمانہ حال شہرت وناموری، محض پروپگنڈے کے کھوکھلے نعروں اور بلند بانگ دعوؤں کا ہے ہرکس وناکس، بزعم خود عزت وعظمت کے خودساختہ القابات اور جبہ ودستار کے سہارے اتراتا پھرتا ہے۔حالانکہ ایسے تہی دامن لوگوں کا نہ کردار گفتار سے ہم آہنگ ہے اور نہ ہی لباس وپوشاک اور وضع قطع میں اتباع شریعت کے پاس لحاظ ہے اور نہ ہی چال ڈھال اور بودوباش میں تعلیمات نبوی کا نمونہ۔

حدیث پاک میں وارد ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ جب کبھی حضرات صحابہ اکرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کے درمیان تشریف فرما ہوتے اور باہر سے کوئی ناواقف وانجان مسافر آجاتا تو اسے دریافت کئے بغیر چارہ کار نہ تھا کہ تم میں سے محمد ﷺ کون ہیں۔

گویا ذات نبوی کے لئے نہ کوئی خاص نشست گاہ تھی اور نہ ہی کوئی نمایاں کروفر اور نہ ہی کسی قسم کی امتیازی نام ونمود تھی جو ہر وارد وصادر کو اپنی طرف متوجہ کرپائے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

(ص۴۷۳)

(۸) اصاغرنوازی:۔

مولانا عمر قریشی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اصاغرنوازی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ جولائی کے مہینہ میں جمعہ کے دن دوپہر کے وقت

میرے گھر کا دروازہ کھٹکا باہر گیا تو حضرت اوکاڑوی کھڑے ہیں حیران رہ گیا مدرسہ میں تشریف لے جانے کا عرض کیا تو فرمایا ابھی نماز جمعہ سے قبل کوٹ سلطان میں خطاب کرنا ہے گزر رہا تھا مناسب سمجھا ملاقات ہو جائے۔ (ص ۵۰۶)

(۹) عاجزی کے دو عجیب واقعے:۔

مولانا محمد ناصر کشمیری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اکابر علماء دیوبند کی دوسری صفت استاد جی میں عاجزی کی تھی کہ عاجزی استاد جی میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی بقول شیخ سعدیؒ کے نہد شاخ پر میوہ سر برزمین۔

نومبر ۹۵ء میں رائے ونڈ جانے کا اتفاق ہوا وہاں میرے اور کئی اساتذہ تشریف لائے ہو لدے ہوئے تھے جن کے پاس نورانی قاعدہ سے مشکوٰۃ والے سال تک پڑھتا رہا جن مین مولانا محمد حسن صاحب صدر مدرس جامعہ مدنیہ بستی لکھن صادق آباد ضلع رحیم یار خان دوسرے مولانا عبد الغفور صاحب مدنی اور مدرسے کہ مہتمم حافظ عبد الرحمٰن صاحب لکھن ۔۔۔۔ مولانا محمد حسن صاحب اور مولانا عبد الغفور صاحب بھی جامعہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اور استاد جی کے شاگرد ہیں نے فرمایا اگر استاد جی رائے ونڈ آئیں تو ہمیں بتانا ہم زیارت کے لئے حاضر ہوں گے۔ دوسرے دن استاد جی بھی تشریف لائے بوقت ملاقات میں نے عرض کیا میرے اساتذہ جو آپ کے شاگرد ہیں آپ سے ملنا چاہتے ہیں اس لیے۔ اگر حکم ہو تو میں انہیں بلا کر لاؤں؟ فرمایا، ابھی ٹھہر جاؤ۔ کچھ دیر بعد فرمایا کہ چلو تمہارے استادوں سے ہم خود چل کر ملتے ہیں اور اٹھے چل دیے۔ جب ہم ان کے حلقے میں پہنچے تو تمام اساتذہ تشریف فرما تھے، وہ سب دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اتنی بڑی ہستی خود چل کر پہنچ گئی ۔ خیر وہاں بیٹھ کر خوب اپنے اور بزرگوں کے واقعات سنائے جو آج بھی کانوں میں رس گھولتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ ایک دفعہ کسی بات پر اپنا ایک واقعہ سنایا کہ جھنگ میں ایک بزرگ صاحب شیعہ کے محلے میں خوب دین کا کام کر رہے تھے انہیں شیعوں نے چیلنج کیا (ان حافظ صاحب کا نام مجھے بھول گیا ہے) اگر تم سچ ہو تو مناظرہ کر لو، جو ہار گیا وہ اپنا مذہب

چھوڑ دے گا۔ وہ میرے پاس آئے کہا میں غریب آدمی ہوں۔ میرے پاس اتنا پیسہ نہیں کہ مناظرہ کراؤں۔ میرے پاس روٹی کا خرچہ بھی نہیں ہے مسلک کا معاملہ ہے اگر آپ چلیں تو آپ کی مہربانی ہوگی فرمایا میں نے حامی بھر لی اور وہاں جا کر مناظرہ کیا اور اللہ نے فتح نصیب فرمائی تو اس بزرگ نے خوش ہوکر مجھے پانچ روپے دیے اور میں خوشی سے واپس آ گیا۔ فرمایا کہ جب شیعہ کو پتا چلا کہ ان کے مناظرہ کو صرف پانچ روپے ملے ہیں تو انہوں نے دوبارہ چیلنج کیا کہ امین کو بلواؤ اب وہ جیت کر دکھائے تو ہم سنی ہو جائیں گے۔ خیر وہ بزرگ پھر آئے کہ اب دوبارہ مناظرہ کرنا ہے میں نے کہا ٹھیک ہے میں وقت پر پہنچ جاؤں گا فرمایا کہ وہ جگہ سٹاپ سے کافی دور تھی اس لیئے مجھے ایک ساتھی سائیکل پر لینے کے لئے آیا۔ میں اس کے ساتھ سائیکل پر سوار ہوکر مناظرہ گاہ کی طرف جارہا تھا کہ راستے میں چند آدمی آئے اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے کہ خدا کے لیے آپ مناظرہ نہ کریں کیونکہ دوسری طرف مناظرہ کرنے والے ہم ہیں۔ ہمیں پتہ چلا تھا کہ آپ کو صرف پانچ روپے ملے ہیں اس لیے آپ دوبارہ نہیں آئیں گے، ہم نے چیلنج کر دیا اور آپ پھر آ گئے پچھلی دفعہ ہمارا مناظر کراچی سے سپیشل کار پر آیا تھا ہمارا چالیس ہزار خرچ ہوا ہے اس لیے ہم میں ہمت نہیں کہ مناظرہ کروائیں برائے مہربانی آپ واپس چلے جائیں میں نے کہا کہ آپ مناظرہ کرانے والے بزرگوں سے ملیں جو وہ کہیں گے وہی ہوگا اس طرح دوبارہ میرا صرف بیان ہوا اور میں واپس آ گیا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک فاتح مناظر کس عاجزی سے پانچ روپے لیکر دوبارہ پھر دین کی تبلیغ کے لیے پہنچ جاتا ہے، اس طرح کے واقعات سے استاد جی رحمہ اللہ کی زندگی بھری پڑی ہے۔ اور استاد جی ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے کہ جلسے والوں پر بوجھ نہ پڑے نہ کسی قسم کی سواری کا مطالبہ نہ ہی کھانے پینے اور فیس کا مطالبہ، میں نے اکابر علماء دیوبند کا مزاج کتابوں میں پڑا بعینہ استاد جی کو پایا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاد جی کی خطائیں معاف فرمائے اور انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان و متعلقین کو صبر کی اور

شاگردوں کوصبر کرنے اور استاذ جی کے مشن پر کام کرنے کی توفیق دے آمین۔

(ص ۵۱۲)

(۱۰) سادگی کا ایک واقعہ:۔

مولانا مظہر حسین کاظمی صاحب (بھکر) تحریر فرماتے ہیں:

حضرت استاذ جی رحمہ اللہ ایک دفعہ کہیں پروگرام پر تشریف لے گئے تو راستہ میں جب جانے والی بس کو دیکھا تو نہ اندر سیٹ اور نہ ہی چھت پر جگہ، تو کنڈیکٹر نے کہا کہ بابا جی جانا ہے تو پیچھے لٹک کر جاؤ! تو حضرت استاذ جی پائیدان پر لٹک کر سفر فرما رہے ہیں اور ساتھ ساتھ کتابیں بھی اٹھائی ہوئی ہیں۔ (ص ۵۸۴)

(۱۱) سراپا فناء شخصیت:۔

مولانا محمد اسلم زاہد صاحب رقمطراز ہیں:

حدیث پاک ہے'' من تواضع للہ رفعہ اللہ'' جو عاجزی اختیار کرے اللہ اسکو بلند کرتے ہیں۔مولانا میں تمام تر صفات کے باوجود کبھی بھی غرور وتکبر کا شائبہ تک محسوس نہ کیا گیا۔

مولانا محمود عالم صفدر نے لکھا:

ایک مرتبہ کہیں ختم مشکوۃ کے لئے جاناتھا تو فرمانے لگے:'' قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ جاہل سے ختم مشکوۃ کروایا جارہا ہے''۔جس قدر تواضع حضرت میں تھی اس قدر میں نے کسی میں نہیں دیکھی ،شاید حضرت کی تواضع کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے اس قدر بلند مقام تک پہنچایا تھا۔

حضرت کبھی کسی عالم کی غیبت نہ فرماتے ،اگر کوئی دوسرا شخص کسی کی غیبت کرتا تو حضرت اسکی خوبیاں کرنی شروع کردیتے۔

اپنے برادر صغیر حضرت مفتی محمد انور صاحب کو'' بڑے مولانا'' کے لقب سے یاد فرماتے اور اکثر فرماتے:'' مولوی انور صاحب کا علم مجھ سے بہت زیادہ ہے لیکن وہ مجھ سے پوچھتے رہتے ہیں مجھے کچھ بتاتے نہیں''۔

مولانا نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں:

سادگی کے ساتھ مولانا مرحوم میں تواضع اور عاجزی بھی انتہاء درجہ کی تھی۔ باوجود یکہ آپ ایک کامیاب مناظر، مقبول ترین خطیب ومقرر اور حق کے بیباک ترجمان تھے لیکن آپ کے قول وفعل سے کسی قسم کی نمود ونمائش، تعلی اور بڑائی کا اظہار نہیں ہوتا تھا، جس مقام پر بھی اللہ تعالٰی آپ کو کامیابی سے ہمکنار کرتے آپ اسے اپنے اکابر کا طفیل قرار دیتے۔ آپ کا ہر ایک سے ملنے کا انداز مشفقانہ تھا، جس سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ مولانا کو مجھ سے بہت زیادہ تعلق ہے، ناچیز کا جب مولانا سے ملنے کو جی چاہتا تو ایک خط لکھدیتا، آپ کسی قریبی پروگرام میں شرکت کے موقع پر تشریف لے آتے۔ (علمی مجالس ص ۱۱۱)

(۱۲) کسی کی نیند خراب کرنا مناسب نہ جانا:۔

مولانا عبدالحق خان بشیر لکھتے ہیں:

ایک دفعہ ایک پروگرام کے سلسلہ میں چکوال تشریف لائے تو رات دیر سے پہنچے (ان دنوں وہ کراچی میں قیام پذیر تھے) دفتر کے تمام ذمہ دار حضرات سو رہے تھے، مولانا مرحوم کسی کو جگائے بغیر مسجد میں چلے گئے اور بغیر بستر ہی مسجد کے صحن میں سو گئے۔ اتفاقاً میں بھی اسی پروگرام کے سلسلہ میں رات کو وہیں تھا، صبح پتہ چلا تو مجھے انتہائی افسوس ہوا۔ میں نے کہا آپ نے دفتر میں سے کسی کو جگا کیوں نہ لیا؟ حسب عادت مسکرا کر بے نیازی سے فرمایا کہ: ''رات تھوڑی سی باقی تھی (تقریباً چار گھنٹے) موسم معتدل تھا، بستر کی کوئی ایسی ضرورت نہ تھی اس لیئے میں نے کسی کی نیند خراب کرنا مناسب نہ سمجھا''۔ (حوالہ بالا ص ۱۱۲)

(۱۳) غریبی میں نام پیدا کر:۔

مولانا مفتی عطاءاللہ صاحب لکھتے ہیں:

عرصہ ہوا علامہ اقبال مرحوم نے اپنے لخت جگر جسٹس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال جو اس وقت انگلستان میں زیر تعلیم تھا، کے پہلے خط کے جواب میں ایک نظم لکھی تھی جو ''بال جبریل'' میں اب بھی ''جاوید کے نام'' سے موجود ہے یہ نظم پیغام خودی کا شاہکار ہے اس کا مقطع بہت

مشہور ہوا کہ۔ ع

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے

خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر۔

اگر چہ ڈاکٹر جاوید اقبال تو اس کا مصداق نہ بن سکا مگر بہت سے دیگر علماء اور صلحاء اس کا جامع مصداق بنے۔ اسی طرح مولانا کی زندگی بھی شاہد ہے کہ وہ خودی، خودداری اور عجز وانکسار کا عملی نمونہ تھے۔ اس نظم کے الفاظ کے مطابق مولانا نے علم کے دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر کے نیا زمانہ اور نئی صبح وشام پیدا کی۔ اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ دل فطرت شناس کے ذریعے، سکوت لالہ وگل سے کلام پیدا کیا۔ فقیرانہ طریق پر خودی بیچے بغیر غریبی میں نام پیدا کیا۔۔۔۔۔۔۔ ہمارے اسلاف کی یادگار یہی عجز وانکسار مولانا کی شخصیت کا ایک لازمی وصف تھا اس کی محض ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے:

ایک دفعہ سیالکوٹ میں مولانا بیان کے لیے تشریف لے گئے۔ بیان سے قبل مولانا نے ذمہ داران کو فرما دیا تھا کہ سیالکوٹ سے لاہور جانے والی آخری گاڑی میں میری سیٹ بک کروا دیجئے گا، کیونکہ مجھے (صبح اسباق کے لئے) لازمی خیر المدارس ملتان پہنچنا ہے۔ جب مولانا بیان سے فارغ ہوئے اور واپسی کی سیٹ کی بابت دریافت کیا تو منتظمین نے معذرت کر لی کہ حضرت سیٹ تو نہیں ہو سکی، آپ رات یہیں قیام فرمالیں، صبح کی پہلی گاڑی میں آپ کی سیٹ بک کرا دیں گے، لیکن مولانا نے خیر المدارس میں وعدہ کیا ہوا تھا اور وعدہ خلافی بھی گوارا نہ تھی لہذا بغیر کوئی گلہ شکوہ کیے مولانا نے رخت سفر باندھ لیا، مولانا کے ہمراہ کافی کتب بھی تھیں۔ مولانا جب بس اسٹینڈ پر پہنچے تو تمام کی تمام گاڑی کچھا کھچ بری ہوئی تھی، تل دھرنے کی بھی جگہ نہ تھی، لیکن مولانا کو جانا تو بہر حال تھا، اس لیئے اسی گاڑی میں سوار ہونا پڑا جو اندر سے اور چھت سے مکمل بھری ہوئی تھی اس طرح مولانا نے سیالکوٹ سے لاہور تک کھڑے کھڑے تمام سفر کیا لیکن پھر بھی کوئی گلہ نہ کیا۔

ہیں مرد مجاہد کے بھی انداز نرالے

رفتار قیامت کی ہے پاؤں میں ہیں چھالے

(ص ۱۱۳)

(۱۴) صلہ رحمی اور رقت قلبی کا حیران کن واقعہ:۔

انسانی ناطوں کے حوالہ سے تو مولانا مرحوم کی رحم دلی کے بے شمار واقعات ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں، لیکن گزشتہ دنوں مولانا جمیل الرحمٰن اختر نے مولانا مرحوم کی رحم دلی کا عجیب واقعہ سنایا:

فرماتے ہیں کہ مولانا حافظ محمد ارشد فاضل پوری (گوجرانوالہ) نے بیان کیا کہ ایک دفعہ مولانا مرحوم میرے پاس جاہمن تحصیل حافظ آباد تشریف لائے، پروگرام کے بعد مولانا کو رخصت کرنے کے لیے ہم سٹاپ پر کھڑے تھے کہ اچانک ایک ٹرک آیا اور ایک کتا اس کی سائیڈ لگنے سے زخمی ہو گیا، مولانا مرحوم بھاگتے ہوئے گئے اور کتے کو گود میں اٹھالیا، بھاگتے ہوئے قریبی ہوٹل پر گئے اور اس سے شیشہ کا گلاس لیکر اس کتے کو پانی پلایا۔ کتے کی حالت سنبھلی تو اسے نیچے اتار دیا اور گلاس پھینک کر اس کے پیسے اپنی گرہ سے ہوٹل والے کو دیئے۔

اس ایک واقعہ سے مولانا کے رحم دلانہ احساسات کا بخوبی اندازہ لیا جا سکتا ہے۔

ہم خود تراشتے ہیں منازل کے سنگ راہ
ہم وہ نہیں ہیں جن کو زمانہ بنا گیا

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ کے واقعات:۔

(۱) سراپا عجز وانکسار:۔

آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا مفتی سید عبد القدوس صاحب ترمذی زید مجدھم آپکے مفصل تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت اقدس عوام کے اعتقاد کی اصلاح کے لیے عموماً بیعت نہیں فرماتے تھے، صرف تزکیہ

نفس اور اصلاح نفس پر زور دیتے تھے۔آپ کا یہ طرزِ عمل عوام میں مشہور غلط نظریہ کی اصلاح کے لیے تھا باوجودیکہ طریقت میں آپ باقاعدہ اکابر کی طرف سے مجاز اور اس راستہ کے خوب واقف کار اور ماہر تھے لیکن عرصہ دراز تک عملاً آپ نے صورتاً ورسماً کسی کو بیعت نہیں فرمایا۔اول تو اس سلسلہ میں آپ کمالِ اخفاء کے قائل تھے اور یہ آپ کی عادت اور حال تھا اسی لئے اپنی خلافت اور اجازت بیعت وتلقین کا تذکرہ خاص احباب سے بھی نہیں فرماتے تھے اگر کوئی بیعت کے لئے کہتا تو آپ اس کی دوسرے مشہور ومعروف اپنے مسلک کے اصحاب سلسلہ کی طرف راہنمائی فرمادیتے۔آپ کا یہ معمول تقریباً آخر حیات تک رہا ،زندگی کے آخری چند سالوں میں صرف اتنا فرق آ گیا کہ اگر کوئی اصرار کرتا تو آپ اسے اصلاحی تعلق کی اجازت عنایت فرماتے ،بیعت کا معمول نہیں تھا ،صرف چند حضرات ایسے ہیں جن کو اصلاحی تعلق کے ساتھ ان کے اصرار پر آپ نے بیعت بھی فرمایا البتہ خواتین اس سے مستثنی تھیں ان کو بعد از بیعت وظائف واوراد کی تلقین فرمادیتے تھے۔جب انوار النظر حصہ دوئم میں حضرت علامہ عثمانی قدس سرہ نے اپنے خلفاء اور مجازین میں آپ کا نام شائع کیا تو اس وقت آپ کے بعض احباب کو علم ہوا مگر اس کے باوجود حضرت عثمانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات تک آپ نے کسی کو بیعت نہیں فرمایا بلکہ جب حضرت عثمانی رحمتہ اللہ تعالی علیہ نے بزمانہ قیام ٹنڈو اللہ یار آپ کو محرم الحرام ۱۳۸۵ھ میں خلافت عطا کی تو آپ نے واپسی پر ایک خط میں اس خدمت سے معذرت لکھ دی۔حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے معذرت کو تو قبول نہیں فرمایا مگر اختیار دے دیا کہ دل چاہے بیعت کر لیں ورنہ نہیں ،حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اسی اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی کو بیعت نہیں فرمایا، کوئی زیادہ اصرار کرتا تو فرمادیتے کہ میں نے حضرت عثمانی رحمتہ اللہ علیہ سے اس سلسلہ میں اجازت لے لی تھی حضرت نے فرمایا تھا کہ دل چاہے تو بیعت کر لیں اور میرا دل نہیں چاہتا اس لئے بیعت نہیں کرتا۔

ایک مکتوب گرامی میں حضرت مولانا عثمانی رحمتہ اللہ تعالی علیہ نے آپ کو اخذ

بیعت کا طریقہ اور خطبہ بھی اپنے قلم مبارک سے لکھ کر بھیجا تھا، مگر آپ فرماتے تھے کہ مجھے بیعت کرنے سے طبعاً حجاب ہوتا ہے اس لئے عرصہ دراز تک کسی کو بیعت نہیں فرمایا۔

احقر کے خیال میں اس کی ایک وجہ تو عوام کے عقیدہ کی اصلاح اور دوسری بڑی وجہ آپ کی فنائیت ہے۔ اتنے بڑے مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب آپ سے محترم جناب کرنل قاری فیوض الرحمٰن صاحب نے اپنے حالات لکھنے کے لیے درخواست کی تو آپ نے ان کے جواب میں جو مکتوب سامی لکھا اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اس کی ابتدائی چند سطریں پڑھ کر یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو بالکل ہی مٹایا ہوا تھا۔

قاری صاحب موصوف کو سلام مسنون کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں:

عنایت نامہ ملا، اپنے حالات کیا لکھوں میں کیا اور میرے حالات کیا وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب جس کو فنا کا سبق پڑھایا گیا ہو وہ اپنے وجود ہی کو گناہ سمجھتا ہے۔ حالات کا کیا ذکر البتہ اپنے نسبی اور روحانی بزرگوں اور اکابر کا مختصر حال عرض کرتا ہوں، اس کے ضمن میں اس ناکارہ آوارہ کے بھی کچھ حالات آ جائیں گے یہ بھی اول تو آپ کی طلب کی بنا پر تطیب قلب مسلم کی بنا پر گوارہ کیا جا رہا ہے۔

دوسرے یہ طمع بھی ہے کہ ان مقبولین کے ذکر کے ساتھ اس ناکارہ کا نام بھی آئے گا تو ان کی برکت سے کام بن جائے گا۔ ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ اپنی زندگی کے پچپن ۵۵ سال کی طرف جب نظر کرتا ہوں تو سوائے حسرت وندامت کے کچھ اور نہیں پاتا، اس لئے سلسلۂ اشرفیہ کی طرف اس ناکارہ کے انتساب سے سلسلہ کے لیے تو سوائے بدنامی کے اور کچھ حاصل نہیں مگر اپنے لیے اس کو ذریعہ سعادت اور وسیلہ نجات تصور کرتا ہوں ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ ''من آنم دانم'' کہنے کا حق بھی اس ناکارہ کو نہیں پہنچتا کہ اس سے بھی ایک گونہ معرفت نفس کا دعویٰ۔ اور پھر حسب ارشاد من عرف نفسہ فقد عرف ربہ معرفت رب کا دعویٰ مترشح ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ فنا کے سبق کے ساتھ دعویٰ کا کوئی جوڑ نہیں''۔

حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس تحریر سے واضح ہے کہ آپ فنائیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شہرت سے آپ کو حددرجہ تنفر تھا، اکثر یہی فرماتے کہ مقصد کام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتے رہو شہرت اور نام کی کیا ضرورت ہے اگر کام اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے تو پھر سب کچھ ہے ورنہ شہرت سے کیا ہوگا۔

(حیات ترمذی ص۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶)

(۲) ''یہ بات میری بربادی کا سبب بن جائے گی''۔

محترم جناب محمد رمضان صاحب آپکے ملفوظات تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

احقر راقم سے ہمارے ایک بزرگ نے فرمایا کہ ایک دن میرا جی چاہا اور میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو ملنے گیا تو میں نے عرض کیا کہ جناب! جی چاہتا ہے کہ میں آپ کے دست اقدس کو بوسہ دوں تو حضرت نے فرمایا: ''بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں، مگر آپ بوسہ دیں گے تو کہیں میرے دل مین یہ نہ آجائے کہ میں بہت بڑا آدمی بن گیا ہوں لوگ میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں، یہ بات میری بربادی کا سبب بن جائے گی اس لئے میں بوسہ نہیں لینے دیتا''۔ (ص ۵۲۰)

(۳) تواضع اور سادگی کے حسین مرقعّ:۔

حضرت مولانا مفتی محمد شاکر صاحب (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) رقمطراز ہیں:

حضرت کی تواضع وانکساری کا عجیب عالم تھا جو ہم جیسوں کے لئے قابل تقلید اور بہترین نمونہ ہے کہ آپ علمی وعملی تبحر اور بے مثال تفقہ اور تعمق وبصیرت اور فراست وجامعیت کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے حالانکہ آپ کو حسبی، نسبی شرافت وسیادت کے ساتھ بچپن سے ہی مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے دربارِ عالی میں رہنے اور پھر سہارنپور، دیوبند جیسی عظیم علمی درسگاہوں میں وقت کے شیوخ سے استفادہ کا شرف حاصل تھا۔ اس کے ساتھ تصوف وسلوک میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب

رحمہ اللہ اور حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ سے اصلاحی تعلق کے علاوہ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی اور حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے باقاعدہ اجازت وخلافت حاصل کئے ہوئے تھے مگر باایں ہمہ آپ نے اپنے آپ کو ایسا مٹایا اور گم کیا ہوا تھا کہ کبھی بھی اپنے خلیفہ مجاز ہونے کا ذکر نہیں فرمایا اور نہ ہی پیری مریدی کا سلسلہ جاری کیا بلکہ جو شخص اس کی درخواست کرتا اسے مشہور حضرات اکابر میں سے کسی کا نام بتا دیتے۔آپ کی ذات گرامی اس شعر کا مصداق تھی ؎

تو در وگم شو وصال ایں است وبس ۔ گم شدن گم کن کمال ایں ست وبس

اسی طرح سادگی کی حالت بھی قابل دید تھی کہ نہ کوئی تصنع ، نہ کوئی تکلف نہ جبہ نہ قبہ اور نہ ہی کوئی اعلیٰ لباس ، بلکہ نہایت سادہ لباس زیب تن فرماتے ،عرصہ دراز تک استری کے بغیر ہی کپڑے استعمال فرماتے رہے ۔ جمعہ کے روز کپڑے ضرور تبدیل فرماتے مگر غسل میں صابن تیل وغیرہ کبھی استعمال نہیں کیا۔ نشست و برخاست اور استراحت میں بھی سادگی کی انتہا تھی ، آج بھی وہ کمرہ جس میں آپ کی نشست گاہ تھی اسی طرح سادہ نظر آتا ہے جس طرح آپ کی زندگی میں تھا کہ نہ اس میں کوئی آرائش کا سامان ہے نہ زیبائش کا ، بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اتنی بڑی جامع شریعت وطریقت شخصیت نے کبھی اپنی ذاتی آرائش کا سامان جمع نہیں کیا بلکہ آپ کو اس کی طرف توجہ بھی نہ تھی ، اس کے باوجود اشاعتِ دین کے تمام امور آپ انجام دیتے رہے۔ برخلاف ہم لوگوں کے کہ تمام زندگی زینت وزیبائش میں گزار دی ، بقول شخصے کہ حضرت جیسے خود یادگار اسلاف تھے ایسے ہی ان کا طرز معاشرت بھی سلف کی یادگار تھا۔ (ص ۸۲۵)

(۴) ''مجھے کچھ نہیں آتا''۔

حضرت اقدس کا وعظ بہت ہی شگفتہ اور دل فریب ہوتا تھا ، دل یہ چاہتا تھا کہ سنتے ہی رہیں گویا کہ علم وعرفان کی بارش ہو رہی ہے ، آپ کے بیان سے قلوب کی خوب اصلاح ہوتی ، تقریر میں بڑی متانت ہوتی ، آیات کریمہ اور احادیث نبوی کی دلکش تشریح اور

نکات علمیہ اور معارف سے تقریر معطر ہوتی اور جس موضوع کو اختیار کرتے اس کو مختلف پیرایوں میں دلائل کے ساتھ مکمل فرماتے۔ اس حالت ضعف اور نقاہت میں بھی طویل طویل وعظ ارشاد فرماتے، عموماً فرمایا کرتے تھے کہ میں بیمار ہوں اور ڈاکٹروں نے تقریر کرنے سے منع کیا ہوا ہے اور مجھے آتا جاتا بھی کچھ نہیں ہے۔ لیکن جب بیان فرماتے تو معلوم ہوتا کوئی بیماری نہیں، کوئی ضعف نہیں، یہ اصل میں روحانی قوت تھی حالانکہ کافی عرصہ سے آپ دل کے مریض بھی تھے۔

اس موقع کی مناسبت سے یاد آیا کہ حضرت اقدس رحمہ اللہ سالہا سال سے جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے جلسہ میں شرکت فرماتے تھے اور تقریر فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے وہاں اس عنوان پر بیان فرمایا کہ ''مجھے کچھ نہیں آتا''۔ حضرت کے متعلق طلبہ میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ مجھے کچھ نہیں آتا حالانکہ اس وقت حضرت نے تقریباً دو گھنٹے طویل بیان فرمایا تھا۔ احقر نے حضرت اقدس کو ایک مرتبہ خوش طبعی میں عرض کیا کہ حضرت! طلبہ آپ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ''مجھے کچھ نہیں آتا''، تو حضرت اقدس مسکرائے اور فرمایا کہ یہ تو صحیح ہے واقعی مجھے کچھ نہیں آتا، اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔

کاش! یہ دولت ہمیں بھی نصیب ہو جائے کہ ہم بھی سمجھنے لگیں کہ ہمیں کچھ نہیں آتا۔

(بحوالہ بالا ص ۸۲۹، ۸۳۰)

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کے واقعات:۔

تواضع وسادگی:

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس دامت برکاتھم کو جس طرح دنیوی مال و دولت کی فراوانی، عوام وخواص کی نظروں میں عزت ووجاہت، جسمانی قوت وحسن قامت، علوم ظاہرہ وباطنہ میں فضل وکمال، اپنی معرفت ومحبت میں اعلیٰ مقام اور منصب ارشاد واصلاح میں امتیازی شان سے نوازا ہے اسی طرح ان عظیم الشان کمالات کے ساتھ ساتھ تواضع و

انکساری کی دولت عظمی سے بھی خوب مالا مال فرمایا ہے۔

(۱) جریر۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور ابو جریر:۔

حضرت کے ایک خلیفہ مجاز نے خط میں آپکی طرف کچھ زیادہ القاب لکھ دیئے۔ حضرت والا نے جواب میں تحریر فرمایا:

''میرے مداح جریر ہیں اور میں ابو جریر''۔

عرب میں جریر بہت مشہور شاعر گزرا ہے، اس سے کسی نے پوچھا:

''پورے عرب میں سب سے بڑا شاعر کون ہے؟''

اس نے کہا:

''میرے ساتھ میرے گھر چلو، وہاں جا کر بتاؤں گا''۔

جریر اسے اپنے گھر لے گیا۔ دروازے پر کھڑا کر کے خود اندر چلا گیا، اندر سے ایک بوڑھے کو اپنے ساتھ باہر دروازہ پر لایا۔ یہ بوڑھا بہت بدصورت تھا، مزید بریں بوسیدہ لباس اور پرا گندہ بالوں کی وجہ سے انتہائی وحشیانہ منظر سونے پر سہاگا، ڈاڑھی سے دودھ ٹپک رہا تھا۔

جریر نے بتایا:

''یہ بوڑھا میرا باپ ہے، اس کی شکل وصورت تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں، اس کے ساتھ یہ بخیل بھی اس قدر ہے کہ بکری کا دودھ کسی برتن میں اس لیے نہیں دوہتا کہ مبادا کسی کے کان میں اس کی آواز پڑ جائے اور وہ دودھ لینے آ جائے، اس لیے یہ بکری کا تھن اپنے منہ مین لے کر چوستا ہے، پھر تمیز اتنی کہ دودھ منہ سے باہر گر کر ڈاڑھی پر پھیل رہا ہے اور زمین پر ٹپک رہا ہے۔

میں نے مقابلہ کے مشاعروں میں ایسے باپ کی تعریف میں ایسے اشعار کہے ہیں کہ ان کی بدولت میں نے پورے عرب کے شاعروں پر غلبہ حاصل کر لیا ہے، اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ پورے عرب میں سب سے برا شاعر کون ہے۔''

اس زمانہ میں عرب کے شاعروں میں یہ دستور تھا کہ مقابلہ کے شاعروں میں اپنے اپنے آباء

واجداد کی تعریف میں شعر کہا کرتے تھے۔

(انوار الرشید جلد اص ۶۴۳)

(۲) گھریلو زندگی کی سبق آموز خصوصیات:

ہمارے حضرت کسی سے پاؤں یا جسم دبوانے سے بہت احتراز فرماتے ہیں، تواضع کے ساتھ ایسی سادگی کہ اپنے گھر کے چھوٹے موٹے کام خود اپنے ہاتھ سے کر لیتے ہیں، مثلاً کبھی اپنے کمرے کی جھاڑ پونچھ کر لی، جھاڑو دے لی، کبھی پانی کی ٹونٹیوں کی مرمت کر لی اور کبھی بجلی وغیرہ کا معمولی کام ہو تو وہ خود اپنے ہاتھ سے کر لیتے ہیں، گھر میں کسی سے پانی پلانے کی فرمائش نہیں کرتے بلکہ انتہائی مصروفیات اور ہوش ربا مشاغل کے باوجود خود اٹھ کر کولر سے پانی لے کر پیتے ہیں۔ کھانے کے لئے کبھی کسی چیز کی فرمائش نہیں کی، جو کچھ بھی گھر میں تیار ہوا کھالیا، کھانے کے لئے چٹائی خود بچھاتے ہیں۔ کھانے کے برتن، پانی وغیرہ متعلقات خود جمع فرماتے ہیں۔ کھانے سے فراغت کے بعد ان اشیاء کو خود اٹھا کر سلیقہ سے رکھتے ہیں اور چٹائی خود لپیٹ کر ایک طرف کھڑی کرتے ہیں۔

(ایضاً ص ۲۴۴)

(۳) معاشرت میں اسوۂ حسنہ:

آپکا سب چھوٹوں بڑوں سے یکساں برتاؤ ہوتا ہے، چھوٹوں کے ساتھ بھی مزاح، دل لگی اور بے تکلفی کی باتیں فرماتے ہیں، سب کے ساتھ کشادہ رو اور ہشاش وبشاش، دوسرے علماء ومشائخ کی طرح آپکے چہرہ مبارک پر غیر ضروری انقباض کبھی دیکھنے میں نہیں آیا، امتیازی شان آپکو بالکل ناپسند ہے، اس لیے ناواقف شخص دیکھ کر یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کوئی معمولی عالم ہیں، چہ جائے کہ اتنے بڑے علامہ اور شیخ وقت۔

آپ اپنے شاگردوں اور مریدوں کی مجلس میں تشریف لاتے ہیں تو کسی کو احتراماً کھڑے ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔

ہر شخص کو سلام میں ابتداء فرماتے ہیں، سب چھوٹوں بڑوں حتیٰ کہ اپنے شاگردوں

اور مریدوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے، سب کو سلام میں ابتداء فرماتے ہیں، البتہ جسکی ڈاڑھی شریعت کے مطابق پوری نہ ہوا سے سلام نہیں کہتے، اس لیے کہ فاسق کو سلام کہنا جائز نہیں، مع ہذا ایسا کوئی شخص کسی مسجد کے دروازے پر مل جائے یا اس سے تعارف ہوتو اسے سلام کہتے ہیں، ایسے عوارض کی حالت میں فاسق کو سلام کہنا بلا کراہت جائز بلکہ مستحسن ہے، کیونکہ اسے سلام نہ کہنے سے اس کے دل میں دیندار لوگوں سے نفرت پیدا ہوگی جو دین سے نفرت کا باعث ہوگی۔ (ایضاً ص ۲۴۵)

(۴) سلام میں سبقت کا عجیب واقعہ:

دارالعلوم دیوبند میں حضرت والا کے استاد محترم حضرت شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ کے بارہ میں عام شہرت تھی کہ آپکو سلام کہنے میں کوئی پہل نہیں کر سکتا۔ یہ حقیقت بہت مشہور اور عام زبان زد تھی کہ خواہ کوئی سلام میں پہل کرنے کی کتنی ہی کوشش کرے وہ اس میں کامیاب نہیں ہوسکتا

اس ناکامی کی وجہ یہ تھی:

''مولانا سامنے آنے والے شخص کو اتنی دور سے سلام کہہ دیتے تھے کہ سامنے والا شخص اتنی دور سے چلا کر سلام کہنے کو خلاف ادب سمجھتا، اس لیے ذرا قریب پہنچنے کے انتظار میں رہتا، یہ ابھی اسی سوچ میں ہوتا اتنے میں ادھر سے سلام آ پہنچتا''۔

حضرت والا نے فرمایا:

''اللہ تعالی نے میرے قلب میں مولانا کے سامنے سلام میں پہل کرنے کی یہ تدبیر ڈالی کہ جب حضرت مولانا کو سامنے سے تشریف لاتے دیکھتا تو نظریں جھکا لیتا، اسی حال میں مولانا کیطرف بڑھتا جاتا، جب پانچ چھ قدم کا فاصلہ رہ جاتا تو ایک دم نظریں مولانا کی طرف اٹھاتے ہی فوراً ساتھ ہی سلام کہہ دیتا، اللہ تعالی نے مجھے اس تدبیر میں کامیاب فرمادیا۔

مولانا اس سے قبل سلام میں ابتداء اس لئے نہیں کر پاتے تھے کہ جب کوئی زیادہ

دور ہو اور متوجہ بھی نہ ہو تو اس کو سلام کہنا مشکل ہے، سب سننے والے پریشان ہو جائیں گے کہ معلوم نہیں کس کو سلام کہا ہے"۔ (ص ۲۴۶)

(۵) انی بارضك السلام:

حضرت والا کے استاد محترم حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے حضرت والا کی کثرت سلام اور اس میں ہمیشہ ابتداء کرنے اور سب سے سبقت لے جانے کی عادت دیکھ کر فرمایا:

انی بارضك السلام

"آپ کے علاقے میں سلام کہاں سے آ گیا"؟

یہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے، حضرت موسیٰؑ جب حضرت خضرؑ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے سلام کہا۔ چونکہ اس علاقے میں اسلام نہ تھا اس لئے حضرت خضرؑ کو تعجب ہوا کہ یہ سلام کہنے والا شخص کہاں سے آ گیا۔ (ص ۲۴۷)

(۲) پیدائشی تواضع اور اس کا اثر:

حضرت والا کے والد ماجد دین و دنیا ہر لحاظ سے بہت شہرت رکھتے تھے، بہت ممتاز اور عوام و خواص میں بہت معزز اور مقبول، ایسے خاندان کی اولاد کا عوام سے اختلاط اور میل جول بہت معیوب سمجھا جاتا ہے بالخصوص مساکین کے بچوں کے ساتھ کھیل کود۔ مگر حضرت والا میں پیدائشی تواضع و سادگی کا یہ اثر تھا کہ مساکین اور ملازمین و مزارعین اور انکے بچوں سے گھلے ملے رہتے تھے۔

حضرت والا کے والد ماجد نے مواشی کے لیے چارہ لانے اور دوسری زمینداری ضرورات کے لئے ایک گدھا نوکر کو لے دیا تھا، حضرت والا کبھی اس گدھے پر بہت شوق سے سواری کرتے اور عوام کے سامنے اس کو بڑے مزے سے چلاتے جبکہ آپ کے پاس بہت اعلیٰ نسل کا بہترین گھوڑا رہتا تھا۔ کبھی گاڑی بان کو ہٹا کر بیل گاڑی خود چلانے لگتے۔

جس زمانہ میں آپ جامعہ دارالہدیٰ ٹھیڑھی میں شیخ الحدیث و صدر مفتی تھے جب

گھر تشریف لاتے تو کبھی ملازم یا مزرع سے ہل پکڑ کر خود چلانا شروع کر دیتے، کبھی درانتی لے کر کٹائی کر رہے ہیں، کبھی دیکھا کہ ڈرائیور زمین میں ٹریکٹر سے کام رہا ہے تو ٹریکٹر ڈرائیور سے لے کر زمین میں خود چلانا شروع کر دیا۔ اپنی زمین کے کارندوں، ٹریکٹر ڈرائیوروں اور دوسرے ملازمین ومزارعین میں اس طرح نشست وبرخاست کہ کوئی ناواقف امتیاز نہ کرسکتا۔

تواضع میں آپ کا ایسا بلند مقام دیکھ کر لوگ انتہائی حیرت سے کہتے:

''علماء میں ایسا بلند مقام، شیخ الحدیث اور صدر مفتی جیسا بڑا منصب، پھر اتنے بڑے زمیندار، اس کے باوجود اپنے نوکروں اور مزارعوں کے ساتھ گفتار، رفتار، نشست، برخاست میں کوئی امتیاز نہ رکھنا، ایسی سادگی اور تواضع کی مثال کہیں دیکھی نہ سنی۔''

اس وقت حضرت والا کا دینی مقام تو پوری دنیا میں معروف ہے، اس کے ساتھ دنیوی مقام کی ایک مثال یہ کہ آپ کے پاس ''اولڈز مبیل، ریجنسی، نائنٹی ایٹ، ۳۵۰۰ سی سی، ۸ سلنڈر، گاڑی ہے، بلحاظ تعیش دنیا میں ممتاز اس گاڑی کو خود چلاتے ہیں، لوگ شوکت شاہانہ دیکھ کر آپکو'' ملک فیصل'' کہتے ہیں۔ اس کے باوجود جب آپ تفریح اور بنوٹ کے مظاہرہ کی غرض سے میدان میں تشریف لے جاتے ہیں تو لوگوں کے سامنے کھلے میدان میں ٹوٹی پھوٹی سائیکل کی سواری سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں، بنوٹ کے علاوہ شاگردوں کے ساتھ عام کھیل کود اور ہنسی مذاق کا شغل بھی رہتا ہے، جبکہ اتنے بڑے مناصب اور دنیا بھر میں شہرت کے علاوہ عمر مبارک بھی ستر ۷۰ سے متجاوز ہے، اس منظر سے کسی کو تعجب ہوا تو عجیب انداز سے یہ شعر پڑھتے ہیں:

شدم بدنام در عشقش میں بدنام ہو چکا ہوں،

میں رسوائی سے نہیں ڈرتا، سر بازار رقص کر رہا ہوں۔''

کہیں آنے جانے میں کسی کو ساتھ لے جانا پسند نہیں فرماتے۔

(ص ۲۴۷ تا ۲۴۹)

(۷) صبح کی تفریح میں تواضع ،افادہ وستفادہ:

بعد نماز فجر روزانہ تفریح کے لئے اپنی گاڑی پر باغ میں تشریف لے جاتے ہیں، دو تین طلبہ کو بھی انکے فائدہ کے مدِ نظر ساتھ لے لیتے ہیں ، گاڑی تو جاہی رہی ہے خالی جانے کی نسبت کسی کا فائدہ ہو جائے تو بہتر ہے،اس میں طلبہ کو دماغی اور جسمانی تفریح کے علاوہ اس سے کہیں زیادہ آپکی صحبت مبارکہ سے علومِ ظاہرہ وباطنہ اور صلاحیت قلب کا فائدہ پہنچتا ہے، آمدورفت میں بس انوار کی بارش ،کبھی تلاوت ،مناجاۃ اور ذکر میں مشغول ،کبھی محبوب حقیقی کی یاد میں کھو کر مکمل سکوت ۔آپ خود اپنی اسی حالت کی ترجمانی یوں فرماتے ہیں۔

جو میں دن رات یوں گردن جھکائے بیٹھا رہتا ہوں
تری تصویر سی دل میں کھنچی معلوم ہوتی ہے

رہتا ہے جو سرخم ترا مخمور ہمیشہ
دل میں ترے بیٹھا کوئی دلبر تو نہیں ہے؟

ہر تھوڑی دیر کے بعد بلند آواز سے لفظ ''اللہ'' سے ملی ہوئی دردناک ''آہ'' پھر اسی حال میں اچانک ایک دم آپ کا چہرہ مبارک کھل جاتا ہے ، گاڑی میں ساتھ بیٹھے ہوئے اپنے شاگردوں سے ہنسی، مذاق،اس حال کا نقشہ آپ یوں کھینچتے ہیں۔

روتے ہوئے ہنس دیتا ہوں اک بار ہی بس میں
آجاتا ہے وہ شوخ جو ہنستا مرے دل میں

مزاح،خوش طبعی ،دل لگی اور ہنسی مذاق میں بھی اسباق معرفت۔

(ص ۲۴۹)

(۸) اعطوا ذاحق حقه :

مگر باغ میں پہنچ کر آپ سب کو الگ کردیتے ہیں، بالکل تنہا رہتے ہیں، اس تنہائی سے دو مقصد ہوتے ہیں:

۱۔ عجائب قدرت کے مراقبہ سے دل ودماغ کی تفریح وترویح، انشراح وتازگی۔

۲۔ اسبابِ شہرت سے اجتناب۔ عام علماء ومشائخ کیطرح اپنے ساتھ شاگردوں اور مریدوں کا مجمع رکھنا آپکو سخت ناگوار ہے۔

باغ میں دوسرے لوگ جو تفریح کے لیے آتے ہیں وہ جتھوں کی صورت میں جمع ہوکر دنیوی باتوں میں منہمک رہتے ہیں، حضرت والا ان کے بارہ میں فرماتے ہیں:

''یہ لوگ اس وقت کی اور باغ میں آنے کی نعمت کی قدر نہیں کرتے، مقصدِ تفریح کے طریقِ تحصیل سے نابلد ہیں اس لیے تفریح کے فائدہ سے بے بہرہ رہتے ہیں''۔

(ص ۲۵۰)

(۹) قیمتی لباس میں سادگی:

حضرت والا زندگی کے ہر شعبہ کیطرح لباس وپوشاک میں بھی سادگی پسند فرماتے ہیں۔ لباس میں انتہائی سادگی لیکن نظافت کا بے حد اہتمام۔ حضرت والا کا لباس بہت قیمتی اور صاف ستھرا ہوتا ہے، اس کے باوجود سادگی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا لباس اس زمانہ کے بیشتر علماء مشائخ کیطرح نقش ونگار سے مزین نہیں ہوتا، جیسا چکن یا گلے اور بازوؤں وغیرہ پر کڑھائی کا کام۔ اسی طرح لباس میں علماء مشائخ کی وضعداری اور بیجا تکلفات مثلاً صدری، شیروانی، عباء، قباء، جبہ، چوغہ وغیرہ سے مستغنی ہیں۔ علماء ومشائخ کی وضعداری کا ایک جزء لاینفک یہ بھی ہے کہ بلاضرورت کمر کے پیچھے کوئی شاندار تکیہ رہنا چاہیے، مگر حضرت والا حالت مرض میں بھی اپنی نشست پر تکیہ رکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔

(ص ۲۵۱)

(۱۰) قصہ ایک لاکھ تومان کا:

ایک بار ایران کے سفر میں وہاں کے ایک مشہور عالم کو آپ کے لباس میں علماء، مشائخ جیسی وضعداری نظر نہ آئی تو کہنے لگے:

''مجھے تو کوئی ایک لاکھ تومان (ایرانی سکہ) بھی دے تو بھی میں ایسے سادہ لباس میں گھر سے

باہر نہیں نکل سکتا''۔

اسکے برعکس ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتھم نشست و برخاست ، بول چال ، لباس و پوشاک وغیرہ ہر معاملہ میں ہر قسم کے تکلفات اور وضعداری کی قیود سے بالکل آزاد۔

اے خوشا سرو کہ از بندغم آزاد آمد

اس اختلافِ نظر کی ترجمانی ہمارے حضرت

یوں فرماتے ہیں۔

تجھے اے شیخ فکر جبہ ودستار ہو جانا
ہمیں ہستی کا جامہ اور سر بھی بار ہو جانا

کبھی علماء ومشائخ کی وضعداری اور جبہ ودستار کے بارہ میں بطور لطیفہ فرماتے ہیں۔

''یہ لوگ علائق کے دس تار اٹھائے پھرتے ہیں اور ہماری آزادی طبع پر ایک تار بھی اٹھانا بہت بار''۔

لوگ وضعداری کے چکر میں پریشان اور ہمیں ''پرے شان''

کرنے میں سکون واطمینان۔

کوئی مصنوعی شرافت کی فکر سے ''شرو آفت'' میں گرفتار اور ہم نظر اغیار سے بے فکر ہو کر راحت سے سرشار''

باطنی مقام اس قدر بلند کہ وہاں تک کسی کی رسائی مشکل ہے اور ظاہری حالت اتنی سادہ کہ عوام سے کوئی امتیاز ہی نہیں۔

آپکی اس حالت کے مطابق بسا اوقات آپکی زبان مبارک سے یہ اشعار سنائی دیتے ہیں۔

برخلاف سالکاں مجذوب کا مسلک ہے یہ
طبع تو ہو زاہدنہ ، وضع رندانہ رہے
ہے خلافِ وضع زاہد برملا رندی اگر
دخترِ رز سے چھپے چوری ہی یارانہ رہے

اپنا دل بھی دیکھ زاھد ! میری نظریں دیکھ کر
دل خدا خانہ رہے گو آنکھ بت خانہ رہے
دن گزارے ساز میں، راتیں گزاریں سوز میں
عمر بھر ہم دن میں بلبل، شب میں پروانہ رہے۔
مجذوب مست سے تجھے نسبت ہی شیخ کیا
تو پارسائے وضع ہے وہ پارسائے دل
نہ میخانہ میں مجھ کو دیکھ کر بدظن ہوا ے واعظ
وہاں اے بے خبر کب ہوں جہاں معلوم ہوتا ہوں
ہمارے زُہد میں بھی زاہدو! اک شان رندی ہے
بیادِ بادہ اکثر نوش ہم انگور کرتے ہیں
اڑا دیتا ہوں اب بھی تار تارِ ہست و بود اک دم
لباس زھد و تقویٰ میں بھی عریانی نہیں جاتی
چہ خوش ست با تو بزمے بنہفتہ ساز کردن
"اے محبوب! تیرے ساتھ چھپ کر مجلس بازی کیا ہی اچھی ہے
گھر کا دروازہ بند کرنا
اور شراب محبت کی بوتل کا منہ کھولنا"۔ (ص ۲۵۱ تا ۲۵۳)

(۱۱) چھوٹوں سے بھی استفادۂ علم وطلب اصلاح:

حضرت اقدس دامت برکاتھم کو علم وعمل میں ترقی اور اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کی فکر اس قدر دامن گیر رہتی ہے کہ یہ مقصد جہاں سے بھی اور جس سے بھی حاصل ہونے کا امکان ہو اسکی تحصیل کی کوشش میں منہمک رہتے ہیں۔

اپنے سے بہت چھوٹوں حتی کہ شاگردوں کے شاگردوں تک سے بھی بہت تاکید سے فرماتے رہتے ہیں:

''میرے اندر کوئی علمی غلطی یا کوئی علمی کوتاہی نظر آئے تو بتایا کریں، یہاں تک کہ عام بول چال اور گفتگو میں بھی تلفظ کی کوئی غلطی سنیں یا تحریر میں رسم الخط کی کوئی غلطی دیکھیں تو وہ بھی لازماً بتایا کریں۔

اسی طرح میرے اقوال، اعمال اور احوال کیطرف بھی خاص توجہ رکھا کریں، کوئی بات ذرا سی بھی کھٹکے تو بتانے میں غفلت ہرگز نہ کریں۔

اگر زبانی بتانے میں جھجک محسوس کریں تو لکھ کردے دیا کریں''۔

ایک بار طلبہ کو بھی اپنے اندر اصلاحِ علم وعمل کی ایسی طلب پیدا کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: قرآن وحدیث اور عقل وتجربہ سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ اصلاح کے لئے باہم گفت وشنید اور کہنے سننے کا سلسلہ رکھنا بہت ضروری ہے۔

(ص۲۵۴)

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلندشہری رحمہ اللہ کی تواضع انکساری:۔

مولانا محمد جاوید اشرف میرٹھی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے غایت درجہ کی تواضع اور انکساری ودیعت فرمائی تھی، خطوط کا جواب تحریر کراتے تو اکثر وبیشتر یہ تحریر کراتے:

''میں اس لائق کہاں کہ آپ میرے بارے میں ایسے اچھے تاثرات رکھیں، یہ آپ کا میرے ساتھ حسن ظن ہے، اللہ اسی حسنِ ظن کے بدلے میری مغفرت فرمادے''۔

کبھی بندہ نے ایسا نہیں دیکھا کہ کوئی مہمان آیا ہو اور آپ نے اس سے لیٹے لیٹے یا ٹیک لگائے ہوئے ملاقات کی ہو خواہ کیسی ہی نقاہت وکمزوری اور بیماری کی حالت رہی ہو آنے والے کے ساتھ کبھی بھی ٹیک لگا کر گفتگو نہیں فرمائی، مرض وفات میں رمضان کے ابتدائی ایام میں، حضرت تین چار روز ہسپتال میں رہے، بندہ عیادت کے لئے حاضر ہوا افطار کا وقت قریب تھا، حضرت لیٹے ہوئے تھے، ذرا آہٹ پر فرمایا کون صاحب حاضر ہوئے ہیں؟

احقر نے اپنا نام بتایا، آپ فوراہی اٹھ بیٹھے۔ بندہ نے اصرار کے ساتھ درخواست کی کہ حضرت آپ اس بیماری، نقاہت کے عالم میں بالکل نہ بیٹھیں، آپ لیٹ جائیں مگر حضرت والا نے بااصرار مجھے بٹھایا اور خود بھی بیٹھے ہوئے گفتگو فرماتے رہے۔

یہ تواضع کا حال ہم جیسے یومیہ حاضر ہونے والے خدام کے ساتھ تھا جس سے اندازلگایا جاسکتا ہے کہ کس قدر تواضع کی صفت آپ کے اندر تھی۔

(ماہنامہ البلاغ خصوصی نمبر ص ۱۲۹)

حضرت علامہ قاضی محمد زاہد الحسینیؒ رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حضرت لاہوری رحمہ اللہ) کی تواضع وفنائیت:۔

''میرے پاس نہ علم ہے نہ عمل ساری زندگی بربادی میں گذرگئی'':

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک رحمہ اللہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ نہ میرے استاد تھے اور نہ اُن سے میری رشتہ داری تھی، لیکن اُن کی شخصیت بڑی جاذب نظر تھی، ان کا عمل، ان کا تقوی اور خلوص حد درجہ زیادہ تھا۔ ان کا تعلق مجھ جیسے گنہگار سے بہت تھا، حالانکہ میری کچھ حیثیت ہی نہیں۔ اگر میں قسم بھی کھاؤں کہ مجھ میں کچھ بھی نہیں تو میں حانث نہ ہوں گا۔ میرے پاس نہ علم ہے اور نہ عمل، ساری زندگی بربادی میں گذرگئی'' ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(ماہنامہ الحق خصوصی نمبر ص ۴۹۱)

عالم ربانی حضرت مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:۔

(۱) تواضع وانکساری:

آپ کے خادم خاص اور مجاز صحبت محترم مفتی عبدالروف رحیمی صاحب تحریر

فرماتے ہیں:

"کچھ دیگر محاسن کی طرح تواضع بھی حضرت والا میں حد درجہ موجود تھی جس کا اندازہ آپ کے ہر ہر عمل اور ہر ہر قول سے لگایا جا سکتا تھا۔ حدیث میں آتا ہے من بدء بالسلام فھو بری "من الکبر (یعنی جو سلام میں پہل کرے وہ تکبر سے بری ہے) اسی طرح حضرت والا بھی ہمیشہ سلام میں پہل فرماتے حتیٰ کہ اگر چھوٹے بچوں کے قریب سے گزرتے تو ان کو بھی سلام فرماتے اور حدیث میں حضور ﷺ کا بھی اسی طرح عمل مروی ہے کہ آپ بچوں کو بھی سلام فرماتے تھے مگر آج کل اکثر لوگوں میں اس سنت کا فقدان ہے، ہر بڑا اس انتظار میں رہتا ہے کہ چھوٹا مجھے سلام کرے، میں چونکہ بڑا ہوں اس لیے میں نہ کروں حالانکہ یہ سوچ متکبرانہ ہے جو غلط ہے۔

آپ کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ ہر ایک سے اس کے مرتبہ کے مطابق معاملہ فرماتے جیسا کہ ایک روایت میں اس کی تعلیم دی گئی ہے۔ انزلو الناس منازلھم (کہ لوگوں کو ان کے مرتبہ پر رکھو)۔

حضرت والا اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے درجہ تخصص کے طلبہ میں سے کسی کا نام لفظ "مولوی" کے بغیر نہ لیتے تھے حالانکہ وہ آپ کے پاس پڑھنے والے طلبہ ہی تھے مگر چونکہ وہ اصطلاحی عالم بن چکے تھے اس لیے آپ ان کو مولوی کا لقب دیا کرتے تھے۔

ایک واقعہ:

اس مضمون کی مناسبت سے احقر کا ایک واقعہ بھی پیش خدمت ہے وہ یہ کہ جب احقر تخصص کے دوسرے سال میں پڑھتا تھا تو دارالعلوم کے ایک قاری صاحب اطلاع کیے بغیر مدرسہ چھوڑ کر چلے گئے ان کی کلاس خالی تھی فوراً دوسرے استاد کا ملنا کچھ مشکل تھا اس لیے حضرت مہتمم صاحب نے احقر کو فرمایا کہ جب تک دوسرے استاد کا انتظام نہ ہو آپ اس کلاس کو پڑھاتے رہیں۔ چنانچہ احقر نے آٹھ ماہ تک اس کلاس کو پڑھایا ان دنوں کی بات ہے کہ ایک دن حضرت والا عشاء کی نماز کے وقت مسجد میں تشریف لائے آپ کو پیاس

لگ رہی تھی آپ پانی منگوانا چاہتے تھے، احقر کو علم ہو گیا تو احقر نے عرض کیا کہ بندہ پانی لاتا ہے تو حضرت والا نے فرمایا کہ نہیں اب آپ استاد شمار ہوتے ہیں اس لیے آپ سے کام لینا مناسب نہیں، کسی طالب علم کو بھیجو"۔ اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت والا ہر ایک سے اس کے مرتبہ کے مطابق معاملہ فرماتے تھے۔

بزرگوں کا ادب:

جب شاگرداور مریدین کے ساتھ اس قدر تواضع کا معاملہ فرماتے تھے تو اس سے بخوبی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ دیگر علماء اور بزرگوں کا کس قدر ادب کرتے ہونگے۔ چنانچہ احقر نے بچشم خود دیکھا کہ اگر کوئی بڑے عالم اور بزرگ تشریف لاتے تو حضرت والا اپنی نشست گاہ چھوڑ کر ان کو بٹھاتے اور خود دوسری طرف باادب بیٹھ جاتے چنانچہ متعدد مرتبہ دیکھا کہ حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہ کبیر والا تشریف لاتے تو حضرت والا ان سے نہایت ادب سے پیش آتے اور ان سے بیان کی درخواست کرتے اور خود ان کا بیان سامنے بیٹھ کر توجہ سے سنتے اور ایک مرتبہ احقر سے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا بیان لکھنے کو بھی فرمایا تھا اور اپنے مریدین و متعلقین کو بیان سننے کا فرماتے اور ایک مرتبہ فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ حضرت مفتی عبدالرؤف صاحب مدظلہ کا سالانہ پروگرام بنایا جائے اور شہر کبیر والا میں ان کے بیانات کرائے جائیں۔

اس نفس پرستی وخود پسندی کے دور میں اپنے ہم عمر اور ہم عصر کے ساتھ اس قدر محبت وعقیدت اور ادب کا معاملہ کرنا یقیناً اخلاص، للّٰہیت اور تواضع کا منہ بولتا ثبوت ہے، ورنہ آج کے دور میں اپنے ہم عصر کو اپنے اوپر فوقیت دینا اور ادب کرنا تو دور کی بات ہے بلکہ اگر کوئی منجانب اللہ لوگوں میں مقبول ہو اور اس کا مرتبہ ہو تو اس کو برداشت نہ کرتے ہوئے اس کے خلاف پروپیگنڈہ اور طرح طرح کی باتیں کی جاتی ہیں اور اس پر نکتہ چینی کر کے اس کی مقبولیت کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس مرض میں آج کل کے علماء اور مشائخ کہلانے والے بکثرت مبتلا نظر آتے ہیں الا ماشاء اللہ۔

اس طرح بڑے مشائخ مثلاً اپنے شیخ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتھم، حضرت مولانا مفتی عبد الشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ اور حضرت اقدس حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے سامنے بالکل عام طالب علم کی طرح بیٹھتے۔ ناواقف یہ اندازہ بھی نہ لگا سکتا تھا کہ یہ کوئی بڑے عالم یا بزرگ ہیں۔ (اصلاحی مضامین ص ۳۳)

(۲) تواضع وانکسار اور سادگی کا پیکر مجسم:۔

مولانا محمد ازہر صاحب مدظلہ (مدیر ماہنامہ ''الخیر'' ملتان) تحریر فرماتے ہیں:

دار العلوم کبیر والا کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبد القادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا شمار ان سنجیدہ ومتین علماء میں ہوتا تھا جن کا وجود مسند تعلیم وتدریس کے لیے زینت تھا اور جو تعلیم وتدریس کے ساتھ طہارت وتقویٰ اور زہد واخلاص کے اوج کمال پر فائز تھے۔ بایں ہمہ تواضع وانکسار اور سادگی کا پیکر مجسم تھے۔ حوصلہ افزائی، اعلیٰ ظرفی اور برخوردار نوازی ہمارے اکابر اور مخلصین کا طرہ امتیاز رہی ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا دامن بھی ان صفات سے مالا مال تھا احقر کو ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا جسے پڑھ کر احقر حقیقتاً ششدر گیا، اس میں مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بغایت تواضع تحریر فرمایا تھا کہ:۔۔۔۔۔۔۔۔

''آپ کو چونکہ تحریر سے مناسبت ہے اس لیے میں وقتاً فوقتاً ایک دو صفحے آپ کو لکھ کر بھیج دیا کروں گا آپ اصلاح کر کے مجھے واپس کر دیا کریں''۔

احقر اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے درمیان علم وفضل، فکر ونظر اور لیاقت وصلاحیت کے اعتبار سے کوئی نسبت ہی نہیں، کہاں وقت کا شیخ الحدیث اور فقیہ، جس کے قلم کا ایک ایک لفظ حزم واحتیاط کے سانچوں میں ڈھلا ہوا اور کہاں مجھ جیسا مبتدی اور طالب علم (اور وہ بھی اپنی خوش فہمی کے اعتبار سے) میں اس کا بظاہر مطلب یہی سمجھتا ہوں کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے لطیف انداز میں احقر کو اکابر کی سرپرستی ورہنمائی کی ضرورت واہمیت کا احساس دلایا تھا جس کی طرف آج کل بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔

زاہدان خشک اپنے زہد کے خول میں بند ہوکر مخلوق خدا کو کمتر سمجھنے کے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تقویٰ کی بلندیوں کو چھونے اور عبادت و ریاضت میں حد درجہ انہماک کے باوجود ہر ایک کو اپنے سے بہتر سمجھتے تھے۔ اپنے شاگردوں اور مریدوں سے بھی ملتے وقت محبت و اپنائیت اور تواضع کا رنگ غالب ہوتا تھا۔ آپ کا یہ متواضعانہ طرز عمل آپ کے باطنی کمالات، فنائیت اور بے نفسی کا آئینہ دار ہے۔

(بیس علماء حق ص ۶۷۷)

وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) تواضع و فروتنی:۔

مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی شان و عظمت عطا فرما رکھی تھی، جس قدر آپ کا مرتبہ بڑا اور بلند تھا اسی قدر آپ عجز و انکسار کے پیکر اور مجسمہ تھے، کبھی بھی کسی محفل میں یا مجمع میں اپنی بڑائی کا دعویٰ نہیں کیا، تحریر تقریر کی دنیا میں رب العالمین نے آپ سے جس قدر کام لیا یہ آپ ہی کا نصیب تھا، مگر حاسدین کا کیا جائے وہ حب علی رضی اللہ عنہ کے بجائے ہمیشہ بغض معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنی دوکان چمکاتے رہے، پاکستان بھر میں کتنے قلم فروش اور ضمیر فروش خامہ بگوش لکھاری دستیاب ہیں جو حضرت اقدس کی شمشیر قلم کی تیز دھاری کی تاب نہ لا سکے مگر زبان و دہن کو ایک مرد حق آگاہ کی شان میں ہرزہ سرائی کر کے خراب کرتے رہے، ان کی مسموم تحریروں کے جواب میں حضرت نے کبھی بھی ایسا انداز اختیار نہیں کیا جس سے سنت نبوی کی کہیں بھی کسی بھی انداز میں مخالفت کا پہلو چھلکتا، گالیاں کھا کر مسکراتے، زہریلی تحریروں کا جواب سنجیدگی و وقار سے دیکھتے تھے، یہ حضرت کی عاجزی، فروتنی اور انکساری کی بین دلیل ہے۔

یہ شان انکساری آپ کو اپنے مرشد حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ سے ملی تھی۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے۔

(ماہنامہ حق چاریار خصوصی نمبر ص ۷۷۴)

(۲) بے نفسی:۔

آگے لکھتے ہیں:

ایک شخص تحریک کا بانی ہو، امیر ہو، مدرسے کا مہتمم ہو، ہزاروں عقیدت مند ہوں، لوگ اس کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاتے ہوں تو فطری بات ہے کہ ایسا شخص اپنے ارادت مندوں، عقیدت کیشوں اور متوسلین کے حضور اپنی کرامات اور خوارق عادات کہانیوں کی ایک لمبی فہرست نئی آن بان اور شان سے بیان کرے اور اپنا سحر ان پہ ہمیشہ قائم رکھے، مگر ہمارے حضرت قاضی صاحب رحمتہ اللہ کی ذات حرکات وسکنات سے کسی ایسی چیز کی بو تک نہ آتی تھی، وہ اپنے واقعات سنا کر عقیدت مندوں کے سرہائے عقیدت کی جنبش وحرکت دینے میں شاداں فرحاں نہیں ہوتے تھے بلکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، حضرت صحابہ اکرام رضی اللہ عنہ اور حضرات خلفاء راشدین کے ادوار تاباں سے ایسے عبرت انگیز واقعات بیان فرماتے کہ ہر شخص اپنے کونسیاً منسیاً خیال کرتا تھا۔ دوران گفتگو سبحان اللہ، ماشاء اللہ، الحمد اللہ کے کلمات جمیل سے رطب اللسان رہتے تھے۔ (ص ۷۷۶)

(۳) کسرِ نفسی کی انتہاء:

مولانا صوفی محمد شریف صاحب لکھتے ہیں:

ایک دفعہ ہم نے سالانہ سنی کانفرنس میں حضرت کو کلور کوٹ دعوت دی، جو تحریک خدام اہل سنت کے زیر اہتمام تھی۔ جب سنی کانفرنس کے اشتہار شائع کیے گئے تو اشتہار میں حضرت کے نام کے ساتھ ''امام اہل سنت'' لکھدیا گیا۔ جب ہم نے اشتہار چکوال میں بھیجا تو حضرت نے ''امام اہل سنت'' پر روشنائی پھیر کر چکوال میں اشتہار لگوائے اور مجھے خط لکھا کہ آپ کو کس نے کہا کہ میرے نام کے ساتھ امام اہل سنت لکھیں؟ میرے نزدیک تو امام

اہل سنت ایک ہی ہیں مولانا عبدالشکور لکھنوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

چنانچہ حضرت سنی کانفرنس میں تشریف لائے مجھ سے پھر دریافت فرمایا کہ میرے نام کے ساتھ آپ نے امام اہل سنت کیوں لکھا؟ میں نے عرض کی کسی اشتہار پر لکھا ہوا دیکھا تھا اس لئے میں نے لکھ دیا، آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ حضرت اپنی تعریف میں کسی کو ایک لفظ بھی نہیں کہنے دیتے تھے، یہ مبالغہ آرائی نہیں بلکہ بہت سے واقعات اس پر گواہ ہیں۔

اسی طرح ایک دفعہ قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۹۷ء میں جنڈانوالہ ضلع بھکر تشریف لائے ۔جلسہ گاہ سے کچھ فاصلے پر حضرت کی قیامگاہ تھی۔ مسجد میں

عبدالمجید خدامی نے حضرت کی شان میں نظم شروع کی، ابھی پہلا مصراع ہی پڑھا تھا کہ حضرت تک آواز پہنچ گئی۔ حضرت نے اسی وقت مولانا فرزند علی صاحب کو بھیجا کہ اسے منع کرو کہ میرے متعلق نظم نہ پڑھے بلکہ خلفاء راشدین کی شان میں نظم پڑھے۔

چنانچہ مولانا فرزند علی صاحب نے آ کر خدامی صاحب کو منع کر دیا اور فرمایا کہ حضرت نے حکم دیا ہے کہ خلفاء راشدین کی شان میں نظم پڑھی جائے۔ خدامی صاحب کی نظم کے بعد حضرت نے شان صحابہ پر خطاب فرمایا۔ اور اپنے وعظ میں بھی فرمایا کہ آپ میری تعریف میں کچھ نہ کہا کریں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم، خلفاء راشدین رضی اللہ عنھم اور شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر نظمیں پڑھا کریں۔ (ص ۸۸۴)

شہید ناموس صحابہ حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہید رحمہ اللہ کے واقعات۔

(۱) عجز وانکسار کا پیکر۔۔۔۔۔۔۔۔۔اعظم طارق شہیدؒ

حضرت مولانا عبدالغفور ندیم صاحب کراچی، آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

بہت تیراک دعویدار ہیں دریا عبوری کے
کرے اس آگ کے دریا کو کوئی پار تو مانوں۔
حیات پر تعیش ہو میسر، پھر بھی دے ٹھکرا

کوئی اعظمؒ سا کرے ارشاد اکر دار تو مانوں۔

یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عظمتوں کے حصول کے لیے انسان کو عظیم دل گردہ کی ضرورت ہوتی ہے۔عزت شہرت اور عظمت محض سوچنے سے نہیں ملتی بلکہ اس کے لئے اپنی انا کو مٹا کر ''عاجزی وانکساری'' کی کٹھن اور دشوار ترین راہوں پر چلنا پڑتا ہے۔

شہید ملت اسلامیہ مولانا محمد اعظم طارق کو مجھے بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ،جب مولانا ایثار القاسمی شہید رحمہ اللہ کے بعد انہیں ''سپاہ صحابہؓ پاکستان'' کا نائب سرپرست اعلیٰ بنادیا گیا اور جماعت نے ان کی کراچی سے جھنگ منتقلی کا فیصلہ کیا تو مولانا شہید رحمہ اللہ نے ''جامع مسجد صدیق اکبرؓ ناگن چورنگی'' کی امامت وخطابت کے لیے اپنی جگہ پر بندہ کا انتخاب کیا۔میری امامت وخطابت کے دوران کچھ عرصہ تک مولانا شہید رحمہ اللہ میرے برابر والے مسجد کے مکان میں مقیم رہے،اُسی دوران کا واقعہ ہے کہ میرے اور اُن کے گھر کے باورچی خانے کا مشترکہ ''مین ہول'' کچرا پھنس جانے کی وجہ سے بند ہو گیا۔ میں مسجد کے بیت الخلاء میں کام کرنے والے بھنگی کو بلا کر لایا اور مولانا کے گھر دروازے پر دستک دی۔مولانا نے دروازہ کھولا تو میں نے عرض کیا کہ آپ کے گھر کی طرف سے ''میں ہوول'' بند ہو گیا ہے جس کی صفائی کے لئے میں بھنگی کو پکڑ کر لایا ہوں۔تو مولانا جو پہلے ہی آستینیں چڑھائے ہوئے گٹر کھولنے کے لیے مستعد تھے،فرمانے لگے کہ'' اس کو لانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ کام تو میں خود بھی کر لیا کرتا ہوں''۔

خیر،یہ تو گھر کا ''مین ہول'' تھا۔مولانا کے بڑے بھائی مولانا محمد احمد مدنی صاحب فرمانے لگے کہ ہم نے بارہا دیکھا کہ جب کبھی مسجد کی گٹر لائن بند ہو جاتی تو مولانا کسی بھنگی کو بلانے کے بجائے خود ہی آستینیں چڑھاتے اور ''اپنی مدد آپ'' کے تحت گٹر صاف کر دیتے اور فرماتے کہ ''اس سے ہماری شان میں کوئی کمی نہیں آتی''۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص عجز وانکساری کا پیکر بن کر اپنے آپ کو گرا دیتا ہے،خداوند عالم اُسے پستیوں سے اٹھا کر عظمتوں کی ثریا تک پہنچادیتا ہے۔ ورنہ مجھے بخوبی

یاد ہے کہ اپنی امامت وخطابت کے آغاز میں اُن کی تقاریر انتہائی بے ڈھب اور بور کر دینے والی ہوتیں۔ وہ اپنی تقاریر کو کبھی ''قاری محمد حنیف ملتانی مرحوم'' کی طرز میں ڈھالنے کی کوشش کرتے اور کبھی ''مولانا ضیاء القاسمی مرحوم'' کے طرز کو اپنانے کی کوشش کرتے اور صحیح انداز اپنانے میں ناکامی کے نتیجے میں ان کی تقاریر بدمزہ ہو جاتیں۔

اس زمانے میں ہم نے انہیں معتدد بار کبھی ''مجلس تحفظ حقوق اہلسنت''، کبھی ''تنظیم اہلسنت'' اور کبھی کسی دوسری تنظیم کے اسٹیجوں پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو بڑی ناگواری سی محسوس ہوتی اور پھر دوستوں کی محافل میں ان کے لیے یہ تبصرہ ہوتا کہ ان کو تقریر کرنا تو آتی نہیں، بلاوجہ ہر اسٹیج پر پہنچ جاتے ہیں تاکہ ان کو بھی خطاب کی دعوت دی جائے۔

لیکن جب انہیں قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو حقیقت کھلی کہ وہ محض تقریر کے شوق میں ہر اسٹیج پر موجود نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کے پیش نظر ایک نظریہ اور مشن تھا جس کی تکمیل کے لیے وہ کوئی موقع ضائع نہ ہونے دیتے بلکہ جہاں بھی اُنہیں بات کرنے کا موقع ملتا پہنچ جاتے۔ ہم نے انہیں ''ہنڈا 70'' موٹر سائیکل کے کیرئیر پر کتابیں لادے ہوئے معتدد بار یونٹوں کی تشکیل کے لیے قریہ قریہ، بستی بستی، جاتے دیکھا ہے۔ یہ اُن کا اخلاص تھا جس کی بدولت خداوند عالم نے اس انمول ہیرے کو کچرے سے اٹھا کر اوج ثریا تک پہنچا دیا اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ اللہ رب العزت نے ان کے خلوص اور عاجزی وانکساری کی بدولت انہیں فن خطابت میں وہ مقام بخشا کہ بڑے بڑے نامور خطباء ومقررین مولانا شہید رحمہ اللہ کے خطبات سے استفادہ کرتے نظر آئے۔

مولانا شہید رحمہ اللہ کے مزاج میں کبر، غرور اور نخوت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ وہ جس سے ملتے بڑے پر تپاک طریقے سے ملتے اور ہر ملنے والا یہ محسوس کرتا کہ مولانا کو سب سے زیادہ مجھ سے محبت ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر ہر رکن ان کا متوالا بن گیا اور ملک بھر میں ہر شخص کی زبان سے ان کے قصیدے سنے گئے۔ (خلافت راشدہ خصوصی نمبر ص ۴۸، ۴۹)

(۲) ''یہ خدمت میں ہی سرانجام دیتا ہوں''۔

حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب رحمہ اللہ کے فرزند صاحبزادہ خالد قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

مولانا کا ایک خاصہ یہ تھا کہ بڑوں پر اعتماد ادب اور چھوٹوں پر کمال اور غایت درجہ کی شفقت فرماتے تھے۔اس کی بہت ساری مثالیں میرے مشاہدات میں ہیں۔ جب نواز شریف حکومت نے آخری مرتبہ والد محترمؒ،حضرت مولانا محمد اعظم طارقؒ اور حضرت مولانا محمد احمد لدھیانوی صاحب کو گرفتار کر کے ''گٹ والا پارک''فیصل آباد میں نظر بند کیا تو حضرت شہیدؒ نے والد گرامی کو عشاء کے بعد دبانا شروع کر دیا۔

والد صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا'' مولانا!اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی عظمتوں کا امین بنایا ہے،اس کام کے لیے اور بہت ہیں،جس کا کام اسی کو ساجھے''۔حضرت شہیدؒ نے مزید فرمایا کہ'' آپ مختلف عوارض میں مبتلا ہیں اور خاصے کمزور بھی ہیں اور یہاں دوسرا بھی کوئی نہیں اس لئے یہ خدمت میں ہی سرانجام دیتا ہوں''۔

یہ تھی مولانا کے کردار کی عظمت کی دلیل کہ جس کی ذاتی شدت وعزیمت اوجِ ثریا کو چھوئے لیکن وہ اپنے ایک بڑے کا ادب کیسے کرتے تھے۔(حوالہ بالا ص۳۴۴)

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ:۔

مولوی محمد عتیق الرحمٰن لکھتے ہیں:

آپ رحمتہ اللہ علیہ میں تواضع،عاجزی وانکساری ایسی کوٹ کوٹ بھری ہوئی تھی کہ ماضی قریب میں بھی اس کی مثال شاذ ونادر ہی کہیں ملے گی۔

جیسے جیسے آپ رحمتہ اللہ علیہ کا مرتبہ ومقام بڑھتا گیا آپ رحمتہ اللہ علیہ کی عاجزی وتواضع بھی بڑھتی چلی گئی،تین سال قبل ۱۴۲۲ھ کی بات ہے جب راقم الحروف دورۂ حدیث کا طالب علم

تھا، جمعرات کے دن صبح کو ہمارا ششماہی امتحان ختم ہوا تھا، جس کے بعد پورے جامعہ میں تین یوم کی تعطیل تھی، ان دنوں حضرت اقدس سید نفیس شاہ صاحب اطال اللہ بقاءہ کراچی کے دورہ پر جامعہ میں قیام پذیر تھے، مریدین و متعلقین کا تانتا بندھا رہتا تھا، ہر روز بعد نماز عصر جامعہ کے چھوٹے سے باغیچے میں (جو کہ اپنے اندر کئی تاریخی واقعات کو سموئے ہوئے ہے) تشریف فرما ہوتے اور حلقہ، وعظ ونصیحت جما رہتا۔

اسی دن جمعرات کو عصر کے بعد میں نے کمرے سے باہر آ کے دیکھا کہ جامعہ کے وسطی باغیچے میں حضرت شاہ صاحب تشریف فرما ہیں اور چاروں طرف لوگ بیٹھے ہوئے ہیں؛ جس میں حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ بھی شاہ صاحب مدظلہ کی بائیں جانب تشریف فرما ہیں اور حضرت الشیخ مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب اور دیگر اکابر موجود ہیں۔

راقم الحروف بھی قریب آ کر حضرت شاہ صاحب کے دائیں پہلو میں ایک طرف بیٹھ گیا اور کیا عجیب پر کیف و پرنور مجلس تھی، حضرت شاہ صاحب دامت برکاتھم اکابرین کے حالات، کارنامے، مجاہدے، تقویٰ پرہیز گاری اور ان کی دل سوز قربانیاں بیان فرما رہے تھے۔

اس محفل میں جس چیز نے مجھے ورطۂ حیرت میں ڈالا وہ یہ تھی کہ میں حضرت مفتی صاحب کو دیکھ رہا تھا کہ وہ مسلسل حضرت شاہ صاحب کیطرف آگے کو جھکے ہوئے ہمہ تن گوش اور خاص کر مغرب کی اذان تک دوزانوں بیٹھے رہے، باوجود اس کے کہ بیمار ہیں، کمر کا درد لاحق ہے، اور عمر کہولت کو پہنچی ہوئی ہے۔ لیکن اس کے روادار نہیں کہ اپنے شیخ کے روبرو چار زانو ہو کر بیٹھ جائیں، تا آنکہ مغرب کی اذان کا وقت ہوا، حضرت شاہ صاحب مدظلہ نماز مغرب کی ادائیگی کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ بھی ان کی اتباع میں کھڑے ہو گئے اور مسجد میں تشریف لے گئے، ہر دو حضرات نے ایک ساتھ پہلی صف میں نماز ادا فرمائی، اس کے بعد جب حضرت شاہ صاحب ذکر و اذکار میں مصروف ہوئے، تو مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ بھی ساتھ ساتھ ذکر اذکار میں مشغول رہے، یہاں تک کہ جب حضرت شاہ صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے

بھی ذکرواذکار کا سلسلہ منقطع کر کے حضرت شاہ صاحب کی اقتداء میں دعا کے لئے ہاتھ بلند کر لیئے جب تک حضرت شاہ صاحب نے دعا ختم نہیں فرمائی، حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ لمبی دعا مانگتے رہے ،اور ایک ساتھ ہی سنت ونوافل ادا فرمائے۔

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اتنے عظیم المرتبت ہونے کے باوجود اپنے اکابر کے سامنے کس ادب واحترام کو ملحوظ رکھے ہوئے تھے؟ میں یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا اور بے اختیار یہ شعر لب پر مچلنے لگا۔

جو عالی ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہوکر بھرا کرتی ہے پیمانہ!

(ماہنامہ بنیات خصوصی نمبر ۱۱۲)

(۲) شفقت کا عظیم پیکر:

سید معراج الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے استاذ جامعہ فاروقیہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد رہ چکے ہیں، انہوں نے ایک واقعہ سنایا جو قارئین کے پیش نظر ہے۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں وفاق المدارس کے سالانہ امتحان میں نگران اعلیٰ مقرر ہوئے۔ پرچے شروع ہو گئے، ایک دن پرچے کے درمیان ایک طالب علم کوئی بات پوچھنے کی غرض سے امتحان ہال میں کھڑا ہو گیا وہ اس انتظار میں تھا کہ کوئی استاذ اس کی طرف متوجہ ہوں تو وہ ان سے سوال کرے۔ کھڑے کھڑے اس نے ایک دوسرے طالب علم سے باتیں شروع کر دیں، امتحان ہال میں
کسی طالب علم سے بات چیت بہت سخت جرم سمجھا جاتا ہے اور پھر وہ طالب علم تو کھلم کھلا باتیں کر رہا تھا، لہٰذا اس پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو سخت غصہ آ گیا، انہوں نے اس طالب علم کو ایک ہی ہاتھ سے چت کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، اب بتائیں کون سی بات پوچھنی تھی، بات بتا کر طالب علم کو بٹھا دیا۔ جب پرچے کا مقررہ وقت اختتام پذیر ہوا تو

آپ نے اس طالب علم کو بلالیا اور اس سے معافی کی درخواست کی، اس طالب علم کی غلط حرکت پر مفتی صاحب کا غصہ اپنے آخری حد کو پہنچ گیا تھا لیکن ایسے غصے کے عالم میں بھی آپ کی شفقت وتحمل غالب رہی، نہ صرف یہ بلکہ آپ نے بہت ادنیٰ طالب علم سے معافی بھی مانگی۔ (اخبار المدارس خصوصی نمبر ۳۸۷)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

اور ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے

البقرۃ : ۱۴۳

علماءِ دیوبند (بعض) (رحمہم اللہ تعالیٰ)

کا

دینی رُخ اور مسلکی مزاج

آخری تصنیف

حکیم الاسلام حضرۃ مولانا قاری محمد طیب نور اللہ مرقدہ

(مہتمم دار العلوم دیوبند)

ادارہ اسلامیات

۱۹۰- انار کلی ○ لاہور

تاریخ دارالعلوم دیوبند

جلد اوّل

برِصغیر کے مسلمانوں کا سب سے بڑا دینی کارنامہ

اسلامی تعلیم و ثقافت اور ملّت کی نشاۃِ ثانیہ کا سرچشمہ
دارالعلوم دیوبند کی عظیم دینی و علمی خدمات اور سیاسی سرگرمیوں کا تاریخی جائزہ

بایماء

مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

حسب ہدایت

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مرتبہ: سیّد محبوب رضوی

ادارہ اسلامیات کراچی لاہور

اَشرفُ الاحکام

تتمہ امداد الفتاویٰ

حضرت تھانوی قدس سرہ کی بیسیوں کتب اور سینکڑوں مواعظ وملفوظات
سے اہم فقہی مسائل کا جامع اور مفید انتخاب

ازافادات

حکیم الامت حضرۃ مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

جمع وترتیب

جناب حضرت محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم

اِدارہ اسلامیات
کراچی لاھور

اساتذہ کرام کے ادب و احترام کے موضوع پر مفصل اور جامع کتاب
دینی مدارس کے اساتذہ عظام اور طلبہ کرام کے لیے بہترین تحفہ

اساتذہ کرام کے آداب و حقوق

تحریر
مولانا محمد صادق آبادی
استاذ مدرسہ عربیہ رحیم آباد

تقریظ
حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب مدظلہم

ادارہ اسلامیات
موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی

تاریخِ اسلام اور سیر و سوانح سے نصیحت آموز واقعات کا مفید مجموعہ

صبر و تحمل

کی

روشن مثالیں

تالیف

جناب مولانا محمد صاحب استاذ مدرسہ عربیہ رحیم آباد، صادق آباد

تصحیح و تہذیب

جناب مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب

ناشر

ادارۂ اسلامیات کراچی، لاہور

كونوا ربانيين بما كنتم تعلمون الكتب وبما كنتم تدرسون

عظیم قرآنی دستاویز موسومہ

مفاتح الحجاز فی فضائل الحفاظ

معروف بہ

قرآنی دائرۃ المعارف

فضائلِ حفاظِ القرآن

مع

علوم و قصص و اخلاق حملۃ القرآن

[illegible]

ابو عبد القادر محمد طاہر رحیمی مدنی

مقیم المدینۃ المنورۃ زادھا اللہ شرفا

ادارہ اسلامیات

کراچی۔ لاہور